خلافتِ عباسیہ کا

معاشی نظام

(مسلمانوں کا عہدِ زرّیں)

ڈاکٹر خالدہ گیلانی



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلافتِ عباسیہ
کا
معاشی نظام

خلافتِ عباسیہ کا معاشی نظام

(مسلمانوں کا عہدِ زرّیں)

ڈاکٹر خالدہ گیلانی
ایم۔اے، ایم۔ایڈ، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی
جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ
۲۔کلب روڈ، لاہور
فون:042-36305920، ای میل:iic-lhr@hotmail.com

عنوان:	خلافتِ عباسیہ کا معاشی نظام
مصنف:	ڈاکٹر خالدہ گیلانی
ناشر:	قاضی جاوید ناظم ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ
اشاعتِ اوّل:	2016ء
مطبع:	مکتبہ جدید پریس، لاہور
تعداد:	500

یہ کتاب اکادمی ادبیات پاکستان اور حکومتِ پنجاب کے محکمہ اطلاعات وثقافت کے تعاون سے شائع کی گئی ہے۔

فہرست

□♦□♦□

مقدمہ

جب کوئی شخص مطالعہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے دو مقاصد ہو سکتے ہیں:

اول علم حاصل کرنا محض علم کی خاطر

ثانیاً علم حاصل کرنا عمل کی خاطر

جب پیش نظر پہلا مقصد ہو تو اس سے روحانی خوشی' ذہنی بالیدگی اور روشنی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ فلسفہ کا مطالعہ حقیقت اور اصلیت سے آگاہ کرتا ہے۔

اور جب دوسرا مقصد سامنے ہو تو علم اس لیے حاصل کیا جاتا ہے کہ اسے عملی طور پر استعمال کیا جائے اور بنی نوع انسان کی بہتری کا ذریعہ نکالا جائے۔ جیسا کہ علم طب و جراحی سیکھنے کا مقصد بیمار لوگوں کا علاج کر کے انہیں صحت و تندرستی سے ہمکنار کرنا ہوتا ہے۔ بالکل یہی مقاصد مطالعہ تاریخ کے ہوتے ہیں۔

تاریخ کیا ہے؟

تاریخ انسانی اجتماع (دنیا کی آبادی) کی خبر دیتی ہے اور ان حالات کی بھی جو اس آبادی کو طبعی طور پر پیش آتے ہیں۔ یہ ایک ایسا علم ہے جو گزرے ہوئے واقعات کی ایک ایسی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے جو صدیوں پر پھیلے ہوئے عمرانی' تہذیبی' سیاسی' معاشرتی اور معاشی کوائف اور انقلاب و سوانح کو ان کے حقیقی روپ میں پیش کرتا ہے اور اسباب و نتائج سے آگاہ کرتا ہے۔(۱)

عام تاثر یہ ہے کہ تاریخ تبدیل نہیں ہوتی۔ ایک واقعہ جو ماضی میں ہو جاتا ہے وہ اسی طرح رہتا ہے اس لیے تاریخ بھی منجمد رہتی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ:

> "واقعہ تو وہی رہتا ہے مگر اس واقعہ پر نیا مواد ملنے پر اس کی ہیئت' شکل اور افادیت بدل جاتی ہے۔"

اس کے بیان کرنے میں جو نقطہ نظر ہوتا ہے اس سے واقعہ کا انداز بدل جاتا ہے۔(۲) کئی ترقی یافتہ ملکوں میں مورخین اپنی تاریخ کا از سر نو مطالعہ کر رہے ہیں اور نئی تاریخیں لکھ رہے ہیں۔ وہ ان میں معاشروں کا تجزیہ کر کے یہ بیان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ حکام وقت نے کہاں کہاں صحیح فیصلے کیے اور کہاں کہاں ان سے غلطی ہوئی۔ اور "موجودہ دور میں اس تنقیدی مطالعے سے کیا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے؟"(۳)

دراصل "تاریخ" مطالعہ' مشاہدہ اور غور و فکر کا ایک نصاب ہے جو ماضی کے حوالے سے ہمارے افکار و اعمال کو متاثر و مہمیز کرنے' زمانہ حال کو بہتر بنانے اور ایک شاندار مستقبل کی مستحکم بنیاد استوار کرنے کا درس دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں سلطنتوں' ملکوں اور قوموں کی سطوت و عظمت' جاہ و جلال' اقتدار و انحطاط' عسکری مہمات' سیاسی

انقلابات' تہذیبی کمالات' معاشی حالات اور اپنے اسلاف کے کارناموں اور کوتاہیوں کے خدوخال واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں۔

''تاریخ'' انسانی عمل اور انسانی معاشرہ کو سمجھنے میں بڑی مددگار ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے ماضی میں ہونے والے ہر واقعہ اور تحریک کا تجزیہ کیا جاتا ہے اور اس تہہ تک پہنچا جا سکتا ہے کہ کسی خاص مرحلہ پر ایک خاص قسم کے افکار اور نظریات کیوں مقبول ہوتے ہیں اور ان کے پس منظر میں کون سے طبقات اور جماعتوں کے مفادات ہوتے ہیں؟(۴) صرف تاریخ ہی ایک ایسا فن ہے جس کے ذریعے ایک شخص اپنے گھر میں بیٹھ کر ساری دنیا کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتا ہے اور ان سے ویسا ہی تجربہ حاصل کر سکتا ہے جیسا کہ ذاتی مشاہدے سے۔(۵)

''الفخری'' میں ہے کہ:

> ''ایک مرتبہ عباسی خلیفہ نے اپنے وزیر سے کچھ کتابیں منگوائیں۔ وزیر نے اپنے ماتحتوں کو اس کام پر مامور کیا اور ساتھ ہی کہا کہ پہلے وہ کتابیں میرے پاس لائی جائیں۔ ان لوگوں نے کچھ تاریخی کتابیں حاصل کیں جن میں گزشتہ فرمانرواؤں کی جنگوں کا ذکر تھا۔ کچھ وزیروں کا بھی حال تھا اور محاصل (Taxes) وصول کرنے کی تدبیریں بھی درج تھیں جب وزیر نے یہ کتابیں دیکھیں تو بھڑک اٹھا اور کہنے لگا کہ:
>
> ''تم سے بڑھ کر میرا کوئی دشمن نہیں ہے۔ میں نے تم سے ایسی کتابیں لانے کو کہا تھا جن سے خلیفہ دل بہلائے اور ہم لوگوں کی طرف سے غافل رہے مگر تم نے ایسی کتابیں مہیا کر دی ہیں جن سے اسے وزیروں کو پچھاڑنے اور رقمیں وصول کرنے کے طریقے معلوم ہو جائیں اور اچھے برے کی تمیز آ جائے۔ واپس کرو ان کتابوں کو اور ایسی کتابیں لاؤ جن میں غافل کرنے والی حکایتیں اور مست رکھنے والے اشعار ہوں۔''(۶)

ارسطو اور بزرجمہر (بزرگ مہر) کا قول ہے کہ:

> ''جو لوگ صائب رائے رکھتے ہیں تاریخ ان کی ہر وقت مددگار ہوتی ہے۔''(۷)

مذہب اور تاریخ کا گہرا تعلق (۸)

اگر مذہبی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو علم تفسیر' فقہ اور حدیث کے بعد تاریخ کا درجہ آتا ہے کیونکہ انبیاء کرام' خلفاء کرام' عظام' بزرگان دین اور اخبار و آثار اسی سے معلوم ہوتے ہیں۔

کتب سماویہ اور تاریخ میں مماثلت (۹)

اس کے علاوہ کتب سماویہ میں بھی انبیاء علیہ السلام کے معاملات ان کے عہد کے حالات' بادشاہوں کے قہر و جلال'

عدل اور انجام کار وغیرہ درج ہیں اور یہی حال تاریخ کا بھی ہے۔

اقوام عالم کی ''تاریخ'' سے وابستگی

یہ ایک حقیقت ہے کہ قوموں کی موت و حیات بھی علم تاریخ ہی سے وابستہ ہے۔ دنیا میں جو عظیم الشان قومیں مثلاً مصری، کلدانی اور یونانی وغیرہ گزر چکی ہیں آج تاریخ ہی کی بدولت زندہ ہیں۔ خصوصاً وہ قومیں جن کی بقاء قدیم روایات پر ہے ان کا تو فرض ہے کہ وہ اپنی قومی تاریخ کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھیں۔ جو قوم اپنی تاریخ سے واقفیت نہیں رکھتی اس کا اس دنیا میں باوقار اور توانا قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ممکن نہیں۔ جس قوم کا ماضی درخشندہ اور تابناک ہو اس کے افراد میں از سر نو فکر و عمل کو بیدار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اسلاف کے عالیشان کارناموں کو اجاگر کیا جائے اور ان پر امتداد زمانہ، صدیوں کی محکومی، علمی پسماندگی، مخالفین کے مذہبی تعصبات، تنگ نظری، تہذیب اور سیاسی اختلافات نے جو پردے ڈال رکھے ہیں انہیں ہٹا دیا جائے تا کہ اس قوم کے افراد اپنے شاندار ماضی کو اصل اور حقیقی روپ میں دیکھ سکیں۔

اسلامی تاریخ میں خلافتِ عباسیہ کی اہمیت

دنیا کی تاریخ میں اسلامی تاریخ کا اہم ہونا مسلم ہے۔ اس سے وہ تاریخ مراد ہے جو قدیم زمانے کے حالات کو موجودہ ایام کے حالات سے مسلسل کرتی ہے اور زمانہ متوسط (مڈل ایجز میں جو متمدن دنیا گزری ہے) اس کے حالات کا پتہ دیتی ہے۔ ''اسلامی تاریخ'' قدیم تمدن کا خاتمہ اور جدید تمدن کا دیباچہ ہے۔ ''نئی تہذیب'' اور ''موجودہ ایام'' کے تمدن کی کرنیں اسی تاریخ سے پھوٹتی ہیں۔ (۱۰)

چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ میں بڑی بڑی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں۔ بہت سے خاندان تختِ حکومت پر بیٹھے لیکن ان میں سے جو عظمت و شوکت اور اہمیت خلافت عباسیہ کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کے حصے میں نہ آئی۔ اس عہد کا مطالعہ آج بھی ہمارے دلوں میں حوصلہ، توانائی اور اقوام عالم کی راہنمائی کے منصب اور جاہ و اقتدار حاصل کرنے کی طلب و آرزو پیدا کرتا ہے۔ ''دور عباسی'' عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے قریب قریب ہونے کی وجہ سے بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ خلافت راشدہ اور خلافت عباسی کے درمیان صرف خلافت اموی حائل ہے۔ لہٰذا اموی خلافت کی طرح عباسی خلافت نے بھی اپنے عہد کی بنیادیں خلاف راشدہ کی فراہم کردہ بنیادوں پر ہی رکھیں۔ گو یہ دور خلافت راشدہ جیسا پاکیزہ اور مکمل اسلامی تو ثابت نہ ہوا البتہ بہت سے پہلوؤں سے اس دور سے مشابہت کی کوشش ضرور کی گئی۔'' (۱۱)

دراصل عباسی حکومت ''دین'' اور ''فرمانروائی'' دونوں کا مجموعہ تھی۔ (۱۲) اسلامی تہذیب و تمدن کے عروج و انتہا کا دور یہی زمانہ کہلانے کا حقدار ہے۔ ایک فرانسیسی مورخ لکھتا ہے کہ:

> ''عباسی دور مشرقی عربوں کی شان و شوکت کا زمانہ تھا۔ فتوحات کا زمانہ گزر چکا تھا۔ تہذیب و تمدن کا دور شروع ہو چکا تھا۔'' (۱۳)

اور مولانا سید عبدالقدوس ''مقدمہ ابن خلدون'' کے دیباچہ میں عباسی دور کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے

ہیں کہ:

"تمدن کے ارتقاء کا مطالعہ کرنے کے لیے عباسیوں کا دور سب سے بہتر دور ہے
اس میں بھی تقریباً پہلے دوسو سال کا ابتدائی زمانہ اہم ہے۔"(۱۴)

اس دور میں (۱۳۲ھ ابتداء) ہر شعبہ زندگی میں بے انتہاء ترقی ہوئی۔ اقتصادی کارروائیوں کی بدولت خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔ رعایا کی خوشحالی اس دور کا طرۂ امتیاز تھا۔ اس وقت دنیا کے ہر گوشے میں چلنے والے تجارتی قافلوں کی منزل مقصود اور ہر گھر سے تلاش علم و ہنر میں نکلنے والے طالب علموں کی زمین تمنا بغداد تھی۔ یہ اس قدر پرامن' علم پرور' خوشحال اور عہد آفریں دور تھا کہ عراق و عرب نے پھر کبھی ایسا دور نہیں دیکھا۔ مولانا حالی کیا خوب تصویر کشی کرتے ہیں کہ:

وہ بلدہ کہ فخرِ بلادِ جہاں تھا
تر و خشک پر جس کا سکہ رواں تھا
گڑا جس میں عباسیوں کا نشان تھا
عراق عرب جس سے رشک جہاں تھا
(۱۵)

عباسیوں نے اسی "رشک جہاں" پرسوا پانچ سو سال تک حکومت کی۔ اس دوران ۳۷ خلفا نے بغداد میں حکومت کی۔ جن میں سے پہلے ۱۰ خلفاء کا دور اصل میں شاندار تہذیب و تمدن کی بنیاد بنا۔(۱۶) عباسی سلطنت اپنے زمانے کی سب سے بڑی' طاقتور اور مستحکم سلطنت تھی۔ اس کی وسعت مشرق میں سرحد چین اور وادی سندھ' مغرب میں لیبیا کے صحراؤں تک' شمال میں دریائے سیحون اور کوہ قفقاز تک اور جنوب میں وسط افریقہ اور یمن تک تھی۔(۱۷)

یہ دور وقار و دبدبہ کے لحاظ سے بھی بہت اہم تھا۔ روم کی حکومتیں انہیں جزیہ و خراج ادا کرنے پر اور فرانس کا شارلیمین بادشاہ تحفوں کا تبادلہ کرنے اور دوستی قائم رکھنے پر مجبور تھا۔(۱۸) یہ وہ دور تھا جب آج کا متمدن یورپ خواب غفلت میں محو اور جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور بغداد کی خلافت جدید تمدن کی ملجاء و مسکن تھی۔

اس دور میں تمام علوم کی تدوین و ترتیب کی گئی۔ تصانیف تخلیق کی گئیں۔ دوسری زبانوں کے علوم کی کتابوں کے تراجم کے لیے باقاعدہ بیت الحکمۃ کے نام سے ایک محکمہ قائم کیا گیا۔ اس سلسلہ میں بہت خرچ کیا گیا۔(۱۹) یہاں تک کہ عربی میں ترجمہ شدہ کتابوں کے برابر سونا تول کر مترجمین کو دیا جاتا تھا۔(۲۰) اسی لیے لوگ موٹا کاغذ استعمال کرنے لگے تاکہ وزن زیادہ ہو لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ کتابیں گلنے سے محفوظ رہیں اور آج صدیوں کے بعد بھی محفوظ ہیں۔

وسعت سلطنت' معاشی خوشحالی اور جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے بہت سے مسائل تھے۔ جن کا قرآن و سنت سے کسی اکیلے شخص کا استدلال کرنا مشکل تھا...... اس لیے فقہ کی تدوین ہوئی اور فقہی مذاہب نے جنم لیا۔ تاریخ لکھی گئی...... آج ہمارا ماضی عہد عباسی کی بدولت ہی زندہ و تابندہ ہے۔

عہد عباسی کی اہمیت اور خصوصیت کی پیش نظر اس پر تحقیق کی ضرورت محسوس کی جس سے مطالعہ کے دونوں

مقاصد:

- علم برائے علم اور
- علم برائے عمل کا حصول ممکن ہوا۔

اس دور پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن مورخین نے زیادہ توجہ سیاست' حکومت' عروج و زوال' قتل و غارت' فتوحات' انتقام' خلافت' ملوکیت' ولی عہدی' دربار اور درباریوں کے بارے میں لکھنے پر ہی صرف کی۔ حالانکہ:

''کسی قوم کی اصل تاریخ اس کے تمدن اور آبادکاری کی تاریخ سے ہوا کرتی ہے نہ کہ اس کے جنگی کارناموں اور فتوحات کی تاریخ سے۔''(۲۱)

جبکہ مورخین نے ''تمدن اسلامی'' کے وقائع بہت کم لکھے ہیں یا جن امور سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ اس حکومت کی ''آمدنی'' اس کے ''اخراجات'' ملک کی ''مالی حالت''، ''علمی ترقی'' اور اس زمانے کا ''طرز معاشرت' کیا تھا اس کے متعلق اگر کوئی بات ان سے لکھی بھی گئی ہے تو وہ بھی جنگوں' فسادوں اور دیگر سیاسی واقعات بیان کرتے وقت اثنائے کلام میں کہیں لکھی گئی ہے۔(۲۲) حالانکہ یہ پہلو ایسا ہے جو انسانی زندگی میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے یعنی کسی ملک کی ''معیشت'' یا ''معاشی نظام'' زندگی کے تمام امور پر اثرانداز ہوتا ہے۔ ہمارے سارے اعمال اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ ہماری تہذیب وتمدن اور خوشحالی کی راہیں بھی نظام متعین کرتا ہے اور کسی ملک کی خوشحالی اور پسماندگی جانچنے کا صحیح پیمانہ یہ معاشی نظام ہی ہوتا ہے۔ بقول کارل مارکس:

''تاریخ کے ہر دور میں زندگی کی اصل بنیاد اس دور کا معاشی نظام ہوتا ہے۔ مذہب' اخلاقیات' تہذیب وتمدن' فنون لطیفہ سب اس کے تابع ہوتے ہیں۔ انسان جب دنیا میں آتا ہے تو اسے کھانے کے لیے خوراک پہننے کے لیے کپڑا اور سر چھپانے کے لیے مکان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اس کی یہ بنیادی ضرورتیں پوری نہ ہوں تو مذہب' تہذیب' فنون لطیفہ سب اس کے لیے بیکار ہیں۔''(۲۳)

ادب وآداب' رکھ رکھاؤ' سلجھاؤ اور مہذب ہونا سب اسی کے تابع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ:

مفلسی حسِ لطافت کو مٹا دیتی ہے
بھوک آداب کے سانچوں میں نہیں ڈھل سکتی

(۲۴)

جبکہ علامہ اقبال کا بیان ہے کہ:

''ذرا خیال کرو۔ غریبی یا یوں کہو کہ ضروریات زندگی کے کامل طور پر پورا نہ ہونے سے انسانی طرز عمل کہاں تک متاثر ہوتا ہے۔ غریبی قوائے انسانی پر بہت برا اثر ڈالتی ہے بلکہ بسا اوقات انسانی روح کے مجلّہ آئینے کو اس قدر زنگ آلود کر دیتی ہے کہ اخلاقی اور تمدنی لحاظ سے اس کا وجود وعدم وجود برابر ہو جاتا ہے۔''(۲۵)

معاشی مسائل میں گھرے ہوئے انسان کے خوبصورت جذبات وخیالات اور عمدہ سوچ' سب کچھ اسی مفلسی کی

بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔وہ اپنے خوبصورت لمحوں تک کو بیچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔جیسا کہ "ساحر" نے اس سچائی کو اس طرح بیان کیا ہے کہ :

جو تیری ذات سے منسوب تھے ان گیتوں کو
مفلسی جنس بنانے پہ اتر آئی ہے!!
بھوک تیرے رخِ رنگیں کے فسانوں کے عوض
چند اشیائے ضرورت کی تمنائی ہے
(۲۶)

"معاشی نظام کا مفہوم"

معاشی نظام سے مراد "مختلف اداروں کا ایک ایسا مربوط سلسلہ ہے جس کی بدولت کسی ملک یا قوم کے لوگ اپنے قدرتی، طبعی اور انسانی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی احتیاجات کی تسکین کے لیے اشیاء و خدمات (Goods and services) پیدا کرتے ہیں۔(۲۷)

یعنی ہر معاشی نظام میں کچھ قدرتی وسائل ہوتے ہیں مثلاً زمین، معدنیات، جنگلات اور سمندر وغیرہ اور کچھ انسان کی محنت اور جدوجہد کے نتیجے میں وجود میں آتے ہیں مثلاً مشینیں، آلات، اوزار، ڈیم، عمارات اور گاڑیاں وغیرہ۔اس کے علاوہ انسانی ذرائع میں انسان کا علم وفن، کسب ومہارت اور استعداد و قابلیت بھی شامل ہوتی ہے۔

معاشی نظام کا مقصد

کسی بھی معاشی نظام کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ رسومات، رواجوں اور ملکی قوانین کے پیش نظر ایسے معاشرتی ضوابط اور روابط کی نشاندہی کرے جن کے پیش نظر درج بالا ذرائع کو استعمال میں لا کر اشیاء و خدمات کی ضروری مقدار پیدا کی جا سکے اور اس پیداوار کو استعمال میں لایا جا سکے۔(۲۸)

بقول ایڈم سمتھ

"Consumption is the sole end and purpose of all production." (۲۹)

ہر معاشی نظام کے چار پہلو ہوتے ہیں

- پیداوار Production
- تقسیم Distribution
- تبادلہ Exchange
- صرف Consumption

پہلے تین "صرف" یا "Consumption" کے ذرائع ہیں کیونکہ کبھی بھی پیداوار برائے پیداوار نہیں ہوتی اور نہ ہی تقسیم برائے تقسیم اور تبادلہ برائے تبادلہ ہوتا ہے بلکہ ان سب کا مقصد صرف کرنا یعنی "Consumption" ہے۔(۳۰) اور جس معاشرے یا حکومت میں پیداوار زیادہ ہو تقسیم منصفانہ ہو آپس میں تبادلہ ہو اور اخراجات یا خرچ کرنے کو زیادہ ہو وہ خوشحال معیشت کہلاتی ہے۔

ایسی ہی ایک خوشحال معیشت عہد عباسی کی تھی جس میں پیداوار بے انتہا تھی اور اس لحاظ سے اخراجات بھی بیشار تھے۔

عہد عباسی کا معاشی نظام اور تاریخ کی خاموشی

عہد عباسی پر لکھی گئی ابتدائی تاریخ میں معاشی حالت کا ذکر کہیں کہیں ملتا ہے۔وہ بھی بر سبیل تذکرہ۔ کہیں یہ خراج و جزیہ کے "حصول کے واقعے" کی صورت میں ہے کہیں خلفاء اور وزراء کی "دریا دلی" اور "سخاوت" کی شکل میں۔ کہیں "داد و دہش" اور کہیں شان و شوکت اور جاہ و جلال کی "نمائش" کی حالت میں۔ کہیں شعراء کے "انعامات" ہیں تو کہیں "رفاہ عامہ" ہے۔ کہیں تعمیرات ہیں تو کہیں علماء کی سر پرستی۔ الغرض عہد عباسی کا معاشی سسٹم کتابوں میں بکھرا پڑا ہے۔ ثانوی ماخذات میں انہیں کہیں کہیں مختلف صورتوں میں یکجا کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں مثلاً کسی نے محکمہ جات کے بارے میں لکھا تو کسی نے وزراء کے بارے میں کسی نے مالیات کے بارے میں تو کسی نے خراج اور جزیہ کے بارے میں۔ یعنی اگر ہم چاہیں کہ دیکھیں وہ کون سا معاشی نظام تھا جو اس دور کو دنیا کی سب سے بڑی متمدن اور خوشحال سلطنت بنا گیا تو ہمیں اس کے لیے بیشمار ثانوی ماخذ پہلے اور ابتدائی ماخذ بعد میں کھنگالنا پڑیں گے جبکہ یہ صورتحالی کافی پریشان کن ہے جس کا اظہار اکثر ثانوی ماخذات میں مولفین یا مصنفین نے کیا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر آغا افتخار حسین "قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا مطالعہ" میں لکھتے ہیں:

> "ہماری بیشتر تاریخوں میں بادشاہوں کی فتوحات اور جاہ و حشم کا ذکر تو تفصیل سے ملتا ہے لیکن عوام کی حالت کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔ جن پر بادشاہ حکومت کیا کرتے تھے اور اس معاشرہ کی تصویر زیادہ واضح نہیں ابھرتی جس کی فلاح و بہبود اور ترقی پر ہی سلطنتوں کی بقاء کا انحصار ہوتا ہے۔" (۳۱)

پروفیسر فلپ کے حتی کا کہنا ہے کہ:

"افسوس ہے کہ اس عہد کے عرب تاریخ نویسوں کی ساری توجہ خلفاء کی سوانح اور سیاسی واقعات پر مبذول رہتی تھی وہ ان سے اتنی فرصت ہی نہ پاتے تھے کہ ان دنوں عوام کی جو اقتصادی زندگی اور معاشرت تھی اس کی خاطر خواہ کیفیت پیش کرتے۔" (۳۲)

کچھ اسی قسم کا اظہار رشید اختر ندوی 'تہذیب و تمدن اسلامی' میں اس طرح کرتے ہیں کہ

> "موزخین نے ابو جعفر سے لے کر المعتضد باللہ تک کے زمانے کے سیاسی حالات و کیفیت تو خوب کھل کر بیان کی ہے مگر عوام کی اقتصادی حالت کی مفصل روداد بیان نہیں کی۔" (۳۳)

اور جرجی زیدان نے تو تفصیلاً اس مسئلہ کی اہمیت اور سنگینی کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

> "مسلمان مورخین نے تمدن اسلامی کے وقائع بہت کم لکھے ہیں یا جن امور سے اس

کا پتہ چلتا ہے کہ اسلامی حکومتوں کی آمدنیاں ان کے اخراجات ملک کی مالی حالت' علمی ترقی اور اس زمانے کا طرز معاشرت کیا تھا ان کے متعلق اگر کوئی بات ان کے قلم سے نکلی بھی ہے تو رزم بزم کے واقعات لکھتے ہوئے۔ اثنائے کلام میں کہیں لکھ گئے ہیں۔"(۳۴)

نظام مالیات اور اخراجات وغیرہ کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ:

"قدیم عربی مورخین کے بیان سے اس بارے میں کوئی معلومات نہیں ملیں کہ وہ عمداً اس معاملہ کے متعلق کچھ لکھنے سے باز رہے یا انقلاب زمانہ سے ان کی تحریریں ضائع ہو گئیں۔"(۳۵)

"علامہ ابن خلدون" اور "ابن خرداذبہ" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"البتہ ابن خلدون نے اتنا کام کیا ہے کہ اسلامی حکومت کے عہد عروج میں اس کے نمائشی ٹھاٹھوں کا ذکر کرتے ہوئے سلطنت کے ملکی محاصل کی تفصیل بھی آمدنی میں دے دی اور قدامہ اور ابن خرداذبہ نے انتظامات صیغہ ڈاک کے ذکر میں خراج کی مقدار بھی لکھ دی ہے۔ گو خراج کی مقدار کو بھی بعض جغرافیہ نویسوں نے بیان کیا ہے مگر ان میں سے کسی نے بھی اس خراج کی رقم کے مصارف نہیں بیان کیے۔"(۳۶)

"دائرہ معارف اسلامیہ" میں بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ:

"مسلمانوں نے اپنی "اقتصادی تاریخ" مرتب کرنے کی طرف کم توجہ کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی دنیا کی کوئی مالیاتی تاریخ موجود نہیں البتہ ضروری مطالعے کی چند چیزیں ضرور موجود ہیں۔"(۳۷)

Mez کے مطابق:

"اسلامی ممالک کی تاریخ تجارت کے بارے میں ضروری ابتدائی کار تحقیق نہ ہونے کے برابر ہے۔"(۳۸)

مصری مصنف عبدالجبار الجومرد نے خلیفہ ابو جعفر منصور پر کتاب لکھی ہے وہ بھی اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ:

"منصور کے عہد کی کوئی مالیاتی رپورٹ مفصل ہمیں نہیں ملی۔"(۳۹)

چونکہ ٹیکسز کے بارے میں بھی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں لہٰذا ان کا کہنا ہے کہ:

'اعشار السفن اور عشور کے بارے میں ہمیں زیادہ معلومات نہیں مل سکیں بس اتنا معلوم ہوا ہے کہ اس زمانے میں عراق کے ساتھ ساری دنیا کے لوگوں کی بحری تجارت ہوتی تھی۔"(۴۰)

ان تمام حقائق کے باوجود پروفیسر فلپ کے حتی کے اس بیان سے امید کی کرن پیدا ہوتی ہے کہ:

''اگر چہ ہمیں تاریخی ماخذوں سے عہد عباسی کے عوام کی معاشرتی اور معاشی زندگی کی کوئی واضح تصویر نہیں ملتی۔ تاہم اس تصویر کا ''خاکہ'' مورخوں کی کتابوں کی اکا دکا ضمنی عبارتوں ادبی ماخذوں اور بیشتر آج کل کے کم تغیر پذیر اسلامی معاشرہ کے روزمرہ زندگی کے حقائق سے آسانی کے ساتھ مرتب کیا جا سکتا ہے۔''(۴۱)

شکر گزار ہوں اس قادر مطلق کی جس نے مجھے توفیق دی اور اعزاز بخشا کہ میں مسلمانوں کے عہد زریں کے اس اہم پہلو یعنی ''معاشی نظام'' کو منظر عام پر لاسکوں جس پر صدیوں سے کسی مورخ و محقق کا قلم نہ اُٹھ سکا۔

انشاء اللہ امید ہے کہ یہ تحقیق اپنی نوعیت کی واحد تحقیق ہوگی اور بہت پذیرائی پائے گی جب بھی مسلمانوں کی شان و شوکت یا عروج کی بات ہوگی یہ حوالہ بن جائے گی اور یہ شکوہ نہ رہے گا کہ:

''اسلامی دنیا کی کوئی ''مالیاتی تاریخ موجود نہیں۔''

امید ہے یہ تحقیق جہاں ''شعبہ اسلامی معاشیات'' ''شعبہ تاریخ'' اور متلاشیان علم و تحقیق کے لیے سودمند ہوگی وہاں مستشرقین کے لیے بھی ایک نئے موضوع اور مواد کی فراہمی کا باعث ہوگی۔

اس کے علاوہ شعبہ معاشیات چاہے وہ تعلیم و تدریس سے متعلقہ ہو یا ملکی معیشت کے پالیسیاں بنانے والا ادارہ ہو یہ تحقیق سب کے لیے مفید ثابت ہوگی۔

انشاء اللہ یہ اس خلا کو بھی ضرور کم کرنے میں مددگار ہوگی جو اس موضوع کی عدم موجودگی کی وجہ سے شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا۔ گو یہ ابتدائی دور کے کسی مؤرخ کی تحریر نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ابتدائی عربی مآخذ سے ہی نہایت عرق ریزی کے ساتھ اخذ کیا گیا مواد ہے۔ اس لیے اسکی اہمیت اصلی مآخذ سے کسی طور کم نہیں۔

اس تحقیق کے مواد کے حصول میں زمانی ترتیب پیش نظر رہی مثلاً تاریخ الیعقوبی، تاریخ الطبری اور تاریخ المسعودی وغیرہ سے بالترتیب استفادہ کیا۔ سچ ہے کہ:

''محقق تاریخی حقیقت کی تلاش میں جہاں تک ممکن ہو ابتدائی وسائل پر انحصار کرتا ہے جس کی وجہ سے تحقیق قابل اعتماد ہوتی ہے لیکن ان مصادر و مآخذ کی تلاش ایک صبر آزما اور کٹھن کام ہے جس میں بہت محنت اور عرق ریزی درکار ہوتی ہے اور یہ کام یقیناً مستقل مزاجی، قوت ارادی اور مسلسل کوششوں سے ہی انجام پذیر ہوتا ہے۔ مصادر و ماخذ کی دستیابی مختلف مقامات اور مختلف ذرائع سے ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں حوالہ جاتی کتب، کتب خانوں کی فہرستیں، رسائل و جرائد کے اشاریے، کتابیات، تاریخی مواد کے متعلق تبصرے، تحقیقی مقالات اور تحقیقی رسائل وغیرہ رہنمائی کرتے ہیں۔(۴۲)

اس مقالہ کی ترتیب میں جہاں ضروری ہوا ''بنیادی عربی مآخذ'' کے ساتھ ساتھ ''ثانوی عربی مآخذ'' سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ یعنی اگر کوئی موضوع تشنہ ہے اور اس موضوع کی ''تفصیل'' ثانوی مآخذ میں ملی تو وہاں سے لے لی گئی۔ ویسے بھی اس دور میں ایک کتاب کو ماخذ قرار دے کر اسی موضوع پر دوبارہ کتابیں لکھنے کا رواج عام تھا۔ فرانسیسی مصنف لی اسٹرینج کا کہنا ہے کہ:

''عرب مصنفین اپنے متقدمین سے جس افراط کے ساتھ چیزیں اڑا لیتے ہیں وہ

قابل تعجب ہے۔ ہر ایک لکھنے والے کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ جو کچھ کسی نے لکھا ہے وہ سب اپنی کتاب میں داخل کر لے اور ان میں جن بیان کردہ مقامات میں مصنف کا خود گزر رہا ہو وہاں عین مشاہدات کا اضافہ کر کے کتاب کو جہاں تک ممکن ہو جامع اور مکمل بنا دے۔" (۴۳)

لہٰذا ثانوی مآخذ اور عصر حاضر کے مآخذ میں سے وہ تاریخی مواد لیا گیا ہے جن کے اصل مآخذ تک رسائی نہ ہو سکی اور اگر وہ مواد شامل نہ کیا جاتا تو مقالہ میں ایک تشنگی سی رہ جاتی۔ لہٰذا اس خلاء کو پر کرنے کے لیے کہیں کہیں ایسا کیا گیا ہے۔ (۴۴) اس کے علاوہ ان مآخذ سے تبصرہ یا مصنفین کی رائے ضرور لی گئی ہے جس سے تاریخی مواد پر تنقیدی نظر ڈالنا آسان ہو گیا اور ان تبصروں اور آراء سے عہد عباسی کے مختلف پہلوؤں پر محقق کو رائے قائم کرنے میں بہت مدد ملی۔ (۴۵) اس کے علاوہ جن عربی کتب کے تراجم موجود تھے ان سے بھی استفادہ کیا گیا بلکہ ان کی مدد سے عربی کتب کو پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی پیدا ہوئی۔

اسی طرح فرانسیسی کتب کے تراجم اور انگریزی کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ان کے علاوہ مجلات لغات (عربی، انگلش، اردو) انسائیکلوپیڈیاز تحقیقی مضامین اور رسائل و جرائد سے بھی راہنمائی لی گئی۔ (۴۶)

اس تحقیق میں ایک مشکل اکثر مقامات پر یہ پیش آئی کہ:

"ثانوی اور "عصر حاضر" کی کتب میں "عہد عباسی کے نظام مالیات" کے بارے میں چند (عشر، عشور اور زکوٰۃ وغیرہ) تفصیلات ملتی ہیں۔ اسی طرح پولیس، محکمہ احتساب اور محتسب کے فرائض اور دیگر امور کے بارے میں بھی مواد ملتا ہے کہ عہد عباسی میں "ایسا تھا" لیکن جب ان حوالہ جاتی ابتدائی مآخذ تک رسائی ہوئی جن کے ان ثانوی مآخذ نے حوالے دیئے ہوئے تھے تو صورتحال واضح ہوئی کہ:

"جن کتب کے انہوں نے حوالے دیئے ہیں ان میں یہ سب تو نہیں لکھا ہوا کہ عہد عباسی مں عشر، عشور یا زکوٰۃ کا مکمل نظام کیا تھا یا محکمہ پولیس اور محتسب کیا کیا فرائض انجام دیتا تھا۔ البتہ ان کے بارے میں شرعی احکام درج ملے کہ عشر کی یہ شرح اور زکوٰۃ کی وصولی اس طرح اور محکمہ احتساب یا محتسب کے فرائض شریعت میں یہ ہیں جیسا کہ الماوردی کی الاحکام السلطانیہ کا حوالہ تقریباً سبھی نے دیا ہے لیکن اس کتاب میں شرعی احکامات بالکل وہی ہیں جو بعد کے مصنفین نے "عہد عباسی" سے منسوب کر دیئے۔ اس حقیقت کا اعتراف مولانا رشید اختر ندوی بھی ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:

> "الماوردی نے اپنی کتاب میں صاحب الشرطہ اور محتسب کے فرائض بیان کیے ہیں لیکن بنوعباس کی حکومت کے دوران ان اصحاب کی کارگزاری کی کوئی مثال نہیں دی۔" (۴۷)

اس صورتحال سے محقق نے یہ رائے قائم کی ہے کہ:

> "چونکہ یہ کتابیں عہد عباسی میں لکھی گئیں۔ اس لیے اغلب امکان ہے کہ جیسا الماوردی نے یا دیگر مصنفین نے شرعی تفصیلات فراہم کی ہیں۔ وہ سب عملاً بھی ہوتا ہوگا ورنہ مصنفین اس امر کا اظہار ضرور کرتے کہ "آج کل ایسا نہیں ہو رہا" جیسا کہ امام ابویوسف کتاب الخراج میں شرعی احکامات بتاتے ہوئے ساتھ ساتھ اس وقت کی صورتحال پر بھی روشنی ڈالتے جاتے ہیں۔"

اس کے علاوہ ان ابتدائی مآخذ میں جو اعداد و شمار دیے گئے ہیں وہ ناقابلِ یقین ہونے کا احساس دلاتے رہے۔ ان حالات و واقعات کے باوجود کوشش کی ہے کہ یہ مواد ہر لحاظ سے معیاری اور مستند ہو لہٰذا اسے بہت چھان پھٹک اور سوچ بچار کے بعد منتخب کیا ہے اس لیے کہ:

> "تحقیق کسی امر کو اس کی اصل شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے۔" (۴۸)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری اس کوشش کو قبول و منظور فرمائے اور اسے میرے اور دیگر متلاشیانِ علم کے لئے مفید بنا دے۔ آمین یا رب العالمین!

ڈاکٹر خالدہ گیلانی
جولائی ۲۰۱۵
سیالکوٹ

مقدمہ

حواشی وماٰخذ

۱۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن علامہ مقدمہ، مکتبۃ التجارۃ بمصر، القاہرۃ، ۳۵
۲۔ مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور آج کی دنیا، فکشن ہاؤس، لاہور ۱۹۸۹ء، ۱۲۰
۳۔ افتخار حسین آغا ڈاکٹر، قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا مطالعہ (ایک دعوت فکر)، آرٹ پریس لاہور ۱۹۹۲ء، ۳۹۔
۴۔ تاریخ اور آج کی دنیا، ۹۷
۵۔ عبدالرزاق کانپوری مولانا "البرامکہ" نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۷۷ء، ۱۶، ۷
۶۔ الطقطقی، محمد بن علی بن طباطبا، الفخری فی الاداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ، المطبعۃ الرحمانیہ مصر ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۸ء، ۳
۷۔ البرامکہ، ۷
۸۔ ایضاً، ۶۔۹
۹۔ ایضاً
۱۰۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، مکتبۃ الحلال، المصر، ۱۹۳۵ء، ۳۱
۱۱۔ اسلامی شعائر قائم رکھنے کی کوشش کی۔ نظام حکومت میں اسلامی نظام کی بنیاد اسی دور کو بنایا گیا گو اس میں تبدیلیاں آئیں لیکن بنیاد یہی رہا۔
۱۲۔ الفخری، ۱۰۲
۱۳۔ الفخری، ابی جعفر محمد بن جریر امام، تاریخ الامم الملوک، ترجمہ تاریخ الطبری، مقدمہ عبدالقدوس ہاشمی، نفیس اکیڈمی کراچی۔
۱۴۔ تاریخ ابن خلدون، دیباچہ، مترجم سید عبدالقدوس ہاشمی، نفیس اکیڈمی، ۳:۲۰
۱۵۔ حالی الطاف حسین، مسدس، صدی ایڈیشن، کراچی اردو اکیڈمی ۱۹۵۷ء
۱۶۔ تاریخ ابن خلدون، ۳:۵۹۳۔۵۰۴، ۱۱۰۷

Hitti. Philip K. History of the Arabs from the Earliest Times London Machmillan & Com., LTD, Britain, 1951, P.297

۱۷۔ الخضری، بک محمد، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، بمصر ۱۹۷۰ء، ۴۸۶
۱۸۔ الفخری، ۱۴۵
۱۹۔ ایضاً، ابن الندیم، محمد بن اسحٰق، الفہرست، المکتبۃ التجارۃ الکبریٰ، مطبعۃ الاستقامہ بالقاہرۃ، ۳۵۴

۲۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' حنین بن اسحاق' پنجاب یونیورسٹی لاہور' ۸:۶۹۹' البرامکہ' ۲۶۴

۲۱۔ تاریخ التمدن الاسلامی' ۱:۴

۲۲۔ ایضاً ۲:۵۳

۲۳۔ مظہر الدین صدیقی محمد' ہیگل' مارکس اور نظام اسلام' (جدید فلسفیانہ نظریات کی تشریح و توضیح اور اسلامی نظریات کے ساتھ ان کا تقابل) سلسلہ مطبوعات ادارہ دار الاسلام پٹھانکوٹ ۱۹۴۳ء ۹۔۱۰

۲۴۔ ساحر لدھیانوی' تلخیاں' "مادام" مکتبہ اردو ادب لوہاری گیٹ لاہور ۱۰۳

۲۵۔ اقبال محمد علامہ' علم الاقتصاد' ۱۹۳۰ء' ۳۰' بحوالہ اقبال کے معاشی افکار اور آج کا پاکستان' رفیق احمد' سٹار لائٹ پریس لاہور

۲۶۔ ساحر لدھیانوی "تلخیاں" مکتبہ اُردو' لوہاری گیٹ' لاہور۔

۲۷۔ Lockus, William N, Comparative Economic System Harper and Raw New York, 27

۲۸۔ Lionel Robeins, The History of Economic Policy in English Classical political Economey, London Macmillan & Co.LTD, London, 1953, 8

۲۹۔ Adam Smith, An Enquiry into the nature and causes of the wealth of Nations (Canna's Edition) vii, P.159

۳۰۔ James Mill کا نظریہ بحوالہ

The Theory of Economic Policy in English Classifical Polotical Economy, 8.

۳۱۔ قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا مطالعہ' ۳۲

۳۲۔ History of the Arabs, P.333

۳۳۔ رشید اختر ندوی' تہذیب و تمدن اسلامی' مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور' ۳:۳۱۵

۳۴۔ تاریخ التمدن الاسلامی' ۲:۵۳

۳۵۔ ایضاً

۳۶۔ ایضاً ۲:۵۳۔۵۴

۳۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' بیت المال ۵:۲۱۰' حریر ۸:۱۳۸

۳۸۔ A. Metz, Die Renaissance des Islam Heidetherg 1922, P.44

مترجم صلاح الدین بخش' ۴۷۰ بحوالہ دائرہ معارف اسلامیہ' ۶:۱۳۵

Translated into English by Khuda Bakhsh and Margotion London-1937.

۳۹۔ الجومرد عبدالجبار خلیفہ ابو جعفر منصور نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۵ء ۵۶۱

۴۰۔ ایضاً: ۵۶۰

۴۱۔ History of the Arabs, 304

۴۲۔ مجلہ تحقیق ۱۹۹۸ء بنیادی اور ثانوی مصادر کی تلاش میں محقق کی مشکلات، مسعود نظامی، کلیہ علوم اسلامیہ و شرقیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۲۹۔۱۳۰، جمیل احمد رضوی، سید لائبریری سائنس اور اصول تحقیق، ۱۴۰، بحوالہ مسعود نظامی، مجلہ تحقیق ۱۹۹۸ء

۴۳۔ لی اسٹرینج، بلاد فلسطین و شام بہ عہد حکومت اسلامی، مقدمہ، عرب جغرافیہ نویس، ج ا

۴۴۔ Hitti, Philip. K, History of the Arabs from the Earliest Times, Macmillan & Co. Ltd., Britain, 1951, 334, 338

A Short History of the Saracens

London, Macmillan & Co. Ltd., New York, 1953, 455

تاریخ التمدن الاسلامی، ۱: ۹۰ و دیگر عصر حاضر کے مصنفین کی کتب۔

۴۵۔ تاریخ التمدن الاسلامی، ۱: ۱۲۱۔۱۲۳

Ameer Ali, Syed, The Spirit of Islam, Pakistan Publishing House,284

تہذیب و تمدن اسلامی، ا: ۷۱۔۷۲

۴۶۔ ان تمام مآخذ کی تفصیل مقالہ کے آخر میں دی گئی ہے۔

۴۷۔ تہذیب و تمدن اسلامی (رشید اختر ندوی)، ۱۶۲

۴۸۔ محمود شیرانی حافظ، (اصول تحقیق: قاضی عبدالودود) بہار اردو اکیڈمی، پٹنہ ۱۹۸۰ء ۵۸
کلیم الدین احمد، ادبی تنقید کے اصول، مکتبہ جامعہ، جامعہ نگر دہلی، ۱۹۸۳ء ۷

□♦□♦□

بابِ اوّل

باب اوّل

فصل اوّل

خلافت عباسیہ کا پس منظر

قبل از اسلام عرب کے سیاسی و معاشرتی نظام کی بنیاد قبائلی نظام پر قائم تھی۔ عرب قبائل میں قبیلہ قریش کو ہر لحاظ سے برتری اور فوقیت حاصل تھی۔ اس قبیلہ میں دو خاندان بنو امیہ اور بنو ہاشم نمایاں اور ممتاز حیثیت کے حامل تھے لیکن قریش کے دونوں خاندان آپس میں قیادت اور سرداری کی وجہ سے ایک دوسرے سے پرخاش رکھتے تھے اور ہمیشہ برسرپیکار رہتے تھے(۱)۔

طلوع اسلام سے فتح مکہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ لیکن فتح مکہ کے بعد چاروں طرف عام معافی اور اسلام کے پھیلاؤ نے اس دیرینہ عداوت کا مکمل خاتمہ کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہاشمی، اموی، عربی، عجمی اور کالے، گورے کی تمیز مٹ گئی اور عرب قبائل کی جگہ ملت اسلامیہ اور ملت محمدیہ نے لے لی (۲)۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدائی حکم کی تعمیل میں اس ملت کی اصلاح کی اور اسلامی معاشرہ تشکیل دیا اور ساتھ ہی برتری اور فوقیت کا معیار خاندان اور قبائل کی بجائے تقوی اور پرہیزگاری کو ٹھہرایا(۳)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانیہ فرمادیا کہ:

"اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ"(۴)

"یعنی خدا کے نزدیک عزت و مرتبہ والا صرف اور صرف وہی ہے جو اس سے ڈرتا ہے اور پرہیزگاری اختیار کرتا ہے"۔

تقریباً تئیس سال تک آپؐ نے اس امت کی رہبری و رہنمائی فرمائی اور اسے مکمل اسلام کے سانچے میں ڈھال دیا اور مزید ایسے ساتھی بھی تیار کر لیے جو آپؐ کی موجودگی میں معاون و مددگار اور غیر موجودگی میں رہبر و رہنما کا فریضہ ادا کر سکتے تھے۔ لہٰذا جب آپؐ کی بعثت کا مقصد حاصل ہو گیا اور ایک مکمل اسلامی معاشرہ معرض وجود میں آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ میں آپؐ کو اپنے پاس بلا لیا(۵)۔

"خلافت" کی ابتداء

چونکہ اسلام ہی نے عرب کے متعصب قبائلی نظام کا خاتمہ کیا تھا (جس کے تحت نسل در نسل سرداری چلتی تھی) اس لیے آپؐ نے اپنا کوئی جانشین یا ولی عہد یا خلیفہ مقرر نہیں کیا بلکہ یہ حق امت کو سونپ دیا۔ امت میں سے سرکردہ لوگوں نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنا رہبر اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ اور نائب چن لیا(۶)۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ صدیوں کی پختہ عادتوں کا تقریباً ایک چوتھائی صدی میں مکمل طور پر ختم ہو جانا اگرچہ ناممکن نہ تھا لیکن مشکل ضرور ثابت ہوا۔ جس کا اندازہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے موقع پر ہوا۔ یعنی لوگوں کے دلوں میں یہ بات آ گئی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کا حق صرف اور صرف ان کے گھر والوں کو حاصل ہے۔ کوئی غیر یا کسی دوسرے قبیلہ کا شخص اس منصب کا دعویٰ نہیں کر سکتا(۷)۔ لہٰذا اس خیال کو صحیح ثابت کرنے کے لیے مختلف قسم کی احادیث مشہور ہو گئیں۔ جن میں ایک تو یہ بات مشہور ہوئی کہ:

''آپؐ نے فرمادیا تھا کہ خلافت قریش ہی میں رہے گی''(۸)۔

دوسرا یہ کہ

''آپؐ نے مرض الموت میں حضرت علیؓ کے حق میں وصیت کرنے کے لیے کاغذ قلم منگوایا تھا
لیکن بروقت مہیا نہ کیا گیا تاہم آپؐ کا مقصد حضرت علیؓ کی خلافت کا حکم نامہ لکھنا تھا''۔(۹)

بلکہ حضرت علیؓ کے حق میں تو باقاعدہ صحابہ کا ایک گروہ تشکیل پا گیا۔ جن میں حضرت زبیرؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ وغیرہ شامل تھے۔ یہ حضرت علیؓ کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔ لیکن جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا تو آپ حضرات کو اس کا افسوس اور ملال تو ہوا لیکن چونکہ ان لوگوں میں دینداری اور اخوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس لیے سوائے افسوس اور تاسف کے اور کوئی ردعمل نہ کیا(۱۰)۔

خلافت عباسیہ کے بارے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان (جو مشہور ہو گیا تھا)

دوسری طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک یہ قول بھی مشہور ہو گیا تھا کہ آپؐ نے حضرت عباسؓ (جو کہ آپؐ کے چچا تھے) کو بتا دیا تھا کہ خلافت ان کے خاندان میں منتقل ہو جائے گی۔ اس وجہ سے ان کی اولاد ہمیشہ سے اس کی متوقع اور منتظر رہتی تھی(۱۱)۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ پیش کیا جاتا تھا کہ حضرت عباسؓ اپنے نومولود فرزند عبداللہ کو حضورؐ کے پاس لائے تو آپؐ نے ان کے کان میں اذان کہی اور ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور یہ دعا کی کہ:

''اے اللہ اسے دین کی سمجھ دے اور اسے تاویل (تفسیر) سکھا''۔

پھر آپؐ نے بچے کو حضرت عباسؓ کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ:

''ابوالملوک (بادشاہوں کے باپ) کو لے لو''(۱۲)

اس سے یہ اخذ کر لیا گیا کہ خلافت بنوعباس کو ملے گی۔

خلافت عباسیہ کے بارے میں فرقہ راوندیہ اور خراسانیوں کا موقف

اس کے علاوہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے حمایتی شیعہ راوندیہ تھے جو خراسان وغیرہ کے علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ آپؐ کے بعد امامت کے حقدار عباس بن عبدالمطلب تھے۔ کیونکہ آپؐ کے چچا وارث اور عصبہ تھے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللّٰهِ''(۱۳)

(اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں قرابت دار بعض، بعض سے نزدیک تر ہیں۔)

تاہم یہ راوندیہ حضرت علیؓ کو بھی جائز خلیفہ مانتے تھے جبکہ دوسرے خلفاء سے اظہار بیزاری کرتے تھے۔ کیونکہ بقول ان کے حضرت عباسؓ نے کہا تھا کہ:

''اے میرے بھتیجے میری طرف آ میں تیرے لیے بیعت لوں۔ پھر تیرے بارے میں دو آدمی بھی اختلاف نہیں کریں گے'' (۱۴)۔

اسی طرح کی اور بھی کئی روایات اور احادیث ''خلافت عباسیہ'' کے قیام کے بارے میں زبان زد عام ہو گئی تھیں۔ دوسرے مؤرخین اور ابوالفداء نے بہت سی احادیث پیش کی ہیں (۱۵)۔ لیکن ان تمام مشہور روایات کے باوجود خلافت کا مزاج شورائی رہا۔ اس میں خاندان اور وراثت کے حق کو تسلیم نہ کیا گیا۔ اس طرح رسول اکرم صلی علیہ وسلم کے بعد تین خلفاء یکے بعد دیگرے منتخب ہوئے اور چوتھے نمبر پر حضرت علیؓ خلیفہ بنے (۱۶) لیکن ہوا یہ کہ جب آپؓ کی خلافت کی باری آئی تو امت میں انتشار پیدا ہو گیا۔ آپؓ نے ایک لمحہ بھی شورشوں اور مخالفتوں اور فتنہ و فساد سے اپنے آپ کو آزاد نہ پایا۔ ان حالات میں کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا:

- ''یہ کیا بات ہوئی کہ جب آپؓ خلیفہ بنائے گئے تو مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور جب صدیقؓ و فاروقؓ خلیفہ بنائے گئے تو کسی نے چوں تک نہ کی''؟

حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ:

''صدیق و فاروق مجھ جیسے لوگوں پر حاکم تھے اور میں تم جیسے لوگوں پر حاکم ہوں''۔ (۱۷)

حضرت علیؓ کا زمانہ شورشوں سے پر ہو گیا سب مسلمان آپس میں دست و گریباں ہونے لگے یہاں تک کہ واقعات جمل و صفین رونما ہوئے (۱۸) اور قصاص عثمانؓ کے مطالبہ سے ''اموی'' اور ''ہاشمی'' مخاصمت اتنے سالوں کے بعد پھر ابھر آئی۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ کو جام شہادت نوش کرنا پڑا (۱۹)۔

امام حسنؓ کی خلافت اور ''خلافت امویہ'' کے حق میں دستبرداری

حضرت علیؓ کے بعد حضرت امام حسنؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہیں بھی بنوامیہ کی شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر کار امت کے مفاد اور انتشار کے خاتمہ کے لیے انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کر لی اور افہام و تفہیم سے خلافت سے دست بردار ہو گئے (۲۰)۔ لیکن بنو ہاشم کو یہ بات پسند نہ آئی، بنو ہاشم جو زمانہ جاہلیت سے اس نام سے موسوم تھے اسلام کے بعد اہل بیت نبویؐ کہلائے جانے لگے۔ لہٰذا اب مقابلہ اہل بیت نبویؐ اور بنوامیہ میں شروع ہو گیا (۲۱)۔

خلافت میں وراثت کی ابتدا اور ''سانحہ کربلا''

حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ یہ خلافت میں وراثت کی ابتداء تھی۔ جو کہ اہل بیت نبویؐ کو پسند نہ آئی اور انہوں نے شدید مخالفت کی۔ جس کے نتیجے میں سانحہ کربلا رونما ہوا اور حضرت علیؓ کے فرزند امام حسینؓ کو اپنے بہتر (۷۲) ساتھیوں سمیت جام شہادت نوش کرنا پڑا (۲۲)۔

عوام کی اہل بیت نبویؐ سے ہمدردی اور طرفداری

اس واقعہ سے لوگوں کو بہت دکھ ہوا اور ان کی دلی ہمدردیاں اہل بیت نبویؐ کے ساتھ اور مضبوط ہو گئیں۔ ادھر شیعوں نے اس واقعہ کو خوب لیا اور کھلے عام اس شخص پر لعن طعن کرنے لگے جس کی وجہ سے یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ پھر اس امر پر بھی آپس میں ملامت کرنے لگے کہ انہوں نے امام کا ساتھ نہ دیا اور دھوکہ دیا۔ آخر کار انہوں نے پریشانی کا کفارہ یہ ڈھونڈا کہ خون کا بدلہ سوائے انتقام کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ۶۵ھ میں انہوں نے ابن زیاد کے ساتھ جنگ کی اور اس کے بہت سے ساتھی مار دیئے۔ یہ لوگ توابین کہلانے لگے۔ ان واقعات سے عوام و خواص میں اہل بیت نبویؐ کی طرف داری کا خیال ایسا پھیل گیا کہ حدود وحق سے تجاوز کرنے لگے (۲۳)۔

امام محمد بن حنفیہؒ بن علیؓ کی خفیہ بیعت

سانحہ کربلا کے بعد اس خاندان میں صرف دو اصحاب بچے تھے۔ ایک حضرت امام حسینؓ کے بیمار صاحبزادے حضرت امام علی بن حسینؒ زین العابدین اور دوسرے حضرت محمد بن حنفیہؒ جو حضرت علیؓ کے غیر فاطمی بیٹے تھے (۲۴)۔ حضرت زین العابدین سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔ ان کے بعد بنو ہاشم میں دو اہم گروہ رہ گئے۔ ایک محمد بن حنفیہؒ کا گروہ اور دوسرا عباسی خاندان جس کے سربراہ عبداللہ بن عباسؓ کے بیٹے علی بن عبداللہ بن عباس تھے۔ ان کا سارا خاندان فلسطین کے گاؤں حمیمہ میں قیام پذیر تھا۔ اگرچہ ان عباسیوں کے دل میں خلافت کے حصول کی خواہش تھی لیکن امویوں کی سطوت و جبروت اور قوت کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتے ہوئے سیاست سے قریباً قریباً کنارہ کش ہو کر آسودہ حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

جبکہ دوسری طرف حضرت امام علی بن حسینؒ کی خلافت سے دست برداری کے بعد طرفداران اہل بیت (جن کا اصطلاحی نام شیعہ تھا) نے محمد بن حنفیہؒ کو اپنا امام و رہنما بنا لیا اور ہر شہر میں ایک شخص مقرر کیا جو لوگوں کو در پردہ ان کی خلافت کی ترغیب دیتا تھا۔ لیکن اس خفیہ مہم کے دوران ہی بنو امیہ کے قدم حکومت واقتدار پر مضبوطی اور استقلال کے ساتھ جم گئے (۲۵)۔

اولادِ علیؓ سے بنو عباسؓ کی طرف امامت کی منتقلی

اس دوران محمد بن حنفیہؒ وفات پا گئے۔ محمد بن حنفیہؒ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ نے مسند امامت و رہنمائی سنبھال لی۔ آپ بڑی جاندار شخصیت تھے۔ آپ کی سرگرمیوں کا باوجود کوشش کے اموی سراغ رساں سراغ نہ پا سکے۔ آپ ملک شام کے سفر پر تھے کہ حمیمہ کے مقام پر مرض الموت آ گیا چونکہ آپ کے پاس سوائے حضرت عباسؓ کی اولاد میں سے محمد بن علی کے اور کوئی فرد اہل بیت میں سے نہ تھا (۲۶) لہٰذا بہ امر مجبوری آپ نے انہیں اپنا جانشین مقرر کیا اور پیروکاروں کو ان کی اطاعت کی وصیت کی اور اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ اس طرح خلافت اور امامت کا استحقاق حضرت علیؓ کی اولاد سے حضرت عباسؓ کی اولاد میں منتقل ہو گیا (۲۷) یہ گویا عباسی خلافت کی بنیاد کا پہلا پتھر تھا۔

امام محمد بن علیؒ کو خلافت ملنے کا بھرپور یقین واعتماد اور حصول خلافت کے بارے میں پیشن گوئی

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اموی کے دور میں امام محمد بن علیؒ خفیہ طور پر خلافت کے حصول کے لیے کوشاں ہوئے انہیں خلافت کے ملنے کا پورا یقین اور بھروسہ تھا اور وہ کہتے تھے کہ:

"ہمارے لیے تین وقت مقرر ہیں۔ ایک ظالم یزید بن ابی مسلم کی موت، دوسرا پہلی صدی ہجری کا خاتمہ اور تیسرا افریقہ کا فتنہ اور اس آخری موقع پر ہمارے داعی علی الاعلان ہمارے لیے متحرک ہوں گے۔ مشرق سے ہمارے انصار ایسی زبردست جمعیت کے ساتھ امڈ آئیں گے کہ تمام مغرب ان کے گھوڑوں سے پر ہو جائے گا اور ظالموں کے تمام خزانوں پر قبضہ کر لیں گے" (۲۸)

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب یزید بن ابی مسلم افریقہ میں قتل کیا گیا اور بربر نے نقض بیعت کی تو محمد بن علی نے ایک شخص کو خراسان روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ:

"وہ بہترین شخص کے لیے دعوت دے اور کسی کا نام نہ لے" (۲۹)

محمد بن علی نے اپنے داعیوں کو مہم خلافت کے لیے خراسان بھیجتے وقت خراسان کو منتخب کرنے کی وجہ اس طرح بیان کی کہ:

"خراسان کا رخ کرو۔ رستہ میں کسی جگہ ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ شام بنوامیہ کے مداحوں کا ہے۔ وہاں تم کامیاب نہیں ہوسکتے۔ عراق کوفہ اور اس کے ملحقات علیؓ کی اولاد کے مرکز ہیں۔ مکہ اور مدینہ پر ابوبکرؓ و عمرؓ فاروقؓ اب تک غالب ہیں۔ بصرہ اور اس کے سواد عثمانیؓ ہیں وہاں بھی تم کامیاب نہیں ہوسکتے۔ تمہاری جگہ صرف خراسان ہے جہاں کے لوگوں کے دماغ کوری تختی کی طرح ہیں اس پر تم جو خطوط کھینچنا چاہو گے کھنچ جائیں گے" (۳۰)

۱۲۴ھ / ۷۴۲ء میں امام محمد بن علی کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ابراہیم جانشین مقرر ہوئے انہوں نے بھی اس تحریک کو بھرپور انداز میں چلایا اور خصوصی طور پر خراسان کی طرف دعاۃ بھیجتے رہے (۳۱)۔ کیونکہ انہیں بھی حالات و واقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد خراسان ہی دعوت کے لیے موزوں جگہ نظر آئی (۳۲)۔ اس کے علاوہ خراسان کے بارے میں یہ بات بھی بہت مشہور ہوگئی تھی کہ:

"سیاہ جھنڈے جو اہل بیت کے مددگار ہوں گے وہ خراسان سے بلند ہوں گے" (۳۳)۔

اس طرح اور بہت سی احادیث کے ساتھ یہ حدیث بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف "منسوب" کر لی گئی تھی کہ۔

"اہل خراسان بنوعباس کے مددگار ہوں گے" (۳۴)۔

عباسیوں کی خفیہ تحریک جاری تھی کہ آخری اموی حکمران مروان بن محمد کا دور آ گیا۔ اس کے دور میں بہت انتشار پھیل گیا۔ شر نے سر نکالا فتنے رونما ہونے لگے اور اموی نظام حکومت کی چولیں ڈھیلی ہونے لگیں۔ ان کے آپس میں ہی اختلاف پیدا ہو گئے اور ایک نے دوسرے کی گردن مارنا شروع کر دی (۳۵)

اعلانِ دعوت برائے خلافت عباسیہ

ابو مسلم خراسانی جو اس دعوت کا بہت سرگرم رکن تھا اس نے اموی حکومت کے اس انتشار و پراگندگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کھلے عام عباسی خلافت کی طرف دعوت کا اعلان کر دیا۔ اب ہر صائب الرائے خراسانی اس کے جھنڈے تلے آ گیا اور ایک کثیر فوج امیر خراسان کے مقابلے کے لیے جمع ہو گئی۔ امیر خراسان نصر بن سیار نے صورت حال کی نزاکت سے مروان کو آگاہ کیا اور مدد کے لیے کہا (۳۶)

امام ابراہیم کی گرفتاری، موت اور برادران کی کوفہ (جائے پناہ) آمد

جب مروان کو علم ہوا کہ یہ سازش اور تحریک امام ابراہیم کے لیے ہے تو اس نے تنگ و دو کے بعد انہیں گرفتار کر کے زہر دے کر ختم کر دیا۔ ان کے بعد ان کے دونوں بھائی ابوالعباس اور منصور خطرے کے پیش نظر کوفہ کی طرف بھاگ گئے۔ یہاں ان کے حامی کافی شیعہ موجود تھے جن میں سب سے بڑے حامی ابو سلمہ خلال کی مدد و رہنمائی اور پناہ نے انہیں سہارا دیا۔ ادھر ابو سلمہ نے نصر بن سیار کو شکست دی اور دیگر امرائے خراسان کے ہمراہ کوفہ آ گیا (۳۷)۔

یہاں والی عراق ابن ہبیرہ کی فوج کو شکست دینے کے بعد عباسیوں نے ۳۰ اکتوبر ۷۴۹ء / ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو "ابو العباس" کی پہلے عباسی خلیفہ کی حیثیت سے بیعت کر لی (۳۸)

اموی اقتدار کا خاتمہ

مروان ثانی ان دنوں خوارج اور دیگر باغیوں کے خلاف صف آراء تھا اس لیے بروقت عباسی طوفان کو روکنے کا سامان نہ کر سکا۔ چنانچہ خوارج سے نبٹنے کے بعد وہ عباسیوں کی سرکوبی کے لیے ایک لاکھ بیس ہزار سپاہ کے ساتھ نکلا۔ مقام زاب پر آمنا سامنا ہوا۔ لیکن تھکا ہارا تاجدار شکست کھا کر موصل میں پناہ گزین ہوا۔ جہاں اس کا پیچھا کیا گیا۔ یہ وہاں سے مصر بھاگ گیا۔ عباسیوں نے شام پر قبضہ کر کے مصر تک اس کا پیچھا کیا۔ آخر مروان اپنی مختصر سی جماعت کے ساتھ ۷۵۰ء میں "عباسیوں کے مقابلے کے لیے میدان میں اترا لیکن بوصیر کے مقام پر قتل ہو گیا (۳۹) اور اس کی وفات کے ساتھ ہی تقریباً سو سالہ اموی اقتدار کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا" (۴۰)۔

تائید ایزدی برائے خلافت عباسیہ

خدا کی قدرت دیکھیے وہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس کے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور اس کے ارادے کو کوئی نہیں روک سکتا۔ جب خدا نے فرمانروائی کو بنی عباس کی طرف منتقل کرنا چاہا تو ویسے ہی اسباب پیدا کر دیے۔ امام ابراہیم تو اپنے گھر جاء نماز پر بیٹھے عبادت اور بال بچوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھے اور دنیوی سامان ان کے پاس کچھ نہ تھا مگر اہل خراسان ان کی طرف سے جنگ کر رہے تھے اور اپنی جان و مال ان پر قربان کر رہے تھے اور ابراہیم نہ انہیں کچھ رقم بھیجتے تھے نہ ہی

کوئی رسد بلکہ الٹا یہ لوگ ایسا کرتے تھے(۴۱)

اور جب خدا تعالٰی کو اموی حکومت کا خاتمہ منظور ہوا تو مروان کو بے بس و کمزور کر دیا۔ حالانکہ اس کے پاس دولت، ہتھیار، لشکر اور دنیا کے سب سامان موجود تھے۔ مگر لوگ اور لشکری اس کے اطاعت گزار نہ رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب آخری معرکہ زاب ہوا (جو اموی حکومت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا) تو اس میں وہ فوج کے ایک دستے کو کہتا کہ حملہ کرو تو وہ کہتا دوسرے دستے بنی عامر سے کہیے اور اگر وہ ہراول دستے سے کہتا کہ سواری سے نیچے اتر کر لڑو تو جواب ملتا ہمیں ہلاکت منظور نہیں! اس صورت حال کو دیکھ کر وہ بہت گھبرایا اور فوج کے سامنے سونے کا ڈھیر لگا دیا اور کہا "لڑو اور یہ انعام لے لو"۔ فوج نے فوراً انعام تو لیا لیکن لڑنے کی بجائے واپس جانا شروع ہو گئی۔ اس صورت حال پر مروان بہت گھبرایا۔ اس نے آخری داؤ آزمایا اور اپنے بیٹے سے کہا کہ تم جھنڈا لے کر آخر میں کھڑے ہو جاؤ اور جو سونا لے کر واپس جائے اسے وہیں قتل کر دو۔ اس کی یہ تدبیر بھی حکم خداوندی سے اس پر الٹ پڑی لہٰذا فوج نے جب دیکھا کہ جھنڈا واپس جا رہا ہے تو وہ بھی واپسی کو دوڑے اور بھاگو بھاگو کے نعرے بلند ہونے لگے مروان بھی گھبراہٹ میں بھاگ کھڑا ہوا۔ سب دریائے دجلہ کے کنارے پہنچے اور اسے عبور کرتے ہوئے ڈوبنے لگے۔ اتنے میدان جنگ میں نہیں مارے گئے جتنے ڈوب کر مر گئے۔ اس موقع پر عبداللہ بن علی نے یہ آیت پڑھی۔

"وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ O"(۴۲)

"(یاد کرو جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا پھر تم کو نجات دی اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔)"

مروان یہاں سے تو بچ نکلا لیکن آخر کار موت کے پنجوں نے اسے دبوچ لیا۔ اس طرح اموی حکومت کی موت اور عباسی حکومت کی حیات کا دن طلوع ہوا۔

"وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ"(۴۳)

"(یہ دن ہیں جن کو ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں)"

□♦□♦□

خلافت عباسیہ کا قیام اور مدت حکومت

آخر کار بنو عباس نے جو ۱۱۱ھ سے خلافت کا خواب دیکھ رہے تھے مروان کے خاتمہ کے بعد ۱۳۲ھ میں اس کی تعبیر پالی (۴۴) اور ابوالعباس جس نے اموی خون بہا کر سفاح کا لقب پایا خاندان عباسی کا پہلا خلیفہ ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اس نے پہلے خطبہ میں بنو عباس کا خلافت پر استحقاق ثابت کیا اور اسلام کے لیے جو خدمات کی تھیں ان کی تفصیلات پیش کیں (۴۵) یہ خلافت ۱۳۲ھ/۷۴۹ء سے ۹۲۳ھ/۱۵۱۸ء تک قائم رہی۔

۳۷ خلفاء نے "۱۳۲ھ/۷۴۹ء" سے "۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء" تک ۵۲۴ سال بغداد میں خلافت کی جو خلافت بغداد کہلائی (۴۶) اور ۱۷ خلفاء نے مصر میں تین سال کے تعطل کے بعد ۶۵۹ھ/۱۲۶۲ء سے ۹۲۳ھ/۱۵۱۸ء تک خلافت کی۔ یہ خلافت مصر کہلائی (۴۷) اس مدتِ حکومت کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ:

خلافت بغداد (۱۳۲ھ/۷۴۹ء تا ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء) (۴۸)

۵۲۴ سال تک عباسی خلفاء کی بغداد میں خلافت قائم رہی۔ اس طویل عرصہ کو دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے (۴۹) دورِ عروج و دورِ زوال و انحطاط۔ ہر دور اپنی مخصوص اہمیت اور شناخت رکھتا ہے۔

(1) دورِ عروج (۱۳۲ھ/۷۴۹ء تا ۲۴۷ھ/۸۶۱ء) (۵۰)

اس دور میں "پہلے دس" خلفاء شامل ہیں۔ یہ خلفاء غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک اور اعلیٰ پایہ کے مدبر حکمران تھے۔ یہ دور خلافت عباسیہ کے عروج اور عظمت و اقتدار کا دور کہلاتا ہے۔ اس دور میں تہذیب و تمدن، علوم و فنون، صنعت و حرفت، تجارت اور زراعت کو بہت ترقی ہوئی۔ جس کے باعث یہ عہد زریں کہلایا۔

(2) (عہد انحطاط و زوال) (۲۴۷ھ/۸۶۱ء تا ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء) (۵۱)

یہ انحطاط و تنزل کا دور ہے۔ اس میں خلفاء کمزور و بے بس ہو گئے تھے اور سلطنت کا نظام امیر الامراء کی مرضی و منشاء کے مطابق چلتا تھے۔ اس دور کو مزید تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

الف:- متوکل علی اللہ سے آل بویہ کے تسلط تک کا دور (۲۴۷ھ/۸۶۱ء تا ۳۳۴ھ/۹۴۵ء) (۵۲)

واثق باللہ کی وفات کے بعد سے ہی خلافت عباسی کی مضبوطی میں دراڑیں پڑنا شروع ہو گئیں۔ متوکل کا زمانہ بھی مخدوش ہی رہا۔ یہاں تک کہ متوکل کو قتل کر دیا گیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس دور سے خلافت عباسیہ کا عروج کا تنزل شروع ہو چکا تھا۔ یہ عروج کا وہ مرحلہ تھا جہاں سے زوال کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ یہ تنزل بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ ۳۳۴ھ میں آل بویہ کا سلطنت پر تسلط جمانے سے خلافت عباسی کا زوال اور اک نئے عہد کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس دور کے خلفاء محمد بن جعفر مستنصر باللہ (۲۴۷ھ/۸۶۱ء تا ۲۴۸ھ/۸۶۲ء) سے ابوالقاسم عبداللہ مستکفی باللہ (۳۳۳ھ/۹۴۴ء تا ۳۳۴ھ/۹۴۵ء) تک شامل ہیں۔

ب:- آل بویہ سے سلجوقیوں کے تسلط تک کا دور (۳۳۴ھ/۹۴۵ء تا ۴۴۷ھ/۱۰۵۶ء) (۵۳)

آل بویہ سلطنت کے سیاہ وسفید کے مالک بن بیٹھے تھے۔ لیکن ۴۴۷ھ میں سلجوقیوں نے بغداد میں داخل ہو کر دیلمی اقتدار کا خاتمہ کیا اور اپنی حکومت قائم کرلی۔ اس دور میں سامانیوں اور صفاریوں کی خود مختار حکومتیں بھی وجود میں آئیں۔ اس دور کے خلفاء میں فضل بن مقتدر المطیع للہ (۳۳۴ھ/۹۴۵ء تا ۳۶۳ھ/۹۷۴ء) سے ابو جعفر عبداللہ بن قادر قائم بامر اللہ (۴۲۲ھ/۱۰۳۱ء تا ۴۶۷ھ/۱۰۷۴ء) شامل ہیں۔

ج:- سلجوقیوں کے تسلط سے سقوط بغداد تک کا دور (۴۴۷ھ/۱۰۵۶ء تا ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء) (۵۴)

یہ سلجوقی غلبہ کا دور ہے۔ اس زمانے میں خلیفہ کی حیثیت برائے نام رہ گئی تھی۔ اقتدار کلیتاً سلجوقی ترکوں کے ہاتھ میں تھا۔ آخر ۶۵۶ھ میں چنگیز خان کا پوتا ہلاکو خاں بغداد میں داخل ہوا اور خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کر کے بنو عباس کی خلافت و حکومت کا خاتمہ کر دیا (۵۵)

اس دور کے خلفاء میں ابو جعفر عبداللہ بن قادر قائم بامر اللہ (۴۲۲ھ تا ۴۶۷ھ) سے ابو احمد عبداللہ بن مستنصر المستعصم باللہ (۶۴۰ھ تا ۶۵۶ھ) تک شامل ہیں۔

2- خلافت مصر (برائے نام خلافت) (۶۵۹ھ/۱۲۶۲ء تا ۹۲۳ھ/۱۵۱۸ء)

احمد بن طاہر مستنصر باللہ سے محمد بن متوکل علی اللہ تک

۶۵۶ھ میں بغداد سے عباسی خلافت ختم ہونے کے بعد تین سال کے وقفے کے بعد ۶۵۹ھ/۱۲۶۳ء میں الطاہر باللہ عباسی کے بیٹے ابو القاسم احمد مستنصر باللہ کے ہاتھوں مصر میں دوبارہ قائم ہوئی۔ یہ خلافت اڑھائی صدی سے زائد قائم رہی۔ لیکن اس کے خلفاء محض برائے نام تھے۔ اصل حکومت ممالیک کی تھی۔ جبکہ خلفاء ان کے وظیفہ خوار تھے۔ ان کا کام صرف اس قدر تھا کہ ہر نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد اس کو رسماً اپنی جانب سے امورِ مملکت کا مختار بنا کر خلعت عطا کرتے تھے۔ جو کہ صرف ایک رسمی کارروائی تھی، خلفاء کو اتنے اختیارات بھی نہ تھے جتنے کہ دیلمی اور سلجوقیوں کے زمانے میں حاصل تھے (۵۷)۔ اسی لیے ان کی مستقل تفصیلی تاریخ نہیں ملتی۔ ممالیک کے حالات میں ضمناً ان کا ذکر آتا ہے لیکن مصری خلافت بھی عباسی خلافت کی ایک شاخ تھی۔ اس لیے یہاں ان کا مختصراً تعارف بیان کر دینا ضروری ہے۔ ان مصری خلفاء کی تعداد ۱۷ ہے (۵۸)۔ پہلے مصری خلیفہ کا نام احمد بن ظاہر مستنصر باللہ ۶۵۹ھ/۱۲۶۲ء تا ۶۶۰ھ/۱۲۶۳ء اور آخری کا نام محمد بن متوکل علی اللہ ۹۲۰ھ/۱۵۱۴ء تا ۹۲۳ھ/۱۵۱۸ء ہے (۵۹)۔

شجرۂ نسب خلفائے بنی عباس، بغداد



[تاریخ ملک عراق، از محمود بریلوی - فیروز سنز]

شجرہ نسب واسماء خلفائے عباسیہ (بغداد) (۲۱)

دوز عروج (۱۰ خلفا) (۱۳۲ھ تا ۲۴۷ھ)

عبدالمطلب

- ابی طالبؓ — علیؓ
- عبداللہ — محمدؐ
- عباس — عبداللہ — علی — محمد

۱) ابو العباس عبداللہ السفاح

۲) ابو جعفر عبداللہ المنصور

۳) محمد بن منصور المهدی

۴) موسیٰ بن مهدی الهادی

۵) ابو جعفر ہارون الرشید بن مهدی

۶) محمد بن ہارون الرشید الامین

۷) عبداللہ بن ہارون الرشید المامون

۸) محمد بن ہارون الرشید المعتصم باللہ

۹) ہارون بن معتصم باللہ الواثق باللہ

۱۰) جعفر بن معتصم متوکل علی اللہ

خلفائے بغداد کے نام، تعداد اور مدت حکومت (۶۲)

زمانہ عروج میں

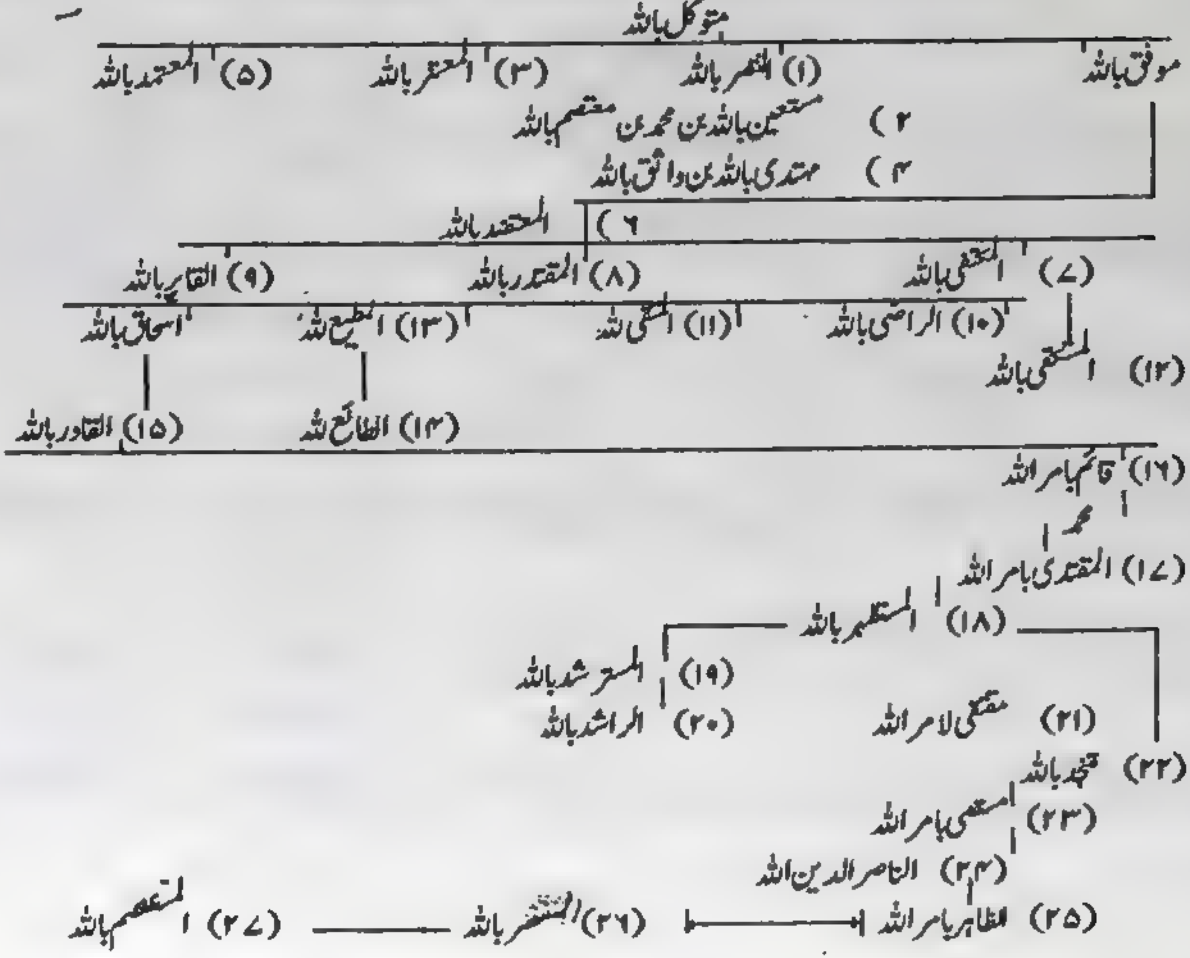
نمبر	نام خلیفہ	کنیت	لقب	عمر	زمانہ حکومت	مدت حکومت
۱	عبداللہ بن محمد	ابو العباس	السفاح	۳۳ یا ۳۶ سال	۱۳۲ھ تا ۱۳۶ھ ۷۵۰ء تا ۷۵۴ء	۴ سال ۸ ماہ یا ۹ ماہ
۲	عبداللہ بن محمد	ابو جعفر	المنصور	۶۳ سال	۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ ۷۵۴ء تا ۷۷۵ء	۲۲ سال
۳	محمد بن عبداللہ	ابو عبداللہ	المهدی	۴۳ سال	۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ ۷۷۵ تا ۷۸۵	۱۰ سال ڈیڑھ ماہ
۴	موسیٰ بن محمد	ابو محمد	الہادی	۲۶ یا ۲۷ سال	۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ ۷۸۵ء تا ۷۸۶ء	ایک سال تین ماہ (اختلافی)
۵	ہارون الرشید بن مہدی (محمد)	ابو جعفر	ہارون الرشید	۴۵ یا ۴۷ سال	۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ ۷۸۶ء تا ۸۰۹ء	۲۳ سال ۲ ماہ ۸ دن یا ۲۳ سال ۱ ماہ ۱۶ دن

٦	محمد بن ہارون الرشید	ابو عبداللہ	امین	۲۸ سال	۱۹۳ھ تا ۱۹۸ھ ۸۰۹ء تا ۸۱۳	۴ سال ۸ ماہ ۵ دن
۷	عبداللہ بن ہارون الرشید	ابو العباس	مامون	۴۸ سال	۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ ۸۱۳ء تا ۸۳۳ء	۲۰ سال ۵ ماہ ۲۳ دن
۸	محمد بن ہارون الرشید	ابو اسحاق	معتصم باللہ	۴۸ سال تقریبا یا ۴۷ سال ۲ ماہ ۱۸ دن	۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ ۸۳۳ء تا ۸۴۲ء	۸ سال ۸ ماہ ۲ دن
۹	ہارون بن معتصم (محمد)	ابو جعفر و ابو القاسم	واثق باللہ	۳۳ سال یا ۳۶ سال	۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ ۸۴۲ء تا ۸۴۷ء	۵ سال ۵ ماہ ۹ دن یا ۷ دن
۱۰	جعفر بن معتصم	ابو الفضل	متوکل علی اللہ	۴۰ سال	۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ ۸۴۷ء تا ۸۶۱ء	۱۴ سال ۱۰ مہینے ۳ دن

کل مدت حکومت : ۱۱۵ سال ۷ ماہ ۱۸ دن تقریباً

شجرۂ نسب خلفائے بنی عباس بغداد

(از ۲۴۷ھ تا ۶۵۶ھ) دورِ الخطاط (۹۳ء) (۲۷ خلفاء)



خلفائے بغداد کے نام - تعداد اور مدت حکومت / زمانہ حکومت (۶۴)

عہدِ الخطاط میں (۲۷ خلفاء)

نمبر شمار	نام خلیفہ	کنیت	لقب	عمر	زمانہ حکومت	مدت حکومت
۱	محمد بن متوکل باللہ	ابو جعفر	منتصر باالله	۲۴ یا ۲۶ سال	۲۴۷ھ تا ۲۴۸ھ ۸۶۱ء تا ۸۶۲ء	۶ ماہ
۲	احمد بن محمد بن معتصم	ابو العباس	مستعین باللہ	۳۱ سال	۲۴۸ھ تا ۲۵۱ھ ۸۶۲ء تا ۸۶۶ء	۳ سال ۹ سال
۳	محمد بن متوکل	ابو عبد اللہ	المعتز باللہ	۲۴ سال	۲۵۱ھ تا ۲۵۵ھ ۸۶۶ء تا ۸۶۹ء	۳ سال ۶ ماہ ۲۳ دن (اختلافی)
۴	محمد بن واثق بن معتصم	ابو اسحاق	مہتدی باللہ	۳۸ سال	۲۵۵ھ تا ۲۵۶ھ ۸۶۹ء تا ۸۶۹ء	۱۱ ماہ پندرہ دن
۵	احمد بن متوکل بن معتصم	ابو العباس	المعتمد علی اللہ	۵۰ سال	۲۵۶ھ تا ۲۷۹ھ ۸۶۹ء تا ۸۹۲ء	۲۳ سال ۶ دن
۶	احمد بن موفق طلحہ بن متوکل	ابو العباس	معتضد باللہ	۳۲ سال	۲۷۹ھ تا ۲۸۹ھ ۸۹۲ء تا ۹۰۲ء	۹ سال ۹ ماہ

۷	علی بن معتضد بن موفق	ابو محمد	مکتفی باللہ	۳۲ سال	۲۸۹ھ تا ۲۹۵ھ ۹۰۲ء تا ۹۰۸ء	۶ سال ۶ ماہ
۸	جعفر بن احمد المعتضد	ابو الفضل	المقتدر باللہ	۳۸ سال	۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ ۹۰۸ء تا ۹۳۲ء	۲۴ سال ۱۱ ماہ ۶ دن
۹	محمد بن احمد المعتضد	ابو منصور	القاہر باللہ	۳۲ سال	۳۲۰ھ تا ۳۲۲ھ ۹۳۲ء تا ۹۳۴ء	ایک سال ۶ ماہ ۶ دن
۱۰	محمد بن جعفر المقتدر	ابو العباس	الراضی باللہ	۳۲ سال	۳۲۲ھ تا ۳۲۹ھ ۹۳۴ء تا ۹۴۰ء	۶ سال ۱۱ ماہ ۳ دن
۱۱	ابراہیم بن مقتدر	ابو اسحاق	المتقی للہ	۶۰ سال	۳۲۹ھ تا ۳۳۳ھ ۹۴۰ء تا ۹۴۴ء	۳ سال ۱۱ ماہ ۲۳ دن
۱۲	عبداللہ بن المکتفی	ابو القاسم	مستکفی باللہ	۴۲ سال	۳۳۳ھ تا ۳۳۴ھ ۹۴۴ء تا ۹۴۵ء	ایک سال چار ماہ
۱۳	فضل بن جعفر المقتدر	ابو القاسم	المطیع للہ	۶۳ سال	۳۳۴ھ تا ۳۶۳ھ ۹۴۵ء تا ۹۷۳ء	۲۶ سال ۵ ماہ
۱۴	عبدالکریم بن مطیع	ابو الفضل	الطائع للہ	۶۲ سال	۳۶۳ھ تا ۳۸۱ھ ۹۷۳ء تا ۹۹۱ء	۱۷ سال ۸ ماہ
۱۵	احمد بن اسحاق	ابو العباس یا ابو بکر	القادر باللہ	۸۶ سال	۳۸۱ھ تا ۴۲۲ھ ۹۹۱ء تا ۱۰۳۱ء	۴۱ سال ۳ ماہ

۱۶	عبداللہ بن قادر باللہ	ابو جعفر	قائم بامر اللہ	۷۶سال	۴۲۲ھ تا ۴۶۷ھ ۱۰۳۱ء تا ۱۰۷۵ء	۴۵ سال
۱۷	عبداللہ بن محمد	ابو القاسم	مقتدی بامر اللہ	۳۸سال	۴۶۷ھ تا ۴۸۷ھ ۱۰۷۵ء تا ۱۰۹۴ء	۱۹ سال ۸ ماہ
۱۸	احمد بن مقتدی باللہ	ابو العباس	مستظہر باللہ	۴۱سال	۴۸۷ھ تا ۵۱۲ھ ۱۰۹۴ء تا ۱۱۱۸ء	۲۵ سال
۱۹	فضل بن مستظہر باللہ	ابو منصور	مسترشد باللہ	۴۳سال	۵۱۲ھ تا ۵۲۹ھ ۱۱۱۸ء تا ۱۱۳۵ء	۱۷ سال ۶ ماہ
۲۰	منصور بن مسترشد	ابو جعفر	راشد باللہ	۶۰سال	۵۲۹ھ تا ۵۳۰ھ ۱۱۳۵ء تا ۱۱۳۶ء	ایک سال
۲۱	محمد بن مستظہر باللہ	ابو عبداللہ	مقتفی لامر اللہ	۶۰سال	۵۳۰ھ تا ۵۵۵ھ ۱۱۳۶ء تا ۱۱۶۰ء	۲۴سال ۳ماہ
۲۲	یوسف بن مقتفی	ابو مظفر	مستنجد باللہ	۴۸سال	۵۵۵ھ تا ۵۶۶ھ ۱۱۶۰ء تا ۱۱۷۰ء	۱۰ سال
۲۳	حسن بن مستنجد باللہ	ابو محمد	مستضی بامر اللہ	۲۹سال	۵۶۶ھ تا ۵۷۵ھ ۱۱۷۰ء تا ۱۱۷۹ء	۹سال ۶ماہ
۲۴	احمد بن مستضی	ابو العباس	الناصر الدین اللہ	۷۰سال	۵۷۵ھ تا ۶۲۲ھ ۱۱۷۹ء تا ۱۲۲۵ء	۴۶سال ۱۱ماہ

۲۵	محمد بن ناصر الدین اللہ	ابو نصر	الظاہر بامر اللہ	۵۳ سال	۶۲۲ھ تا ۶۲۳ھ ۱۲۲۵ء تا ۱۲۲۶ء	۹ ماہ ۱۵ دن
۲۶	منصور بن ظاہر بامر اللہ	ابو جعفر	المستنصر باللہ	۵۲ سال	۶۲۳ھ تا ۶۴۰ھ ۱۲۲۶ء تا ۱۲۴۲ء	۱۷ سال
۲۷	عبداللہ بن مستنصر باللہ	ابو احمد	المستعصم باللہ	۵۰ سال	۶۴۰ھ تا ۶۵۶ھ ۱۲۴۲ء تا ۱۲۵۸ء	۱۶ سال

اسمائے خلفائے مصر (۶۵)

(برائے نام خلافت)

۶۵۹ھ تا ۹۲۳ھ

نمبر شمار	نام خلفاء	کنیت	لقب	زمانہ خلافت	مدت خلافت
۱	احمد بن ظاہر باللہ	ابوالقاسم	المستنصر باللہ	۶۵۹ھ تا ۶۶۰ھ ۱۲۶۲ء تا ۱۲۶۳ء	۶ ماہ
۲	احمد بن ابو علی حسن	ابوالعباس	الحاکم بامر اللہ (اول)	۶۶۱ھ تا ۷۰۱ھ ۱۲۶۳ء تا ۱۳۰۱ء	۴۰ سال چند ماہ
۳	سلیمان بن حاکم	ابوالربیع	المستکفی باللہ	۷۰۱ھ تا ۷۴۰ھ ۱۳۰۱ء تا ۱۳۳۹ء	۴۰ سال
۴	ابراہیم بن محمد	ابواسحاق	الواثق باللہ	۷۴۰ھ تا ۷۴۱ھ ۱۳۳۹ء تا ۱۳۴۰ء	ایک سال
۵	احمد بن مستکفی باللہ	ابوالعباس	الحاکم بامر اللہ (ثانی)	۷۴۱ھ تا ۷۵۳ھ ۱۳۴۰ء تا ۱۳۵۲ء	۱۲ سال

۶	ابوبکر بن مستکفی باللہ	ابوالفتح	المعتضد باللہ (اول)	۷۵۳ھ تا ۷۶۳ھ ۱۳۵۲ء تا ۱۳۶۲ء	۱۰ سال
۷	محمد بن معتضد باللہ	ابوعبداللہ	المتوکل علی اللہ (اول)	۷۶۳ھ تا ۷۸۵ھ ۱۳۶۲ء تا ۱۳۸۳ء	۲۲ سال
۸	محمد بن ابراہیم معتصم باللہ	ابوحفص	الواثق باللہ	۷۸۵ھ تا ۷۸۸ھ ۱۳۸۳ء تا ۱۳۸۶ء	۳ سال
۹	زکریا بن ابراہیم	ابویحیی	المعتصم باللہ	۷۸۸ھ تا ۷۹۱ھ ۱۳۸۶ء تا ۱۳۸۹ء	۳ سال
۱۰	محمد بن معتضد باللہ	ابوعبداللہ	المتوکل علی اللہ (دوسری بار خلیفہ)	۷۹۱ھ تا ۸۰۸ھ ۱۳۸۹ء تا ۱۴۰۵ء	۱۷ سال
۱۱	عباس بن متوکل علی اللہ	ابوالفضل	المستعین باللہ	۸۰۸ھ تا ۸۱۶ھ ۱۴۰۵ء تا ۱۴۱۳ء	۸ سال
۱۲	داؤد بن متوکل علی اللہ	ابوالفتح	المعتضد باللہ	۸۱۶ھ تا ۸۴۵ھ ۱۴۱۳ء تا ۱۴۴۲ء	۲۹ سال

۱۳	سلیمان بن متوکل علی اللہ	ابو الربیع	المستکفی باللہ	۸۴۵ھ تا ۸۵۴ھ ۱۴۴۲ء تا ۱۴۵۱ء	۹ سال
۱۴	حمزہ بن متوکل علی اللہ	ابو البقاء	القائم بامر اللہ	۸۵۴ھ تا ۸۵۹ھ ۱۴۵۱ء تا ۱۴۵۶ء	۵ سال
۱۵	یوسف بن متوکل علی اللہ	ابو المحاسن	المستنجد باللہ (ثانی)	۸۵۹ھ تا ۸۸۴ھ ۱۴۵۶ء تا ۱۴۸۱ء	۲۵ سال
۱۶	عبد العزیز بن یعقوب بن متوکل	ابو العز	متوکل علی اللہ (ثانی)	۸۸۴ھ تا ۹۰۳ھ ۱۴۸۱ء تا ۱۴۹۷ء	۱۹ سال
۱۷	یعقوب بن عبد العزیز	ابو الصبر	مستمسک باللہ	۹۰۳ھ تا ۹۱۵ھ ۱۴۹۷ء تا ۱۵۰۹ء	۱۳ سال
۱۸	محمد المتوکل		متوکل علی اللہ ثالث	۹۱۵ھ تا ۹۲۴ھ ۱۵۰۹ء تا ۱۵۱۶ء	۸ سال
19	یعقوب بن عبد العزیز	ابو الصبر	المستمسک باللہ دوسری بار خلیفہ	۹۲۲ھ تا ۹۲۳ھ ۱۵۱۶ء تا ۱۵۱۸ء	۱ سال

مملکت عباسیہ کی وسعت وحدود اربعہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مملکت اسلامیہ کی حدود کو عرب سے باہر دور دراز علاقوں تک پھیلا دیا۔ پھر ان کی پیروی میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور میں یہ حکومت اس وقت کی قوی ترین حکومت بن گئی اور اموی دور میں بھی اس کی وسعت مشرق سے مغرب تک مزید پھیل گئی۔ یہاں تک کہ عباسیوں نے اس سلطنت کی باگ ڈور سنبھال لی(٦٦)۔ ان کے عہد میں اس کی حدود:

شمال میں

براعظم ایشیا میں سریر، خزر اور لان کے ممالک اور یورپ میں بیرینیہ کا پہاڑی سلسلہ جو موجودہ نقشوں (Atlas) میں بحر قزوین اور بحیرہ روم میں ظاہر کئے جاتے ہیں۔

جنوب میں

خلیج فارس، بحر ہند اور افریقہ میں ملک نوبہ کے وہ حصے جو مصر سے ملحق ہیں۔

مشرق میں

ہندوستان اور چین کا کچھ حصہ۔

مغرب میں

بحیرہ اسود، ایشیائے کوچک کا کچھ حصہ اور روس و بلغاریہ کا علاقہ۔

بقول مقدسی اس سلطنت کا طول کاشغر سے سوس اقصیٰ تک جو ساحل بحر ظلمات پر واقع ہے ٢٦٠٠ فرسخ تھا۔ عرض بحر قزوین سے نوبیا تک۔ جس میں بڑے بڑے ممالک اور ولایات تھیں۔

مختلف جغرافیہ دانوں اصطخری، ابن حوقل اور مقدسی وغیرہ نے اس سلطنت کو اقالیم، ولایات اور کوروں میں اپنی اپنی مرضی سے تقسیم کیا ہے جیسا کہ ابن حوقل کہتا ہے کہ:

> ''میں نے اسلامی دنیا کے ممالک کو اقالیم اور کوروں کی شکل میں تقسیم کیا ہے اور آغاز دیار عرب سے کیا ہے اور اسے ایک اقلیم بنایا ہے۔ کیونکہ اس میں کعبہ ہے اور اُم القریٰ ہے اور میرے نزدیک یہی تمام اقالیم کا مرکز ہے''(٦٧)

اسی طرح اصطخری کہتا ہے کہ:

> ''میں نے مملکت اسلامیہ کو بیس اقالیم میں تقسیم کیا ہے''(٦٨)

اور مقدسی نے مملکت اسلامیہ کو ١٥ اقالیم اور ٧٨ ولایات میں تقسیم کیا ہے(٦٩)

اسی طرح بعد کے مورخین لی اسٹرینج، جرجی زیدان، کریمر، عمر ابوالنصر، حتی و دیگر نے اپنی اپنی کتابوں میں صوبوں کی الگ الگ فہرستیں مرتب کی ہے۔

بقول حتی۔

"عباسی صوبہ جات کی فہرست وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی تھی۔ اسی لیے اصطخری، ابن حوقل اور ابن الفقیہ اور اسی قسم کی جغرافیہ دانوں کی کتابوں میں جو تقسیم ممالک دی گئی ہے ضروری نہیں کہ وہ صوبائی ناموں سے ہر حال میں مطابقت رکھتی ہو" (۷۰)۔

مملکت عباسیہ کی انتظامی تقسیم (۷۱)

(اقالیم وولایات)

1-جزیرۃ العرب (۷۲)

اس میں ۴ ولایات تھیں۔

1-حجاز: صدر مقام مکہ تھا۔ طائف، خیبر، طیبہ، جدہ وغیرہ شہر تھے۔

2-یمن: دو حصوں میں منقسم تھا۔ ساحل بحر کی طرف کے حصہ کا نام تہامہ تھا اور اس کا صدر مقام زبید تھا۔ دوسرا حصہ کوہستانی تھا اس کا نام نجد تھا۔ اس کا صدر مقام صنعاء تھا۔ احقاف بھی اس میں شامل تھا۔ جس میں حضر موت اور مہرہ واقع ہیں۔

3-عمان: صدر مقام صحار تھا جو ساحل بحر ہند پر ہے۔

4-ہجر: صدر مقام احصا تھا۔ اسی میں یمامہ تھا جس کا سب سے بڑا بازار ہجر تھا۔

2-اقلیم عراق (۷۳)

اس میں ۶ ولایات تھیں۔

1- کوفہ: اس کے ماتحت عین التمر اور قادسیہ وغیرہ تھے۔

2-بصرہ: ابلہ وعباوان تک اس کا رقبہ تھا۔

3-واسط: فم الصلح اس ولایت کا مشہور شہر تھا۔

4-بغداد: نہروان، بردان، المدائن، جبرایا۔

5-حلوان: خانقین اور سیروان اس میں واقع ہیں (۷۴)۔

6-سامرا: اس ولایت کے مشہور شہروں میں کرخ، عکبرا، انبار، ہیت اور تکریت تھے (۷۵)۔

3-اقلیم جزیرہ (اقور) (۷۶)

قدیم تاریخوں میں اس کا نام آقور یا آثور یا آشور لکھا ہے۔ یہ وہ حصہ ہے جو دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے۔ اس میں تین ولایات تھیں۔

1-دیار ربیعہ: حدیثہ، سنجار، نصیبین، دارا اور راس العین مشہور تھے۔

2-دیار مضر: صدر مقام رقہ تھا۔ مشہور مقامات باجروان، حران اور رہا۔

3-دیار بکر: مرکز آمد تھا۔ اس کی حدود روم (ایشیاء کوچک) اور آرمینیہ سے جا کر ملتی تھیں۔

4-اقلیم شام (۷۷)

اس میں ۶ ولایات تھیں جو کہ سب چھاؤنیاں تھیں۔

1-قسرین: صدر مقام حلب تھا، انطاکیہ، بالس، اسکندرونہ، مرعش ان کے تابع تھے۔

2-حمص: صدر مقام حمص ہی تھا۔ مشہور شہر سلمیہ، تدمر، لاذقیہ اور الطرسوس تھے۔

3-دمشق: صدر مقام دمشق تھا۔ بانیاس اور بیروت مشہور شہر تھے۔

4-اردن: صدر مقام طبریہ تھا۔ صور، عکا، طرابلس، بسیان شہر تھے۔

5-فلسطین: مرکز رملہ تھا۔ بیت المقدس، عسقلان، عمان، یافہ شہر تھے۔

6-شراۃ: صدر مقام صغر تھا۔ عمان، تبوک، اذرح شہر تھے۔

5-اقلیم مصر (۷۸)

اس میں ۷ ولایات تھیں۔

1-جفار: اس کا مرکزی مقام فرما تھا۔ شہروں میں بقارہ، الوارادہ اور عریش اہم شہر تھے۔

2-حوف: بلبیس صدر مقام تھا۔ مشتول، فاقوس اور قلزم اہم شہر تھے۔

3-ریف: مرکز عباسیہ تھا۔ دمنہور، سنہور، شبرو، طیح اور محلہ کبیرہ اہم تھے۔

4-اسکندریہ: مرکز سکندریہ اور شہر رشید، مربوط، برلس اور ذات الحمام تھے۔

5-مقدونیہ: صدر مقام فسطاط اور اہم شہر عزیزیہ، جیرہ اور عین الشمس تھے۔

6-صعید: (بلند) صدر مقام اسوان تھا۔ شہروں میں قوص، بلینا، طحا وغیرہ تھے۔

7-الوحات: یہ غیر آباد تھا۔

6-ماوراء النہر (اقلیم مشرق) (۷۹)

اس میں ۶ ولایات ہیں۔

1-فرغانہ: مرکزی شہر نصر آباد اور اہم شہروں میں اوزکند اور مرغینان۔

2-اسیجابہ: صدر مقام باراب، مشہور شہر تراز، سوس، طراز اور بالوا۔

3-شاس: صدر مقام بنکث تھا۔ شہروں میں نکث، نجاکث، بناکث، تھے۔

4-اشروسنہ: صدر مقام بنجکث، (نقشہ میں بنجی کتھ ہے)۔ اہم شہر غزک، خراقاۃ، قطوان، ارشابنکث۔

5-صغد: سمرقند کے خطہ کا نام تھا اور سمرقند مرکزی مقام تھا۔ کشانی، قطوانہ شہر۔

6-بخارا: مرکزی شہر نموجکث تھا۔ بیکند، زندنہ، طواویس شہر ہے۔

7-خراسان (۸۰)

اس میں ۹ ولایات تھیں۔

1-بلخ: مرکز بلخ ہی تھا۔اہم شہر طخارستان، طالقان، اشنوقان اور لواج تھے۔

2-غزنین: کابل اس کا تابع تھا۔

3-بست: بعض مورخ بست کو غزنین کے ساتھ ملا کر ایک ولایت قرار دیتے ہیں اور نام کابلستان رکھتے ہیں۔

4-بجستان: اس کا مرکز زنج تھا۔

5-ہرات: مرکز ہرات ہی تھا اہم شہر باذغیس، کروخ اور اوبہ تھے۔

6-جوز جان: صدر مقام یہودیہ شہروں میں انبار، برزور، فاریاب شامل تھے۔

7-مروشاہجہان: مروانروز اہم شہر تھا۔

8-نیساپور: بیہق، جاجرم، طوس اور نسا اہم شہر تھے۔

9-قوہستان: قائن صدر مقام تھا۔طون، طبس عناب شہر تھے۔

8-رحاب (۸۱)

اس میں ۳ ولایات تھیں۔

1-اران: صدر مقام برذعۃ شہر تفلیس، شروان اور باب الابواب وغیرہ۔

2-آرمینیہ: مرکز دبیل شہر بدلیس، سلماس، ارمیہ، مرند، مراغیہ۔

3-آذربائیجان: تبریز، اسراۃ برزند، بروی اور جابروان شہر ہے۔

9-اقلیم دیلم (۸۲)

اس میں ۵ ولایات تھیں۔

1-قومس: مرکز دامغان، سمنان اور بصطام اہم شہر تھے۔

2-جرجان: صدر مقام شہرستان اور اہم شہر استر آباد، آبسکون۔

3-طبرستان: مرکز الحم تھا۔رباط، سالوس اور ساریہ شہر ہے۔

4-دیلمان: مرکز بروان، اور شہر ولامر، شکیرز اور قیز وذ۔

5-خزر: مرکز اتل تھا۔بلغار اور سمندر اور سوالغند اہم شہر تھے۔

10-اقلیم الجبال (۸۳)

اس میں ۳ ولایات تھیں۔

1-رے: اہم شہر آوہ، ساوہ، قزوین اور بہر۔

2-ہمدان: اسد آواز، سرامن، سراوند۔

3-اصفہان: مرکز ایہودیہ قاشان، اردستان وغیرہ شہر تھے۔

11-اقلیم کرمان (۸۴)

اس میں ۵ ولایات تھیں۔

1-بردسیر: مرکزی شہر بردسیر تھا۔ ماہان، گرگان اور زرند، کوغون اہم شہر تھے۔

2-نرماسیر: مرکز نرماسیر ہی تھا۔ اہم شہر بابر، کرک ریکان، نسا۔

3-سیرجان: بیمند، شامات اور واجب اہم شہر تھے۔

4-بم: دارزین، طوشتان اور عوارق اہم شہر تھے۔

5-جیرفت: بلس، جقین اور منوقان شہر تھے۔

12-اقلیم فارس (۸۵)

اس میں ۶ ولایات تھیں۔

1-ارجان: اس میں میدانی، پہاڑی اور سمندری علاقہ شامل تھا۔ شہر قوستان، داریان، ماہروبان تھے۔

2-خرہ اردشیر: صدر مقام سیراف اور شہر صیقان، خورستان جور میمند وغیرہ۔

3-دارالجبرد: مرکز دارالجبرد ہی تھا۔ طبستان، کردبان شہر تھے۔

4-شیراز: بیضا، فسا، مص، قول اور جود شہر تھے۔

5-سابور: مرکز شہرستان شہر کازروں، توز، زریز اور نوبندجان تھے۔

6-اصطخر: ایران کا قدیم پایہ تخت تھا۔ اس میں ہرات، میذ اور کرمان تھے۔

13-اقلیم خوزستان (۸۶)

اس میں ۷ ولایات تھیں

1-سوس:

2-تستر: (۸۷)

3-جندیسابور: دز، مناش، لور اہم شہر تھے۔

4-عسکر مکرم: مرکز عسکر مکرم، جوبک، زیدان، حبک وغیرہ شہر تھے۔

5-اہواز: اس میں سوق الادبا اہم جگہ تھی۔

6-دورق: مرکزی شہر دورق ہی تھا۔ میراثیان، مراقیان، عبادان شہر تھے۔

7-رامہرمز: ایرج، توزوق اور لازا اہم شہر تھے۔

14-اقلیم سندھ (۸۸)

اس میں ۶ ولایات تھیں۔

1- مکران: صدر مقام تیز اور شہر مشکہ کیچ وغیرہ۔
2- طوران: مرکز قصدار اور قندبیل، موردان اہم شہر تھے۔
3- خاص سندھ: صدر مقام منصورہ تھا۔ دیبل اس کے ماتحت تھا۔
4- ویہند: فارس میں الہند نام ہے۔ صدر مقام یہی تھا۔ شہر وذہان اور بتیر تھے۔
5- قنوج: مرکزی شہر قنوج تھا۔ اہم شہروں میں قدار آباد اور قارابارو۔
6- ملتان: صدر مقام ملتان ہی تھا۔ اہم شہروں میں راماذان اور بروین تھے۔

15- اقلیم مغرب (۸۹)

1- برقہ: مرکزی شہر برقہ ہی تھا۔ اہم شہر طرابلس، حمام اور رمادہ تھے۔
2- افریقہ: صدر مقام قیروان تھا۔ سوسہ، تونس، بونہ اور سفاقس اہم شہر تھے۔
3- تاہرت: مرکز تاہرت اور شہر مطماطہ اور وہران۔
4- سجلماسہ: مرکز درعہ شہر امصلی اور تازرداس۔
5- فاس: پہلے صدر مقام سوس ادنی تھا۔ عہد عباسیہ میں فاس آباد کیا گیا ہے۔ شہر بصرہ، ورعنہ، صنہاجہ، ہوارہ اور سلا تھے۔
6- سوس اقصیٰ: مرکز طرفانہ مشہور مقامات اغمات اور ماسہ۔
7- جزیرہ صقلیہ: مرکز بکرم تھا۔ خالصہ، ماذر اور عین المعظہ اہم شہر تھے۔

عباسی مملکت کا رقبہ (۹۰)

عباسی مملکت کی وسعت کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ ہم ان ملکوں کا رقبہ معلوم کریں۔ جو اس وقت موجودہ دور میں اس کی جگہ پر قائم ہیں۔ پھر کل مملکت کا رقبہ معلوم کیا جا سکتا ہے۔
تفصیل یہ ہے۔

۱	ایران	۶۲۸۰۰۰ میل	۱۰۰۴۸۰۰ کلومیٹر
۲	افغانستان	۲۱۵۰۰۰ میل	۳۴۴۰۰۰ کلومیٹر
۳	بلوچستان	۱۳۰۰۰۰ میل	۲۰۸۰۰۰ کلومیٹر
۴	سندھ	۴۸۰۰۰ میل	۷۶۸۰۰ کلومیٹر
۵	روسی ترکستان صرف	۲۵۷۰۰۰ میل	۴۱۱۲۰۰ کلومیٹر
۶	کارکیشیا (تفلس)	۱۵۳۰۰ میل	۲۴۴۸۰ کلومیٹر
۷	آرمینیہ اور کردستان	۷۲۵۰۰ میل	۱۱۶۰۰۰ کلومیٹر
۸	مراکش	۲۱۹۰۰۰ میل	۳۵۰۴۰۰ کلومیٹر
۹	عراق الجزیرہ	۱۰۰۲۰۵ میل	۱۶۰۳۲۸ کلومیٹر

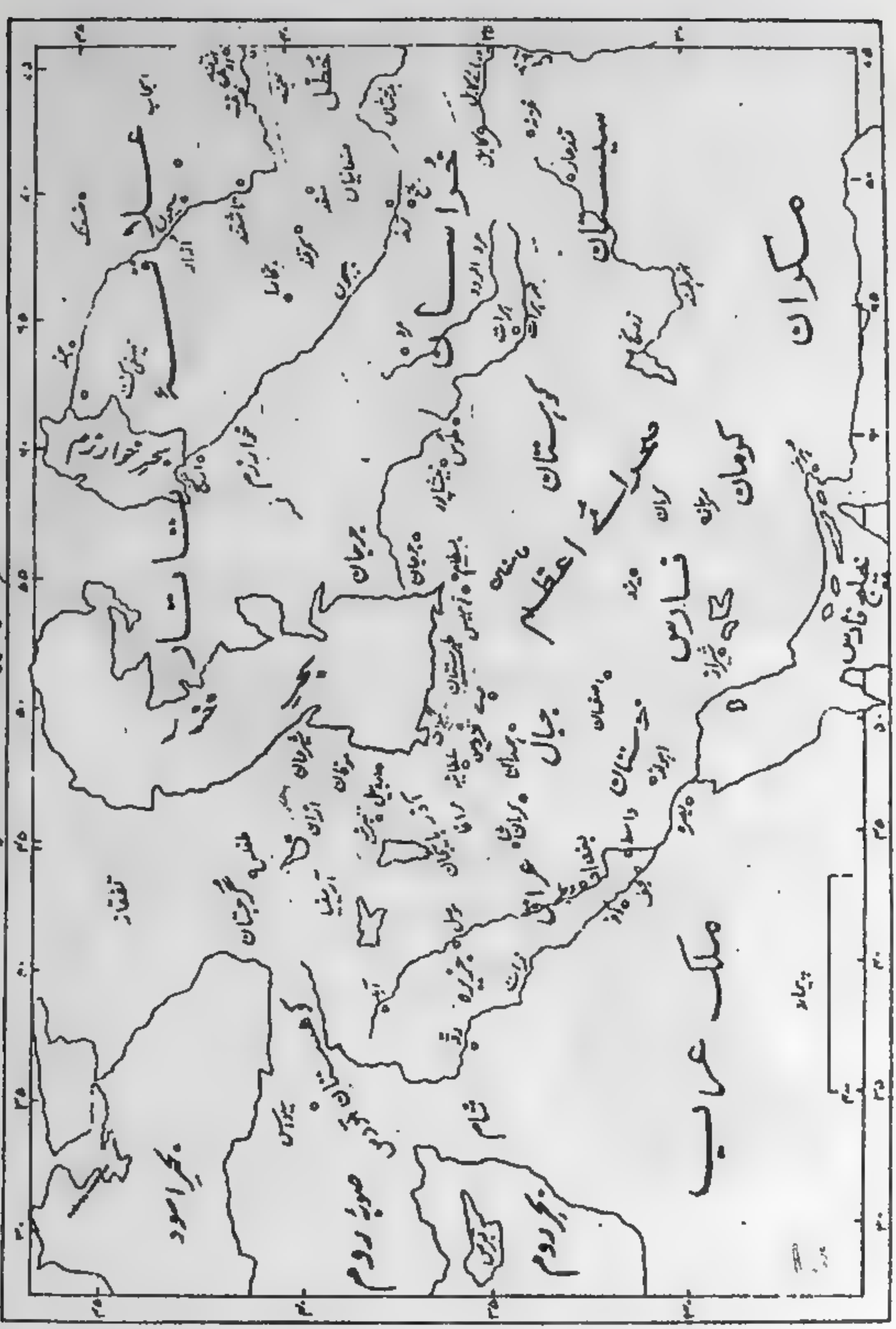
۱۰	شام، فلسطین	۱۰۹۵۰۹ میل	۱۷۵۲۱۴۴ کلومیٹر
۱۱	جزیرہ عرب کچھ حصہ	۲۰۰۰۰۰ میل	۳۲۰۰۰۰ کلومیٹر
۱۲	مصر	۴۰۰۰۰۰ میل	۳۶۴۰۰۰۰ کلومیٹر
۱۳	نوبیہ اور کچھ حصہ سوڈان کا	۳۰۰۰۰۰ میل	۴۸۰۰۰۰ کلومیٹر
۱۴	طرابلس الغرب	۳۹۸۰۰۰ میل	۶۳۶۸۰۰ کلومیٹر
۱۵	جزائر الغرب	۱۸۴۵۰۰ میل	۲۹۵۲۰۰ کلومیٹر
۱۶	تیونس	۵۱۰۰۰ میل	۸۱۶۰۰ کلومیٹر

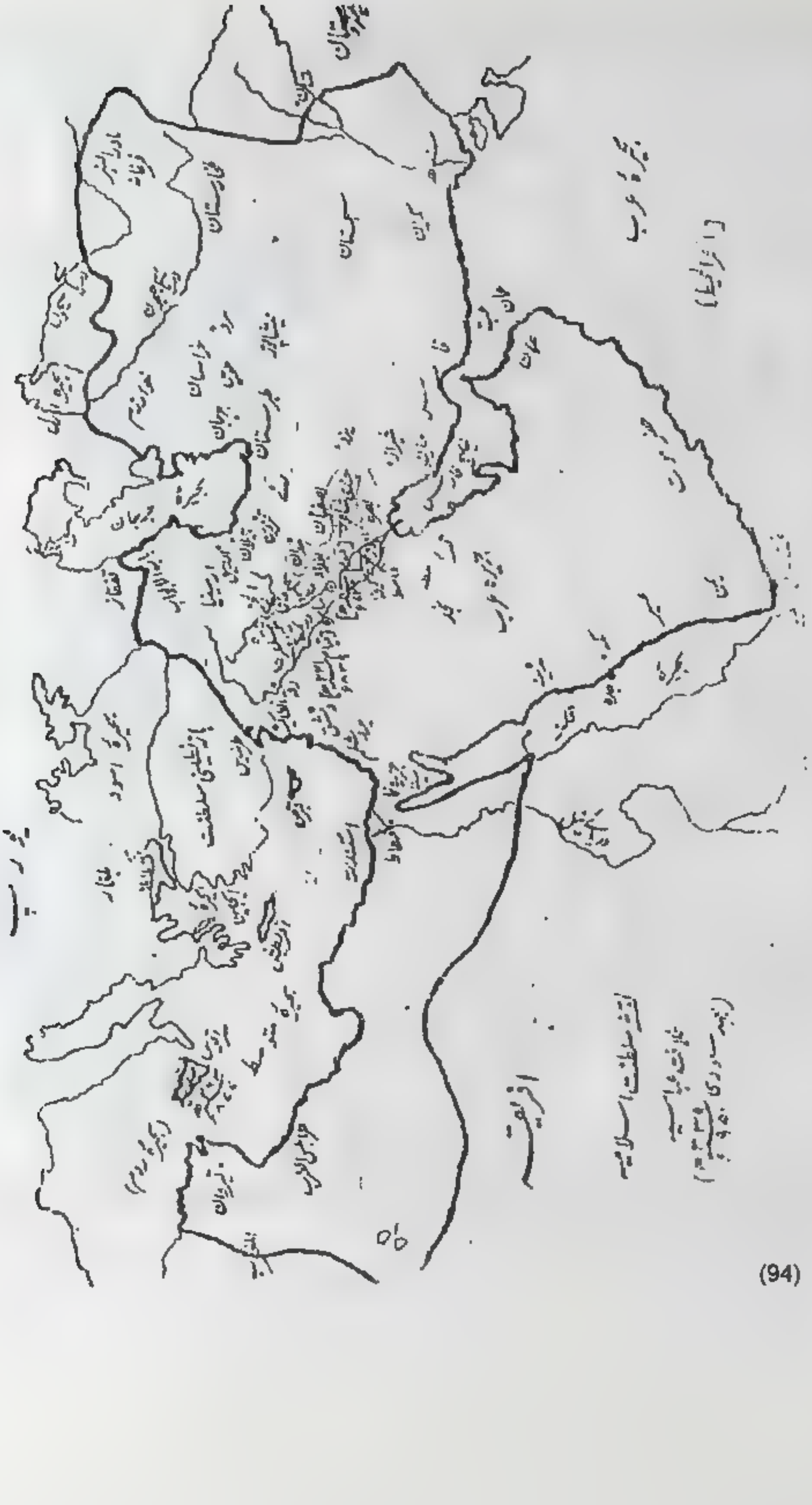
میزان: ۳۳۲۸۰۱۴ میل ۷۳۲۴۸۲۲۰۴ کلومیٹر

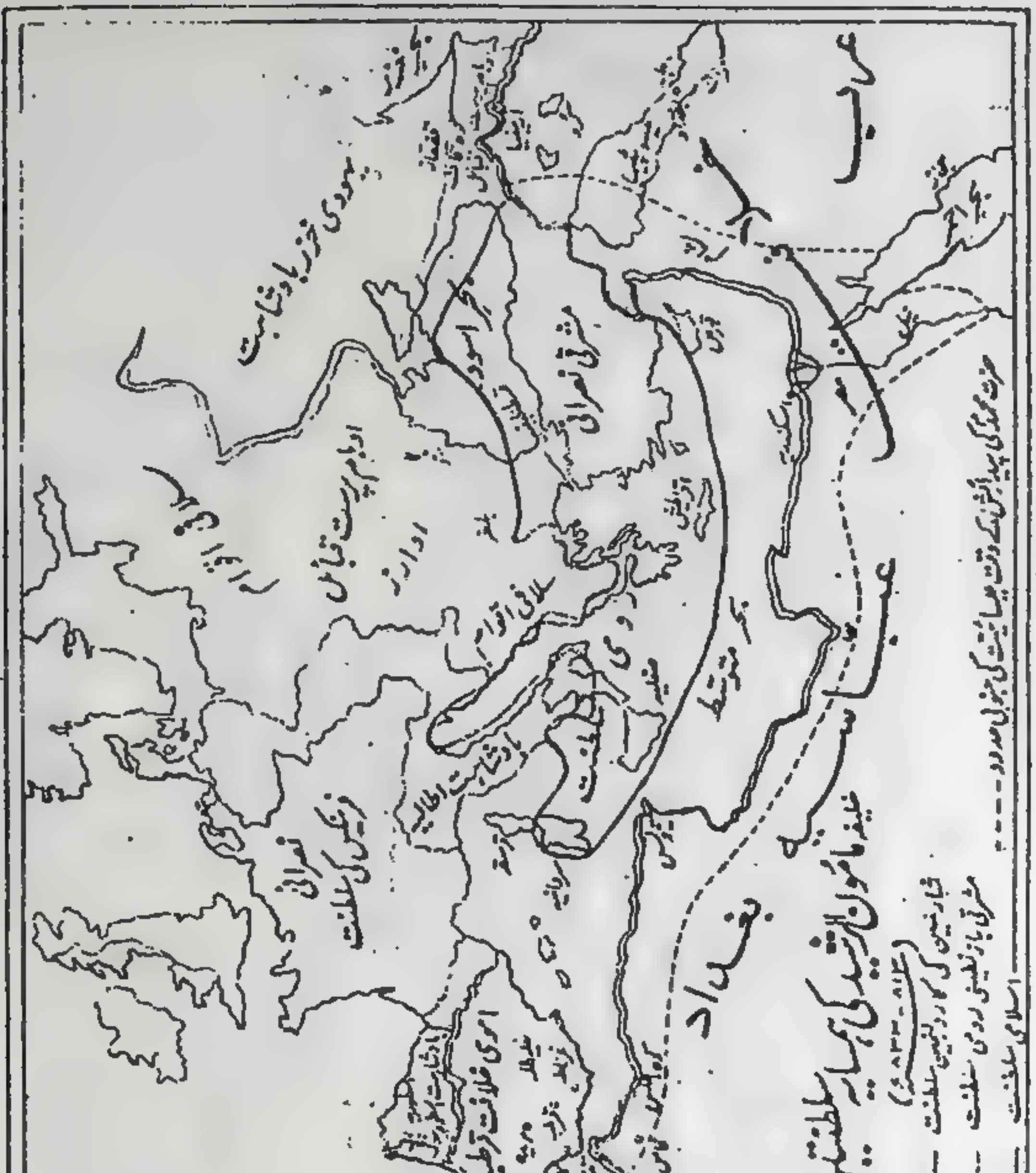
☆ یعنی کل رقبہ تینتیس لاکھ اٹھائیس ہزار چودہ مربع میل تھا۔ جو تقریباً تمام یورپ کے رقبہ کے برابر ہے اور آج کے ترقی یافتہ عظیم ممالک عباسی عہد کے صرف صوبہ جات وغیرہ تھے (۹۱)۔

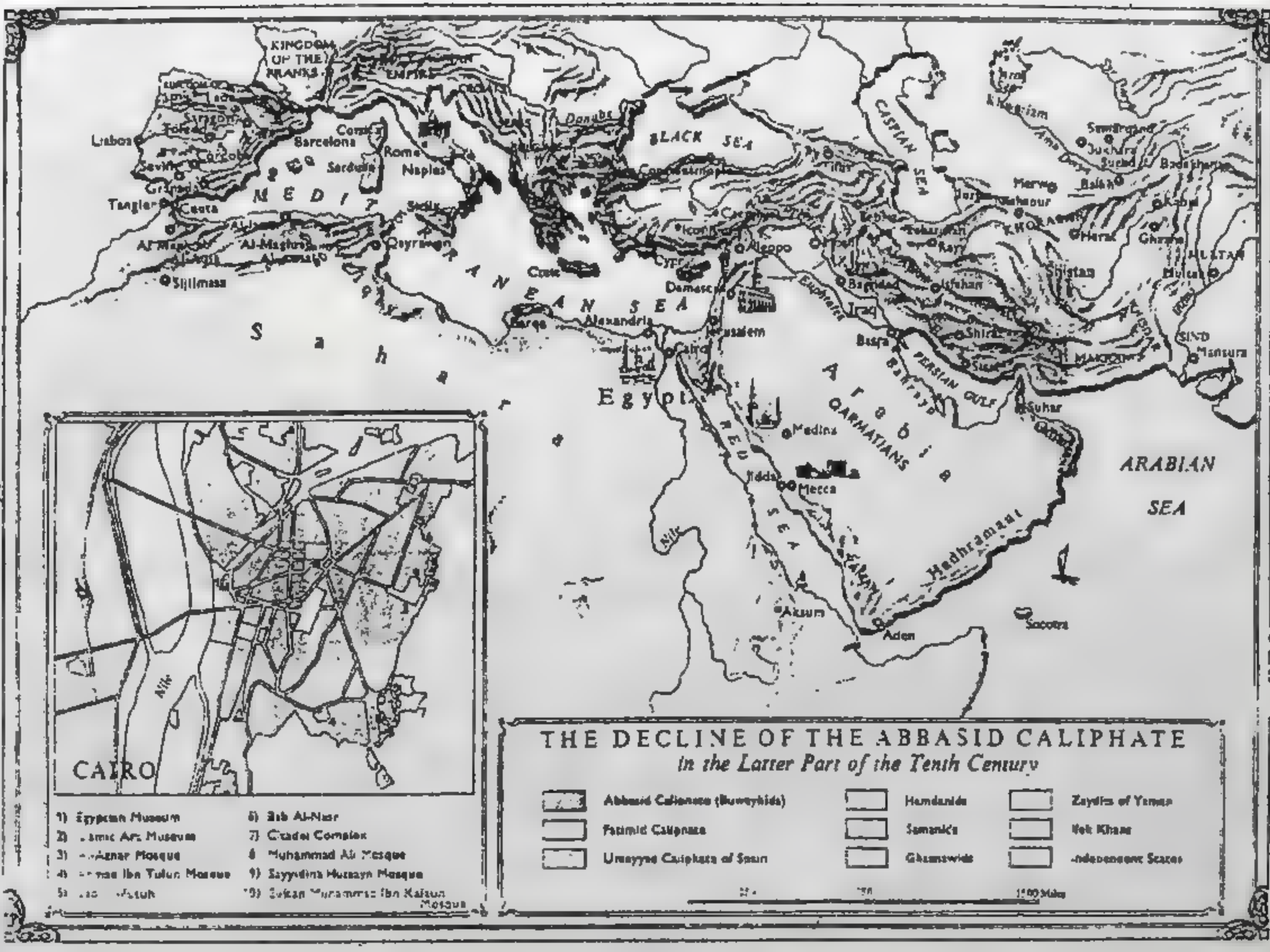


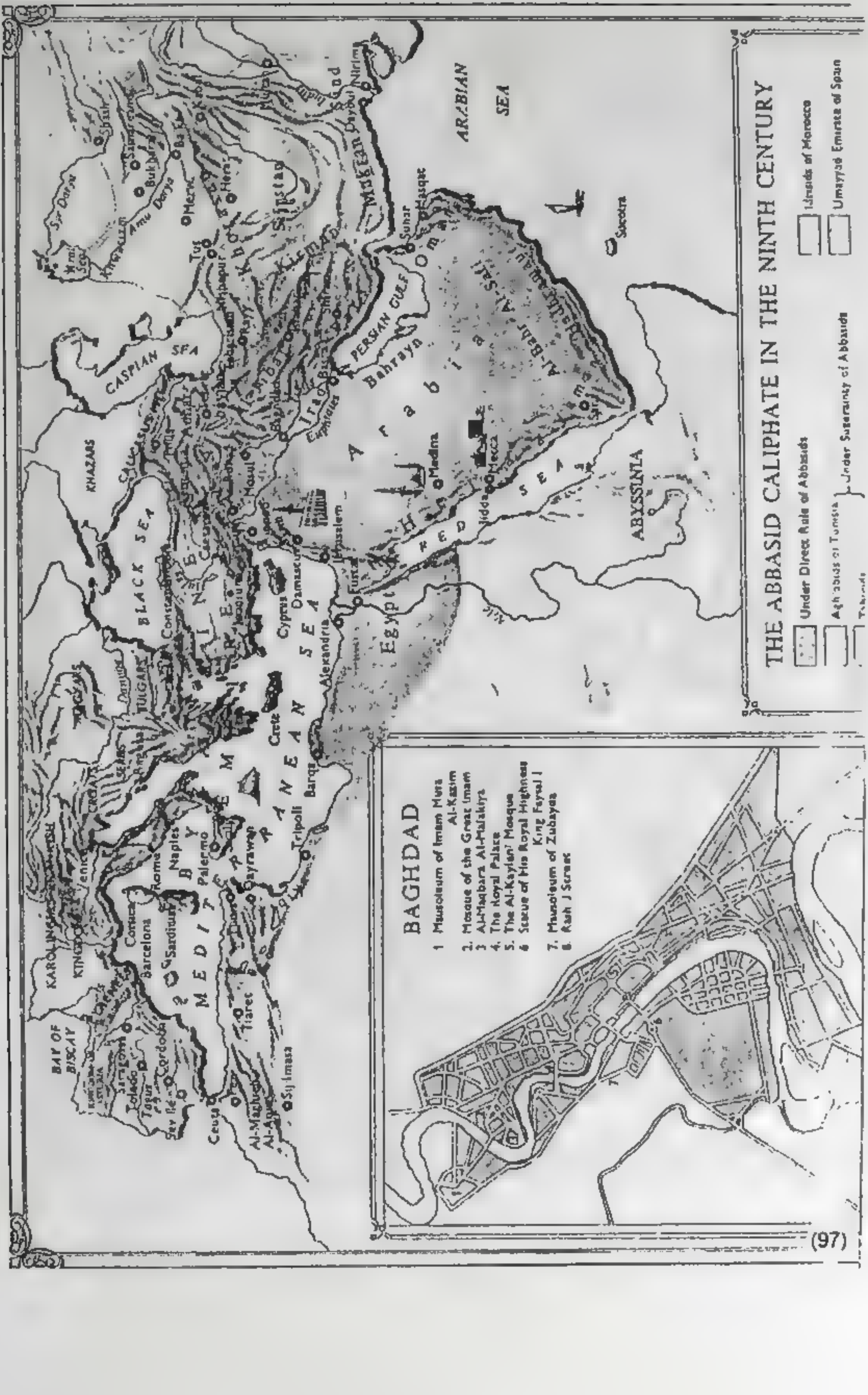
خلافت عباسیہ بغداد کے صوبے






سلاوی اقوام
یہودی خزر بادشاہت
نصرانی
فرینکس کی سلطنت
اوہام پرست قبائل
بحر اسود
مشرقی نصرانی
سلطنت رومی
بحر متوسط
اموی خلافت قرطبہ
بغداد
عباسیہ
عرب
خلیفہ مامون الرشید کی ہمسایہ سلطنتیں
شارلمین کی کارولنجین سلطنت
مشرقی بازنطینی رومی سلطنت
اسلامی سلطنت


THE DECLINE OF THE ABBASID CALIPHATE
In the Latter Part of the Tenth Century
Fatimid Caliphate
Hamdanids
Samanids
Ghaznavids
Zaydis of Yemen
CAIRO
1) Egyptian Museum
6) Bab Al-Nasr
7) Citadel Complex
8) Muhammad Ali Mosque
9) Sayyidina Hussayn Mosque
KINGDOM OF THE FRANKS
Lisbon
Barcelona
Rome
Naples
Sardinia
Sicily
Tangier
Ceuta
Sijilmasa
Qayrawan
Crete
Alexandria
Cairo
Jerusalem
Damascus
Aleppo
Constantinople
BLACK SEA
CASPIAN SEA
Baghdad
Basra
Isfahan
Rayy
Shiraz
Merw
Herat
Balkh
Kabul
Ghazna
Multan
Mansura
SIND
Sijistan
Medina
Mecca
Jidda
Aden
Aksum
Socotra
Suhar
Iraq
Euphrates
Nile
Egypt
Arabia
QARMATIANS
Hadhramaut
PERSIAN GULF
RED SEA
ARABIAN SEA
Sahara
Danube


THE ABBASID CALIPHATE IN THE NINTH CENTURY
Under Direct Rule of Abbasids
Aghlabids of Tunisia
Under Suzerainty of Abbasids
Idrisids of Morocco
Umayyad Emirate of Spain
BAGHDAD
1. Mausoleum of Imam Musa Al-Kazim
2. Mosque of the Great Imam
3. Al-Maqbara Al-Malakiya
4. The Royal Palace
5. The Al-Kaylani Mosque
6. Statue of His Royal Highness King Faysal I
7. Mausoleum of Zubayda
8. Rashid Street
CASPIAN SEA
BLACK SEA
MEDITERRANEAN SEA
RED SEA
PERSIAN GULF
ARABIAN SEA
KHAZARS
BULGARS
KAROLINGIAN KINGDOM
BAY OF BISCAY
ABYSSINIA
Arabia
Egypt
Cyprus
Crete
Damascus
Jerusalem
Alexandria
Medina
Mecca
Jidda
Bahrayn
Oman
Tripoli
Barqa
Tiaret
Sijilmasa
Ceuta
Cordoba
Toledo
Barcelona
Sardinia
Corsica
Rome
Naples
Palermo
Venice
Constantinople
Caucasus
Mosul
Basra
Merv
Bukhara
Samarqand
Herat
Sijistan
Kirman
Makran
Euphrates
Nile
Socotra
Sind
Amu Darya
Sir Darya

عہد عباسی میں خودمختار ریاستوں کا قیام

۱۳۲ھ میں" خلافت عباسی"" اموی خلافت" کا خاتمہ کر کے بلا شرکت غیرے اقتدار میں آئی تھی۔ اور اس وقت ایک حکومتِ اسلامی کے تحت ملت اسلامیہ قائم تھی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہی ۱۳۸ھ میں عباسیوں کے ظلم وستم سے بچ کر چھپ چھپا کر اموی خاندان کا ایک فرد عبدالرحمان الداخل اندلس پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں جا کر اس نے ایک نئی اسلامی مملکت قائم کی (۹۸) اسی طرح ہادی کے عہد میں مغرب اقصیٰ میں ادریس بن عبداللہ عباسیوں سے ڈر کر پہنچے اور وہاں بربریوں میں اپنی علیٰحدہ حکومت قائم کر لی اور مغرب بھی بنو عباس کے ہاتھ سے نکل گیا (۹۹) پھر کچھ عرصہ سکون رہا۔ لیکن متوکل کے بعد جب خلافت میں ضعف آ گیا تو پھر چاروں طرف کے صوبوں کے گورنروں نے پر پرزے نکالنے شروع کیے اور حکمرانی کی مشین کے پرزے ایک دوسرے سے جدا ہو کر بجائے خود ایک مشین کے قائم ہوتے گئے۔ پھر ہوتے ہوتے عباسی حکومت بچ نہ سکی۔ اس کے حصے بخرے ہو گئے اور مختلف حکومتوں نے جنم لے لیا (۱۰۰) جیسا کہ مغرب میں اغالبہ، علویہ، طولونیہ، مصر، شام اور افریقہ میں قائم ہوئیں۔ جبکہ مشرق میں صفاریہ، طاہریہ، زیدیہ، سامانیہ، بویہ اور سلجوقیہ اہم حکومتیں تھیں (۱۰۱)۔

ان میں بویہ بڑی زبردست اور شان وشوکت والی حکومت تھی۔ انہوں نے پورے ممالک اسلامیہ پر بغداد سمیت قبضہ کر لیا تھا۔ اس دور میں مستکفی باللہ بالکل برائے نام خلیفہ تھا جسے عزالدولہ ابن بویہ نے پانچ ہزار درہم روزانہ تنخواہ دینا منظور کیا تھا (۱۰۲)۔ ان سے پھر سلجوقیوں نے اقتدار چھین لیا۔ یہ حکومت ۴۴۰ھ سے چھٹی صدی ہجری تک قائم رہی۔ ان کی حکومت بھی بذات خود دنیا کی عظیم ترین سلطنتوں میں شمار کی جاتی تھی۔ پھر ان کے علاوہ اور بہت سی چھوٹی چھوٹی خودمختار حکومتیں قائم ہوئیں جو صدیوں تک برقرار رہیں (۱۰۳)۔

خلافت عباسیہ کی اہمیت

عباسی حکومت کا طویل ترین دور ۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ تک جاری رہا۔ اس سلطنت کی حدود بہت وسیع تھیں بلکہ متوکل تک دنیا کا ایک وسیع رقبہ اس کے قبضہ واختیار میں آ چکا تھا (۱۰۵) اور اقتدار بہت مستحکم ہو گیا تھا۔ یہ حکومت بے شمار خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ شعار دین کی عظمت قائم تھی۔ نیکیاں نہر کی طرح جاری تھیں۔ دنیا آباد تھی، حرمات الٰہیہ کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ سرحدیں نہایت مضبوط تھیں (۱۰۶)۔ امام ذہبی ابتدائی دور کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

> "اس زمانے میں اسلام اور مسلمان عزت واحترام کی پوری قدروں سے مالا مال تھے۔ علم کی کثرت وتازگی تھی۔ ہر طرف جہاد کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ سنتوں کا رواج تھا۔ بدعات سرنگوں تھیں۔ حق وصداقت کی آواز بلند کرنے والے کثیر تعداد میں موجود تھے۔ عباد وزہاد کی کثرت تھی۔ لوگ امن وامان کی زندگی کے مزے لے رہے تھے۔ غزوات وفتوحات ہر طرف عام تھیں"۔ (۱۰۷)

اس سلطنت کا بانی تو ابوالعباس سفاح تھا۔ لیکن اس کا عرصہ شورشوں کو دبانے اور حکومت کو پاؤں پر کھڑا کرنے میں گزر گیا۔ اس لیے اصل بانی منصور کو کہا جاتا ہے۔ منصور کے دور میں اس بغداد نے جنم لیا جو اپنے وقت میں دنیا کا مرکز بن گیا تھا۔ اس نے صحیح عروج ہارون و مامون کے زمانے میں دیکھا۔ ہارون کا بغداد ساری دنیا میں اپنی خوبصورتی، شان وشوکت، علمی مراکز، بڑے علماء، شاندار مساجد، باغات انہار، بازار، حماموں اور سراؤں میں اپنی مثال آپ تھا۔ دنیا کا کوئی شہر ان خوبیوں میں اس کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا(۱۰۸)۔ "الفخری" میں ہے کہ:

"ہارون کا عہد بہترین عہد تھا۔ وقار اور دبدبہ کے لحاظ سے بھی اور رونق، فراغت اور خوشحالی کے لحاظ سے بھی"۔(۱۰۹)

امام ذہبی کا کہنا ہے کہ:

"ہارون کی عظیم سلطنت میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہ تھا"۔(۱۱۰)

جبکہ مولانا شبلی نعمانی خلیفہ مامون کو عباسی خلافت کا ہیرو قرار دیتے ہوئے اس کے دور کو "زریں دور" قرار دیتے ہیں(۱۱۱) اور مستشرقین ہارون و مامون دونوں کے دور کو ہی برابر کا دور قرار دیتے ہوئے اسی دور کو "اصلی تمدن کا عروج" کا زمانہ سمجھتے ہیں جیسا کہ فلپ کے حتی کا کہنا ہے کہ:

"سفاح اور منصور نے عباسی سلطنت قائم کی۔ جو کہ تیسرے خلیفہ المہدی سے لے کر نویں خلیفہ الواثق تک شباب پر رہی۔ اسے زیادہ فروغ ہارون اور مامون کے دور میں حاصل ہوا"۔(۱۱۲)

یہی بات فرانسیسی مصنف گستالی بان کہتا ہے کہ:

"ہارون الرشید اور اس کے بیٹے (مامون) کا زمانہ عربوں کی مشرقی حکومت کے عروج کا زمانہ تھا۔ ان کی حکومت نہ صرف قوت بلکہ تمدنی ترقی میں تمام دنیا پر فوقیت رکھتی تھی"۔(۱۱۳)

مولوی بدرالدین چینی "سلسلہ التواریخ" کے حوالے سے کہتے ہیں کہ:

"اہل ہند اور چین اس بات پر متفق ہیں کہ دنیائے معروف میں اس وقت چار بڑے بادشاہ ہیں۔ ان میں سب سے بڑا خلیفہ بغداد ہے۔ اولاً اس کے پاس بے حد دولت ہے۔ ثانیاً اس کے عالیشان قصر و محل ہیں، ثالثاً اس کی فوجی قوت بہت بڑی اور ہیبت والی ہے۔ ان کے علاوہ وہ ایسے مذہب کا سردار ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہے اور عظمت وشوکت کے لحاظ سے بادشاہ چین دوسرے اور بادشاہ یونان تیسرے نمبر پر ہیں۔ جبکہ چوتھے نمبر پر ہندوستان کا راجہ ملہرا ہے جس کے کان چھدے ہوئے ہیں"۔(۱۱۴)

الغرض عباسیوں کا رعب و دبدبہ اور ہیبت کچھ یوں چھائی ہوئی تھی کہ اس وقت کی اردگرد کی بڑی سلطنتیں بھی دبی ہوئی تھیں۔ کچھ جزیہ اور خراج دے کر اپنے تحفظ کی ضمانت لیتی تھیں اور کچھ تحفے تحائف دے کر تعلقات اچھے رکھنے اور

حالات موافق بنانے کے لیے تگ و دو کرتی تھیں۔ مثلاً:

سلطنت روما باجگزار تھی

ملکہ روم رینی ۱۶۵ھ میں مجبور ہوگئی کہ خراج ادا کرے۔ آخر اس شرط پر صلح ہوئی کہ وہ ہر سال دو دفعہ خراج ادا کرے گی پہلی بار ستر ہزار یا بانوے ہزار دینار اور اتنے ہی دوسری بار بطور خراج دیا کرے گی۔ اس کے علاوہ وہ بہت سے تحائف بھی مہدی کو بھیجتی رہتی جس میں سونا اور چاندی (یعنی درہم و دینار) بھی شامل ہوتا (۱۱۵)۔ ۱۶۶ھ میں رومی سفیر بارگاہ خلافت میں چونسٹھ ہزار دینار طلائی رومی، دو ہزار پانچ سو دینار عربی اور تیرہ ہزار رطل نہایت باریک نرم اون اپنے ساتھ لائے تھے۔ (۱۱۶)

۱۸۷ھ میں ملکہ روم کے بعد نقفور (Nicephore) (افسر خراج) بادشاہ بن گیا تو اس نے ہارون کو خراج دینے سے انکار کر دیا جواباً ہارون نے چڑھائی کر دی اور ہرقلہ کو تباہ کر دیا۔ لونڈی غلام اور مال غنیمت حاصل کیا۔ آخر کار نقفور کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور سالانہ خراج کی ادائیگی پر صلح کر لی (۱۱۷)۔ لیکن ۱۹۰ھ میں اس نے پھر بد عہدی کی تو ہارون نے ہرقلہ کو ہی فتح کر لیا۔ آخر نقفور نے اپنا، اپنے ولی عہد روساء اور اپنے علاقے کے تمام باشندوں کا جزیہ بقدر پچاس ہزار دینار ادا کیا۔ اس نے اپنا جزیہ چار دینار اور اپنے بیٹے استبراق کا دو دینار بھیجا۔ اس کے علاوہ تین لاکھ تاوان جنگ ادا کیا۔ ساتھ ہی پچاس ہزار درہم، دیباج کے سو تھان، بزیون کے دو سو تھان، بارہ شکاری باز، چار شکاری کتے اور تین سواری کے گھوڑے بھی دیئے (۱۱۸)

کابل کے بادشاہ کی اطاعت و خراج کی ادائیگی

کابل کا بادشاہ بھی اطاقت قبول کرتے ہوئے باقاعدگی سے خراج ادا کرتا تھا۔ خراسان سے اس کے ملک تک ڈاک چوکیاں قائم کر دی گئیں۔ وہاں سے تر و تازہ ہرڑیں بارگاہ خلافت میں (مامون کے عہد) میں پہنچتی تھیں (۱۱۹)۔

اشروسنہ کے بادشاہ کاؤس کا معاہدہ برائے ادائیگی خراج

اشروسنہ کے بادشاہ نے بھی مامون کے عہد میں مامون کے وزیر کاتب الفضل بن سہل بہ ذوالریاستین سے درخواست کی کہ وہ خراج ادا کرتا رہے گا لیکن اسے حملوں سے امان دی جائے (۱۲۰)۔

البجہ کے لوگوں سے خراج اور غلاموں کی فراہمی پر صلح

۲۳۱ھ میں متوکل نے البجہ کے فرمانروا سے اس شرط پر صلح کی کہ وہ غلام فراہم کریں گے اور خراج ادا کریں گے۔ ایک طویل عرصہ تک وہ اس معاہدہ پر قائم رہے۔ اس کے علاوہ وہ مسلمانوں کو سونے کی کانوں پر کام بھی کرنے کی اجازت دیتے تھے (۱۲۱)۔

اہل بجہ معاہدہ کے تحت اپنی کانوں سے چار سو مثقال سونے کے پتر بغیر صاف کئے خراج کے طور پر دیتے تھے۔ متوکل دور میں انہوں نے بند کر دیا۔ ۲۴۱ھ میں متوکل نے جنگ کی جس میں انہیں شکست ہوئی۔ پھر انہوں نے چار سال کا اکٹھا خراج ادا کیا۔ جو فی سال چار سو مثقال تھا (۱۲۲)۔

اہل نوبہ سے خراج کی وصولی

"مہدی کے حکم سے اہل نوبہ سالانہ ۳۶ غلام اور ایک زرافہ دیتے تھے۔ پھر ان لوگوں نے مہدی سے درخواست کی کہ وہ جو غلام پیش کرتے ہیں وہ دشمنوں سے پکڑے جاتے ہیں اور جب ان میں سے کوئی ہاتھ نہیں لگتا تو پھر وہ اپنے بچے بطور غلام پیش کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ مہدی نے اس معاملہ میں رعایت برتنے کا حکم دیا اور کہا کہ "ہر تیسرے برس ایک برس کا خراج لیا جائے" (۱۲۳)

تبت کے راجہ کا قبول اسلام اور کعبہ کے لیے تحفہ

مامون کے زمانہ میں سندھ کے اوپر تبت کے علاقہ کے ایک راجہ نے اسلام قبول کیا اور بیت اللہ کے لیے قیمتی نذرانہ بھیج کر عقیدت کا اظہار کیا۔ اس نے ایک بہت بڑا انسانی شکل کا سونے کا بت روانہ کیا۔ اس پر سونے کا ہی تاج تھا۔ جس میں جواہرات، یاقوت، سرخ یاقوت، سبز اور زبرجد کے جڑاؤ تھے۔ یہ بت ایک تخت پر رکھا ہوا تھا جس کے پائے سونے چاندی کے تھے۔ اس پر دیباج کا فرش تھا۔ جس کی جھالریں سنہری اور روپہلی تھیں۔ ۲۰۱ ھ میں حج کے موقع پر اسلامی شان وشوکت کے اظہار کی غرض سے اس کی نمائش ہوئی (۱۲۴)۔

ہندوستان سے تحائف کا تبادلہ

ہندوستان سے بنگال کے راجہ رہمی (جو بقول رہمی مشرق کا زبردست حکمران تھا) نے مامون کو بیش قیمت تحائف بھیجے۔ جواباً مامون نے بھی قیمتی تحائف بھیجے اور ساتھ ہی لکھا کہ:

"اگر سلاطین اپنی اپنی حیثیت کے مطابق آپس میں تحفے اور ہدیے وغیرہ کا معاملہ کریں تو اس کے لیے ان کے خزانے کافی نہیں ہوں گے۔ اس لیے یہ چیزیں اسی قدر ہدیہ میں دی جاتی ہیں جس سے باہمی تعلق اور جانبین کا حسنِ نیت ظاہر ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی توفیق ہے" (۱۲۵)۔

خلیفہ مامون کو ہاتھی کا تحفہ

ہندوستان کے ایک راجہ نے مامون کو ہاتھی کا تحفہ بھیجا اور عہد معتصم میں بابک خرمی کو اس ہاتھی پر مقام قاطول سے سامرا تک لایا گیا (۱۲۶)

خلیفہ مامون اور ملکہ بوران کو راجہ ہند کا تحفہ

مامون کی شادی پر ہندوستان کے راجہ نے بہت سے قیمتی تحائف بھجوائے ساتھ ہی عود کی ایک ٹوکری بھی بھجوائی (۱۲۷)

مزید ہندوستانی تحائف

ہندوستان کے ایک راجہ نے ہارون رشید کو بہت سے تحائف کے ساتھ زمرد کی ایک گز سے زیادہ لمبی چھڑی بھیجی جس کے

سرے پر یاقوت سرخ کی ایک چڑیا بنی ہوئی تھی (۱۲۸)۔
اردگرد کی حکومتوں کا اطاعت قبول کرنا بلکہ ایک خطیر رقم بطور جزیہ دینا اور تعلقات کو خوشگوار رکھنے کے لیے تحفے تحائف کا تبادلہ جیسے امور عباسی سلطنت کی اہمیت، وقار اور عظمت کی نشاندہی کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اس کے علاوہ وسیع پیانے پر خراج (زمین کا محصول) کا وصول ہونا بھی اس کی جہانبانی کا پتہ دیتا ہے، اس کے علاوہ خلفاء، وزراء، امراء اور دوسرے سرکاری اہلکاروں اور جاگیرداروں اور ان سب کے خاندانوں کی شان وشوکت اور طرز بودوباش سے اس ملک کی دولت وثروت کا پتہ ملتا ہے۔
ملک میں تعمیرات یعنی شہروں کی آباد کاری، بازار، شاہراہیں، سڑکیں (گلیاں جو کہ صرف بغداد میں ہی چھ ہزار تھیں) سرائیں، حوض، کنویں اور نہروں وغیرہ سے دولت کی فراوانی اور خلفاء ووزراء کی ملکی معاملات میں دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔
اسی طرح زراعت، صنعت وحرفت اور ملکی وغیر ملکی تجارت میں ترقی بھی خلافت عباسیہ کے معاشی استحکام ومضبوطی کا احساس دلاتی ہے یہی وجہ ہے کہ تمام عالم خلافت عباسی کی شان وشوکت جاہ جلال اور اہمیت کا اعتراف کرتا ہے۔ اس عہد میں زندگی کے ہر شعبے میں تعمیر وترقی نے اسے ایک متمدن عہد بنا دیا۔ دنیا میں اس کے چرچے ہوئے اور آج بھی اس عہد گزشتہ کو اسلاف کی شاندار میراث سمجھتے ہوئے عالم اسلام اس پر فخر کرتا ہے۔
لیکن اصل میں جس کارنامے اور عمل نے اس عہد کو رہتی دنیا تک کے لیے زندہ وجاوید اور اہم بنا دیا ہے وہ اس کا "علمی میدان میں کردار" ہے۔ عہد عباسی کی اس سرمایہ کاری کا نفع ہم آج تک اٹھا رہے ہیں۔

علمی خزانہ (عہدِ عباسی کا سب سے بڑا کارنامہ، تحفہ وترکہ برائے مسلمانانِ عالم)

حقیقت یہ ہے کہ معیشت کی مضبوطی، لوگوں کی صلاحیت اور حکومت کی دلچسپی وسرپرستی کا لازمی نتیجہ علوم وفنون کے پھیلاؤ اور ترقی وترویج کی صورت میں نکلتا ہے۔ یوں بھی علم حاصل کرنا ہم سب پر فرض ہے (۲۴)۔ اس لیے یہ دور جہاں سیاسی، تمدنی، سماجی، معاشرتی، معاشی، تعمیراتی، دفاعی اور دیگر شعبوں میں ترقی اور عروج کا دور تھا وہاں علمی میدان بھی اسی کے ہاتھ رہا۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ عباسیوں کا طویل دورِ حکومت جہاں کشور کشائیوں اور فتح یابیوں سے عبارت ہے وہاں علمی ترقیوں کے اعتبار سے بھی اپنا جواب نہیں رکھتا۔ دنیا کے تمام علوم وفنون اس زمانہ میں عربی زبان نے اپنے دامن میں سمیٹے۔ مردہ قوموں کے مردہ علوم کو بھی عباسیوں نے زندہ کیا اور انہیں چار چاند لگا دیئے۔ اگر عباسیوں نے اس طرف توجہ نہ کی ہوتی تو منطق، کیمیا، فلسفہ، فلکیات، طب اور دوسرے علوم وفنون شاید آج ابتدائی حالت میں ہوتے۔ وہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے عباسیوں کے دورِ حکومت میں ان علوم کو اپنایا اور کہیں سے کہیں پہنچا دیا (۱۲۹)۔ لہٰذا علم کا ایسا کوئی شعبہ نہیں جس میں اس دور میں کام نہ ہوا ہو اور پھر عروج حاصل نہ کیا ہو (۱۳۰)

i) دینی علوم (۱۳۱)

دینی علوم میں قرآن، تفسیر، حدیث، صرف ونحو، تصوف، علم الکلام، تاریخ وسیر اور فقہ کی تدوین اسی دور میں ہوئی۔

ii) دنیاوی علوم (۱۳۲)

دنیاوی علوم بھی طب، فلسفہ، کیمیا، طبعیات، فلکیات، نفسیات، سیاسیات، موسیقی، الجبرا، علم ہندسہ، شعروادب نے ممتاز

مقام پایا۔کھیلوں پر کتابیں لکھی گئیں (شطرنج) سائنسی تجربات کے لیے رصد گاہیں قائم کی گئیں جہاں زمینوں کی پیائش اور اجرام فلکیات کا مطالعہ کیا جاتا تھا۔ مامون نے ان ماہرین فلکیات کے لیے ہر طرح کی سہولیات بہم پہنچائیں (۱۳۳)

iii) تراجم (۱۳۴)

یہاں تک کہ دوسری زبانوں مثلاً کلدانی، سریانی، فارسی، سنسکرت، نبطی، ایرانی اور یونانی علوم کے تراجم عربی زبان میں کروانے کے لیے باقاعدہ ایک محکمہ بیت الحکمہ کے نام سے کھولا گیا۔ جہاں تراجم کو سونے میں تول دیا گیا(۱۳۵)۔ مترجمین کی بھاری تنخواہیں مقرر کی گئیں (۱۳۶) اور انہیں محلوں میں رکھا گیا(۱۳۷)۔فقہاء اور ادباء کے وظائف مقرر کیے گئے اور تاریخ دانوں کو انعامات سے نوازا گیا۔خلفاء کی اس علم پروری کا اعتراف مستشرقین بھی برملا کرتے ہیں مثلاً نکلسن کہتا ہے کہ:

> ''سلطنت عباسیہ کی وسعت، دولت وثروت اور تجارت کے غیر معمولی فروغ کا تہذیبی ترقی میں بڑا دخل تھا۔اس دور میں تہذیبی ترقی اوج کمال پر تھی۔مشرق میں ایسی ترقی کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔تمام لوگ خلیفہ سے لے کر معمولی آدمی تک تحصیل علم کے بے حد شیفتہ تھے یا کم ازکم پشت پناہ تھے۔لوگ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے علم وعرفان کے مرکزوں کی طرف جاتے تھے اور شہد کی مکھیوں کی طرح علوم وفنون سے بوجھل لوٹتے تھے اور علم کے شوقین لوگوں کی پیاس بجھاتے اور تصنیفات تخلیق کرتے۔ یہ تصنیفات اس وقت بھی انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی تھیں۔اس زمانے کے جدید علوم ہم تک پہنچانے میں ان تخلیقات کا بڑا دخل ہے۔اگر یہ تخلیقات نہ ہوتیں تو ان علوم کے ہم تک پہنچنے کی اور کوئی صورت نہ تھی'' (۱۳۸)۔

ان تمام علوم کی تدوین وترتیب وتصنیف تین چار صدیوں میں ہوئی۔لیکن آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد یہی علوم بنیاد ہیں۔ ہمارے تعلیمی اداروں میں ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک ان علوم سے استفادہ کیا جاتا ہے۔صحاح ستہ (۱۳۹) تفاسیر (۱۴۰)، تاریخ وسیر (۱۴۱)، مغازی اور شعروادب اور دیگر علوم (۱۴۲) اسی زمانے کے تدوین شدہ ہیں جو آج پڑھائے جارہے ہیں۔

آج کی اسلامی دنیا مذاہب اربعہ اور فقہ جعفریہ وغیرہ (۱۴۳) کی مقلد ہے۔جیسا کہ ہمارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان میں فقہ حنفی کے مطابق نظام زندگی ہے اور عرب میں فقہ حنبلی کے مطابق، سارا شمالی افریقہ فقہ مالکی پر ہے۔دنیا بھر میں شیعہ حضرات فقہ جعفریہ کے مقلد ہیں۔اسی طرح تمام دنیا کے مسلمان کسی نہ کسی امام کی فقہ کو بنیاد بنا کر جدید دنیا کے تقاضوں کو بہ احسن نبھار ہے ہیں۔ جو اس وقت ائمہ کرام نے بہت محنت اور مشقت کے بعد قرآن، حدیث اور آثار صحابہ اور استحسان سے مدون کیا تھا۔

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ:

> ''بنو عباس کا دور جہاں دوسری تہذیبی وتمدنی جدوجہد کے لحاظ سے اپنی مثال آپ

تھا۔ وہاں علمی لحاظ سے بھی کوئی پہلا زمانہ اس کے ہم پلہ وہم وزن نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام اسلامی علوم وفنون کی ترتیب وتزئین اسی دور میں ہوئی ۔ یہ سہرا ابوجعفر منصور، مہدی، ہارون، و مامون اور ان کے جانشینوں کے سر بندھا کہ انہوں نے اپنے زمانہ اقتدار میں نہ صرف مختلف علوم وفنون کو فروغ دیا بلکہ علمائے وقت کی خوب سرپرستی کی اور وہ خود اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض تو ایسے تھے کہ انکا علم دوسروں کے لیے سند تھا'' (۱۴۴)۔

مختصراً یہ کہ ''عباسی خلافت ہمارے لیے باعث فخر ہے کہ وہ تہذیب وتمدن کے عروج کا زمانہ تھا اور ایک وسیع دنیا پر مسلمانوں کی حکومت تھی'' (۱۴۵)۔ لیکن وہ سب قصہ پارینہ بن چکا ہے۔ حسین خواب تھا، خوبصورت ماضی تھا اور ایک امید ہے جس کے سہارے ہم مستقبل کی راہیں متعین کر سکتے ہیں۔

لیکن نہ تو اس دور کے سونے چاندی کے ڈھیر اور برتن ہم تک پہنچ سکے ہیں (۱۴۶) اور نہ ہی ہیرے جواہرات (۱۴۷) کے ہم وارث بنے۔ نہ ہی خوبصورت شہر ومحلات (۱۴۸) ہمیں ملے نہ ہی تخت وتاج (۱۴۹) نہ ہی خراجی زمین اور نہ جزیہ دینے والی رومی سلطنت ودیگر سلطنتیں (۱۵۰)۔

ہمارے پاس ہمارے اس عہد زریں کا ہمارے اسلاف کا ایک ہی ترکہ ہم تک پہنچا ہے۔ ایک ہی خزانہ ہم نے پایا ہے اور وہ ہے ''علمی خزانہ'' جو سینکڑوں سال گزرنے کے بعد بھی محفوظ و مامون ہے جس کے ہم وارث ٹھہرے۔ اس حقیقت کا اعتراف فرانسیسی محقق گستاولی بان نے اس طرح کیا ہے:

''اس وقت بغداد میں زمانہ خلافت کی کوئی یادگار باقی نہیں۔ لیکن اس دور کی لکھی کتب سے ہمیں اس دور کی ترقی کا خوب اندازہ ہوسکتا ہے''۔ (۱۵۱)

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجب را

عہد عباسی کا نظام معاشرت

عباسی خلافت مشرق کی سب سے بڑی حکومت تھی (۱۵۲) اس عہد میں جو تمدن پروان چڑھا اپنی آب وتاب ولطافت کی وجہ سے دنیا بھر سے خراج تحسین پاتا رہا ہے۔ آج بھی اگر اسلامی تمدن کا ذکر کیا جائے تو زرین تمدنی عہد ''عہد عباسی'' ہی قرار پاتا ہے۔ یہ تمدن عرب وعجم کا ملغوبہ تھا۔

دراصل اموی معاشرت وتمدن شاہانہ تکلفات کے باوجود عربوں کی روایتی سادگی اور بدویانہ شان کی مظہر تھی۔ لہٰذا اس میں عجمی اثرات غالب نہ آسکے۔ لیکن عباسی خلافت قائم ہی عجمیوں کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اسی لیے فطری طور پر اس پر اس کے اثرات زیادہ تھے۔ اسی لیے عباسی تمدن، عربی اور عجمی تمدنوں کے باہمی ملاپ سے ظہور پذیر ہوا۔ جو ان تمام بیرونی اثرات کے باوجود مسلمانوں کا معیاری اور اعلیٰ تمدن قرار پایا (۱۵۳)۔

اس زریں عہد کے بارے میں مورخین نے بہت کچھ لکھا۔ ضخیم تصانیف منظر عام پر آئیں۔ لیکن ان سب میں جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی۔ وہ صرف اور صرف سیاست، بغاوت، شورشیں اور خلافت کی حفاظت ہی ہے اور واقعات بھی امراء، وزراء، عمال اور ان کے مصاحبین کے ہی درج کیئے۔ جبکہ عام لوگوں کے بارے میں کہ وہ کیسی زندگی گزارتے تھے؟ اس کی وضاحت نہیں کی گئی۔ اگرچہ مؤلفین نے اس امر پر توجہ کی اور ثانوی اور جدید مآخذ میں اس کی تصویر کشی کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ بھی ناکافی ہے۔ دراصل انہوں نے انہی اصل مآخذ سے عرق ریزی کے بعد اس پہلو کو تلاش کیا جو مورخین نے سیاسی حالات و کیفیات بیان کرتے وقت بر سبیل تذکرہ کر دیئے۔

عہد عباسی میں معاشرہ (آبادی) کی اقسام

عہد عباسی میں مذہب کے اعتبار سے دو طرح کی آبادی تھی (۱۵۴)

1- مسلم

2- غیر مسلم (ذمی)

رہائش کے اعتبار سے بھی دو اقسام تھیں۔

1- شہری آبادی

2- دیہاتی آبادی

مسلم آبادی

حکومت عباسی میں مسلم اور غیر مسلم دونوں آباد تھے۔ ایک مسلم ریاست ہونے کے ناطے مسلمان زیادہ تعداد میں تھے اور پورا معاشرہ اسلامی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ ان کا طرز معاشرت یقیناً اسلامی تھا۔ اسلامی قوانین نافذ تھے۔ ایوان اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ لہٰذا ملک کے سیاہ و سفید کے مالک مسلمان ہی تھے جن میں خلفاء، وزراء اور صاحب اقتدار لوگوں کے علاوہ تاجر، کاشتکار، علماء، فقہاء اور عام عوام شامل تھے۔

غیر مسلم (ذمی) آبادی

لیکن غیر مسلم بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ جو ذمی کہلاتے تھے۔ یہ اسلامی حکومت کی حفاظت میں رہتے تھے اور فوجی و دیگر حکومتی امور سے مستثنیٰ تھے اس لیے انہیں اس کے بدلے میں معمولی جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ انہیں نہ صرف مذہبی آزادی تھی بلکہ انہیں مناظرے کرنے اور اپنے دین کی صداقت ثابت کرنے کے لیے تقریر و تحریر سے کام لینے کی اجازت تھی۔ بختیشوع نے دیر مدائن کو از سر نو آباد کیا وہاں راہب رکھے اور ان کے وظائف مقرر کیے (۱۵۵)۔ ملک میں تجارت عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ میں تھی۔ طبابت کے پیشے پر عیسائی چھائے ہوئے تھے۔ ہارون الرشید کا طبیب خاص جبریل بن بختیشوع نصرانی تھا۔ یہودی سودی کاروبار کیا کرتے تھے۔ ان کے اپنے محلے اور جداگانہ مدرسے تھے۔ یہاں تلمود اور یہودیت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہودیوں کی نفع اندوزی، گراں فروشی اور ان کا سودی کاروبار اتنا بڑھ گیا تھا کہ آخر ہارون الرشید کی حکومت کو ان کی آمدنی اور حساب کتاب کا جائزہ لینے کے لیے محتسب مقرر کرنے پڑے (۱۵۶)۔

ایران کے مجوسی شیشے پر نقش ونگار بناتے تھے اور اسلحہ تیار کرتے تھے(۱۵۷)۔

شہری آبادی

عہد عباسی میں بہت سے نئے شہر آباد ہوئے۔ خلفاء اس میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔(۱۵۸) شہری عوام کو ہر طرح کی سہولیات میسر تھیں تجارت، صنعت وحرفت اور ہر طرح کے کاروبار کئے جاتے تھے۔ جن کے لیے بازار، منڈیاں اور کاروباری مراکز موجود تھے۔ درس گاہیں اور ہسپتال قائم تھے۔ ہر پیشہ کے لوگ یہاں آباد تھے۔

دیہاتی آبادی

شہروں کی تمام رونق اور تمدن کے اصل مصادر ومنابع یہی دیہاتی لوگ ہی تھے۔ جو خراج وعشر کے نام پر حکومت کو روپیہ فراہم کرتے جس سے ملک وملت کے اخراجات اور شان وشوکت میں چار چاند لگاتے۔ دیہاتوں میں جاگیردار، کسان اور مزارع کے علاوہ مختلف پیشوں کے لوگ رہتے تھے۔

پیشہ

ان لوگوں کا پیشہ زیادہ تر زراعت اور باغبانی ہی تھا۔ اس کے علاوہ بڑھئی، لوہار، جولاہے اور حجام وغیرہ جو کہ کسی بھی معاشرے کے بنیادی عناصر ہوتے ہیں وہ بھی موجود تھے(۱۵۹)۔

غذا

ان لوگوں کی خوراک میں، گیہوں یا جو کی روٹی، روغن زیتون، کھجور، ستو، دودھ، نبیذ(۱۶۰) مچھلی (ربیثا) اور لہسن(۱۶۱) وغیرہ شامل ہوتا تھا۔

معیارِ زندگی وطبقاتی تقسیم

عباسی دور دولت وفراوانی کا دور تھا۔ اگر اس کی اجتماعی معیشت اور معاشرت کا جائزہ لیا جائے تو اس میں ہمیں چند بڑے نمایاں طبقے ملتے ہیں۔(۱۶۲)

1- امراء، وزراء اور بڑے سرکاری عہدیدار
2- تاجر، صنعتکار اور زمیندار
3- علماء، فقہاء، ادباء
4- عوام، مزدور اور کاشتکار
5- لونڈیاں اور غلام

پہلے دو طبقات کو ہر آسائش حاصل تھی اور ہر طرح کا آرام میسر تھا۔ اہم شہروں بغداد، کوفہ، بصرہ اور واسط وغیرہ میں وسیع وعریض محلات میں رہتے تھے۔ خوراک اور لباس عالیشان تھا۔(۱۶۳) وزراء اور دوسرے بڑے عہدیداروں نے بادشاہوں جیسے عیش کئے۔ یہ طبقہ سب سے زیادہ خوشحال تھا اور مزے میں رہا۔ انہوں نے خلفاء کے متوازی زندگی

گزاری۔ برامکہ خاندان کے سترہ سالہ وزارت کا دور انتہائی ٹھاٹھ باٹھ کا دور گزرا ہے(۱۶۴)۔
گورنر اور دوسرے تمام عہدیداروں کی زندگی پرآسائش اور قابل رشک تھی۔ وہ اپنے اپنے صوبوں میں مختار کل کی حیثیت رکھتے تھے۔ تاجروں اور زمینداروں کا معیار زندگی بھی بہت بلند تھا(۱۶۵)۔ زندگی کی تمام سہولیات اور تعیشات انہیں میسر تھیں۔ یہ لوگ کروڑوں اور اربوں کے مالک تھے(۱۶۶)۔
عصر حاضر کی طرح متوسط طبقہ علماء فقہاء اور ادباء جیسے صاحب علم لوگوں پر مشتمل تھا(۱۶۷) جن کی حالت عام سی تھی۔ یہ لوگ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ مختلف کاروبار کیا کرتے تھے جس سے ان کی گزر اوقات ہوتی تھی (۱۶۸) حکومت ان کے وظائف اگر مقرر کرتی تو زیادہ تر قبول نہ کرتے کہ قبول کرنے کی صورت میں انہیں حکومت کے جائز و ناجائز کام کرنا پڑتے۔ یہاں تک کہ علماء فقہا قاضی جیسا عہدہ قبول کرنا بھی پسند نہ کرتے۔ جواباً شاہی عتاب نازل ہوتا۔ لیکن وہ اس کی پروا کئے بغیر حلال روزی کما کر آزادانہ زندگی بسر کرتے (۱۶۹)۔ بشر بن حارث کی رائے تھی کہ:

> ''بغداد تقویٰ شعار لوگوں کے لیے تنگ ہے کسی مومن کے لیے مناسب نہیں کہ وہ وہاں قیام کرے''۔(۱۷۰)

عام عوام کا ملا جلا حال تھا۔ ان میں زیادہ تر لوگ محنت مزدوری کر کے گزر اوقات کرتے۔ عام چھوٹے پیشے جیسے بڑھئی، موچی، لوہار، تندورچی، حمام کے ملازمین اور دیگر اس طرح کے لوگ عام سی زندگی گزارتے۔ بعض لوگ بھیک بھی مانگتے تھے۔ ان کے ترجمان شاعر ہوتے جو ان کی حالت کو اشعار میں ڈھال کر ارباب اختیار کو احساس دلاتے تھے جیسا کہ ابوالعتاہیہ کہتا ہے کہ:

> ''کون ہے جو امام کو میری طرف سے نصیحتیں پہنچا دے؟ میں چیزوں کے نرخ رعیت کے لحاظ سے بہت گراں دیکھتا ہوں۔ ذرائع آمدنی بہت کم ہیں اور ضرورتیں عام ہیں۔ میں صبح و شام زمانہ کے غموں کو آتا جاتا دیکھتا ہوں۔ میں یتیموں اور بیوہ عورتوں کو خالی گھروں میں دیکھ رہا ہوں۔ کچھ تو آس لگائے بیٹھے ہیں اور جن کی نگاہیں متوقع ہو کر اٹھتی رہتی ہیں اور کچھ لوگ کمزور اور بلند آوازوں سے مصیبت کی شکایت کر رہے ہیں۔ انہیں آپ کی مدد کی توقع ہے۔ تاکہ وہ جس مصیبت کو دیکھ رہے ہیں اس سے انہیں عافیت نصیب ہو سکے۔ رونے والی آنکھوں کے لیے آپ کے سوا اور کس سے آس لگائی جا سکتی ہے۔ مصیبت زدہ بھوک کی ماری ہوئی مخلوق جن کی صبح اور شام بھوک سے خالی پیٹ گزرتی ہے۔ آئی ہوئی مصیبت کی مدافعت کی کس سے امید کی جائے۔ مصیبت کتنی بڑی ہے؟ ان بھوکے پیٹوں اور ننگے جسموں کا کون ذمہ دار ہے؟ خلیفوں کے بیٹے تو ہمیشہ ہمیشہ عافیت کے ساتھ رہے یقیناً پاکیزہ جڑوں کی شاخیں پاکیزہ ہی ہوا کرتی ہیں۔ میں نے رعیت کے حالات تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں''(۱۷۱)۔

یہ بیچارے غریب لوگ فٹ پاتھوں پر رزق کا بندوبست کرتے اور رات ہوتی تو وہیں سو جاتے تھے (۱۷۲)۔
ابوالعتاہیہ کی اس منظر کشی اور دیگر چند واقعات سے عوام کی معاشی حالت کا اندازہ ہوتا ہے لہٰذا اس سلسلہ میں طبری کی تین مثالوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جس میں ایک عام لیکن صاحب علم کی معاشی حالت کا کھلا اور اذیت دہ اظہار کیا گیا ہے۔ دوسرا ایک خلیفہ کے ہی مصاحب کی معاشی حالت کی کیفیت ہے اور تیسرا عوام کا نقشہ ایک شاعر نے کھینچا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ صرف فوج اور عام سپاہی ہی حکومت سے معاش میں کمی کی شکایت اور اضافہ کی امید رکھتے تھے بلکہ عوام بھی اسی کیفیت سے دوچار ہوتے تھے۔

شائستہ اور مہذب لوگوں کا حال (ماموئی دور میں)

علی بن صالح بیان کرتا ہے:

> ''ایک دن مامون نے مجھ سے کہا کہ اہل شام میں سے کوئی تعلیم یافتہ اور شائستہ شخص میری مصاحبت کے لیے تلاش کرو۔ میں نے ایک شامی پیش کیا اور اسے نصیحت کی کہ تم شامیوں کو سوال کرنے کی بہت عادت ہوتی ہے لیکن یہاں احتیاط کرنا اور پہل نہ کرنا۔ شامی مامون کے سامنے پیش ہوا۔ مامون نے کہا میں تمھیں اپنا مصاحب اور ندیم (دوست) بنانا چاہتا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ:
> ''امیرالمومنین جب جلیس کے کپڑے دوسرے جلیس کے کپڑوں سے کمتر ہوں تو فرومائگی اور حقارت پیدا ہوتی ہے''۔

مامون نے حکم دیا کہ:

''اسے خلعت سے سرفراز کیا جائے''۔

وہ خلعت پہن کر اپنی جگہ پر آ بیٹھا اور کہنے لگا کہ:

> ''امیرالمومین اس حالت میں کہ میرا دل اپنے اہل وعیال کی زبوں حالی سے شکستہ ہو رہا ہے۔ آپ کو میری باتوں سے لطف نہ آئے گا''۔

مامون نے حکم دیا کہ:

''پچاس ہزار درھم اس کے گھر پہنچا دو''۔

اس کے بعد شامی نے خلیفہ سے گفتگو کا آغاز کیا۔
اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عام اور صاحب علم لوگوں کی معاشی حالت کیسی تھی (۱۷۳)۔

خلیفہ کے ایک مصاحب کی معاشی حالت

ایک مرتبہ یزیدی نے اپنی مالی پریشانی اور قرض کی مامون سے شکایت کی۔ مامون نے کہا کہ:
''آج کل ہمارے پاس اتنا نہیں کہ تمھاری حاجت پوری کی جا سکے''۔

یزیدی نے کہا کہ: ''میں بہت تنگدست ہوں۔قرض خواہ تنگ کررہے ہیں اس لیے صبر نہیں ہوسکتا''۔
خلیفہ نے کہا: ''تم خود سوچو کہ کیا کیا جائے''۔
یزیدی نے کہا کہ: ''آپ اگر اجازت دیں تو میں آپ کے کسی ندیم (دوست) سے ہتھیالوں''۔
خلیفہ نے اجازت دیتے ہوئے ترکیب پوچھی۔
یزیدی نے ترکیب بتاتے ہوئے کہا کہ:

''جب آپ کے سارے دوست آپ کے پاس جمع ہوں گے۔ میں دروازے پر آؤں گا اور آپ کو رقعہ بھیجوں گا۔ آپ کہلا بھیجیں کہ آپ اس وقت نہیں مل سکتے۔ہاں البتہ جسے کہو تمہارے پاس بات سننے کے لیے بھیج دیا جائے''۔

مامون نے حامی بھرلی۔
چنانچہ ایک دن جب مامون کی محفل گرم تھی۔سب دوست جمع تھے۔شراب میں بدمست ہو چکے تو یزیدی کا رقعہ لے کر خدمتگار خلیفہ کے پاس آیا۔مامون نے اسے سب کے سامنے پڑھا۔ان میں یہ اشعا لکھے ہوئے تھے:

یا خیر اخوانی و اصحابی
ھذا الطفیلی بالباب
خبران القوم فی لذۃ
بصبوا السیھا کل اداب
لغیر ولی واحدا منکم
واخر جوالی بعض اترابی

(''اے میرے بہترین عزیز اور دوست یہ طفیلی بھی دروازے پر حاضر ہے مجھے معلوم ہے کہ سب احباب ایسی لذت میں منہمک ہیں کہ بڑے بڑے توبہ کرنے والے بھی اس کی طرف مائل ہیں۔ مجھے بھی اپنوں میں شریک کیجئے یا اپنے دوستوں میں سے کسی دوست کو میرے پاس بھیج دیجئے''۔)
مامون نے یہ رقعہ پڑھ کر سنایا اور کہا کہ اس وقت اس طفیلی کا ہمارے پاس آنا ٹھیک نہیں اور ساتھ ہی خدمتگار سے کہا کہ اسے کہو:

''اس وقت تم کو باریاب نہیں کیا جاسکتا۔البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ تم جسے چاہو تمہارے پاس حاجت روائی کے لیے اسے بھیج دیا جائے''۔

جواباً یزیدی نے طاہر بن عبداللہ کا نام لیا۔
جس پر طاہر بن عبداللہ نے کہا''بھلا میں طفیلی کا شریک بنوں؟ خلیفہ نے کہا اس کی دونوں باتوں کو رد کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔تمہارا جی چاہے تو اس کے پاس چلے جاؤ ورنہ اس کا معاوضہ دو''۔
طاہر بن عبداللہ نے دس ہزار درہم دینے کو کہا۔خلیفہ نے کہا وہ نہیں مانے گا۔اسی طرح طاہر بن عبداللہ دس ہزار بڑھاتا

رہا۔ خلیفہ عذر پیش کرتا رہا۔ آخر کار ایک لاکھ درھم پر بات ختم ہوئی۔ طاہر نے اپنے وکیل کو رقم کی ادائیگی کا حکم دیا اور خلیفہ نے لکھ بھیجا کہ:

"اس رقم پر قبضہ کر لو یہ تمہارے لیے اس کی اس حالت میں مجالست سے بہتر اور مصاحبت سے زیادہ نافع اور مفید ہے" (۱۷۴)

خلیفہ پر طنز

۱۵۳ھ میں منصور نے لوگوں کو بہت ہی طویل ٹوپیاں پہننے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ لوگ ان کا طول نمایاں کرنے کے لیے ٹوپیوں کے اندر سر کنڈے رکھ لیتے تھے۔ اس پر ابودلامہ نے یہ شعر کہے:

وکنا نرجو من امام زیادہ

فزاد الامام ا لمصطفی فی القلانس (۱۷۵)

(ہم امام سے اضافہ کے متوقع تھے سو ہمارے برگزیدہ امام نے ٹوپیوں کی اونچائی میں اضافہ کر دیا۔)

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک میں عام خوشحالی کے باوجود کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو تنگدست رہتے تھے۔ پہلے واقعہ میں ایک صاحب علم کا حال ہے جو خلیفہ کا دوست بننے چلا۔ دوسرے واقعہ میں خلیفہ کے قدیم ساتھی اور مصاحب کا حال ہے۔ جبکہ تیسرے واقعہ سے عوام کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں جتنا مل رہا تھا وہ کم تھا زیادہ کی ضرورت تھی۔ ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد عباسی میں بھی جبکہ دولت و ثروت کی بہتات تھی۔ معاشرہ کے مختلف طبقات معاشی مسائل میں گھرے ہوئے تھے۔ ان طبقات کے علاوہ لونڈی غلام آبادی کا ایک کثیر حصہ تھے۔ جو خلفاء وزراء امراء کے محلات میں ہزاروں کی تعداد میں موجود ہوتے تھے اور عام لوگوں کے معیار سے بہتر زندگی گزارتے تھے۔ انہیں خوراک، لباس اور رہائش میں فراوانی اور تعیش حاصل تھا۔ ان میں خواجہ سرا اور خصی کیے ہوئے خادم بھی تھے۔ جن کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی۔ خواجہ سرا عمدہ اور بہترین لباس پہنتے اور نسوانی انداز اختیار کرتے تھے۔ خلفاء امراء مردوں کو خصی کروا دیتے تا کہ یہ حرم میں آزادانہ آجا سکیں اور کنیزوں لونڈیوں سے مغنیوں اور رقاصاؤں کی خدمت لی جاتی تھی۔ بعض کنیزیں علم و فضل سے آراستہ اور خلفاء کی منظور نظر ہوتی تھیں بلکہ سفاح، مہدی اور امین کے سوا سب خلفاء کنیزوں کی اولاد تھے۔ جیسا کہ ہارون، مامون، متوکل، واثق، معتصم و دیگر خلفاء (۱۷۶)۔

دارالخلافہ بغداد میں ہر طرح کی طبقاتی تقسیم نمایاں نظر آتی تھی۔ چونکہ یہ خلفاء اور وزراء ان کے خاندان اور دیگر حکومتی اہلکاروں کا مسکن تھا۔ اس کے علاوہ امراء اور صاحب حیثیت لوگوں کو پسندیدہ رہائش گاہ تھی (۱۷۷)۔ اس لیے بھی یہاں یہ تقسیم کچھ نمایاں تھی۔ یہاں امراء کے محلے علیحدہ تھے۔ مثلاً الطاہریہ، الشماسیہ، المامونیہ اور درب عون وغیرہ۔ (جیسا کہ آج کل بھی (ماڈل ٹاؤن، گلبرگ، ڈیفنس وغیرہ) اسی طرح غرباء کے بھی مخصوص محلے ہوتے تھے۔ جیسا کہ قطیعۃ الکلاب اور ہنرد جاج وغیرہ) (۱۷۸)

بغداد کی آبادی

ابتدائی مآخذ سے تو اسلامی مملکت کی آبادی کا اندازہ نہ ہو سکا تاہم جرجی زیدان نے حالات و واقعات سے خود اندازہ لگایا ہے کہ مملکت اسلامی کی مردم شماری اس کے پورے عروج کی حالت میں بیس کروڑ سے لے کر پچیس کروڑ تک رہی ہوگی اور یہ تعداد تمام یورپ کی آبادی کے قریب قریب برابر ہے(۱۷۹) مامون کے زمانے میں خاص بغداد شہر کی مردم شماری دس لاکھ سے زیادہ تھی (۱۸۰)۔ایک دوسرا مورخ خطیب کے حوالے سے تیس لاکھ بتاتا ہے۔

بغداد کا رقبہ(۱۸۱):۔

الموفق کے حکم کے مطابق ۲۷۹ھ/ ۸۹۲ء سے پہلے بغداد کی پیمائش کی گئی جو اس طرح تھی:

کل رقبہ	=	۴۳۷۵۰ جریب
شرقی بغداد	=	۲۶۲۵۰ جریب
مغربی بغداد	=	۱۷۵۰۰ جریب

طیفور کے ایک قول کے مطابق:

موفق کے دور میں کل رقبہ	=	۴۳۷۵۰ جریب
شرقی بغداد	=	۱۶۷۵۰ جریب (ایک جریب=۱۳۶۶ مربع میٹر)
مغربی بغداد	=	۲۷۰۰۰ جریب

ان سب روایات میں بغداد کی لمبائی دونوں جانب تقریباً یکساں تھی کیونکہ الاصطخری اور طیفور دونوں کے بیان کے مطابق پہلی پیائش ۲۷۹ھ/ ۸۹۲ء میں بغداد کا طول تقریباً سوا سات کلو میٹر اور عرض ساڑھے چار کلومیٹر دیا ہے۔اس کے مقابلے میں المقتدر کے زمانے میں ۳۲۰ھ/ ۹۳۲ء کی پیمائش میں طول ساڑھے آٹھ کلو میٹر اور عرض سوا سات کلو میٹر ہے۔

عباسی خاندان کی آبادی

۲۰۰ھ میں آل عباس کا شمار کیا گیا تو ان کی تعداد ۳۳۰۰۰ تینتیس ہزار تھی۔جس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل تھیں (۱۸۳)

عوام کے لوازمات طعام و مشروب

عام طور پر لوگوں کی خوراک یہ تھی:

سبزیاں:	شلجم، گول سرخ اور سفید، بینگن ، بند گوبھی، مٹر، لہسن ، پیاز، دھنیہ، پودینہ اور ادرک وغیرہ(۱۸۴)۔
پھل:	مالٹے،(۱۸۵) کھجور، انار، انگور، لیموں (۱۸۶)
مصالحہ جات:	لونگ، دار چینی، سیاہ مرچ، زیرہ، رائی (۱۸۷)
چکنائی۔روغنیات (Fats):	زیتون کا تیل، چربی، مرغ کی چربی، روغن بادام، گھی، پنیر (۱۸۸)
گوشت وغیرہ:	چوزے، مرغ، موٹی بطخیں (۱۸۹) مچھلی (۱۹۰)

سپیشل کھانے: ہریسہ، جوذابتہ، مضیرہ (ترش دودھ میں پکا ہوا کھانا) لونگ کا سالن، دار چینی کا سالن، بادام کا حلوہ، نہاری (۱۹۱) گیہوں، سفید گندم، میدہ (۱۹۲) آٹا، جو، چاول (۱۹۳)

عرقیات: عرق گلاب، سرکہ (۱۹۴)

خشک پھل: اخروٹ، چھوہارے، بادام (۱۹۵)

دیگر لوازمات: انڈے، کھانڈ، نمک (۱۹۶)

سموسے: آٹے کی روٹی میں مرغ کی چربی، مکھن، پودینہ، انڈے، پنیر زیتون اور جوز بھر کر بنائے جاتے تھے (۱۹۸)

مشروب:

نبیذ: عہد عباسی میں نبیذ عام پی جاتی تھی۔(۲۰۰) تقریباً تمام خلفاء نبیذ پیتے تھے (۲۰۱) امام ابو یوسفؒ کے مطابق کھجور کا نبیذ تازہ کھجور سے اچھا ہے (۲۰۲)۔عراقی فقہاء نے نبیذ کو جائز قرار دیا ہے امام ابوحنیفہؒ کے مطابق:

''خمر پینے سے حد لگائی جائے اگرچہ نشہ نہ کرے اور نبیذ سے جب تک نشہ نہ لائے حد نہیں ہے'' (۲۰۳)۔

خلفاء اور امیر لوگ اچھی اور عمدہ نبیذ پیتے تھے۔ جبکہ عام لوگ کمتر اور گھٹیا قسم کی شراب پیتے تھے (۲۰۴)۔

گرمیوں کا مشروب: پانی اور ستو گرمیوں کا مشروب تھا۔ خلفاء بھی اسے پسند کرتے تھے (۲۰۵)

فالودہ: خلفاء کا بھی پسندیدہ تھا (۲۰۶)

پینے کے لیے پانی کا انتظام

پینے کے لیے تلکے، حوض، چشمے، کنویں اور نہریں استعمال کی جاتی تھیں (۲۰۷)

خلیفہ منصور نے دریائے دجلہ سے نکلنے والی نہروں سے پانی بغداد تک پہنچایا۔ اس سلسلہ میں پتھر، اینٹوں اور چونے کا استعمال کیا گیا۔ یہ پانی تمام گلیوں، کوچوں، سڑکوں اور مضافاتی بستیوں تک پہنچتا تھا۔ یہ سارا سال بہتا تھا اور کبھی ختم نہیں ہوتا تھا (۲۰۸) جن جگہوں پر کنوؤں کا پانی کھارا ہوتا تھا وہاں بھی دجلہ وفرات سے پینے کے لیے اسی طرح پانی مہیا کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ موصل کے کنوؤں کا پانی تھا یہاں دجلہ و نہر زبیدہ سے پانی لایا جاتا تھا (۲۰۹)۔

ریستوران

کھانے پینے کے لیے ریستوران وغیرہ بھی موجود تھے المقدسی کہتا ہے کہ:

''موصل شہر میں کافی بڑے بڑے ریستوران تھے''۔(۲۱۰)

عہد عباسی میں لباس

بنو عباس کے لباس کا مخصوص رنگ سیاہ تھا۔ جو کہ وہ اجتماعات اور محفلوں اور خاص موقعوں پر استعمال کرتے تھے۔ اسی طرح ان کے ہر سپاہی کی بھی کوئی نہ کوئی چیز سیاہ ہوتی تھی۔ وہ امراء کو خلعت دیتے وقت بھی ساتھ سیاہ رنگ کی ٹوپی دیتے تھے۔ اس نسبت اور پسندیدگی کی وجہ یہ بیان کی جاتی تھی کہ رسول اکرم ﷺ جب فتح مکہ کے روز مکہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے سیاہ عمامہ پہن رکھا تھا (۲۱۱)۔ خلیفہ منصور نے عام لوگوں کو بھی سیاہ لباس پہننے کا حکم دے دیا تھا (۲۱۲)۔

بعد میں مامون نے سیاہ کی بجائے سبز رنگ پہننے کا حکم دیا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ اہل جنت کا لباس ہے (۲۱۳)۔ سبز رنگ لباس کا حکم تمام سرکاری اہلکاروں اور عام بغداد کے لوگوں کے لیے تھا۔ اس لباس میں پوشاک قبا، کلاہ اور عمامہ شامل تھا (۲۱۴)۔ تمام سرکاری اہل کاروں، امراء اور اہل بغداد نے سبز رنگ کا لباس پہننا شروع کر دیا اور مامون کے دربار میں کوئی بھی سبز لباس کے بغیر حاضر نہ ہوتا تھا۔ اگر کوئی سیاہ لباس پہنتا تو سرکاری اہل کار اس لباس کو پھاڑ دیتے تھے۔

کبھی کبھار کوئی صرف سیاہ کلاہ استعمال کر بھی لیتا لیکن قباء اور علم کے متعلق تو کسی کو قطعاً اجازت نہ تھی کہ سیاہ اختیار کریں۔ اگر کوئی ایسا کرتا تو سرکاری سطح پر یہ ناقابل معافی ہوتا۔ اس حکم کی تقریباً ۸ دن بہت سختی کی گئی۔ بعض روایات میں ۲۸ دن ہیں۔ پھر بنو ہاشم، بنو عباس اور اہل خراسان وغیرہ کے وفود کے اصرار اور درخواست پر دوبارہ سیاہ لباس اختیار کیا گیا (۲۱۵)

پارٹی ڈریس

ارکان حکومت کا لباس مختلف اوقات کے لیے مختلف ہوتا تھا۔ جس طرح سرکاری اوقات میں سیاہ لباس پہنتے تھے لیکن پارٹی جیسا کہ شراب وغیرہ کی محفلوں کے لیے جملہ شرکائے محفل ''حریر'' کا مخصوص لباس پہنتے تھے اور ساتھ ہی سر پر ایک خاص قسم کی ٹوپی بھی پہنتے تھے (۲۱۶)

وزراء (جعفر برمکی وغیرہ) محفل نبیذ میں زرد، سرخ اور سبز رنگ کے ریشمی کپڑے پہنتے تھے (۲۱۷)

مختلف پیشہ کے لوگوں کا لباس

مختلف پیشوں کے لوگوں کے لیے لباس مخصوص تھا، جس سے ان کے پیشے کا اظہار ہوتا (جیسا کہ عصر حاضر میں بھی ڈاکٹرز، پروفیسرز اور وکلاء وغیرہ مخصوص گاؤن پہنتے ہیں) مثلاً علماء سیاہ عمامہ اور خاص قسم کا لبادہ طیلسان پہنا کرتے تھے (۲۱۸)

عام مردوں کا لباس

مرد ایرانی اصل کے پاجامے (شلوار، سراویل) قمیص عبا، صدری اور جبہ پر مشتمل پوشاک استعمال کرتے تھے۔ عام طور پر نمدے یا اون کی نوکیلی سیاہ ٹوپی بھی پہنا کرتے تھے (۲۱۹)

ذمیوں کا مخصوص لباس

خلیفہ ہارون کے عہد میں ذمیوں کو مخصوص لباس پہننے کا حکم دیا گیا جو انہیں مسلمانوں سے علیحدہ ظاہر کرتا تھا۔ خلیفہ متوکل

نے بھی ایسا ہی حکم دیا۔ یہ لباس زرد رنگ کا ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ زنار(۲۲۰) باندھنے کا حکم تھا۔ ٹوپیاں بھی مسلمانوں سے جدا تھیں جن میں دو نمایاں گھنٹیاں باندھی جاتی تھیں اور جو طیلسان نہیں پہن سکتے تھے وہ آگے پیچھے تقریباً ایک بالشت مربع کا پیوند لگاتے تھے(۲۲۱)

ذرائع رسل ورسائل

معیشت کی خوشحالی میں پختہ سڑکیں، شاہراہیں اور ذرائع رسل ورسائل ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عہد عباسی میں خوشحال معیشت میں ان چیزوں کا بھی بہت عمل دخل تھا۔ جہاں پورے ملک میں سڑکوں کا جال بچھا ہوا تھا وہاں ذرائع بار برداری کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ بیلوں اور اونٹوں سے گاڑیاں کھینچنے اور بار برداری کا کام لیا جاتا تھا اور یہ کرایہ پر عام مل جاتے تھے(۲۲۲)۔ گھوڑے اور خچر بھی ان مقاصد کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ جو کہ عام کرایہ پر ملتے تھے (۲۲۳)۔ عوام سواری کے لیے بھی انہی چیزوں کو استعمال میں لاتے تھے۔ ۲۴۲ھ میں ابراہیم بن مطہر کاتب نے تانگہ متعارف کرایا جس میں اونٹ جتے ہوئے تھے۔ اس نے اس پر حج کیا(۲۲۴)۔ گدھے بھی کرایہ پر ملتے تھے(۲۲۵) گدھے کی قیمت تین دینار ہوتی تھی۔ لوگ اسے سواری کے لیے استعمال کرتے تھے(۲۲۶)

حکمرانوں کی سواری کے طور پر منصور کے عہد سے ہاتھی استعمال ہونے لگے تھے جنہیں یہ امراء اور روساء بھی استعمال کرتے تھے۔ ان کے علاوہ عربی نسل کے گھوڑے بھی استعمال ہوتے تھے(۲۲۷)

فرنیچر

گھر کا سب سے نمایاں فرنیچر ایک صوفہ ہوتا تھا۔ جو کمرے کے تین پہلوؤں کو محیط ہوتا تھا۔ اس کو دیوان کہتے تھے۔ پہلے حکمران خاندان کے دور میں کرسیوں کی شکل کی اونچی نشستوں کا رواج ہو چلا تھا۔ لیکن گدی دار مربع وضع کی چھوٹی چٹائیاں ہی عام طور پر استعمال ہوتی تھیں اور انکا فرش کر کے لوگ ان پر آرام سے زانو بچھا کر بیٹھتے تھے۔ زمین پر ہاتھ سے بنے قالین کا فرش ہوتا تھا۔ کھانے کے لیے پیتل کی چوڑی گول ٹرے استعمال کی جاتی تھیں جن کے لیے چھوٹی میز استعمال کی جاتی تھی۔ خوشحال گھرانوں میں یہ ٹرے یا طشتریاں چاندی کی اور میز لکڑی کی ہوتی تھی۔ میز پر آبنوس، سیب یا کچھو۔ے کے خول کی پچی کاری ہوتی تھی۔ یہ میز بالکل ایسی ہی تھی جیسی کہ آج کل دمشق میں بنائی جاتی ہے(۲۲۸)

مشاغل

خلفاء امراء اور روسا کے مشاغل میں گھڑ سواری، نیزہ بازی، تیراکی، شطرنج، پولو اور ہاکی کھیلنا شامل تھے۔ محفل موسیقی بھی منعقد کی جاتی تھیں جن میں لونڈیاں، باندیاں وغیرہ اپنے فن کے جوہر دکھاتی تھیں۔ خلیفہ امین تو باندیوں اور خدمتگاروں کے ساتھ کبھی کبھار خود بھی ناچنے لگتا تھا(۲۲۹)۔ بقول مسعودی:

> ''ایرانیوں اور رومیوں کے بعد عربوں سے زیادہ گانے بجانے کا شوق کسی کو نہیں ہوا''(۲۳۰)۔

فلپ کے حتی مختلف حوالوں سے بیان کرتا ہے کہ:

> ''محفل موسیقی منعقد کی جاتیں تو ان میں نبیذ، شراب اور عموماً بد چلن لونڈیاں رقص و سرود سے محافل گرماتیں۔ ایسی محفلوں کے لیے خاص لباس ثیاب المنادمہ پہنا جاتا۔ مرد داڑھیوں پر مشک یا عرق گلاب لگاتے تھے۔ کمرہ خوشبویات سے معطر کیا جاتا اور یہ ماحول یقیناً نوجوانوں کے اخلاق تباہ کرتا تھا'' (۲۳۱)
>
> نرد بھی مقبول کھیل تھا جسے شرطیں لگا کر بھی کھیلا جاتا تھا (۲۳۲)۔

قصہ گوئی، شکاری جانور پالنا، مرغ لڑانا، شکرے پالنا، نیزہ بازی اور شعر و شاعری عام لوگوں کے مشاغل میں سے تھے۔ کرکٹ (یا ہاکی) ٹینس بھی لوگ کھیلتے تھے (۲۳۳)

کھیلوں کی سرپرستی (۲۳۴)

ہارون نے مختلف کھیلوں کی خوب حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی۔ خود بھی کھیلا دوسروں کو بھی کھلایا۔ مثلاً

ہاکی کرکٹ: پہلا خلیفہ جس نے میدان میں ہاکی اور گیند بلا کھیلا اور اس کھیل کے ماہرین کو مقرب کیا۔ جس کی وجہ سے لوگوں میں بھی یہ کھیل مقبول ہوئے۔

شطرنج اور نرد: شطرنج اور نرد کھیلنے والا پہلا عباسی خلیفہ بھی ہارون ہی تھا۔ اس نے بڑے بڑے کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی کی اور ان کے وظائف مقرر کیے۔

گھڑ دوڑ: رشید خود گھڑ دوڑ میں شریک ہوتا۔ رقہ میں گھڑ دوڑ میں رشید کا گھوڑا اول اور مامون کا دوم آیا تھا (۲۳۵)۔

خواتین کی حیثیت و مقام

عباسی تاریخ میں شاہی خاندان کی خواتین کا ذکر جگہ جگہ ملتا ہے۔ وہ بھی چند ایک کا۔ لیکن عام خواتین کا حال بیان نہیں کیا گیا۔ جن سے عام عورت کے بارے میں حقائق سامنے نہیں آتے۔ لیکن قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اگر شاہی خواتین گھربار، سیاست، علم و ادب، فنون لطیفہ، اقتدار اور فیشن کی دنیا میں ممتاز اور نامور تھیں۔ تو عام خواتین بھی ان کی تقلید کرتی ہوں گی۔

سید امیر علی اس دور کی خواتین پر تھوڑی سی روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''عہد عباسیہ کے ابتداء میں عورتوں کی پوزیشن بعینہٖ ویسی ہی تھی جیسی کہ عہد بنی امیہ میں تھی۔ پردہ کی رسم قادر باللہ تک عام نہیں تھی۔ جیسا کہ تاریخ کے عام واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ منصور کی دو چچازاد بہنیں زرہ بکتر لگا کر رومی جنگوں میں شریک ہوتی تھیں جبکہ رشید کے عہد میں اکثر عورتیں جنگوں میں شریک ہوتی تھیں اور فوج کی کمان کرتی تھیں'' (۲۳۶)۔

شاہی خواتین میں مہدی کی ملکہ خیزران ملکی امور میں دخل انداز تھی۔ اس کے دروازے پر ہر وقت ضرورت مندوں کا ہجوم رہتا تھا (۲۳۷) اسی طرح ملکہ زبیدہ ہارون الرشید کی بیوی مکمل طور پر ملکی امور سیاست میں دلچسپی لیتی تھی۔ رفاہ عامہ کے کام کرتی۔

اس کا سب سے بڑا کارنامہ مکہ میں نہر کھدوانا ہے۔ جو نہر اسی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ اس نے سرائیں بنوائیں۔ موصل میں صرف اسی کا بنا ہوا مہمان خانہ موجود تھا(۲۳۸)۔ اس کے علاوہ مامون کی بیوی بوران اور مہدی کی بیٹی علیہ اور معتضد اور مقتدر کی ماں عباسی عہد کی ممتاز خواتین تھیں یہ سب علم وفضل اور سیاست کی ماہر تھیں اور انہیں ملکی معاملات میں کافی رسوخ ودخل حاصل تھا(۲۳۹)۔ جبکہ مقتدر کی ماں خود عدالت اپیل کی صدارت کرتی تھی۔ خود درخواستیں لیتی اور سفیروں اور ملکی سرکاری عہدیداروں سے ملاقات کرتی تھی(۲۴۰)۔ دیگر رفاہی امور سرانجام دیتی۔ اس نے ۳۰۶ھ میں شفاخانہ قائم کیا جس کا سالانہ خرچ سات ہزار دینار تھا(۲۴۱)۔

> متوکل کے عہد تک اعلیٰ حیثیت اور علمیت کی حامل مستورات کے گھروں میں علمی جلسے اور مجلسیں ہوتی تھیں(۲۴۲)۔
>
> ہارون اور مومان کے عہد میں عورتیں ظرافت وعلمیت میں مردوں کے پہلو بہ پہلو تھیں، شعر وشاعری بھی کرتی تھیں اور بلحاظ و ہنر سوسائٹی کی رونق متصور ہوتی تھیں۔ مگر زبیدہ بڑی عالمہ اور اعلیٰ شاعرہ تھی۔ وہ رشید کو اکثر نظم میں خط لکھا کرتی تھی۔ شہزادی علیہ بڑی ماہر راگ دان تھی۔ کتاب الاغانی کا مصنف اس کے شعروں کی بڑی تعریف کرتا ہے۔(۲۴۳)

خواتین کی آرائش وزیبائش

اس عہد کی عورتیں آرائش وزیبائش کے لیے ایک قسم کی قبہ نما ٹوپی پہنا کرتی تھیں۔ اس کے نچلے سرے کے اطراف پر ایک پٹی لگی ہوتی تھی۔ اس پٹی کو ہیرے جواہرات سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ نسوانی حسن وجمال کے لیے پازیب اور کنگن بھی استعمال ہوتے تھے(۲۴۴)۔ خلیفہ ہارون کی بہن علیہ کے ماتھے پر ایک داغ تھا۔ اس نے اسے چھپانے کے لیے ایک ٹیکہ ایجاد کیا جس پر ہیرے جواہرات جڑے گئے۔ اس کا نام ''اعلیٰ علیہ'' مشہور ہوا اور فیشن کی دنیا میں عام ہوا(۲۴۵)۔ خلیفہ ہارون کی بیوی زبیدہ کے جوتوں میں ہیرے جڑے ہوتے تھے(۲۴۶)۔ چہرے پر پاؤڈر اور ہونٹوں پر سرخی (لپ سٹک) لگانے کا فیشن تھا۔ جو ایرانیوں سے لیا گیا تھا۔ ایرانی اس کے بہت دلدادہ تھے(۲۴۷)۔

اس عہد میں بولی جانے والی زبانیں (۲۴۸)

عربی، فارسی، رومی، سریانی، ترکی، کردی، ارمنی، قبطی، بربری، پہلوی اور ہندی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ ان باشندوں میں سے بعض تو اپنی اصلی مادری زبان بھول کر صرف عربی ہی جانتے تھے۔ جیسا کہ شام، مصر اور مغرب وعراق کے رہنے والے لوگ اور بعض ایسے لوگ بھی تھے جن کی اصلی زبانوں میں عربی زبان کے الفاظ کثرت کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ مثلاً فارس والے، ترکستان، ہندوستانی اور افغانی وغیرہ اور آج تک ایشیا کی بہت سی قومیں اس عظیم الشان تمدن کے اثر سے اپنی زبانوں کو عربی رسم الخط میں لکھتی ہیں۔

نظم مملکت عباسیہ

عباسی مملکت نظم ونسق کے لحاظ سے دو حصوں پر مشتمل تھی (۲۴۹)

1- مرکزی نظام حکومت۔

2- صوبائی نظام حکومت۔

مرکزی نظام حکومت

مرکز میں خلیفہ، وزیر، کاتب، وزیر مالیات، حاجب، پولیس، فوج اور قاضی القضاۃ جیسے ادارے نظم ونسق مملکت چلاتے تھے۔ مرکزی شہر دارالخلافہ کہلاتا تھا۔ پوری مملکت انتظامی طور پر مختلف صوبوں میں منقسم تھی۔ مختصراً تعارف کچھ اس طرح سے ہے۔

خلیفہ

حکومت عباسیہ مرکزی نظام کے تحت تھی۔ جس میں خلیفہ کو مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ وہ ایک مطلق العنان حکمران تھا۔ تمام احکامات اسی کے نام سے جاری ہوتے تھے۔ وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہ تھا۔ شریعت کی پابندیوں اور حدود کے علاوہ اس کے اختیارات لامحدود تھے۔ وہ بنیادی رہنما وحکمران ہونے کے ساتھ ساتھ امیرالمومنین کی حیثیت سے مسلمانوں کا مذہبی اور روحانی رہنما، پیشوا اور امام بھی تھا (۲۵۰)۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کی اولاد ہونے کی حیثیت سے خلافت کا اصلی حقدار اور مالک کہلاتا تھا۔ اس طرح ان کے علاوہ مملکت خداداد پر کسی اور شخص کو امیرالمومنین بننے کا حق واختیار نہ تھا۔ صرف خلیفہ کے خاندان والے ہی اس منصب کے لیے اپنے آپ کو صحیح حقدار سمجھتے تھے (۲۵۱)۔ خلیفہ کو ظل اللہ یعنی خدا کا سایہ سمجھا جاتا تھا۔ اسی تقدس کی بدولت خلافت کے آخری زمانہ اور ضعف کے دنوں میں بھی دیگر مسلمان حکومتوں کے فرمانروا عباسی خلفاء سے سند حکومت لینا ضروری خیال کرتے تھے (۲۵۲)

حکومتی عمال میں وزیر، حاجب، قاضی، گورنر، والی اور عمال وغیرہ ہوتے تھے۔ جنہیں خلیفہ اپنی مرضی اور صوابدید سے مقرر کرتا تھا (۲۵۳)۔

وزیر

خلیفہ کے بعد وزیر کا درجہ تھا۔

وزیر کا عہدہ دولت اسلامیہ، سلاطین یمن اور روم وغیرہ میں موجود تھا لیکن اس کے لیے مختلف الفاظ استعمال کیے جاتے تھے۔ وزیر کے معنی بادشاہ کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے والا، باربردار، معاون، مساعدت اور معاونت کرنا کے ہیں۔ تاہم عباسیوں نے اپنے معتمد، سیکرٹری اور کاتب وغیرہ کے لیے وزیر کا لفظ پہلی مرتبہ استعمال کیا (۲۵۴)۔ عباسیوں میں پہلا وزیر ابوسلمہ حفص بن سلیمان الخلال الہمدانی تھا (۲۵۵)۔ منصور اور ہارون الرشید کے زمانہ میں آل برامکہ اس منصب جلیلہ پر فائز رہے اور جعفر برمکی کے قتل تک وزارت ۱۷ سال ۷ ماہ اور ۱۵ دن تک اسی خاندان کے پاس رہی (۲۵۶)۔ یہ عہدہ اہمیت کے پیش نظر بڑے قابل اور فاضل اشخاص کے سپرد کیا جاتا تھا۔

"وزارت دو طرح کی تھی"(۲۵۷)

1- وزارت تفویض (لامحدود اختیارات)

2- وزارت تنفیذ (محدود اختیارات)

1- وزارت تفویض میں وزیر کے پاس بہت سے اختیارات ہوتے تھے۔ جو کہ وزیر اپنی مراضی رائے اور صوابدید سے سرانجام دیتا تھا۔ قاضیوں کے فیصلوں کے خلاف اپیل سننے کا حق حاصل تھا۔ خلیفہ کی عدم موجودگی میں ملکی نظم ونسق چلاتا۔ (اگر خلیفہ مہمات پر جاتا) بادشاہوں کے نام فرامین جاری کرتا۔ دربار میں خلیفہ کے ساتھ بیٹھتا۔ والیوں کی تنزلی اور برخاستگی کے بعد ان کی تمام جائداد وغیرہ ضبط کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ صرف دو باتوں کا اختیار نہیں تھا کہ نہ تو کوئی جانشین مقرر کر سکتا تھا نہ ہی کسی شخص کو کسی عہدہ سے ہٹا سکتا تھا اور نہ مقرر کر سکتا تھا۔ ملک میں امن وامان قائم رکھنے کی ذمہ داری بھی اسی پر تھی۔ یہ منصب یحییٰ برمکی کو حاصل تھا(۲۵۸)۔

2 جبکہ وزارت تنفیذ میں وزیر کے اختیارات محدود تھے۔ وہ صرف خلفاء کے احکامات کی تعمیل ونفاذ کرواتا تھا۔ ملکی حالات سے خلیفہ کو باخبر رکھنا اس کے فرائض میں شامل تھا۔ اس منصب پر یحییٰ برمکی کے بیٹے جعفر برمکی اور فضل برمکی فائز تھے۔ خلیفہ راضی باللہ کے دور میں یہ عہدہ ختم کر کے امیر الامراء کا عہدہ قائم کیا گیا(۲۵۹)۔

کاتب

وزارت کے بعد کاتب کا عہدہ سب سے بڑا تھا۔ یہ حکومت کا انتہائی اہم شعبہ تھا۔ کیونکہ اس شعبہ کا کام گورنروں، دوسرے عہدہ داروں اور دوسری حکومتوں سے تمام اہم خط وکتابت کرنا ہوتا تھا(۲۶۰)۔

حاجب

کاتب کے بعد ایک انتہائی اہم عہدہ تھا۔ جسے خلیفہ کا تقرب حاصل ہوتا تھا۔ اس کا کام متعلقہ لوگوں کو خلیفہ سے ملوانا ہوتا تھا۔ جن میں حکومتی عمال، سفیر رؤساء اور عوامی نمائندے وغیرہ شامل ہوتے تھے۔ اصل میں یہ خلیفہ اور عوام کے درمیان پل کا کام دیتا تھا۔ یہ رابطہ افسر ہوتا تھا۔ ابتداء میں وزیر اور حاجب ایک ہی شخص ہوا کرتا تھا۔ لیکن کام کی اہمیت اور زیادتی کی وجہ سے ان دونوں عہدوں کو الگ الگ کر دیا گیا(۲۶۱)۔

دربار

دربار منعقد کیئے جاتے جہاں تمام امور پر تبادلہ خیال، سماعت اور سفارتوں سے ملاقات کی جاتی تھی۔ دربار دو طرح کے منعقد ہوتے تھے(۲۶۲)

1- دربار خاص

2- دربار عام

خلفاء نے دربار کے دن مقرر کیئے ہوئے تھے۔ جہاں وہ لوگوں کی دادرسی کرتے تھے۔ خلیفہ مامون روزانہ دوپہر کو لوگوں کی درخواستیں سنتا تھا(۲۶۳)۔ خلیفہ المہدی نے ایک گنبد مظالم تیار کر رکھا تھا جس کے چار دروازے تھے لوگ یہاں سے

دربار میں داخل ہوتے اور اپنی گزارشات پیش کرتے تھے(۲۶۴)۔
دربار خاص اہم لوگوں سے ملاقات کے لیے اور مختلف ملکوں اور علاقوں کے وفود کے لیے منعقد ہوتے تھے۔ جہاں مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا جاتا اور پالیسیاں مرتب کی جاتی تھیں۔

عدلیہ

خلیفہ اگرچہ اختیارات کلی کا مالک تھا اور دربار میں سماعت بھی کرتا تھا۔ تاہم ایک باقاعدہ اور اہم عدلیہ بھی موجود تھی۔ خلافت سے الگ تھلگ ایک آزاد اور خود مختار ادارہ کی حیثیت سے کام کرتی تھی۔ اس کا سربراہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کہلاتا تھا۔ اس کا تقرر خلیفہ کرتا تھا۔ جبکہ صوبوں میں قاضیوں کا تقرر قاضی القضاۃ اپنی مرضی سے کرتا تھا(۲۶۵) تاہم یہ ایک المیہ ہے کہ اکثر فقہاء اور علماء یہ عہدہ قبول کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدالتیں اپنے فیصلوں میں اتنی بھی آزاد و خود مختار نہ تھیں(۲۶٦)

فوج

عہد عباسی میں فوج کو خاصی اہمیت حاصل تھی۔ خلیفہ کو فوج کو خوش رکھنے کے لیے ہر وقت کوئی نہ کوئی تدبیر کرنی پڑتی تھی۔ کیونکہ خلیفہ کو اپنی خلافت کو قائم رکھنے اپنی مرضی کے ولی عہد کو مقرر کرنے اور سرحدوں کی حفاظت اور جہاد کے لیے فوج کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ جیسا کہ آج کے دور میں بھی حکومت وقت فوج کو خوش رکھتی ہے(گو طریقہ کار مختلف ہے) تاکہ ان کی حکومت قائم رہے۔ اگر حکومت صحیح طور پر نہ چلے اور ملکی حالات تقاضا کریں تو فوج حکومت کا تختہ الٹ کر خود ملکی نظام سنبھال لیتی ہے۔ جو مارشل لاء کہلاتا ہے یہی حال خلفائے عباسی کا تھا۔ انہیں بھی فوج کو ہم خیال رکھنا پڑتا تھا۔ جس کے لیے مقررہ تنخواہ کے علاوہ وقتاً فوقتاً انعامات سے نوازنا پڑتا تھا(۲٦۷) فوج کی تعداد لاکھوں سے اوپر تھی۔ صرف عراق میں ہی فوج کی تعداد ۱۲۵،۰۰۰ تھی یہ ریاست کی منظم فوج تھی۔ جسے باقاعدہ تنخواہ دی جاتی تھی۔ اس فوج کے علاوہ خانہ بدوشوں، کاشتکاری اور شہریوں کی غیر منظم فوج بھی ہوتی تھی جو ضرورت کے وقت مذہبی جذبہ یا مادی اغراض کے لیے شریک جنگ ہو جاتی تھی(۲٦۸)

پولیس

حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں باقاعدہ طور پر پولیس کا نظام قائم ہوا۔ اس کے بعد یہ عہدہ عباسی میں بھی قائم رہا۔ اس کا کام امن و امان اور نظم و نسق قائم کرنا ہوتا تھا۔ اس کا سربراہ صاحب الشرط کہلاتا تھا۔ یہ خلیفہ کا عموماً قریبی رشتہ دار ہوتا تھا اور صاحب عصبیت و قوت ہونا اس کے لیے ضروری خیال کیا جاتا تھا(۲٦۹)۔

مرکزی محکمہ جات(۲۷۰)

حکومت کا نظم و نسق چلانے کے لیے مختلف محکمے قائم کیے گئے تھے۔ یہ محکمے مرکز اور صوبوں میں قائم تھے۔ ان شعبوں کی تنظیم اور طریقہ کار وہی تھا جو بنوامیہ کے دور میں تھا۔ البتہ عہد عباسی میں انہیں مزید موثر بنایا گیا اور ان میں اضافہ و اصلاحات بھی کیں۔ ان میں کچھ مالی امور کے لیے تھے اور دیگر مختلف مقاصد کے لیے قائم کیے گئے تھے۔ مثلاً:

(الف) شعبہ جات مال

دیوان الخراج (Diwan al Kharaj) (۲۷۱)

اموی عہد میں دیوان الخراج موجود تھا اور عہد عباسی میں بھی یہ جاری رہا۔ یہ شعبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قائم کیا گیا تھا۔ یہ ایسا محکمہ تھا جس میں ملکی ٹیکس (محاصل) جمع کیے جاتے تھے اور ان کا باقاعدہ حساب رکھنا، اسی محکمہ کے ذمہ تھا۔ اسے دیوان الجزیہ و دیوان الزمام بھی کہتے تھے۔ مرکزی مالیاتی شعبوں میں یہ سب سے اہم شعبہ تھا۔ جب کہ صوبائی سطح پر بھی دیوان الخراج کے نام سے مالیاتی محکمے موجود تھے۔ صوبوں کے تمام اخراجات کے بعد جو رقم بچ جاتی تھی وہ دیوان الخراج میں جمع کروادی جاتی تھی۔ تنخواہوں کے لیے رجسٹر رکھے جاتے تھے۔ جن میں انکا اندارج ہوتا تھا۔ محاصل کے آمد و خرچ کو رجسٹروں پر اس طرح درج کیا جاتا تھا کہ ایک خانہ میں عائد شدہ محصول دوسرے میں وصول شدہ محصول اور تیسرے میں ان دونوں کا فرق بیان کیا جاتا تھا۔

دیوان الجند (Diwan al Jund) (۲۷۲)

یہ دوسرا بڑا اہم محکمہ تھا۔ اس کی ابتداء حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوئی۔ اس کا کام فوج بھرتی کرنا اور تنخواہیں تقسیم کرنا تھا۔ فوجی خاندانوں کا خیال رکھنا اور ان میں وظائف تقسیم کرنا بھی دیوان الجند کی ہی ذمہ داری تھی۔

دیوان الضیاع (Diwan'l Diya) (۲۷۳)

خلفاء ان کے رشتہ داروں اور درباری امراء کے شعبہ میں بے شمار جاگیریں تھیں۔ ان کی تعداد کے پیش نظر ان کے خراج و عشر کی تشخیص کے لیے ایک محکمہ "دیوان الضیاع" کے نام سے تھا۔ یہ دیوان الخراج سے بالکل الگ محکمہ تھا۔ اس کا کام ان جاگیروں کا خراج و عشر وصول کرنا تھا۔ یہ جاگیریں زیادہ تر مشرقی شہروں رے، دماوند، قزوین، زنجان، قم، اصفہان، ہمدان اور ماسندان میں تھیں۔ ان کا خراج عام دوسری زمینوں سے کہیں زیادہ تھا۔ مثلاً ماہ البصرہ اور الغارین میں ان جاگیروں کا خراج ۲۶۷۵۲۰ دینار تھا جبکہ عام دوسری زمینوں کا صرف ۱۸۵۶۳۶ دینار تھا۔

ان جاگیروں کے خراج کی وصولی میں نرمی برتی جاتی تھی۔ اگر اس میں بھی ویسی ہی سختی کی جاتی جیسا کہ دوسری زمینوں کے خراج کی وصولی میں کی جاتی تھی تو یہ اس سے کئی گناہ زیادہ ہوتا۔ بلکہ یہ خراج دوسری عام زمینوں سے بہت کم ہوتا تھا۔ جبکہ اکثر حالتوں میں یہ چھوڑ دیا جاتا تھا اور کئی برس تک اس کا مطالبہ ہی نہ کیا جاتا تھا۔ یعنی جتنا اس جاگیر کے ساتھ خلیفہ یا عامل کا تعلق ہوتا ویسا ہی رویہ اپنایا جاتا تھا۔

دیوان الصوافی (Diwan'n Sawafi) (۲۷۴)

اس کے ذمہ ان تمام زرعی اراضی کا انتظام و انصرام کرنا تھا جو براہ راست خلیفہ کی زیر نگرانی ہوتی تھیں۔

دیوان النفقات (Diwan'n Nafaqat) (۲۷۵)

یہ دیوان شاہی دربار کے اراکین کی تنخواہوں اور دوسری ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار تھا۔ اس کے علاوہ شاہی محلات

کی مرمت قصر خلافت کے انتظامات اور شاہی افراد کے وظائف اور آمدنیوں کا انتظام کرنا بھی اس کے ذمہ تھا۔ یہاں تک کہ شاہی اصطبل کے اخراجات بھی یہیں سے ادا ہوتے تھے۔

دیوان الاذیمہ (Diwan'l Azimmah)(۲۷۶)

یہ احتساب کا محکمہ تھا جہاں مختلف محکموں کے اخراجات کی جانچ پڑتال کی جاتی تھی۔ یہ خلیفہ مہدی نے قائم کیا تھا۔ تمام صوبوں کے دفاتر احتساب اسی مرکزی دفتری کے ماتحت تھے۔ جیسا کہ آج کل آڈٹ اور اکاؤنٹس کے محکمہ جات یہی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

دیوان الموالی والغلمان (Diwan'l Mawaliwa Alghilman)(۲۷۷)

یہ شعبہ خلیفہ کے غلاموں کی نگہداشت کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ اس کے ذمہ غلاموں کی رہائش، خوراک اور دیگر امور کی انجام دہی تھا۔

دیوان الاقرحہ (Diwan'l Iqriha)(۲۷۸)

نہروں کا تمام بندوبست یہ محکمہ کرتا تھا۔ اس کے علاوہ دور دراز علاقوں سے شہروں میں پانی پہنچانے کا انتظام کرنا بھی اسی شعبہ کی ذمہ داری تھی۔

دیوان العطاء (Diwan'l Atta)(۲۷۹)

خلفاء کی طرف سے دیئے گئے عطیات اور انعام و کرام کا انتظام و انصرام یہی محکمہ کرتا تھا۔ ان انعامات کا حساب و کتاب رکھنا اس کے ذمہ تھا۔

دیوان الشعر (Diwan's Shair)(۲۸۰)

شعراء کے انعام و کرام کے لیے یہ محکمہ موجود تھا۔ تقریبات پر جو قصائد شعراء کی طرف سے پیش کیا جاتے تھے اسے اس ایوان کا انچارج ملاحظہ کرتا تھا۔ جو ادبی حیثیت سے قابل انعام ہوتے انہیں پیش کیا جاتا تھا۔ اس کا افسر اعلیٰ وہ شاعر ہوتا تھا جو فن تنقید میں ماہر ہوتا۔ پہلا افسر ابان بن عبدالحمید بن لاحق تھا جو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ عدیم النظیر ادیب بھی تھا۔

(ب) دیگر شعبہ جات

مختلف امور کی انجام دہی کے لیے مزید کئی محکمے قائم تھے۔ مثلاً:

دیوان البرید

یہ ڈاک کا محکمہ تھا۔ (۲۸۱) اس کی ابتداء حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں ہوئی اور ہارون الرشید کے زمانے میں اس کی تنظیم نو کی گئی۔ اس محکمہ کا کام خبر رسانی تھا۔ جس کی ترسیل کے لیے گھوڑے اور خچر سواری کے لیے، کبوتر بطور پیغام رساں کے استعمال کیئے جاتے تھے (۲۸۲) پورے ملک میں ڈاک چوکیاں قائم تھیں۔ جن پر ہر وقت تازہ دم اور چست شہہ سوار

تیار رہتے تھے۔طریقہ کار یہ تھا کہ کوئی خبر رساں جب ایک چوکی سے دوسری ڈاک چوکی پہنچتا تو یہاں سے تازہ دم دوسرا خبر رساں خبر لے کر اگلی چوکی طرف بڑھ جاتا جبکہ پہلا یہیں پر سفر ختم کر دیتا تھا۔اس طرح متعلقہ پیغام یا ڈاک ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ جاتی تھی(۲۸۳)۔

الفخری میں دو ڈاک چوکیوں کے درمیان فاصلہ کے بارے میں ہے کہ:

> ''لغت میں برید سے مراد بارہ میل کے فاصلے کو کہتے ہیں گماں ہے کہ دو چوکیوں کے درمیان کم وبیش اتنا ہی فاصلہ ہوگا''(۲۸۴)۔

محکمہ ڈاک کے ملازمین میں اس محکمہ کا انچارج صاحب البرید کہلاتا تھا(۲۸۵)۔یہ خلیفہ کے قریبی لوگوں میں سے ہوتا تھا۔تمام خبروں کی بروقت اور صحیح ترسیل اسی کے ذریعے ممکن تھی۔خلیفہ منصور نے اسے سلطنت کے چار پایوں میں سے چوتھا پایہ کہا تھا جس کے بغیر سلطنت نہیں ٹھہر سکتی(۲۸۶)۔

دیگر باقاعدہ ملازمین میں ڈاکیہ(صاحب الخرائط) مہر لگانے والے اور ڈاک کی گنتی کرنے والے موقعین شامل تھے۔ان کے علاوہ اصحاب البرید(پوسٹ ماسٹر) اور اصحاب الاخبار(پرچہ نویس یعنی خلیفہ کی طرف سے والیوں اور عمال کے خفیہ نگراں) اہم عہدے تھے(۲۸۷)۔

پورے ملک میں ڈاک چوکیاں قائم تھیں۔جن کی تعداد سینکڑوں تھی۔صرف یمن سے مکہ تک ۹۳۰ ڈاک چوکیاں تھیں(۲۸۸)۔صوبائی ڈاک چوکیوں کا صدر مقام بغداد تھا۔

دیوان الخاتم(Diwan'l Khatam)(۲۸۹)

اس شعبہ کی تحویل میں شاہی مہر ہوتی تھی۔خلیفہ کے احکامات کو سربمہر کر کے متعلقہ صوبوں یا علاقوں تک پہنچانا اس محکمہ کے ذمہ تھا۔طریقہ کار تھا کہ جب خلیفہ کے دستخطوں سے کوئی حکم صادر کرنا ہوتا تو یہ حکم نامہ پہلے اس محکمے میں آتا تھا۔یہاں اسے لفافے میں بند کر کے موم لگا کر سربمہر کر دیا جاتا۔اس کے بعد اس محکمہ کے افسر اعلیٰ کی مہر لگائی جاتی تھی۔پھر اسے روانہ کر دیا جاتا تھا۔اس میں کئی ملازمین کام کرتے تھے(۲۹۰)

دیوان الرسائل(Diwan'r Rasa'il)(۲۹۱)

اس محکمہ کی نوعیت سیکرٹریٹ کی سی تھی۔اس شعبہ میں بہترین کاتب اور انشاء پرداز مقرر کیے جاتے تھے۔خلیفہ کی طرف سے خط وکتابت کا کام اسی محکمہ کے سپرد تھا۔خلیفہ کے سربمہر احکامات کا اجراء بھی یہیں سے ہوتا تھا۔اس محکمہ کا افسر اعلیٰ صوبوں کے نظم ونسق کی نگرانی کرتا تھا اور گورنروں کے نام مناسب ہدایات بھیجتا تھا۔دیگر شعبہ جات کی نسبت یہ محکمہ زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔اس کے نگران کو متولی کہتے تھے۔یعنی متولی دیوان الرسائل، دیوان الکاتبت(خط وکتابت) اور دیوان انشاء بھی کہتے تھے۔صاحب دیوان کا مقام بہت بلند ہوتا تھا۔یہ خلیفہ کا خاص منظور نظر ہوتا تھا۔یہ خلیفہ کا ہمراز ہوتا تھا۔خلیفہ بخشیش دینے کے لیے اگر کسی کو منتخب کرتا تو اسے ہی کرتا تھا(۲۹۲)

دیوان السر (Diwan's Sirr) (۲۹۳)

اس محکمہ کا وجود خلیفہ ہارون و مامون کے عہد میں ملتا ہے۔ یہ محکمہ دراصل دیوان الرسائل کا حصہ تھا اور دیوان الرسائل کے انچارج کے ماتحت تھا۔

دیوان التوقیع (Diwan'l Tawqi) (۲۹۴)

یہ درخواستوں کا دفتر تھا۔ اس میں وہ تمام درخواستیں ریکارڈ میں رکھی جاتی تھیں۔ جن پر دربار عام میں شاہی فرمان لکھے جاتے تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید کے بعد دیوان الخاتم کو دیوان التوقیع میں مدغم کر دیا گیا تھا اور دیوان الخاتم کے فرائض بھی اسی محکمے میں شامل کر دیئے گئے تھے۔

دیوان الارض (Diwan'l Ard) (۲۹۵)

اس محکمہ کے فرائض میں فوجی ساز وسامان اور آلات حرب وغیرہ کی دیکھ بھال اور معائنہ شامل تھا۔

دیوان البر (Diwan'l Bir) (۲۹۶)

یہ محکمہ عہد عباسی کے دور انحطاط میں خلیفہ مقتدر باللہ کے عہد میں قائم کیا گیا تھا۔ مقتدر کے وزیر علی بن عیسیٰ نے سلطانی جائیداد میں کافی اوقاف قائم کئے تھے اور ان کے لیے ایک الگ دفتر قائم کیا تھا۔ جس کا نام دیوان البر رکھا۔ ان اوقاف کی آمدنیوں کو وہ سرحدوں کی اصلاح اور حرمین شریفین پر خرچ کرتا تھا۔

دیوان القضاء (Diwan'l Qaza) (۲۹۷)

یہ انصاف کا محکمہ تھا۔ اس کا سربراہ قاضی القضاۃ کہلاتا تھا۔ جس کا تقرر خلیفہ خود کرتا تھا۔ ملک میں اور دوسرے ماتحت قاضیوں کو قاضی القضاۃ القضاۃ مقرر کرتا تھا۔ عدلیہ کا شعبہ انتظامیہ سے مکمل طور پر آزاد تھا۔ قاضیوں، القضاۃ جو عصر حاضر میں چیف جسٹس کے برابر عہدہ تھا کو بھاری تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ فقہ کے چار مکاتب فکر (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) اسی دور میں معروض وجود میں آئے۔ لہٰذا اب ہر صوبے میں چار قاضی مقرر کئے جاتے تھے تاکہ ہر مسلک کا حامل اپنے مسلک کے مطابق فیصلہ کرا سکے۔ امام ابو یوسف اور یحییٰ بن اکثم اسی دور کے نامور فقہاء اور قاضی تھے۔

دیوان الشرطہ (Diwan'l Shurta) (۲۹۸)

یہ پولیس کا محکمہ تھا۔ اس کے افسر اعلیٰ کو صاحب الشرطہ کہتے تھے۔ جو ایک اہم عہدہ سمجھا جاتا تھا۔ اس محکمہ کا کام امن وامان قائم رکھنا اور سرکش عناصر کو کیفر کردار تک پہنچانا تھا۔

دیوان الانام / دیوان الجہبذہ (Diwan'l Annam) (۲۹۹)

ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت کے لیے یہ محکمہ قائم کیا گیا تھا۔ اس کے نگران کو الجہباز کہتے تھے۔

دیوان النظر فی المظالم (Diwan'n Nazrifi'lMazalam)(۳۰۰)

یہ شکاتیوں وغیرہ کی تحقیق وتفتیش کا محکمہ تھا۔ اس کا افسر اعلیٰ مشرف یا ناظر کہلاتا تھا۔

دیوان احتساب (Diwan'l Ahtisab)(۳۰۱)

محکمہ احتساب محکمہ قضاء اور محکمہ مظالم کے درمیان ایک محکمہ تھا۔ محتسب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلقہ امور کو خود تلاش کرتا اور روکتا تھا۔ محتسب ناشائستہ باتوں کی کھوج میں لگا رہتا تھا اور پوری طرح انکا تدارک کرتا تھا۔ عام لوگوں کو شہر میں مفاد عامہ کا خیال رکھنے پر مجبور کرتا تھا۔ راستے میں غیر مہذب حرکتوں سے روکتا تھا۔ جانوروں اور جہازوں پر زیادہ بوجھ دلانے سے روکتا تھا۔ شکستہ مکانات کو گرادینے کا مالکوں کو حکم دیتا تھا۔ جن کے گرنے کا خطرہ ہو۔ مکتبوں میں بچوں کو بے دردی سے مارنے پیٹنے سے معلموں کو روکتا تھا۔ لڑائی جھگڑے میں محتسب اس بات کا انتظار نہیں کرتا تھا کہ لوگ اس کے پاس آئیں اور رپورٹ کریں۔ بلکہ ایسے موقعوں پر وہ خود پہنچ کر تدارک کرتا تھا۔ قرض داروں کو بلاوجہ قرض کی ادائیگی میں دیری سے روکتا تھا۔ اسے ایسے معاملات میں پورے اختیارات حاصل تھے جو عومی حیثیت کے ہوتے تھے اور جس کے حق وباطل میں امتیاز کرنے کے لیے کسی تحقیق کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے قاضی یہ فرائض اپنے ذمہ نہ لیتا تھا۔

محتسب کا دفتر

محتسب کا دفتر جامع مسجد میں رہتا تھا(۳۰۲)

زمانہ حاضر میں محتسب کا کردار

فی زمانہ محتسب کے بعض اختیارات میونسپل سیکرٹری، ہیلتھ آفیسر، پولیس اور ایکٹ ظلم حیوانات کے تحت آتے ہیں(۳۰۳) محتسب بہت سے بلدیاتی امور سرانجام دیتا تھا۔(۳۰۴)

ان تمام دواوین کے علاوہ دیگر مختلف مزید محکمہ جات تھے۔ جن میں دیوان الحوائج، دیوان الاحشام، مطبخ عامہ (عام لوگوں کے لیے لنگر) دیوان الصدقات اور خزانہ السلاح (اسلحہ) وغیر نمایاں تھے۔ یہ تمام محکمہ جات بغداد میں تقریباً ایک دوسرے کے قریب قریب ہی تھے(۳۰۵)

خلفاء کا ازخود نظام احتساب

عباسی خلفاء کی کوشش ہوتی تھی کہ معاشی اور معاشرتی برائیوں کا سدباب کیا جائے اور انہیں پنپنے کا موقع نہ دیا جائے۔ لہٰذا خلفاء پولیس، عدلیہ اور محکمہ احتساب کے قیام کے باوجود خود بھی کڑی نگرانی کرتے اور حساب کتاب کی خاص طور پر جانچ پڑتال خود کرتے تھے۔ جیسا کہ خلیفہ منصور نے ''تعمیر بغداد'' پر اٹھنے والے اخراجات کی پائی پائی کا حساب کیا اور جہاں کہیں بھی غلطی دیکھی اس کے مطابق احتساب کیا۔ مثلاً:

تعمیراتی کام پر احتساب ومواخذہ

بغداد کی تعمیر کے عمل کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ہر حصے کے اخرجات کے لیے علیحدہ علیحدہ خزانچی مقرر کیئے گئے۔ ایک

حصہ کے انتظامی و مالی امور خالد بن الصلت کے سپرد تھے۔ تعمیر مکمل ہونے کے بعد اخراجات کی جانچ پڑتال پر پتہ چلا کہ خالد بن الصلت کے ذمہ پندرہ درھم نکلتے ہیں۔ یعنی انہوں نے پندرہ درھم کی ہیرا پھیری کی ہے۔ خلیفہ منصور نے اسی وقت اسے شرقیہ جیل میں قید کر دیا اور پندرہ درھم کی وصولی کے بعد اسے رہا کیا (۳۰۶)۔
اسی طرح جب بغداد میں منصور کے محل کی تعمیر مکمل ہوئی تو اس نے اخراجات کو تعمیر کی نسبت زیادہ پایا۔ لہٰذا اس نے اخراجات کے تخمینہ کے لیے ایک طریقہ اپنایا۔ اس نے معمار کو بلا کر اخراجات پوچھے لیکن وہ نہ بتا سکا کہ اصل میں کتنی لاگت آئی ہے۔ لہٰذا منصور نے محل کے ایک خوبصورت اور پسندیدہ محراب کو منتخب کیا اور معمار سے کہا کہ ایسی ہی ایک محراب بنا دو۔ جب تعمیر مکمل ہو گئی تو اسے اخراجات کو سامنے رکھ کر انجینئروں اور دیگر متعلقہ لوگوں سے پورے محل کی لاگت معلوم کی۔ اس طرح محل کی تعمیر کا اصل خرچ اور جو خزانچی نے وصول کیا اس میں چھ ہزار درھم کا فرق نکلا۔ لہٰذا اسے قید کر دیا گیا اور اس سے رقم وصول کرنے کے بعد اسے رہا کیا گیا (۳۰۷)

سرکاری اہلکاروں کا مواخذہ

اسی طرح خلیفہ منصور اپنے اہلکاروں کا بھی احتساب کرتا رہتا تھا۔ وہ اپنے عمال کا سختی سے جائزہ لیتا تھا۔ اگر اسے کسی عامل کی بد دیانتی، ظلم اور زیادتی کی اطلاع ملتی تو فوراً اسے معزول کر دیتا اور بڑے بھاری جرمانے عائد کرتا (۳۰۸)۔ مثلاً ابو منصور کا ایک خادم اصبغ تھا۔ جب منصور کو ابھی خلافت نہیں ملی تھی تب یہ خادم اس کے گزر اوقات کے لیے رسیاں بٹا کرتا تھا۔ منصور اس رقم سے اپنا خرچ چلاتا تھا۔ لیکن جیسے ہی منصور کو منصب خلافت ملا اس نے احسان شناسی کرتے ہوئے اصبغ کو ایک علاقے کی ذمہ داری سونپ دی۔ اصبغ نے بے ایمانی سے کام لینا شروع کر دیا اور حساب کتاب میں گڑ بڑ کرنے لگا۔ اس کے علاوہ مخالفین اور فسادیوں کی بھی حمایت کرنے لگا۔ خلیفہ سرزنش کے لیے اسے بلایا مگر جیسے ہی ملازم سامنے آیا منصور کو اپنا ماضی یاد آ گیا۔ لہٰذا اسے آرام سے سمجھا بجھا کر اور نصیحتیں وغیرہ کر کے ساتھ پانچ سو درھموں کی تھیلی دے کر رخصت کر دیا ابو جعفر کا خیال تھا کہ وہ اس سلوک سے متاثر ہو گا اور آئندہ احتیاط کرے گا۔ لیکن وہ شخص باز نہ آیا اور اپنی روش پر قائم رہا۔ وہ امن و امان میں خلل ڈالتا اور لوگوں پر ظلم و زیادتی کرتا رہتا تھا۔ ابو جعفر نے اسے بلایا اور قتل کر دیا اور کہا کہ:

''ظالم کو معاف کر دینا جائز نہیں'' (۳۰۹)

اسی طرح ایک بار خلیفہ منصور کو خبر ملی کی ''حضر موت'' کے والی نے شکاری کتے اور باز پال رکھے ہیں اور زیادہ وقت انہی کے ساتھ شکار وغیرہ میں بسر کرتا ہے۔ منصور نے اسے برطرف کر دیا اور لکھا کہ:

''اللہ تجھے ہلاک کرے۔ میں نے تمہیں مسلمانوں کے معاملات کی نگرانی سونپی تھی۔ وحشی جانوروں کا منصرم نہ بنایا تھا۔ اس لیے تم ہمارا کام اس شخص کے سپرد کرو اور خود انتہائی ذلت کے ساتھ اپنے گھر کی راہ لو'' (۳۱۰)

خلفاء کی کھلی کچہری

سب سے پہلے اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان نے مغلوب و مظلوم لوگوں کی دادرسی کے لیے ایک دن مقرر کیا تھا۔ قابل

تصفیہ مقدمات اپنے قاضی ابوادریس اودی کے حوالے کردیتا جس کے فیصلے فوراً نافذ ہوتے تھے۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز پہلے شخص تھے جنہوں نے جور وتعدی کے فیصلے خود کرنا شروع کئے اور دادرسی کے لیے کھلی کچہری کا اہتمام کیا۔ انہی کی تقلید میں عباسی خلفاء بھی کھلی کچہریوں کا اہتمام کرتے رہے۔ سب سے پہلے خلیفہ مہدی نے اس کی ابتداء کی پھر خلیفہ ہارون، مامون اور سب کے بعد خلیفہ مہتدی دادرسی کے لیے بیٹھا کرتا تھا۔ بلکہ خلیفہ المہتدی نے تو باقاعدہ گنبد مظالم بنایا جس کے چار دروازے تھے۔ وہ وہاں لوگوں کے مسائل سنتا تھا (۳۱۱) اور خلیفہ مامون تو خراسان سے واپسی کے بعد جب سے بغداد آیا تھا روزانہ دوپہر کو عوام کی شکایات سنتا اور احتساب کا عمل کرتا تھا (۳۱۲) اسی طرح دوسرے خلفاء بھی دادرسی کے لیے دربار منعقد کرتے تھے۔

فرائض میں غفلت پر فوج کا مواخذہ

ایک مرتبہ ایک فوجی افسر نے مامون کو لکھا کہ سپاہی آپس میں لڑتے ہیں اور ادھر ادھر لوٹ مار کرتے ہیں۔ مامون نے جواب دیا:

> ''اگر تم انصاف کرتے اور پوری پوری تنخواہ تقسیم کرتے تو نہ یہ آپس میں لڑتے نہ ہی انہیں لوٹ مار کرنے کی ضرورت ہوتی''۔

ساتھ ہی متعلقہ افسر کو معزول کر دیا اور سپاہیوں کی تنخواہیں باقاعدہ جاری کر دیں (۳۱۳)

اسی طرح کا واقعہ خلیفہ منصور کے دور میں بھی پیش آیا تھا۔ جسے ابن عبداللہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

> ''ابوجعفر منصور کے دور میں عینیہ بن موسیٰ امیر سندھ تھا۔ اس نے منصور کو خبر دی کہ فوج نے اس کے خلاف ہنگامہ کر کے بیت المال کے تالے توڑ کر اس میں سے اپنی تنخواہ لوٹ لی ہے۔ اس کے جواب میں خلیفہ نے لکھا کہ ''اگر تم عدل وانصاف کرتے تو وہ ہنگامہ وشورش برپا نہ کرتے اور اگر تم ان کے حقوق پورے کرتے تو وہ لوٹ مار نہ کرتے''۔

اسی خلیفہ منصور نے ایک بار ایک غلام کی ۱۰ ہزار درہم کی رقم بڑے طریقے سے ضبط کر لی

غلام سے رقم کی ضبطی

ابومقاتل الخراسانی کہتا ہے کہ:

> ''میرے غلام کے بارے میں منصور کو پتہ چلا کہ اس کے پاس دس ہزار درہم ہیں۔ منصور نے اس سے یہ کہہ کر دس ہزار درہم لے لئے کہ یہ اس کے ہیں وہ کہنے لگا کہ وہ غلام تو کبھی بھی منصور کا غلام نہیں رہا ہے نہ ہی اس کے اور منصور کے درمیان کوئی رشتہ ہے۔ رقم اس کی کیسے ہوگئی؟ منصور نے جواب دیا''۔
>
> ''تم نے عینیہ بن موسیٰ بن کعب کی لونڈی سے نکاح کیا اس سے یہ روپیہ تمہیں ورثہ

میں ملا اور لونڈی کو روپیہ اس وقت ملا جب عینیہ سندھ کا والی تھا اور اس نے میری
نافرمانی کی اور روپیہ غبن کیا۔ تو یہ روپیہ حقیقت میں وہی روپیہ ہے''(۳۱۴)۔

وزراء کا محاسبہ

خلیفہ منصور برکی خاندان سے بہت محبت اور عقیدت رکھتا تھا۔ اس خاندان نے سترہ سال سے کچھ دن زائد ہی حکومتی امور سنبھالے۔ وزراء اسی خاندان سے تھے۔ لیکن خلیفہ منصور نے اور بعد کے خلفاء نے اس خاندان سے بھی کوئی رورعایت نہیں برتی۔ بلکہ اکثر ان کا احتساب ہوتا رہتا تھا۔ جیسا کہ ۱۵۸ھ میں خلیفہ منصور نے خالد برمک کو تیس لاکھ درہم جرمانہ کیے اور صرف تین دن کی مہلت دی کہ جرمانہ ادا کیا جائے ورنہ بصورِ عدم ادائیگی قتل کر دیا جائے۔ خالد برکی صرف ستائیس لاکھ جمع کروا سکا تھا۔ ساتھ ہی موصل وغیرہ کے حالات خراب ہو گئے لہٰذا صورت حال کے پیش نظر بقیہ تین لاکھ معاف کر دیئے گئے (۳۱۵)

گورنر/والی کا محاسبہ

یہی حال خلیفہ ہارون الرشید کا تھا۔ اس نے بھی والی بصرہ محمد بن سلیمان کی وفات کے وقت اس کی بددیانتی اور خیانت کی وجہ سے سارا ترکہ قرق کر لیا جس میں بے شمار مال اسباب کے علاوہ چھ کروڑ درہم اور جائیداد وغیرہ شامل تھی (۳۱۶)
المسعودی کے مطابق یہ روزانہ ایک لاکھ درہم کی خیانت کیا کرتا تھا (۳۱۷)

سرکاری اہلکاروں کا محاسبہ

۲۲۹ھ میں واثق باللہ نے اپنے اہلکاروں کو ان کی بدیانتی کی وجہ سے جرمانے کے لیے قید کر دیا اور جرمانوں کی رقم انتہائی سختی سے کوڑے مار مار کر وصول کی جو کہ ستائیس لاکھ چورانوے ہزار (۲۷۹۴۰۰۰ ہزار) دینار تھی (۳۱۸)۔

اسی طرح ایک بار خلیفہ واثق کو اطلاع ملی کہ احمد بن خصیب کو جو ترکی کا کاتب تھا اسے جزیرہ، مصر اور مغرب کے امور کا نگران بنا دیا تھا اس نے بہت سا مال و دولت جمع کر لیا ہے۔ لہٰذا خلیفہ نے اس کے اور اس کے بھائی ابراہیم کے مال پر قبضہ کر لیا اور ان دونوں کے ساتھ ساتھ ان کی ماں کو بھی سزا دی (۳۱۹)۔

تقریباً سب خلفاء کا یہی حال تھا۔

عصر حاضر خصوصاً پاکستان میں یہ تمام بدعنوانیاں بدرجہ اتم بلکہ اس دور سے زیادہ اور وسیع پیمانے پر ہو رہی ہیں۔ تعمیرات میں تو سو فیصد بددیانتی پائی جاتی ہے۔ اگر ساتھ مواخذہ اور احتساب ہوتا رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ لوگ راہ راست پر نہ آ جائیں۔
حقیقت تو یہ ہے کہ:

''کسی بھی ملک کی ترقی و تعمیر کے لیے احتساب کا عمل ضروری ہوتا ہے''۔

صوبائی نظام حکومت و محکمہ جات

عہد عباسی میں صوبوں کی حدود میں اکثر تغیر و تبدل ہوتا رہتا تھا۔ المقدسی (۳۲۰) نے جو صوبوں کی ترتیب دی ہے وہ اصطخری (۳۲۱) سے مختلف ہے۔ اس طرح الجہشیاری نے ۳۵ صوبوں کا ذکر کیا ہے۔ (۳۲۲) اور ابن خلدون (۳۲۳) نے ۳٦ جبکہ حتی نے ۲۴ کا۔ (۳۲۴) ہوسکتا ہے کہ یہ فرق تبدیلیوں کی وجہ سے ہو۔ جس کی وجہ سے اکثر قطع و برید کے بعد نئے صوبے تخلیق کر لیے جاتے تھے۔ یا ایک صوبے کو دوسرے صوبے میں مدغم کر دیا جاتا تھا۔

والی / گورنر

صوبائی عمال خلیفہ براہ راست مقرر کرتا تھا اور والی براہ راست خلیفہ کے سامنے جواب دہ ہوتا تھا۔ والی کی تقرری، تنزلی یا علیحدگی خلیفہ کی مرضی پر منحصر ہوتی تھی۔ مرکز کی طرف سے ان پر کڑا نظام احتساب قائم تھا۔ لیکن دیکھا جائے تو اصولا والیوں کا عزل ونصب وزیر کی مرضی پر منحصر ہوتا تھا۔ کیونکہ اس کی سفارش پر خلیفہ والی مقرر کرتا تھا اور وزیر کی وزارت سے علیحدگی کے ساتھ ہی والی بھی اپنے عہدے سے ہٹ جاتے تھے (۳۲۵)

امارت

خلافت عباسیہ کے دور انحطاط میں امارت استکفا (امارت تفویض) اور امارت استیلا (امارت تنفید) بھی قائم ہو گئی تھی۔ امارت خاصہ تھی لیکن بہت کم

امارت استکفاء (امارت تفویض)

یہ وہ عہدہ تھا جسے خلیفہ وقت اپنے کسی خاندان کے فرد کو سونپتا تھا جس کے تحت اسے کسی اقلیم کا حاکم و نگران بنا دیا جاتا تھا۔ ایسے حاکم کے اختیارات اس ملک میں بطور خود سر حکمران کے نافذ رہتے تھے اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب شاہی خاندان کے کسی فرد کو کسی علاقے میں یہ امارت سونپی جاتی تو وہ کسی دوسرے شخص کو اپنا نائب بنا کر وہاں بھیج دیتا اور خود دربار خلافت میں موجود رہتا۔ اکثر اسلامی ولایتوں میں اسی طرح کی حکمرانی ہوتی تھی اور خصوصا جبکہ وہ مقامات اور اقلیم مرکز خلافت سے دور ہوتیں جیسا کہ بنوامیہ کے دور میں عراق اور عباسی دور میں شام (۳۲٦)

امارت استیلاء (امارت تنفیذ)

یہ وہ امارت تھی جس میں کوئی والی خلیفہ کے حکم سے مقرر ہونے کے بعد خود حکمران بن جاتا تھا یا بزور قوت کسی علاقے یا اقلیم پر قابض ہو جاتا اور خلیفہ مجبوراً اسے وہاں کا حاکم تسلیم کر لیتا۔ ایسے امیر کو برائے نام خلیفہ کا ماتحت رہنا پڑتا تھا۔ بلکہ بجائے اس کے کہ وہ خلیفہ کے سامنے سر جھائے خلیفہ کو خود اس کی مرضی کے تابع رہنا پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر اس علاقے میں کوئی مذہبی حکم نافذ کرنا ہوتا تو خلیفہ کو اس سے اجازت لینا پڑتی تھی۔ (۳۲۷)

یہ دونوں امارتیں استکفاء اور استیلاء آخر کار عباسی حکومت کے زوال میں معاون ثابت ہوئیں۔ پہلے کئی خود مختار حکومتیں طاہریہ، بنو بویہ، انشید یہ وغیرہ قائم ہوئیں۔ جو مستقل حکمران کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کے ممالک میں خلیفہ کا صرف خطبہ اور سکہ پر نام چلتا تھا اور ایک مقررہ رقم بطور نذرانہ خلیفہ کو سالانہ پیش کرتے تھے۔ جس کے عوض خلیفہ انہیں حکمران تسلیم کرتا رہتا تھا۔ یہ حکومتیں موروثی طور پر ان کے خاندان میں نسل در نسل چلی جاتی تھیں (۳۲۸)۔

امارت خاصہ

عہد عباسی میں یہ امارت بہت کم تھی۔ اس میں حکمران اپنی حدود واثر کے اندر فوجی نظم و تربیت میں ملکی کاروبار خلافت کی حمایت اور اس کی عظمت واقتدار کی حفاظت کرتا رہتا تھا۔ معاملات اور مقدمات کا فیصلہ کرنے اور خراج اور زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہ تھا۔ بعض اوقات نماز کی امامت بھی اس کے ذمہ نہ ہوتی تھی۔ (۳۲۹)

تاہم صوبائی نظام بہت بہتر تھا۔ یہاں بھی ملکی انتظام وانصرام کے لیے مختلف محکمہ جات قائم کئے گئے تھے۔ مرکزی دیوان کی صوبائی سطح پر شاخیں ہوتی تھیں اور اکثر مرکزی سطح پر ایک سے زیادہ دواوین کا کام صوبائی سطح پر ایک ہی دیوان کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ تاہم صوبائی سطح پر یہ دیوان اہم تھے (۳۳۰)

1- دیوان الخراج 2- دیوان الرسائل 3- دیوان الزمام

4- دیوان البرید 5- دیوان الضیاع

یہ تمام دواوین اور محکمہ جات اپنے تمام اخراجات براہ راست بیت المال سے وصول کرتے تھے۔ مرکزی بیت المال کے مختلف حصے تھے۔ ہر محکمہ بیت المال کے اپنے متعلقہ شعبہ سے اپنے فنڈز وصول کیا کرتا تھا۔ مثلاً بیت المال کے شعبہ عام سے ملازمین کی تنخواہیں، دفاع، تعلیم، صحت اور دیگر فلاحی و رفاہی کاموں کے لیے فنڈز ریلیز کیے جاتے تھے۔ اسی طرح بیت المال خاص تھا۔ جو کہ خلفاء کے ذاتی اور اس سے متعلقہ امور کے لیے قائم شدہ محکمہ جات کو اخراجات فراہم کرتا تھا یہی طریقہ کار تمام محکموں کا تھا۔

□♦□♦□

باب اوّل

حواشی و مآخذ

(۱) الطبری، محمد بن جریر ابوجعفر علامہ، تاریخ الامم والملوک، مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرہ ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء، ۲: ۱۲-۱۳

(۲) تاریخ الطبری، ۲: ۳۳۲-۳۳۳، ۳۳۷، ۳۳۹

(۳) ایضاً، ۳۳۷

(۴) القرآن الحکیم (الحجرات) ۴۹: ۱۳

(۵) تاریخ الطبری، ۲: ۴۳۵-۴۳۶، ۴۳۹، ۴۴۲، ۵۴۵

(۶) ایضاً، ۴۵۰، ۴۴۴، ۴۴۶، ۴۴۸

Djambatan,Amseterdam, A Concise History of Islam, Netherland, 1957.10

(۷) تاریخ الطبری، ۲: ۵۳۸-۵۳۹

ابن خلدون، عبدالرحمٰن علامہ المغربی، کتاب العبر ودیوان المبتداء والخبر فی ایام العرب والعجم، البربر ومن عاصرھم من ذوی السلطان الاکبر وھوتاریخ وحید عصر، منشورات، دارالکتاب اللبنانی، للطبعۃ والنشر مکتبۃ المدرسۃ بیروت، ب ۱۳۷۶، ۳۶۴

(۸) مسلم، ابوالحسین بن حجاج القشیری، النیسابوری، الجامع الصحیح، کتاب الامارات

تاریخ الطبری، ۲: ۴۴۲، ۴۴۶

ابن الاثیر ۲: ۱۵۸

(۹) امام نووی صحیح مسلم میں "کتاب الامارات" کے پہلے باب کی شرح لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رسول اکرمؐ کی کوئی بات صریحاً موجود ہوتو صحابہ اختلاف کریں۔ پھر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے کوئی از خود احتجاج بھی نہیں کیا۔ لہٰذا کیسانیہ اور راوندیہ کے یہ دعوے صحیح نہیں بلکہ صحابہ پر بہتان ہے"

اگر کاغذ قلم مہیا نہ کیا جاسکا تھا تو آپؐ اگر چاہتے تو زبانی اتنے صحابہ کی موجودگی میں اظہار فرمادیتے۔ اگر قرآن مجید کی حفاظت کے لیے ان کے سینے اور زبانیں قابل اعتبار ہوسکتی تھیں تو وصیت کے لیے کیوں نہیں؟ واللہ اعلم

تاریخ ابن خلدون، ۳۶۴۔

(۱۰) تاریخ ابن خلدون، ۳۶۵۔

(۱۱) تاریخ الطبری، ۶: ۷۸۔

(۱۲) الطقطقی، محمد بن علی بن طباطبا، الفخری فی الاداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ، المطبعۃ الرحمانیہ مصر ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۸ء، ۱۰۳

(۱۳) القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب) ۳۳: ۶

(۱۴) المسعودی، ابوالحسن علی بن حسین بن علی، مروج الذھب ومعادن الجواھر، المکتبہ التجارۃ الکبریٰ، بمصر، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء، ۳: ۲۵۲

(۱۵) ابن کثیر ابوالفدا عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی، البدایہ والنھایہ فی التاریخ، مکتبہ المعارف بیروت، مکتبہ النصر الریاض، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۶۶ء، ۱۰: ۱۵۔

(۱۶) تاریخ الطبری، ۳: ۳۵۰

(۱۷) مقدمہ، ابن خلدون، ۲۱۲

(۱۸) تاریخ الطبری، ۳: ۳۵۰، ۳۶۹۔ ۵۲۸ (شہادت علیؓ)

(۱۹) ایضاً

(۲۰) تاریخ الطبری، ۴: ۱۲۱۔ ۱۲۳

(۲۱) تاریخ ابن خلدون، ۳۶۸

(۲۲) تاریخ الطبری، ۳: ۲۲۸، ۲۲۹، ۳۰۱، ۱۲۳۔ ۳۵۸

(۲۳) تاریخ الطبری، ۴: ۴۸۳۔ ۶۰۳

(۲۴) تاریخ ابن خلدون، ۳۶۷

حضرت علیؓ کی اولاد کے لیے دو اصطلاحیں قائم ہو گئیں۔ ایک فاطمی (حضرت فاطمہؓ کی اولاد) اور دوسری علوی (حضرت علیؓ کی دوسری بیویوں سے اولاد)

(۲۵) تاریخ ابن خلدون۔ ۳۶۷

(۲۶) الفخری، ۱۰۳۔

تاریخ المسعودی، ۱: ۲۳۵

تاریخ ابن خلدون، ۳: ۳۶۹ دائرہ معارف اسلامیہ الحمیمہ، ۸: ۶۷۴

"الحمیمہ وہ مقام ثابت ہوا جہاں خلافت ایک خاندان سے دوسرے ایسے خاندان میں بہ استحقاق منتقل ہوئی جس نے صدیوں اسلام کے نام پر دنیا پر حکومت کی۔ جبکہ عصر حاضر میں الحمیمہ شرقی اردن کا ایک غیر آباد مقام (خرابہ) ہے۔ یہ قدیم شاہراہ پر واقع تھا جو ایلہ اور البسراء کو آپس میں ملاتی تھی۔ الحمیمہ اس قدیم بستی کے کھنڈروں پر بسایا گیا تھا جسے بعض مصنفین نے ۹۳ ق م میں نبطی بادشاہ اوبودس (Obodas) کا آباد کردہ شہر اوارہ (Avara) قرار دیا ہے۔ آج بھی اس مقام پر بعض دیواروں اور ایک کاریز کے نشانات ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ٹیلے کے دامن میں جوام الاعظم کے نام سے موسوم ہے خاصے وسیع رقبے پر پھیلے ہوئے کھنڈر نظر آتے ہیں۔ لیکن کوئی عمارت قائم نہیں رہ سکی"۔

(۲۷) الفخری، ۱۰۳۔

(۲۸) تاریخ الطبری ۶: ۷۸۔ ۷۹

(۲۹) ایضاً

(۳۰) ابن الفقیہ ابی بکر احمد بن محمد الھمدانی مختصر کتاب البلدان، بمطبع، بریل، لیدن، ۱۳۰۲ھ، ۳۱۵

(۳۱) الفخری،۱۰۴ تاریخ ابن خلدون،۳: ۳۶۹۔

(۳۲) ایضاً

(۳۳) الفخری،۱۰۴ تاریخ ابن کثیر،۱۰: ۵۱

(۳۴) تاریخ ابن کثیر،۱۰: ۴۹۔۵۲

(۳۵) الفخری،۱۰۴

(۳۶) ایضاً

(۳۷) الفخری،۱۰۵ تاریخ المسعودی،۳: ۲۶۷۔۲۶۸

(۳۸) تاریخ الطبری،۶: ۱۸۱۔۱۸۴ الفخری،۱۰۶

(۳۹) تاریخ المسعودی،۳: ۲۷۱

(۴۰) تاریخ الطبری،۶: ۸۸۔۹۰

(۴۱) الفخری،۱۰۵

(۴۲) القرآن الحکیم (سورۃ البقرہ) ۲: ۵۰ تاریخ الطبری،۶: ۸۹۔۹۰ الفخری،۱۰۶۔۱۰۷۔

(۴۳) القرآن۔ الفخری،۱۰۱

(۴۴) تاریخ الطبری ۶: ۸۲ تاریخ الیعقوبی،۲: ۳۵۰ تاریخ المسعودی،۳: ۲۷۰

(۴۵) تاریخ الطبری،۶: ۸۲۔۸۳ تاریخ المسعودی،۳: ۲۶۶

(۴۶) تاریخ ابن خلدون،۳: ۱۱۰۷

History of the Arabs,297.-1

(۴۷) تاریخ خلدون،۳: ۱۱۰۹ (تاریخ ابن خلدون میں ۸۰۸ھ تک بیان ہے)۔

(۴۸) تاریخ ابن خلدون،۳: ۱۱۰۹، ۵۹۳۔۵۹۴۔

(۴۹) تاریخ ابن خلدون،۳: ۵۹۳۔

محمد الخضر بک "محاضرات تاریخ الامم اسلامیہ" میں خلافت عباسیہ کے بغداد کے دور کو پانچ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ لیکن اصل میں یہ دو ادوار ہی ہیں۔ پہلا ترقی کا دوسرا تنزل کا جس کے انہوں نے چار ادوار کیے ہیں۔ تفصیل اس طرح ہے۔

-1	۱۰۰ سالہ دور عروج	۱۳۲ھ ——— ۲۳۲ھ
-2	۱۰۲ سالہ ترک بادشاہوں کا زمانہ تسلط	۲۳۲ھ ——— ۳۳۴ھ
-3	۱۱۳ سالہ آل بویہ کے بادشاہوں کا زمانہ تسلط	۳۳۴ھ ——— ۴۴۷ھ
-4	۸۳ سالہ آل سلجوق کے بادشاہوں کا زمانہ تسلط	۴۴۷ھ ——— ۵۳۰ھ
-5	۱۲۶ سالہ دور	۵۳۰ھ ——— ۶۵۶ھ

جس میں عباسیوں نے کسی حد تک اپنا اثر و نفوذ اور ان کے سپہ سالاروں نے اپنا تسلط واپس حاصل کر لیا تھا۔

محمد الخضری بک (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ) ۴۸۶

(۵۰) ایضاً۔

(۵۱) تاریخ ابن خلدون، ۳: ۵۹۹

محمد الخضری بک، عہد عباسی کو ۴ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ، ۴۸۶۔

(۵۲) تاریخ ابن خلدون، ۳: ۵۹۳۔

تاریخ ابن خلدون میں متوکل کے دور کو مخدوش اور آخری سرحد بتایا گیا ہے۔ اس کے بعد مکمل زوال کی طرف عباسی خلفاء گامزن ہو گئے۔

جبکہ النظم الاسلامیہ کے مطابق واثق کی موت اور متوکل کی خلافت ۲۳۲ھ سے ہی زوال شروع ہو گیا تھا۔ ۶۷۔۸۲۔

حسن ابراہیم، النظم الاسلامیہ، مکتبۃ النہضۃ المصریہ بمصر طبعۃ الاولی، ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۸ء، ۸۳۔۹۰۔

(۵۳) ایضاً ۸۳۔۹۰

محمد الخضری بک بھی ۲۳۲ھ تک عروج کا دور شمار کرتے ہیں۔

(اس مقالہ میں متوکل کے بعد کے دور کو (۲۴۷ھ) زوال کا دور ظاہر کیا گیا ہے)

المسعودی بھی متوکل کے دور کو خوشحال اور نعمتوں سے بھرپور لکھتے ہیں۔ بلکہ وہ اس دور کو انتہائی شاندار اور مرفہ الحال بیان کرتے ہیں (۴: ۱۲۳) جس طرح چراغ بجھنے سے پہلے آخری بار بہت تیز روشنی دیتا ہے اور مریض موت سے پہلے آخری بار صحت وتندرستی محسوس کرتا ہے۔

حسن ابراہیم حسن الدکتور، تاریخ الاسلام السیاسی والدینی والثقافی والاجتماعی، مکتبۃ النہضۃ المصریہ بالقاہرہ ۱۹۶۵ء

(۵۴) ایضاً ۹۱۔۹۳۔

(۵۵) الفخری، ۲۴۷، النظم الاسلامیہ، ۱۰۵

(۵۶) تاریخ ابن خلدون، ۳: ۱۱۰۹، النظم الاسلامیہ، ۱۲۸۔۱۳۲۔

(۵۷) تاریخ ابن خلدون، ۳: ۱۱۱۳، تاریخ الخلفاء (السیوطی) ۳۴۷

(۵۸) احمد السعید سلیمان الدکتور، تاریخ الدول الاسلامیۃ ومعجم الاسرار الحاکمۃ دار المعارف بمصر ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء ۱: ۲۰/ ۲۱

(۵۹) السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، مکتبۃ التجارۃ بمصر، ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۴ء، ۵۱۴۔۵۷۷

تاریخ الخلفاء میں ۱۵ خلفاء کا بیان ہے کیونکہ یہ کتاب ۹۰۲ھ تک کے حالات پر منحصر ہے جبکہ مؤلف السیوطی کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی۔

(۶۲) تاریخ الطبری، ۶: ۳۳۶۔۳۴۷، ۳۳۹، ۴۲۶، ۵۲۸، ۷: ۹۱، ۲۱۰، ۲۱۱، ۳۱۴، ۳۳۸، ۳۹۲

(۶۷) ابن حوقل، ابی القاسم، کتاب صورۃ الارض، دار المکتبۃ الحیاۃ بیروت، ۱۵۔۱۶

(۶۸) اصطخری ابی اسحاق ابراہیم بن محمد الفارسی، تحقیق، الحسینی محمد جابر عبدالعال، محمد شفیع غربال، ادارۃ العامۃ للثقافۃ الجمہوریۃ عربیۃ المتحدہ، ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء، ۱۵۰

(۶۹) المقدسی، ابو عبداللہ محمد بن احمد، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، مکتبۃ خیاط، بیروت، لبنان، ۶۸۔۲۳۱

(۷۰) History of the Arabs,330.

(۷۱) احسن التقاسیم، ۶۸، ۲۳۱

(۷۲) تاریخ الطبری، ۶: ۱۱۱؛ احسن التقاسیم، ۶۸/۷۱۔

(۷۳) احسن التقاسیم، ۱۱۵؛ صورت الارض، ۲۰۸،

(۷۴) صورت الارض، ۲۰۲،

(۷۵) ایضاً ۲۰۸۔

(۷۶) المسالک والممالک (اصطخری) ۵۳، صورت الارض، ۱۸۹، احسن الاقاسیم، ۱۳۷،

(۷۷) المسالک والممالک (اصطخری) ۴۴، احسن التقاسیم، ۱۵۴۔

عہد بنوامیہ میں یہ دولت وشوکت کا مرکز تھا۔ بنوامیہ کا دارالخلافہ دمشق تھا۔ شام میں اس کی سرحد روم سے ملتی تھی۔

(۷۸) المسالک والممالک (اصطخری)، ۴۰، احسن التقاسیم، ۱۹۳۔۱۹۵

(۷۹) المسالک والممالک (اصطخری)، ۱۴۱، احسن التقاسیم، ۲۶۰۔۲۶۶۔

(۸۰) ایضاً، ۱۱۴، ایضاً، ۲۵۹۔۳۰۱

(۸۱) احسن التقاسیم، ۳۷۴۔۳۷۵

(۸۲) المسالک والممالک (اصطخری)، ۱۲۱، احسن التقاسیم، ۳۵۴۔۳۵۵

(۸۳) ایضاً ۱۱۷، ایضاً، ۳۷۵۔۳۹۰

(۸۴) ایضاً، ۹۸، ایضاً، ۴۶۰۔۴۶۱

(۸۵) ایضاً ۳۲، ایضاً، ۴۰۴۔۴۱۴

(۸۶) صورت الارض، ۲۲۷، ۲۳۶، احسن التقاسیم، ۴۰۴۔۴۱۴

(۸۷) المقدسی کا بیان ہے کہ اس ولایت کا کوئی شہر نہیں ملا، احسن التقاسیم، ۴۰۵،

(۸۸) المسالک والممالک (اصطخری)، ۱۰۵، احسن التقاسیم، ۴۷۴۔۴۷۸

(۸۹) احسن التقاسیم، ۴۱۵۔۴۳۶

(۹۰) تاریخ التمدن الاسلامی، جرجی زیدان، ۲: ۶۱۔۶۲ نے یہ اندازہ پیش کیا ہے۔

(۹۱) تاریخ التمدن الاسلامی، ۶۱۔۶۲، البرامکہ، ۱۸۴

(۹۲) محمود بریلوی، پروفیسر، تاریخ ملک عراق، فیروز سنز، ۱۹۵۱ء، ۵۵

(۹۳) ایضاً

(۹۴) تاریخ شام (حتی)، ۴۳۴،

(۹۵) ایضاً

(۹۶) A Concise History of Islam, 13

(۹۷) Ibid, 16

(۹۸) تاریخ ابن خلدون، ۳: ۵۹۴

(۹۹) ایضاً۔

(۱۰۰) ایضاً۔

(۱۰۱) ایضاً،۳: ۴۸۷،۵۹۴-۵۹۵،۶۲۰،۶۲۳ تاریخ الخلفاء (السیوطی)،۵۲۴-۵۲۵ الفخری،۱۹۴،۲۰۷،۲۱۵،
تاریخ التمدن الاسلامی، ا:۷۷-۷۸

(۱۰۲) تاریخ ابن خلدون،۴: ۵۹۶ الفخری، ۲۰۷، ۲۱۵ تاریخ الخلفاء (السیوطی) ۳۹۷۔

(۱۰۳) ایضاً۔

(۱۰۴) احسن التقاسیم،۲۴-۳۰

(۱۰۵) الفخری، ۲۰۰، ۱۰۸

(۱۰۶) ایضاً

(۱۰۷) ذهبی، ابوعبدالله شمس الدین، امام، تذکره الحفاظ، بمطبعه مجلس دائره المعارف النظامیه الکائنته فی الهند حیدر آباد دکن، ۱۳۳۳ھ

(۱۰۸) الخطیب بغدادی، ابی بکر احمد بن علی، تاریخ بغداد و مدینته الاسلام مطبعة اسعادة بمصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء ۱: ۱۱۹

(۱۰۹) الفخری، ۱۴۵
معین الدین ندوی، احمد شاہ، تاریخ اسلام۔ دارالاشاعت کراچی، ۱۹۸۵ء، ۳: ۱۱۰

(۱۱۰) تذکرة الحفاظ (امام ذهبی) ۱: ۲۲۴، ۲۲۵

(۱۱۱) شبلی نعمانی، علامہ، المامون، حامد اینڈ کمپنی لاہور، ص ۱۲-۱۳

(۱۱۲) History of the Arabs, p. 297

(۱۱۳) گستاولی بان، Civilization Des Arabeses، ترجمہ "تمدن عرب"، سید علی بلگرامی، مقبول اکیڈمی لاہور، ۲۶۰

(۱۱۴) سلیمان التاجر السیرافی، سلسله التوارخ، ۲۶.
بحوالہ چین وعرب کے تعلقات اوران کے نتائج، مولوی بدرالدین چینی، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۱۹۴۹ء
اطہر مبارک علی مولانا، خلافت عثمانیہ اور ہندوستان، ۳۰۶

(۱۱۵) تاریخ الطبری، ۶: ۳۸۰

(۱۱۶) ایضاً ۶: ۳۸۱

(۱۱۷) ایضاً، ۶: ۵۰۰-۵۰۱

(۱۱۸) ایضاً: ۵۱۰

(۱۱۹) البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر فتوح البلدان ، مکتبته النهضه المصریه ، قاهر ۳: ۵۲۷

(۱۲۰) فتوح البلدان ۳: ۵۲۸

(۱۲۱) ایضاً:۲۸۲

(۱۲۲) تاریخ الطبری، ۷:۳۷۹

(۱۲۳) فتوح البلدان، ۲۸۱

(۱۲۴) ازرقی، اخبار مکہ ازرقی، طبع وسٹفلد ۱:۴۸ بحوالہ خلافت عباسیہ اور ہندوستان ۱۶۲

(۱۲۵) رشید بن زبیر، کتاب الذخائر التحف ۲۵.۱۵ بحوالہ خلافت عباسیہ اور ہندوستان ۱۴۳

(۱۲۶) تاریخ المسعودی ۴:۵۷

(۱۲۷) کتاب الذخائر التحف، ۳۵.۳۲،۲۰

(۱۲۸) حدیث شریف

(۱۲۹) رئیس احمد جعفری، خلیفہ ہارون الرشید اور اس کا عہد، مقبول اکیڈمی لاہور

(۱۳۰) "عہد عباسی میں تقریباً ہر موضوع پر کتابیں لکھی گئیں مثلاً عمومی موضوعات، فتوحات، ہزیمت و شکست، سلامتی، اطاعت، شرائع، شکر گزاری، حکمرانی، عہد و پیان، مشورہ، مصیبت، بارش، زلزلے، بیعت، صلح، شتم ہجاء، حوائج، رضاء، دوستی، گلہ و عتاب۔ عذر خواہی، وثائق، تہنیت، ہدایا و تحائف، قضا، تعزیت، جہاد، حج، عیادت و مزاج پرسی، خواہشات، فتوحات اور شطرنج وغیرہ پر"۔ (الفہرست ۱۸۹، ۲۲۷)

(۱۳۱) الفہرست

تفسیر: ۲۲۲، حدیث: ۱۳۶، ۳۱۸ـ۳۳۰، صرف ونحو: ۱۲۱ـ۱۳۶، فقہ: ۳۴۰، ۳۳۳، تصوف: ۲۷۴ـ۳۹۳ علم الکلام: ۲۵۱ـ۲۶۲، تاریخ وسیر: ۱۳۷ـ۱۷۲، ۱۸۳، ۲۲۲

(۱۳۲) الفہرست

طب: ۴۱۲، ۴۳۶، کیمیا: ۵۰۷، ۵۱۲، نفسیات: ۳۷۶، سیاسیات: ۳۷۷، الجبرا: ۳۷۴، علم ہندسہ: ۳۸۵ شعر وادب: ۳۳۳، ۳۵۰ موسیقی: ۳۷۳، شطرنج پر کتابیں: ۲۲۷، مقدمہ (ابن خلدون): ۳۸

(۱۳۳) الفہرست، ۳۱۰، ۳۱۱، تمدن عرب، ۲۵۶

سیجہ لو جوائے عراق سرزمین اور باشندے، مترجم محمد ہادی حسین، علی پرنٹنگ پریس، لاہور ۱۹۶۷، ۵۰

(۱۳۴) الفہرست، ۸۰، ۱۷۹، ۳۵۶، ۳۸۴

(۱۳۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، حنین بن اسحاق، ۸:۶۹۹

(۱۳۶) History of thr Arabs الفہرست، مقدمہ ابن خلدون

(۱۳۷) تاریخ الطبری :تاریخ المسعودی، الفہرست

(۱۳۸) Nocholson, Lit, History of tha Arabs, P.28

تاریخ بغداد، ۱۲: ۴۰۳ـ۴۰۶

(۱۳۹) الفہرست ۱۳۶، ۳۱۸، ۳۴۰

(۱۴۰) ایضاً ۲۲

(۱۴۱) ایضاً ۱۳۷، ۱۸۳، ۲۲۲

(۱۴۲) ایضاً ۱۲۱، ۱۳۶، ۲۷۴ـ۳۳۹، ۴۱۲ـ۴۳۶، ۵۰۷ـ۵۱۲ وغیرہ

(۱۴۳) ایضاً ۲۹۴، ۳۱۷، ۳۲۱ـ۳۲۷، ۳۳۰، ۳۳۳

(۱۴۴) حدیث وتفسیر، فقہ، علم الکلام اور تصوف جو عباسی عہد کی پیداوار ہیں محض ان بڑے علماء کے سبب مرتب و مدون ہوئے جنہوں نے عباسی دربار سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ ان بڑے علماء میں چاروں ائمہ کرام، امام بخاریؒ، حضرت امام مسلمؒ، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی، الحاکم، دار قطنی، الخطیب ابن عساکر، اوزاعی، طبری، ابن المدینی، اسحاق، راہویہ، ابن معین عبداللہ بن مبارک اور اسی پایہ کے دوسرے بڑے آئمہ حدیث وفقہ ہمیشہ شاہی دربار سے دور دور رہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ فخر بنو عباس کو حاصل رہا کہ ہمارے بڑے آئمہ نے ان کے زمانہ اقتدار میں زندگی گزاری اور علم کی مشعلیں روشن کیں: رشید اختر ندوی، ۳۸۸

(۱۴۵) الفخری، ۲۰۸، ۱۰۸احسن التقاسیم، ۲۸. ۲۳۱تاریخ التمدن الاسلامی ۲: ۶۱. ۶۲، البرامکہ، ۱۸۲

(۱۴۶) تاریخ الطبری ۶: ۳۴۲، الفخری، ۱۷۰، تاریخ الخلفاء (السیوطی)، ۳۳۷، تاریخ المسعودی، ۴: ۱۸۹. ۱۹۰، الفخری ۱۷۰

(۱۴۷) تایخ الطبری ۶: ۴۴۳، الفخری ۱۹۲

(۱۴۸) کتاب التاج، ۷۷، معجم البلدان (یاقوت حموی) ۴: ۹، ۲۰۸

فتوح البلدان ۱: ۲۱۰، ابن الفقیہ، طبری اور مسعودی و دیگر کا بیان مختلف کتب میں موجود ھے.

(۱۴۹) تاریخ المسعودی ۳: ۲۰۱

(۱۵۰) تاریخ بغداد (الخطیب) ۱: ۱۲

(۱۵۱) تاریخ الطبری ۶: ۳۸۰. ۳۸۱، ۵۰۰. ۵۰۱، ۵۱۰فتوح البلدان ۳: ۲۸۱، ۵۲۷. ۵۲۸

(۱۵۲) الفخری، ۲۰

(۱۵۳) تاریخ اسلام (شاہ معین الدین ندوی) ۳: ۱۹

اس زریں عہد کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا۔ ضخیم تصانیف منظر عام پر آئیں۔ لیکن ان سب میں سیاست، بغاوت، شورشیں اور خلافت کی حفاظت جیسے امور پر توجہ دی گئی اور انہیں ہی بیان کیا گیا۔ یا پھر خلفاء، وزراء اور امراء کے حالات قلمبند کیے گئے۔

لیکن عام لوگوں کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں ان کی طرز معاشرت یا معاشی حالت کے بارے میں کوئی واضح تصویر یا مکمل تصنیف نہیں ملتی۔ جیسا کہ فلپ کے حتی کا بیان ہے کہ:

''عامۃ الناس کی روزانہ زندگی کے بارے میں ہمارے تاریخی ماخذوں سے کچھ زیادہ پتہ نہیں چلتا''۔

History of the Arabs, p. 304

اسی طرح تہذیب وتمدن اسلامی کے مصنف جناب رشید اختر ندوی صاحب فرماتے ہیں کہ:

''مورخین نے ابوجعفر منصور سے لے کر المعتمد باللہ تک کے زمانے کے سیاسی حالات وکیفیت تو خوب مکمل کر بیان کی ہے۔ مگر عوام کی اقتصادی حالات کی مفصل روداد بیان نہیں کی''۔

تہذیب وتمدن اسلامی، رشید احمد ندوی۔۳۱۵

(۱۵۴) تاریخ الطبری ۹۵:۲

اس کے علاوہ مختلف مقامات کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ عام معاشروں کی طرح یہی لوگ آباد تھے۔

History of the Arabs, p.353

(۱۵۵) تاریخ الحکماء، ۱۴۲

(۱۵۶) History of the Arabs, P. 353-358

(۱۵۷) تاریخ الطبری ۲۶۳:۲،۲۶۶

(۱۵۸) عباسی حکومت مرکزی نظام کے تحت قائم تھی اور عام حکومتوں کی طرح اس کا دارالخلافہ بھی حکومتی مرکزی ارکان پر مشتمل ہوتا تھا۔عصر حاضر کی طرح تمام اہم شخصیات جو مرکز سے متعلق ہوتی تھیں وہ دارالخلافہ میں ہی رہتی تھیں جیسا کہ الاجاز بغداد اور سامرا جیسے دارالخلافہ کی آبادی سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۵۹) عصر حاضر کے دیہاتوں کی طرح کے ہی عہد عباسی کے دیہات بھی تھے۔وہاں کی آبادی ملک کے لیے خوراک، دودھ اور دوسرا خام مال مہیا کرتی اور خراج وعشر کے نام پر ملکی خوشحالی میں معاونت کرتی تھی۔دیہاتی لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے عام چھوٹے موٹے پیشے دیہات میں ہی موجود ہوتے تھے۔جیسا کہ مختلف تاریخی کتب،تاریخ الطبری،تاریخ المسعودی اور دیگر کتب کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۶۰) تاریخ الطبری ۳۹۴:۲،۳۹۵ تاریخ المسعودی ۳۲۰:۳،۳۲۱

(۱۶۱) الفخری ۱۳۲

(۱۶۲) ضحیٰ الاسلام ۱:۱۲۷"اردو دائرہ معارف اسلامیہ"بغداد:۸۹

(۱۶۳) ایضاً

(۱۶۴) الفخری، ۱۱۲، ۱۲۶، ۱۵۰

(۱۶۵) History of the Arabs, P.331

تمدن عرب، ۲۵۵

(۱۶۶) History of the Arabs, 345.

(۱۶۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بغداد:۸۹، الفہرست ۳۰۸

(۱۶۸) ابن سعد ، محمد کاتب الواقدی ،کتاب الطبقات، الکبیرات، بمطبع بریل، لیدن، ۱۹۲۸ء، ۲۵۸:۲، ۲۸۷، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۴، ۲۹۵

(۱۶۹) تاریخ بغداد ۱۳:۳۵۹،۳۶۰

(۱۷۰) ایضاً:۵ دائرہ معارف اسلامیہ"بغداد:۸۹

(۱۷۱) نشوار المحاضرہ ۳:۵۵ ضحیٰ الاسلام، ۱:۱۲۸،۱۲۹

(۱۷۲) تاریخ الطبری ۲۶۶:۲

(۱۷۳) ایضاً:۷:۲۱۵

(۱۷۴) ایضاً:۷:۲۲۰

(۱۷۵) ایضاً،۶:۲۹۶ تاریخ الخلفاء (السیوطی):۲۶۲

(۱۷۶) تاریخ الخلفاء (السیوطی)،۲۲، ضحی الاسلام،۱:۸۱

(۱۷۷) الیعقوبی، احمد ابی یعقوب ابن الواضح الکاتب ، طبع فی مدینته لیدن، المحرمه بمطبعه بریل لیدن ،۱۸۹۲ء،

۱۰۶،۶۳

(۱۷۸) الفهرست،۱۹۲

ابو لمطهر الازدی، حکایته ابی القاسم البغدادی ،تحقیق ونشر آدم میتر هید بسرج ۱۹۰۹ء،۶۳،۱۰۶

اردو دائره معارف اسلامیه ،بغداد،۴:۶۵۰

(۱۷۹) تاریخ التمدن الاسلامی،۱:۹۴

(۱۸۰) المامون،۱۴۶

(۱۸۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بغداد،۴:۶۳۹

(۱۸۲) ابن طیفور، ابوالفضل احمد بن طاہر تاریخ بغداد ج ۲ لائپزگ ۱۹۰۸ء۔

تاریخ بغداد (الخطیب)،۱:۷۴

(۱۸۳) تاریخ الطبری،۱:۱۳۲

(۱۸۴) ایضاً ۷:۲۳۱ تاریخ المسعودی،۳:۳۴۹

(۱۸۵) تاریخ المسعودی ۳:۳۴۹

(۱۸۶) ایضاً ، الاحکام السلطانیه(الماوردی)۱۷۸

(۱۸۷) ایضاً

(۱۸۸) ایضاً

(۱۸۹) ایضاً

(۱۹۰) ایضاً

(۱۹۱) ایضاً

(۱۹۲) ایضاً

(۱۹۳) ایضاً

(۱۹۴) ایضاً

(۱۹۵) ایضاً

(۱۹۶) ایضاً

(۱۹۷) کتاب الخراج (امام) ابو یوسف، ۱۰۳

(۱۹۸) تایخ الطبری، ۷: ۱۱۳، الفخری، ۲۴۴

(۱۹۹) تاریخ الطبری، ۶: ۲۳۱

(۲۰۰) ایضاً

(۲۰۱) تاریخ المسعودی، ۴: ۱۴

(۲۰۲) ایضاً، ۳، ۳۷۵

(۲۰۳) الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۲۲۸

(۲۰۴) تاریخ المسعودی، ۴: ۱۴

(۲۰۵) تاریخ الطبری، ۳: ۳۵۸

(۲۰۶) ایضاً، ۷: ۲۶۲

(۲۰۷) کتاب الخراج، (قدامہ بن جعفر)، ۱۹۰. ۲۳۵، مختلف مقامات پر تفصیلات درج ہیں۔

(۲۰۸) کتاب البلدان، ۲۵۰، احسن التقاسیم، ۱۳۸

(۲۰۹) احسن التقاسیم، ۱۳۸

(۲۱۰) ایضاً

(۲۱۱) تاریخ ابن کثیر، ۱۰: ۵۱

(۲۱۲) تاریخ الطبری، ۶: ۲۴۸

(۲۱۳) الفخری، ۱۲۲

(۲۱۴) تاریخ الطبری، ۷: ۱۳۹

(۲۱۵) ایضاً ۷: ۱۵۵

(۲۱۶) تاریخ الوزراء والکتاب (الجیہشاری)، ۲۶۰

(۲۱۷) الفخری، ۱۵۳

(۲۱۸) ابن خلکان، ابی العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر، وفیات الاعیان، وانباء ابناء الزمان دارالثقافۃ بیروت، لبنان، ۳: ۳۳۴

(۲۱۹) History of the Arabs,334

(۲۲۰) زنار ایک طرح کی پٹی تھی جو کمر پر باندھتے تھے۔

(۲۲۱) تاریخ الطبری، ۶: ۵۱۳، ۷: ۳۵۴

(۲۲۲) تاریخ المسعودی، ۱: ۳۱۱، ۳۴۸

(۲۲۳) تاریخ الطبری، ۷: ۴۴

(۲۲۴) تاریخ المسعودی، ۱:۳۲۸

(۲۲۵) کتاب الخراج(قدامه بن جعفر) ۲۰۹

(۲۲۶) تذکرة الحفاظ (الجاحظ) ۱:۱۸۴

(۲۲۷) تاریخ المسعودی، ۱:۳۰۹

(۲۲۸) History of the Arabs,336

(۲۲۹) تاریخ الطبری، ۷:۱۴۴

(۲۳۰) تاریخ المسعودی، ۴:۳۵۷

(۲۳۱) Histor of the Arabs,338

(۲۳۲) تاریخ المسعودی، ۴:۳۱۶

(۲۳۳) تاریخ الطبری ، تاریخ المسعودی، تاریخ الیعقوبی اور آغانی وغیرہ میں ان تمام مشاغل کے اکادکا واقعات ملتے ہیں. البتہ شعر وشاعری وقصہ گوئی تو عام تھی.

(۲۳۴) تاریخ المسعودی ، ۴:۳۱۶

(۲۳۵) ایضاً، ۳:۳۷۲

(۲۳۶) Ameer Ali Syed, A short History of the Saracens, London, Macmillan & Co. Ltd, New York, St. Martin's Press, 1953,455.

(۲۳۷) الفخری، ۱۴۲

"ملکہ خیزران مہدی کے دور میں بہت با اختیار خاتون تھی، وہ حکم دیتی، حکم منسوخ کرتی اور سفارش کرتی۔ یعنی جو چاہتی وہ کرتی تھی۔ صبح شام سائل اس کے دروازے پر موجود ہوتے تھے۔ لیکن اس کے بیٹے ہادی کو یہ پسند نہ تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی خلافت کے دور میں ملکہ سے یہ اختیارات چھین لیے اور ماں کو گوشہ نشین کر دیا۔ جس کی وجہ سے دونوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں اور بقول بعض کے ماں کامیاب ہوئی"۔

(۲۳۸) تاریخ المسعودی، ۴:۳۱۷،۳۱۸

ابوالفتح الابشیھی المحلی، شھاب الدین محمد بن احمد المستطرف فی کل فن مستطرف دارالا حیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، الطبعة الاخیرہ، ۱:۲۸۹

(۲۳۹) الفخری، ۱۹۳

"اسی طرح مقتدر کی ماں اور بیویاں بھی بہت با اختیار ملکائیں تھیں۔ انہیں مقتدر پر پورا اختیار تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نظام حکومت چل ہی ان عورتوں اور ملازموں کے بل بوتے پر تھا"۔

(۲۴۰) A Short History of the Saracens, 445.

(۲۴۱) تاریخ الخلفاء، ۸۰

(۲۴۲) A Short History of the Saracens, 455.

(۲۴۳) ایضاً

(۲۴۴) History of the Arabs,334

A Short History of the Saracens, 455.

(۲۴۵) History of the Arabs,334

(۲۴۶) تاریخ المسعودی، ۴:۳۱۷، ۳۱۸ وایضاً

(۲۴۷) A Short History of the Saracens,455

(۲۴۸) تاریخ التمدن الاسلامی، ۱:۹۰ تاریخ عرب (موسیو سیدیو)، ۲۳۵۔

موسیو سیدیو Historie Des Arabes ترجمہ و تاریخ عرب مترجمہ عبدالغفور رامپوری/محمد حلیم اورلوی

(۲۴۹) تاریخ الطبری ، تاریخ المسعودی اور دیگر کتب مختلف مقامات پر ملکی تقسیم بھی ظاہر کرتی ہیں ۔ البتہ جدید ماخذات میں ملکی نظام کو تقسیم کیا گیا مثلاً:

1-Husaini S.A.Q, Mawlawi, Arab Administration,

Solden & Co, Madras, 5.1949

۲۔النظم الاسلامیہ (حسن ابراھیم حسن) ۲۰۴

3.History of the Arabs,317 میں ملکی نظام کو تقسیم کیا گیا

مثلاً:

(۲۵۰) ایضاً و تاریخ الطبری، مسعودی، تاریخ الکامل

"تمام تاریخ ان حوالہ جات سے بھری پڑی ہے جس میں خلیفہ کے لامحدود اختیارات کا بیان ہے۔ تمام خلفاء "بنیادی شرعی حدود" کی پابندی کرتے تھے۔ مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، حج، جہاد وغیرہ۔ لیکن اکثر خلفاء حقوق العباد میں کوتاہی بھی کرتے تھے۔ زیادہ تر مخالفین کو قتل کروانا اذیتیں دینا، حقداروں کا حق چھین لینا۔ خلافت کو موروثی بنانا، ایک ولی عہد کی بیعت لے کر اس سے پھر جانا اور دوسروں کے لیے لوگوں کو مجبور کرنا۔ جس کے لیے ہر حربہ استعمال کیا جاتا تھا۔ قتل اور رشوت وغیرہ عام تھی"۔

اسی طرح لونڈیوں، غلاموں، خواجہ سراؤں وغیرہ کا کثرت سے استعمال کرتے تھے بلکہ زیادہ تر خلفاء لونڈیوں کی اولاد ہیں۔ تاریخ الخلفاء ۲۲۷

(۲۵۱) الفخری، ۱۰۳

(۲۵۲) التنبیہ والاشراف ۳۰۰، الفخری، ۲۰۹،۲۴ تاریخ الخلفاء (السیوطی)، ۳۶۷

حکومتی عمال میں وزیر، حاجب، قاضی، گورنر، والی اور عمال وغیرہ ہوتے تھے۔ جنہیں خلیفہ اپنی مرضی اور صوابدید سے مقرر کرتا تھا(۱۳۹)۔

(۲۵۳) History of the Arabs,317

Arab administration, P. 149-151.

(۲۵۴) التنبیه والاشراف، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۳۳۹، ۳۴۰

(۲۵۵) تاریخ المسعودی، ۳: ۳۸۹

(۲۵۶) ایضاً

(۲۵۷) الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۲۲

لنظم الاسلامیہ (حسن ابراھیم حسن)، ۱۵۱

(۲۵۸) ایضاً

(۲۵۹) الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۲۵، ۲۷ النظم الاسلامیہ (حسن ابراھیم حسن)، ۱۵۱

(۲۶۰) النظم الاسلامیہ (حسن ابراھیم حسن)، ۱۷۸

(۲۶۱) ایضاً، ۱۸۷

(۲۶۲) تاریخ المسعودی ۴: ۱۸۳، تاریخ الطبری، ۶: ۳۳۷

(۲۶۳) الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۷۸،

تاریخ الخلفاء (السیوطی)، ۳۲۹

(۲۶۴) تاریخ المسعودی، ۴: ۱۸۳

(۲۶۵) النظم الاسلامیہ، ۳۳۶

(۲۶۶) ایضاً، ۳۳۵

(۲۶۷) تاریخ الطبری، ۷: ۴۸، ۵۰، ۹۲، ۵۶۱

الدینوری، ابی حنیفہ، احمد بن داؤد، الاخبار الطوال، بمطبع بریل، لیدن، ۱۸۸۸ء، ۳۷۹

''عصر حاضر میں بھی حکومتوں کو فوج کا مرہون منت رہنا پڑتا ہے۔ یعنی فوج سے بنا کر رکھنی پڑتی ہے۔ ورنہ اگر ملک میں انارکی، انتشار یا کسی بھی وجہ سے صورت حال خراب ہو یا کسی دوسری پارٹی کی فوج حمایتی ہو تو فوج حکومت کا تختہ الٹ کر خود اقتدار سنبھال لیتی ہے۔ جسے مارشل لاء کہتے ہیں۔ (پاکستان ایسی مار کئی بار کھا چکا ہے) لیکن عصر حاضر اور عہد عباسی کی فوج کے کردار میں فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں فوج خود اقتدار سنبھال لیتی ہے اور اگر کسی پارٹی کی حمایتی ہے تو الیکشن کی راہ ہموار کر کے اقتدار جیتنے والی پارٹی کو سونپ دیتی ہے۔ ورنہ خود ہی ایک طویل عرصہ تک برسر اقتدار رہتی ہے۔ جیسا کہ سابق فیلڈ مارشل لاء ایوب خان اور سابق جنرل ضیاء الحق کے دور میں ہوا۔

جبکہ عہد عباسی کی فوج خود تو برسر اقتدار نہیں آتی تھی کیونکہ وہ خلفاء کے خاندان کو ہی خلافت کا حقدار سمجھتی تھی البتہ خلفاء کے خاندان میں سے ہی دوسرے فرد یا ولی عہدوں میں سے خلیفہ کا انتخاب کرتی تھی۔ لہٰذا خلفاء کو اپنی خلافت واقتدار کے استحکام وطوالت کے لیے فوج کو رام کرنا پڑتا تھا''۔

(۲۶۸) النظم الاسلامیہ (حسن ابراہیم حسن)، ۲۲۸

(۲۶۹) ایضاً، ۲۶۰

(۲۷۰) عہد عباسی کے محکمہ جات وغیرہ کی باقاعدہ تفصیل تاریخ میں نہیں ملتی، البتہ کہیں جنگوں، فسادات، داد و دہش، محاصل، مذاکرات یا دیگر سیاسی امور وغیرہ کے مطالعہ کے دوران ان کا ذکر ان واقعات کے ساتھ منسوب ملتا ہے۔ جیسا کہ اس مشکل کے بارے میں ان کتب

1-Arab Adminitration, 759-60.

2.Orient Under the Calїphs, 236-37.

کے مصنفین کچھ اس طرح اظہار کرتے ہیں۔

عباسیوں کے محکمہ جات کی تفصیلات کے بیان میں چار مشکلات پیش آتی ہیں:

1- مورخوں (Writers) نے صوبائی اور مرکزی محکمہ جات کی کوئی واضح تفصیل نہیں دی۔ ہم سیاق و سباق سے خود ہی تفصیل اخذ کرتے ہیں جبکہ صوبوں کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے وہاں کے کسی محکمہ کا ذکر آ جاتا ہے تو۔

2- ان محکمہ جات کی کوئی تفصیل سوائے چند کے نہیں ملتی۔

3- ان محکمہ جات کی بالکل صحیح تفصیل دینا ممکن نہیں یعنی۔

PerfectlyAccurate Account ایڈمنسٹریشن مشنری کی دینا ممکن نہیں۔ جیسا کہ مختلف حکمرانوں نے مختلف تبدیلیاں کیں۔

4- ایک بڑے بورڈ میں کچھ محکمہ جات ملتے ہیں جو دیوان کہلاتے تھے۔

(۲۷۱) الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وھب ابن واضح الکاتب تاریخ الیعقوبی، دار صادر، بیروت ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۶۰ء، ۵۰۳،۲۶۷ الفہرست، ۲۰۰

میخائل عواد، نصوص ضائعۃ من کتاب الوزراء والکتاب، لمحمد بن عبدوس الجہشیاری، دار الکتاب اللبنانی، بیروت، لبنان، ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء، ۸۵، الماوردی، ۱۸۱ النظم الاسلامیہ (حسن ابراہیم حسن)، ۲۲۲

(۲۷۲) الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وھب ابن واضح الکاتب کتاب البلدان، طبع لیدن، بریل، ۱۸۹۲ء، ۲۴۰، ۵۰۳،۲۶۷ الجہشیاری، ابی عبداللہ محمد بن عبدوس، کتاب الوزراء والکتاب تحقیق مصطفیٰ استقاء، ابراہیم الابیاری، عبدالحفیظ شلبی، بمطبع مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر، القاہرہ، ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء، ۱۶۷

النظم الاسلامیہ (حسن ابراہیم حسن)، ۲۲۲

(۲۷۳) کتاب البلدان، ۲۶۷، النظم الاسلامیہ، (حسن ابراہیم حسن)، ۲۲۲

(۲۷۴) کتاب الوزراء والکتاب، ۲۶۹

(۲۷۵) کتاب الوزراء والکتاب، ۱۸۹، ۲۶۱ مختصر کتاب البلدان، ۲۴۰، ۲۶۷

(۲۷۶) کتاب الوزراء والکتاب، ۱۶۶۔۱۶۷

الصابی، ابی الحسن الہلال بن المحسن بن ابراہیم الکاتب، کتاب تحفۃ الامراء فی تاریخ الوزراء، بمطبعۃ الاباء الیسوعیین ۱۹۰۴ء، ۷۷

A Short History of the Saracens. P. 246.

(۲۷۷) کتاب البلدان، ۲۶۷، النظم الاسلامیہ (حسن ابراہیم) حسن، ۲۲۲

(۲۷۸) النظم الاسلامیہ(حسن ابراہیم حسن)،۲۲۲۔۲۲۳

(۲۷۹) ایضاً

(۲۸۰) کتاب الوزراء والکتاب،۲۵۰

(۲۸۱) ایضاً ۱۶۷،الفخری،۷۹،کتاب البلدان،۲۶۷،۵۰۳،نصوص ضائعۃ الکتاب الوزراء والکتاب،۸۵

(۲۸۲) الفہرست،۲۷۹

(۲۸۳) الفخری،۷۹

(۲۸۴) ایضاً

(۲۸۵) کتاب الخراج (قدامہ بن جعفر)۱۸۵

(۲۸۶) تاریخ طبری،۶:۳۱۳

(۲۸۷) کتاب الخراج،(قدامہ بن جعفر)۱۸۵،۲۳۶

(۲۸۸) ایضاً ۲۳۶

(۲۸۹) کتاب البلدان،۲۳۰،الفخری،۱۵۳

(۲۹۰) الفخری۷۹۔۸۰،۱۵۳کتاب لوزراء،۱۲۳،۱۶۷،۲۱۳،۲۸۰،۲۸۹

(۲۹۱) ایضاً

(۲۹۲) کتاب الوزراء،۱۲۳،۱۶۷،۲۶۶،۲۸۹،صبح الاعشی،۱:۱۰۳

(۲۹۳) کتاب الوزراء،۱۲۳،۲۶۶

(۲۹۴) تحفۃ الامراء،۷۷

(۲۹۵) کتاب الوزراء،۲۸۹

(۲۹۶) الفخری،۱۹۹

(۲۹۷) النظم الاسلامیہ،(حسن ابراہیم حسن)۳۳۶۔۳۳۷

(۲۹۸) ایضاً،۲۶۰

(۲۹۹) ایضاً،۲۲۲

(۳۰۰) ایضاً ۲۲۲،تاریخ الطبری،۶:۳۲۳

(۳۰۱) مقدمہ (ابن خلدون)، ۲۲۴

(۳۰۲) البرامکہ، ۲۱۵

(۳۰۳) ایضاً

(۳۰۴) Masood-ul-Hassan, Text Book of Basic Democracies and Local Government of Pakistan, 2

(۳۰۵) کتاب البلدان، ۲۴۰، ۲۴۳

(۳۰۶) تاریخ الطبری، ۶: ۲۶۵

(۳۰۷) تاریخ الطبری، ۶: ۲۶۸

(۳۰۸) ایضاً ۶: ۳۰۲

(۳۰۹) ایضاً، ۶: ۳۲۱

(۳۱۰) ایضاً ۶: ۳۱۴

(۳۱۱) تاریخ المسعودی، ۳: ۱۸۳

(۳۱۲) الاحکام الاسلطانیہ (الماوردی) ۷۸؛ تاریخ الخلفاء، ۳۲۹

(۳۱۳) ایضاً، ۸۲

(۳۱۴) تاریخ الطبری ۶: ۳۲۰

(۳۱۵) ایضاً ۳: ۳۲۰، تاریخ ابن خلدون ۳: ۳۲۸

(۳۱۶) ایضاً ۶: ۳۳۶۔۳۳۷، ایضاً ۳: ۳۶۳

(۳۱۷) تاریخ المسعودی، ۳: ۳۲۸

(۳۱۸) تاریخ الطبری ۷: ۲۱۹

(۳۱۹) کتاب البلدان، ۲۸۱

(۳۲۰) احسن التقاسیم، ۶۸، ۲۳۱

(۳۲۱) المسالک والممالک (اصطخری) ۱۵

(۳۲۲) کتاب الوزراء، ۲۸۱_۲۸۸

(۳۲۳) مقدمہ (ابن خلدون) ۱۷۹_۱۸۱

(۳۲۴) History of the Arabs,330-331

(۳۲۵) Thamus Pateric Huagh, Dictionary of Islam, Premeer Book house, Lahore

History of the Arabs,331.

(۳۲۶) تاریخ التمدن الاسلامی ۱: ۱۲۱، ۱۲۲

(۳۲۷) ایضاً ۱: ۱۲۲_۱۲۳

(۳۲۸) ایضاً ۱: ۱۲۳

(۳۲۹) ایضاً

(۳۳۰) کتاب الوزراء، ۱۳۲، ۱۴۱، ۱۵۵، ۱۶۶، ۲۴۹، ۲۵۴

History of the Arabs, 182.

□♦□♦□

باب دوم

فصل اوّل

عہدِ عباسی کی معاشی صورتحال

سلطنت عباسی ایک خوشحال اور مضبوط و مستحکم معیشت کی حامل امیر و کبیر حکومت تھی۔ اس کی بے اندازہ اور وافر دولت جس سے بیت المال سونے چاندی سے بھرا رہتا تھا اس امر کی غماز تھی کہ حکومت کی اقتصادی حالت نقطہ عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ خصوصاً ہارون الرشید اور مامون الرشید کا دور حکومت عباسی خوشحالی کا نقطہ عروج تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ عرصہ فصل کاٹنے اور پھل چننے کا تھا۔ وہ فصل جس کے بیج ان کے اسلاف نے بوئے تھے اور وہ پھل جنکے پودے ان کے آباء نے لگائے تھے (۱)۔ یہی دور الف لیلیٰ کے افسانوں کا پس منظر ہے۔ یعنی عہد عباسی تاریخ اور افسانہ دونوں میں اسلام کے شکوہ وجلال کا بے مثال نشان بنا رہا (۲)۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ خلیفہ منصور نے جہاں اپنا دارالحکومت بنایا تھا وہاں عہد قدیم کے نہایت عظیم الشان شہر آباد رہ چکے تھے۔ مثلاً طیفون (مدائن) بابل، نینوا اور مشرق قدیم کے دوسرے دارالحکومت وغیرہ۔ لہٰذا حکومت عباسی کو ان تمام شہروں کی قوت، طاقت اور عظمت و وقعت بھی میراث میں مل گئی تھی (۳)۔ لہٰذا سلطنت میں شاہانہ کروفر اور بادشاہت کی خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ ایرانی اثر کی وجہ سے ہر چیز میں شہنشاہیت نمایاں تھی۔ "ہماری عظیم تہذیب" کا مصنف بغداد کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

> "ایک سو سال میں بغداد دولت، تجارت، علوم و فنون اور بین الاقوامی سیاست کا مرکز بن گیا۔ اس کی شان وشوکت اور عوام کی خوش حالی میں کامل ہم آہنگی تھی۔ عوام کو دیکھ کر جس نوع کے پایہ تخت کا تصور قائم ہوتا تھا بغداد ویسا ہی تھی۔ یا یوں کہیے کہ بغداد قوم کی عظمت، عزت اور آسودہ حالی کی علامت تھا"۔ (۴)۔

خلفاء، امراء، وزراء دیگر متعلقہ افراد اور حکومت کے ارکان کے پاس بے تحاشہ دولت تھی۔ جس کا اظہار وہ ہمیشہ کرتے رہتے تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید روزانہ ۱۰۰۰ درھم خیرات دیتا تھا (۵)۔ بصرہ کا امیر اور منصور وسفاح کا چچا سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباس ہر سال عرفہ کے روز سو جانوں کو آزاد کرتا تھا اور بنو ہاشم اور دیگر قریش وانصار کو پانچ کروڑ تک کے عطیات دیتا تھا (۶)۔ خلیفہ مامون کے وزیر عمرو بن سعدۃ نے ترکہ میں آٹھ کروڑ دینار چھوڑے۔ جب مامون نے اس کاغذ پر دستخط کئے جس پر یہ رقم لکھی ہوئی تھی تو کہنے لگا کہ:

> "جو ہمارے ساتھ رہے اس کے پاس تو اس سے زیادہ ہونا چاہیے یہ تو تھوڑا ہے" (۷)

اوراسی مامون کے ترکہ میں سے اس کے بھائی معتصم نے ایک لاکھ درہم کی لونڈی بھی خریدی تھی (۸)۔ معتصم نے بابک کو گرفتار کرنے کے لیے بیس لاکھ درہم انعام مقرر کیا۔ پھر بے دردی سے قتل کر دیا(۹)۔ جبکہ عصر حاضر میں مجرموں کو پکڑنے کے لیے یہ بہت بھاری رقم ہے اور کبھی کبھار ہی مقرر ہوتی ہے۔

اسی طرح خلفاء کے حج کے بے شمار اخراجات ملکی حالات کا پتہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ خلیفہ ہارون حج پر جاتے ہوئے ۱۰۰ آدمیوں کو ساتھ لے جاتا تھا۔ اگر کسی دفعہ خود نہ جاتا تو ۳۰۰ آدمیوں کو حج کرواتا تھا۔ بہت سا مال و متاع ساتھ دیتا تھا(۱۰)۔ ملکہ زبیدہ نے صرف ایک حج پر بیس لاکھ دینار خرچ کر دیئے(۱۱)۔ یعنی جدھر سے گزری لوگوں کی بھلائی کے لیے کام کرتی گئی۔ ملکہ خیزران کی آمدنی چھ کروڑ چھ ہزار درہم تھی۔ وہ اس آمدنی کو صدقہ و خیرات میں خرچ کر دیتی تھی (۱۲)۔ خلیفہ مامون کھڑے کھڑے ہی کروڑوں روپے لوگوں میں از راہِ سخاوت تقسیم کر دیتا تھا۔ خلیفہ امین کے سونے چاندی کے برتن اور تعیشات پر کروڑوں کے اخراجات اٹھتے تھے(۱۳)۔ خلیفہ واثق لاکھوں دینار مصادرات میں نکلوا لیتا تھا۔ اتنے وافر دینار تھے کہ غبن کرنے میں بھی معمولی غبن نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں میں غبن ہوتا تھا(۱۴)۔

عدلیہ کی موجودگی کے باوجود خلفاء کا از خود احتساب کا عمل شروع سے جاری تھا۔ لہٰذا کارندوں یا سرکاری اہلکاروں سے جو رقم مصادرات یا قرقی و جرمانوں کے ذریعے نکلوائی جاتی تھی وہ لاکھوں کروڑوں میں ہوتی تھی۔ اس رقم کی قرقی کے بعد بھی ان کے پاس اس طرح بے شمار دولت بچی ہوتی تھی۔ جیسا کہ سرکاری طبیب بختیشوع سے بے شمار دولت و جائیدار بطور جرمانہ وصول کرنے کے بعد بھی اس نے سات کروڑ دینار کی وصیت اپنے بیٹے کے نام لکھی (۱۵)۔ حقیقت یہ ہے کہ عہد عباسی میں معیشت بہت مضبوط و مستحکم تھی جس کی وجہ ملکی معاشی ذرائع میں استحکام تھا(۱۶)۔ صنعت و حرفت و تجارت منصور سے لے کر متوکل تک انتہائی عروج پر تھی۔ جس میں راستوں کا پرامن ہونا اور ان میں ہر طرح کی سہولیات کا میسر آنا ایک اہم عنصر تھا۔

مستشرق موسیو سیدیو لکھتا ہے:

> ”برکات خلافت نے رعایا کو تحفہ امن و امان دے کر ایسی شان و شوکت کو انتہائی عروج پر پہنچا دیا تھا۔ درالخلافہ بغداد بھی شہرت میں ڈھلا ہوا تھا۔ بغداد سے شام ومصر، موصل، فارس، مرو اور کابل کے راستے محفوظ تھے جس کا نتیجہ ہوا کہ بغداد تجارت کا مرکز بن گیا۔ جس سے دولت میں بہت ترقی ہوئی۔ بغداد کے بعد بصرہ تجارتی منڈی تھا کیونکہ بصرہ سے دجلہ کے راستے تجارت ہوتی تھی۔ مال کی درآمد و برآمد وسیع پیمانے پر بین الاقوامی سطح پر جاری تھی۔
>
> جگہ جگہ صنعتی کارخانے کھل گئے تھے اور تھوڑے ہی عرصہ میں عربوں نے معمولی صنعتوں کو اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا اور بہت سی اشیاء ایجاد کیں۔ گو بعض صنعتیں عہد بنی امیہ میں ترقی کی راہ پر لگ گئی تھیں مگر عہد عباسی نے ان کو کمال تک پہنچا دیا“ (۱۷)۔

زراعت پر بھرپور توجہ دی گئی تھی یہی وجہ تھی کہ خوشحال معیشت عباسی میں خراج سب سے زیادہ معاون تھا۔ ملک میں ہر طرف لہلہاتے کھیت، باغات اور خوبصورت بہتی نہروں نے عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ خلفاء خود اپنے ملک کو جنت سے تعبیر کرتے تھے خلیفہ مامون کہا کرتا تھا کہ دنیا کی جنتیں تین ہیں: (۱۸)

''ایک غوطہ دمشق

دوسری نہر سمرقند اور

تیسری نہر الابلہ''۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ جنتیں تین ہیں:

''خراسان کا مرو، شام کا دمشق اور یمن کا صنعاء اور ان جنتوں کی جنت صنعاء ہے''(۱۹)۔ اسی خلیفہ نے دمشق میں ایک نہر کھدوائی اور اس پر قبہ بنوایا جس پر کھڑے ہو کر وہ دور تک ہریالی اور بہتی ندی کے خوبصورت مناظر سے لطف اندوز ہوتا تھا اور غوطہ دمشق کو دیکھ کر قسم اٹھا کر کہا کرتا تھا کہ:

''یہ جگہ ساری زمین کا سب سے خوبصورت حصہ ہے''(۲۰)

بغداد کے بارے میں الجاحظ تک کا بیان ہے کہ:

''بغداد جیسا شاندار شہر کہیں نہیں دیکھا اسی لیے اس کا نام ''الزوراء'' یعنی قابل دید رکھا گیا ہے''(۲۱)۔

اور یاقوت حموی کا کہنا ہے کہ:

''بغداد ایک جنت ہے شاید اسی لیے اس کا نام بغداد رکھا گیا ہے''۔(۲۲)

خلیفہ منصور کے قصر خلد کے بارے میں کہتے تھے کہ اس کا نام خلد اس لیے رکھا تھا کہ یہ خوبصورتی میں جنت کے مشابہ تھا(۲۳)۔

اور خلیفہ متوکل نے جو السامرہ شہر بسایا تھا اس کا اصل نام سرور من رائی تھا جس کا مطلب تھا ''جس نے دیکھا مسرور و خوش ہوا''(۲۴)۔

خلفاء کا اس طرح اپنے ملک کو جنت سے تشبیہ دینا اور نام بھی شہروں اور محلات کے اسی طرز پر رکھنا ظاہر کرتا ہے کہ مملکت خداداد عباسیہ کس قدر خوش حال، متمدن اور خوبصورت ہو گی۔

لہٰذا بغداد کے بارے میں بالخصوص اور پوری مملکت عباسیہ کے بارے میں بالعموم کہا جا سکتا ہے کہ:

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

اس خوبصورتی اور خوشحالی کا بھرپور اظہار عباسی عہد کے فنون لطیفہ سے بھی ہوتا ہے۔

"دراصل فنون لطیفہ میں وہ تمام انسانی افعال واعمال شامل ہیں جو تخلیق حسن کے لیے وقف ہیں۔ چنانچہ اس میں تعمیرات، موسیقی، شعروادب، بت تراشی اور مصوری وغیرہ بھی شمار کیے جاتے ہیں۔ جبکہ ناچ، زیورات، تزئین و آرائش اور سجاوٹ وغیرہ فنون لطیفہ کی ثانوی شاخیں ہیں"۔(۲۵)

الغرض عباسی عہد میں ہر قسم کے فنون لطیفہ کے ذریعے خلفاء نے اپنے ذوق وشوق کے ساتھ ساتھ دولت وثروت کی فراوانی کا بھرپور اظہار کیا۔ شہروں کی تعمیرات، محلات، آبادیاں، بازار، سرائیں، ہوٹل، بہترین پردے، قالین، فرنیچر، سونے چاندی کے زیورات و برتن، عمدہ واعلیٰ ملبوسات، جواہرات ودیگر تزئین و آرائش کی اشیاء عہد عباسی کے اعلیٰ تمدن اور پرشکوہ حکومت اور مالدار وخوشحال سلطنت کا منہ بولتا اظہار ہے۔

وسائلِ معیشت

"وسائل معیشت" کی فراہمی وتوسیع کسی بھی حکومت کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری ہے اور علم المعیشت کی نگاہ میں معاش کے بنیادی وسائل زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت ہیں۔ علماء معاشیین قدیم وجدید کے مطابق عاملین پیدائش زمین، محنت اور سرمایہ ہیں اور ان عاملین کی پیدائشِ دولت میں شرکت لازمی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ زراعت میں زمین کا حصہ غالب رہتا ہے اور صنعت وحرفت میں سرمایہ کا جبکہ محنت دونوں صورتوں میں یکساں ضروری ہوتی ہے(۲۶)۔ لہٰذا علم معیشت کے جدید فنی قدیم سادہ مسائل کے درمیان یہ بات مسلم ہے کہ معاشی وسائل کی بنیادیں زراعت تجارت اور صنعت پر قائم ہیں اور ان کی ترقی پر ہی معیشت کی فلاح وبہبود کا دارومدار ہے۔

زراعت

تمام عاملین پیدائش میں زمین پہلا اور اہم ترین عامل پیدائش سمجھا جاتا ہے اور دوسرے تمام معاشی ذرائع اسی سے وابستہ ہوتے ہیں۔ بقول علامہ ابن خلدونؒ:

"ذرائع معاش میں زراعت قدیم ترین ذریعہ معاش ہے اور اسے تمام ذرائع معاش میں پہلا درجہ حاصل ہے"(۲۷)۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ زراعت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"ملک کی اصل ترقی زراعت سے وابستہ ہے اس لیے کہ تجارت اور صنعت کا دارومدار بھی خام پیداوار پر ہے۔ اگر ملک کی قابل کاشت زمین کو کاشت نہیں کیا جاتا تو وہ ملک نہ صرف یہ کہ تجارتی اور صنعتی میدان میں پیچھے ہوگا بلکہ بنیادی ضروریات زندگی میں بھی دوسروں کا دست نگر ہوگا"(۲۸)

عہدِ عباسی میں زرعی نظام

عہد عباسی میں زراعت کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سلطنت کی خوشحالی و ترقی کا دارومدار زیادہ تر زراعت ہی پر تھا۔ تمام خلفاء نے اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے فوقیت دی خلیفہ ابوجعفر منصور کہا کرتا تھا کہ:

''اگر عوام بھوکی ہوگی تو ریاست قائم نہ رہ سکے گی'' (۳۳)۔

اور بقول خلیفہ معتصم:

''زراعت سے مخلوق کی زندگی قائم ہے۔ اس سے خراج بڑھتا ہے۔ ملک کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔ مویشیوں کے لیے چارہ مہیا ہوتا ہے۔ نرخ ارزاں ہوتے ہیں۔ معاش کے ذرائع بڑھتے ہیں اور معاش میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے'' (۳۴)

یہی وجہ ہے کہ معتصم نے اپنے وزیر محمد بن عبدالملک کو حکم دیا ہوا تھا کہ:

''جس پڑی زمین پر دس درہم صرف کرنے سے ایک سال کے بعد گیارہ درہم ملنے کی امید ہو اسے آباد کرنے کے لیے مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں'' (۳۵)

اس سلسلے میں خلفاء نے ہر ممکن کوشش کی جس میں جاگیرداری نظام کا قیام، احیاء الموات، زرعی اصلاحات اور ٹیکسوں میں سہولت اور رعایت جیسے اقدامات شامل ہیں (۳۶)۔ اس کا نتیجہ تھا کہ تمام ملک زراعت سے سرسبز ہو گیا جس سے خراج اور صدقات میں اضافہ ہوا اور رعیت خوشحال اور فارغ البال ہوگئی (۳۷)۔ خطیب بغدادی کے مطابق:

''بغداد میں زراعت کا کل رقبہ ترپن (۵۳) ہزار سات سو پچاس جریب تھا۔ جس میں چھبیس ہزار سات سو پچاس جریب مشرقی جانب اور ستائیس ہزار جریب مغربی جانب کا علاقہ تھا'' (۳۸)

خطیب بغدادی ہی ایک دوسری روایت کے تحت بتاتے ہیں کہ:

''بغداد کا کل رقبہ تینتالیس ہزار سات سو پچاس جریب تھا جس میں مشرق میں سولہ ہزار سات سو پچاس جریب اور مغرب میں ستائیس ہزار جریب شامل تھا'' (۳۹)۔

اس کے علاوہ پوری مملکت اسلامیہ زراعت کی وجہ سے سرسبز و شاداب تھی (۴۰)۔

زراعت کے رائج طریقے

زمین کی کاشت تین طرح سے ہوتی تھی۔

1: زمین خود کاشت کرنا (۴۱)۔

2: مزارعت (۴۲)۔

3: ٹھیکہ یا پٹہ پر کاشت کرنا یا کروانا (۴۳)۔

اسلام میں یہی تین طریقے مسنون ہیں۔
ارشاد نبویؐ ہے کہ:

''کھیتی تین ہی قسم کے آدمی کر سکتے ہیں۔ ایک تو وہ جس کی زمین ہو اور اس میں کھیتی کرے۔ دوسرا وہ جسے اس کے بھائی نے زمین دی ہو اور وہ اس میں کھیتی کرے۔ تیسرا وہ جو زمین کو سونے یا چاندی (درہم و دینار) کے معاوضہ میں کرایہ پر لے'' (۴۴)

1-اپنی زمین خود کاشت کرنا

عہد عباسی میں ایک وسیع رقبہ زیر کاشت تھا (۴۵)۔ دیہات کے زیادہ تر لوگوں کا ذریعہ معاش کاشتکاری ہوتا تھا اور وہ اپنی زمین خود کاشت کرتے تھے۔ حکومت کی طرف سے انہیں ہر طرح کی سہولت اور معاونت حاصل تھی (۴۶)۔ لہٰذا اس دور کا کسان خوشحال زندگی بسر کرتا تھا (۴۷)۔

2-مزارعت

مزارعت سے مراد وہ عقد (معاہدہ) ہے جو زمین کی پیداوار کے کچھ حصہ پر زمین کی زراعت کے لیے کیا جائے (۴۸)۔
مجلۃ الاحکام العدلیہ میں اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ:

''مزارعت یہ ہے کہ کسی دوسرے کو اس معاہدے پر زمین دینا کہ وہ اسے بوئے گا اور دیگر کام کرے گا اور پیداوار دونوں میں تقسیم ہوگی''۔ (۴۹)

امام شافعیؒ کے مطابق:

''جب ایک شخص کسی دوسرے شخص کو اپنی خالی زمین اس شرط پر دے کہ وہ دوسرا زمین کو کاشت کرے گا پھر جو کچھ اس سے اللہ تعالیٰ پیدا کرے گا اس میں سے اس کاشت کرنے والے کو ایک حصہ ملے گا تو اس معاملہ کا نام محاقلہ، مخابرہ، اور مزارعۃ ہے'' (۵۰)

لہٰذا عہد عباسی میں مزارعت قائم تھی۔ چونکہ اس دور میں جاگیرداری نظام بھی قائم تھا اس لیے بھی مزارعت کو خاص اہمیت حاصل تھی اور تقریباً تمام فقہاء اس کے جواز کے قائل تھے (۵۱)

مزارعت اور مضاربت میں مماثلت

امام یوسفؒ مزارعت اور مضاربت میں مماثلت قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''میرے نزدیک اس معاملہ کی نوعیت وہی ہے جو مضاربت کی ہے کہ اس میں ایک آدمی دوسرے کو منافع میں آدھے یا تہائی کی نسبت سے شریک ہونے کی شرط پر اپنا مال بطور مضاربت دیتا ہے اور ایسا کرنا جائز ہوتا ہے حالانکہ یہ معاملہ مجہول ہے۔

معلوم نہیں نفع کس قدر ہوگا۔ جہاں تک میرے علم میں ہے کہ اس معاملہ کی نوعیت اور اس کے جواز کی بابت علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ میرے نزدیک زمین کا معاملہ بھی مضاربت ہی جیسا ہے"(۵۲)۔

امام نسائی محمد بن سرینؒ (تابعی) کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

"میرے نزدیک زمین کی حیثیت مال مضارب کی سی ہے۔ جس قسم کے معاملات وہاں درست ہیں یہاں بھی جائز ہیں اور جو وہاں ناجائز ہیں وہ یہاں بھی درست نہیں"(۵۳)

3- ٹھیکہ پر کاشت کرنا

ایک صورت زمینوں کی زراعت کی یہ تھی کہ لوگ زمینوں کی خاص پیداوار یا نقد رقم کی ادائیگی پر زمین کاشت کرواتے تھے۔ ایسی زمینیں بھی تھیں جن سے نہ عشر لیا جاتا تھا نہ خراج بلکہ انہیں مقررہ اجرت پر کاشت کروایا جاتا تھا۔ یہ عہد عباسی میں ارض المملکت یا ارض الجوزہ کہلاتی تھیں۔ (۵۴)

جاگیرداری نظام

عہد عباسی میں جاگیرداری نظام قائم تھا۔ لیکن اس دور میں جس قسم کا جاگیرداری نظام ملتا ہے اس کا دائرہ اثر بہت محدود تھا۔ اس کو کبھی اتنا فروغ یا قبول عام حاصل نہیں ہوا کہ یہ مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کا کوئی مستقل جزو بن جاتا (۵۵)۔ تاہم یہ نظام بڑا منظم تھا جو زیادہ تر زمین کی آبادکاری میں معاونت کے لیے قائم کیا گیا تھا(۵۶)۔ ساتھ ہی حکومت اور خلافت کے استحکام اور حمایت کے لیے اور مخالفتوں اور شورشوں کو ختم کرنے کے لیے موجود تھا۔ اس سلسلے میں مردہ اور افتادہ زمینیں بھی بطور جاگیر دے کر ملک وملت کو فائدہ پہنچایا گیا(۵۷)۔

اقطاع

جاگیر کے لیے اقطاع کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔(۵۸)۔ ان میں زمین، گھر، کنویں، جنگل اور باغات وغیرہ شامل ہوتے تھے۔

عہد عباسی میں جاگیروں کی اقسام

حکومت عباسی میں تین طرح کی جاگیریں ہوتی تھیں:

1. عام جاگیریں(۵۹)
2. شاہی جاگیریں(۶۰)
3. بیت المال کی وقف جاگیریں(۶۱)

1- عام جاگیریں

ارکان دولت، ملکی مالداروں اور دیگر لوگوں کی ملکیت میں جو جاگیریں ہوتی تھیں عام جاگیریں کہلاتی تھیں(۶۳)۔

عام جاگیروں کے ذرائع

یہ جاگیریں عموماً

ا۔ عطایا وانعامات ورشوت کے ذریعے(۶۴)

ب۔ خرید کے(۶۵)

ج۔ اور احیاء الموات کے ذریعے وجود میں آتی تھیں(۶۶)

عطایا وانعامات، رشوت سے قائم ہونے والی جاگیریں

خلفاء، وزراء اور ارکان سلطنت بہت سخی تھے۔ جس سے خوش ہوتے انہیں درہم، دینار، خلعت کے علاوہ جاگیروں سے نوازتے تھے مثلاً عطایا وانعامات سے قائم ہونے والی جاگیریں یہ تھیں۔

گھر کی جگہ بطور جاگیر

منصور نے بغداد میں ہی سلیمان بن مجالد اور مجالد سروی، علی بن عبداللہ کے آزاد کردہ غلام کو اسے گھر کی جگہ جاگیر میں دے دی تھی(۶۷)

بازار کی جگہ جاگیر

بغداد میں سوق العطش بہت بڑا بازار تھا جو کہ مہدی کے غلام اعلی الخادم کی جاگیر تھی(۶۸)۔

کنواں اور زمین بطور جاگیر

عیسیٰ بن موسیٰ نے عین الرحبہ(وہ چشمہ جو بند ہو گیا تھا) ایک کرمانی کو اس کے مانگنے پر جاگیر میں دے دیا اور ساتھ ہی اس کے اردگرد کی زمین بھی جاگیر میں دے دی اس نے اسے نخلستان بنادیا(۶۹)۔

شہر میں وسعت کی خاطر زمین بطور جاگیر

جعفر المتوکل علی اللہ نے سامرہ کے باہر الحائر میں جہاں معتصم نے اس محبوس رکھا تھا وہاں لوگوں کو بکثرت جاگیریں دیں جن کی وجہ سے یہ شہر وسیع ہو گیا(۷۰)

اسی طرح جب متوکل نے المتوکلیہ شہر آباد کیا تو اس شہر میں لوگوں کو آباد کرنے کے لیے جاگیر میں زمینیں عطا کیں(۷۱)

مہمان نوازی کے صلہ میں دی گئی جاگیر

مامون نے مصر کے گاؤں طاء النمل کی بوڑھی زمیندار عورت کو اس کی خدمت ومہمان نوازی کے جواب میں شکریہ کے طور پر بہت سی جاگیریں عطا کیں(۷۲)

جاگیر ربیع بن یوسف

یہ خلیفہ منصور کا آزاد کردہ غلام تھا۔ منصور نے اسے دو جاگیریں دیں۔ ایک بغداد میں ایک بغداد سے باہر۔ یہ جاگیریں

اسی کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ان جاگیروں پر خراسانی بزاز اور سوداگر آباد تھے(۷۳)۔ بغداد میں ہی مولیٰ امیر المومنین سلیم ایوب بن عیسٰی الشروی اور کرمانی کی جاگیر بھی تھی(۷۴)

درباری شاعر کی جاگیر

خلیفہ المتوکل نے شاعر مروان بن ابی الجنوب کو اشعار کے انعامات کے سلسلے میں بیشمار دولت اور جاگیریں عطا کیں۔ یمامہ کی جاگیر سو سال کے لیے پہلے ایک درہم سالانہ لگان پر دی پھر کہا کہ دربار میں ایک درہم آنا مناسب نہیں تو ہزار درہم سالانہ کر دیئے۔ اسی طرح ایک اور جاگیر سو درہم سالانہ پر دی(۷۵)

فوج کی جاگیریں

ابوالعباس نے المصیصہ (Almasysa) قلعہ کی حفاظت پر مامور فوج کے دستے میں چار سو سپاہیوں کا اضافہ کیا اور انہیں جاگیریں عطا کیں(۷۶)۔ اسی طرح منصور نے ارباب قریٰ میں سے ایک قوم سے بغداد کے لیے زمین بادوریا، قطربل، نہر بوق اور نہر بین خرید کر فوج اور سپہ سالاروں اور مختلف لوگوں میں تقسیم کی۔ جن میں اس کے اہل بیت اور مصاحب بھی شامل تھے(۷۷)۔ اور جب معتصم نے سامرا آباد کیا تو ترکوں کو بہت سی جاگیریں دیں اور ان کو فراغنہ اور اشروسنہ وغیرہ کے پڑوس میں خراسان کے شہروں میں ان کے شہروں کے قرب کی نسبت سے آباد کیا(۷۸) اور اشناس ترکی اور اس کے ترک ساتھیوں کو کرخ اور سامرا میں جاگیریں دیں۔ فراغنہ کو عمری اور صبر پر آباد کیا(۷۹)۔ اسی طرح ابوجعفر منصور نے بغداد میں مغربی جانب کئی جاگیریں فوج کے سپہ سالاروں اور فوجیوں کو عطا کیں(۸۰)۔

بطورِ رشوت دی گئی جاگیریں

خلفاء رائے عامہ ہموار کرنے اور لوگوں کی حمایت حاصل کرنے اور اپنی خامیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے بھی جاگیریں بطور رشوت دیتے تھے۔ جیسا کہ ابومسلم جس نے خلافت عباسیہ کے قیام میں جان توڑ کوشش کرتے ہوئے بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ لیکن جب خلیفہ منصور نے اس سے خطرہ محسوس کیا تو اسے بلا جھجک اور بلا دریغ قتل کر دیا۔ اس نے اس کے حامی، رفقاء اور لوگوں کے غم و غصہ سے بچنے کے لیے گراں قدر وظائف اور جاگیریں عطا کیں اور دیگر خراسانی سپہ سالاروں اور رئیسوں کو بھی بڑے بڑے عطیات اور انعامات سے نوازا۔ لہٰذا وہ سب مطمئن ہو گئے اور منصور ۱۳۸ھ میں سکون اور کامل اقتدار کے ساتھ خلیفہ بن گیا(۸۱)۔

اسی طرح ۱۹۵ھ میں جب امین نے علی بن عیسیٰ بن ماہان کو مامون کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیجا تو بطور جاگیر نہاوند، ہمدان، قم، اصفہان اور بلاد جبل کو ضرباً اور خراجاً (ٹیکس اور خراج) عطا کئے اور خزانہ شاہی سے جتنا چاہے خزانہ لے جانے کا اختیار دیا۔ ساتھ اسباب جنگ ضرورت سے زیادہ اور پچاس ہزار سوار ساتھ دیئے(۸۲)۔

خلیفہ واثق نے بھی لوگوں کو اپنے قریب کرنے کے لیے ان میں بہت سی جاگیریں بانٹیں(۸۳)۔

وزراء کی جاگیریں

ہارون کے وزراء جعفر اور فضل کے پاس بہت جاگیریں تھیں۔ ایک مرتبہ یحییٰ نے اپنے کاتب پر احسان کیا تو اپنے ان بیٹوں

کو بھی احسان کرنے کو کہا۔ ایک بیٹے فضل نے دس ہزار دینار اور دوسرے جعفر نے اپنی جاگیر اسے عطا کر دی (۸۴)۔
مامون کے وزیر حسن بن سہل کے پاس اس قدر جاگیریں تھیں کہ اس نے اپنی بیٹی بوران کی شادی پر مامون کے ساتھیوں پر ایسے رقعے لٹائے جن میں جاگیروں کے نام تھے۔ جو جس کے ہاتھ آتا وہ جاگیر اس کے نام ہو جاتی (۸۵)۔

2- شاہی جاگیریں (سلطانی اراضی)

شاہی جاگیریں چار طرح کی تھیں (۸۶)

ا۔ الخالصہ

ب۔ الفراتیہ

ج۔ العباسیہ

د۔ المستحدثہ

شاہی جاگیروں کے علاقہ جات (۸۷)

کوفہ، بصرہ، بغداد اور واسط کے علاوہ اہواز، ایران اور خراسان میں شاہی جاگیریں پھیلی ہوئی تھیں۔

شاہی جاگیروں کے بننے کے ذرائع

ا۔ امویوں کی ضبط شدہ جاگیریں (۸۸)

ب۔ عطایا و ھدایا کے طور پر ملی ہوئی جاگیریں۔ (۸۹)

ج۔ خرید کے (۹۰)

د۔ الجاء کے طریق سے حاصل شدہ جاگیریں (۹۱)

1- بنوامیہ کی ضبط شدہ جاگیریں

بنوعباس نے بنوامیہ سے اقتدار چھیننے کے ساتھ ساتھ ان کی جاگیریں بھی ضبط کر لی تھیں اور انہیں شاہی جاگیروں میں شامل کر لیا تھا۔ مثلاً:

مسلمہ بن عبدالملک جاگیر

> ''مسلم بن عبدالملک کی جاگیر ابوالعباس کے چچا داؤد بن علی کے پاس بنوامیہ کے مسلمہ بن عبدالملک کی ضبط شدہ جاگیر تھی۔ اس میں السیبین کا تمام علاقہ شامل تھا۔ السیبین دو نہریں تھیں جو مسلمہ نے کھدوائی تھیں (۹۲)۔

الھنی اور المری کی جاگیریں

عہد عباسی کی ابتداء میں یہ جاگیریں بھی بنوامیہ کی ضبط کی گئیں اور پھر زبیدہ بنت جعفر بن منصور کو دے دی گئیں۔ اس نے ان میں ایک قطیعہ بنایا جو اس کے نام سے مشہور ہے اور یہاں کی آبادی میں اضافہ کیا (۹۳)۔

بالس اوراس کے دیہات

ابوالعباس نے بنوامیہ کی ضبط شدہ (مسلمہ بن عبدالملک) بالس اوراس کے دیہات سلیمان بن علی بن عبداللہ بن العباس کو جاگیر میں دیئے۔اس کے بعد اس کا بیٹا محمد بن سلیمان اس کا مالک ہوا۔ پھر یہ رشید کے حصہ میں آئے۔ رشید نے مامون کو جاگیر میں دیئے جس کے بعد اس کے بیٹے کو ملے (۹۴)

الفراتیہ جعفریہ

یہ وہ جاگیریں تھیں جو ابوجعفر نے اپنے بیٹے کو دی تھیں (۹۵)

شاہی خاندان کی جاگیریں

خلیفہ منصور نے اپنے بھائیوں کو بغداد میں مغربی جانب متعدد جاگیریں عطا کیں (۹۶)۔ جیسا کہ اپنے بھائی عباس بن محمد بن عبداللہ کو حراۃ میں جاگیر دی۔اس جاگیر میں عباس نے سرسبز باغ لگوایا اور اس کا نام عباسیہ رکھا۔ یہ اتنا زرخیز تھا کہ اس کی فصل گرمی سردی یا کسی بھی موسم میں ختم نہ ہوتی تھی (۹۷)۔

2- عطایا اور ھدایا کے طور پر ملی ہوئی جاگیریں

طبری کا بیان ہے کہ:

> ''جعفر کے خیر خواہوں نے جعفر سے کہا تھا کہ تم اپنی جاگیروں میں سے کوئی جاگیر ہارون کے بیٹوں کے نام کر دو تا کہ ہارون کو تمہارے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ ہو'' (۹۸)۔

السیبین کا علاقہ

بنوامیہ کے مسلمہ نے دو نہریں کھدوائی تھیں جو السیبین کہلاتی تھیں۔ عباسی اقتدار میں السیبین کا تمام علاقہ داؤد بن علی بن عبداللہ بن العباس کو جاگیر میں دے دیا گیا۔ ان کے مرنے کے بعد یہ جاگیر ان کے ورثاء سے خرید لی گئی اور ضیاع سلطانیہ (صرف خاص) میں شامل کر دیا گیا (۹۹)۔

3- خلفاء کی خرید کی ہوئی جاگیریں

1- بغداد کی زمین

منصور نے بغداد آباد کرنے کا سوچا تو اس کی جگہ ساٹھ دہقانوں سے قیمتاً خرید لی۔ بلکہ انہیں غیر آباد زمینیں بھی عطا کیں (۱۰۰)

2- سامرہ کی زمین

معتصم نے (سر من رائے) سامرہ آباد کیا وہاں کے دہقانوں سے یہ زمین چار ہزار دینار میں خرید لی (۱۰۱)

3- عین الرومہ (چشمہ)

الرقہ کے علاقے میں عین الرومہ ابوالعباس نے میمون بن حمزہ (آزاد کردہ غلام) علی بن عبداللہ بن عباس کو جاگیر میں دے دی۔ بعد میں رشید نے اس کے ورثاء سے اس کو خرید لیا (۱۰۲)

4- غائبہ (جنگل)

غائبہ ابن ہبیرہ کو جاگیر میں دیا۔ پھر اس سے ضبط کر لیا گیا اور بشر بن میمون کو دے دیا۔ بعد میں خلیفہ رشید نے اس سے خرید لیا (۱۰۳)

ابوالعباس نے انبار میں ہاشمیہ بنایا اور وہاں بہت سی جائیدادیں خریدیں اور اپنے گھر والوں اور اپنے سپہ سالاروں کو جاگیر میں دے دیں (۱۰۴)

4- الجاء کے طریق سے حاصل شدہ جاگیریں

خلفاء کے قرابت داروں اور ارکان سلطنت کے پاس تعلقوں اور جاگیروں کی موجودگی کا ایک سبب الجاء کا طریقہ تھا۔ اس طریقہ میں ملکی باشندے اپنی زمینوں اور باغوں کے قطعے خلفاء کے بعض عزیزوں یا عاملوں کے زیر اثر دے دیا کرتے تھے۔ جس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ایک طرح کی عزت حاصل کر کے خراج وصول کرنے والوں کی زیادتیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ طریقہ یہ تھا کہ مالک اراضی ان معتزز لوگوں میں سے کسی کے نام زمین کر دیتا تھا۔ جو سرکاری کاغذوں میں درج ہو جاتی تھی اور خود بطور کاشتکار رہ ہو جاتا تھا۔

اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ خراج کی وصولی میں عامل سختی اور زیادتی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات تو آدھا یا چوتھائی خراج لینے پر ہی اکتفا کرتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ ایک مدت کے بعد وہ اراضیاں جس کے نام الجاء کی گئی ہوتیں انہیں کی ملکیت ہو جاتی تھیں اور اس کا اصل مالک صرف آمدنی کا شریک رہ جاتا تھا (۱۰۵)۔

الجاء کی ابتداء

بنوامیہ کے دور میں اس کے ظالم عمال کی وجہ سے الجاء کی ابتداء ہوئی۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں جب مسلمہ بن عبدالملک اور اس کا بھائی ملک سواد کا گورنر تھا تو وہاں کے لوگوں نے خراج وصول کرنے والے عمال کے ظلم سے بچنے کے لیے اس کے نام اپنی اراضیاں الجاء کر دیں اس کے بعد وہ اراضی مسلمہ کی ملکیت ہو گئیں اور نسل در نسل اسی خاندان میں رہیں۔ یہاں تک کہ بنوعباس کے دور میں وہ اراضیاں داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس کی جاگیر میں دی گئیں۔ اس کی وفات کے بعد ورثاء سے خرید کر ضیاع سلطانیہ میں شامل کر لی گئیں (۱۰۶)۔

اسی طرح مراغہ کے باشندوں نے کیا اور وہ زمینیں بھی بنوعباس کے ہاتھ آئیں (۱۰۷)۔

اہل زنجان نے بھی قوت وار جمندی حاصل کرنے ممالیک اور عمال کے ظلم سے بچنے کے لیے اپنی زمینیں القاسم بن رشید کے حوالے کر دیں اور خود مزارع بن گئے (۱۰۸)۔

القاطیزان عشری علاقہ تھا۔ اس کے باشندوں نے قبول اسلام کے بعد اس کو پھر مزروعہ زمین بنا دیا۔ انہوں نے بیت المال

کے عشر کے سوا ایک عشر اور دے کر زنجان کی طرح قاسم کی حمایت وحفاظت میں دے دیا(۱۰۹)۔
ارض فرات کے قریہ الشعیبیہ کے لوگوں نے علی بن رشید کے حوالے اس شرط پر کر دیں کہ وہ مزارع رہیں گے۔اور مقاسمے میں تخفیف اور نرمی ہو گی (۱۱۰)۔

ایغار یقطین

یہ معافی کی زمینیں تھیں۔ جو بعد میں ضیاع سلطانیہ میں شامل کر لی گئیں اور ایغار یقطین سے منسوب ہوئیں (۱۱۱)

دیوان الضیاع کا قیام

خلفاء، ان کے خاندان، مصاحبوں، امیروں، وزیروں اور اکابرین سلطنت کے پاس کافی جاگیریں تھیں۔حکومت نے ان جاگیروں کے خراج وعشر کی تشخیص وغیرہ کے لیے ایک محکمہ قائم کیا جو دیوان الضیاع کہلاتا تھا۔ جاگیروں کا تمام انتظام و انصرام اسی محکمہ کے سپرد تھا اور یہ دیوان الخراج سے بالکل الگ دیوان تھا(۱۱۲)

شاہی جاگیروں کی آمدنی (مقتدر کے زمانے ۳۰۶ھ میں)

الخاصہ:	۵۱۶،۴۴۷ دینار
الفراتیہ:	۱۲۶،۶۱۷ دینار
العباسیہ:	۱۴۴،۷۶۰ دینار
المستحدثہ:	۲۸۹،۰۳۶ دینار (۱۱۳)

شاہی جاگیروں کی فروخت

شاہی جاگیروں میں سے اکثر جاگیریں نامساعد حالات کی وجہ سے مقتدر اور قاہر کے زمانہ میں فروخت ہوئیں۔مثلاً
ابن مقلہ نے ۳۱۷ھ میں ایک بڑی جاگیر فروخت کی۔
الحسین بن قاسم نے ۳۱۹ھ میں پانچ لاکھ دینار کے عوض ایک جاگیر فروخت کی۔
ابوالعباس نے ۳۲۰ھ میں اپنی ایک جاگیر پانچ لاکھ دینار میں بیچی۔
اس کے ایک سال بعد پھر ابن مقلہ نے چوبیس لاکھ دینار میں کئی جاگیریں نیلام کیں (۱۱۴)

شاہی جاگیروں کا خاتمہ

یہ ساری جاگیریں بویہی اقتدار کے زمانہ میں خلفاء اور ان کے خاندان سے چھین لی گئیں۔البتہ امراء کے تسلط میں جو جاگیریں تھیں وہ باقی رہ گئیں (۱۱۵)۔

☆ بیت المال کی وقف جاگیریں

ارض المملکت یا ارض الحوزہ

ایسی زمینیں جن سے نہ عشر لیا جاتا تھا نہ خراج بلکہ انہیں مقررہ اجرت پر کاشت کروایا جاتا تھا۔ ارض المملکت یا ارض الحوزہ کہلاتی تھیں (۱۱۶)۔اس کی تین اقسام تھیں۔

ارض الحوزہ کی اقسام

1-لاوارث زمینیں

ایسی زمینیں جن کا کوئی وارث نہیں ہوتا تھا۔ یہ زمینیں بیت المال کی ملکیت ہو جاتی تھیں۔ پھر حکومت انہیں کرایہ پر کاشت کروالیتی تھی (۱۱۷)۔

2-وقف المسلمین

یہ ایسی زمینیں ہوتی تھیں جو لشکر کشی کے بعد وہاں کے مسلمانوں کے لیے وقف کر دی جاتیں اور پھر اجرت پر کاشت کروایا جاتا تھا (۱۱۸)

3-موات زمینیں

یہ وہ لاوارث زمینیں ہوتی تھیں جو نہ تو بستی کی ضروریات پوری کرتی تھیں اور نہ ہی ان میں تعمیر کے یا زراعت کے کوئی آثار پائے جاتے تھے۔لہٰذا بعض اوقات حکومت ایسی زمینوں کو کرایہ پر بھی دے دیتی تھی اور اگر کوئی انہیں آباد کر لیتا تو یہ اس کی ملکیت ہو جاتی تھیں (۱۱۹)۔

ارضِ مملکت وراثتاً منتقل نہیں ہوسکتی تھی

بیت المال کی ان زمینوں کو کاشت کار مقررہ لگان کراء الارض پر کاشت کرتے تھے۔ جب تک کراء الارض ادا کرتے رہتے وہی زمین کاشت کرتے تھے۔ان کے قبضہ سے نکال کر کسی دوسرے کو نہیں دی جاتی تھیں۔لیکن وہ ان میں وراثت نہیں چلا سکتے تھے اور نہ ہی ان زمینوں کو فروخت کرنے کا حق رکھتے تھے بلکہ اگر کسی کاشتکار کا انتقال ہو جاتا تو یہ زمین واپس بیت المال میں داخل ہو جاتی۔ لیکن دولت عثمانیہ میں یہ رسم جاری ہوگئی تھی کہ اگر کسی کاشتکار کے انتقال کے وقت اس کا لڑکا موجود ہوتا تو یہ زمین اس کی طرف مفت منتقل ہو جاتی تھی (۱۲۰)

خلیفہ رشید کے خلافت کی ابتداء میں فلسطین میں طاعون پھیلا جس سے سارا علاقہ اس مرض میں مبتلا ہو گیا اور اکثر زمینیں ویران اور بے کار ہوگئیں۔ یہاں ایک والی بھیجا گیا جس نے تمام زمینیں آباد کیں اور کسانوں اور زمینداروں کی تالیف قلوب کی اور یہ زمینیں خلافت کی زمینوں میں شامل ہوگئیں۔ان جاگیروں کے پٹہ دار السامرا کے لوگ تھے (۱۲۱)۔

سیسر کی زمین

سیسر کا انتظام مامون کی خلافت میں عاصم بن مرہ سے لے لیا گیا اور اسے خلافت کی جاگیروں میں شامل کر دیا گیا (۱۲۲)

المغازہ کی زمین

سیسر کے قریب المغازہ کا علاقہ، یہاں کے لوگوں کی درخواست پر مامون کے عہد میں خلافت کی جاگیر میں شامل کر لیا گیا (۱۲۳)۔

سلطانی وقف جاگیریں

خلفاء بنو عباس نے حرمین شریفین، مجاہدین، مساجد و معابد اور دوسرے نیک کاموں کے لیے کئی زمینوں وقف کر رکھی تھیں۔ جیسا کہ المقتدر نے علی بن عیسیٰ کے مشورہ سے بغداد اور سواد کی کئی جاگیریں حرمین کے لیے وقف کر دیں۔ بغداد کی جاگیر سے تیرہ ہزار دینار سالانہ اور سواد کی جاگیر سے اسی ہزار دینار سالانہ کی آمدنی ہوتی تھی۔ اسی طرح ابن مقلہ نے کچھ زمینیں طالبین کے لیے وقف کر دی تھیں (۱۲۴)۔

علی بن عیسیٰ نے خود سلطانی جائداد میں سے بہت سے وقف قائم کیے تھے۔ جن کی وجہ سے اوقاف کا ایک الگ محکمہ قائم کرنا پڑا۔ وہ اوقاف کی آمدنیوں کو سرحدوں کی اصلاح اور حرمین شریفین پر خرچ کرتا تھا (۱۲۵)۔

☆ حکومت عباسی میں ”احیاء الموات“

عہد عباسی میں زراعت کی ترقی و وسعت کے لیے جو ذرائع اختیار کیے گئے ان میں ایک ذریعہ ”احیاء الموات“ کا بھی تھا۔

> ”احیاء الموات“ سے مراد ایسی زمینیں ہوتی تھیں جن میں تعمیر یا زراعت کے کوئی آثار نہ پائے جائیں اور نہ ہی وہ بستی والوں کی مشترکہ ضروریات پورا کرتی ہوں مثلاً تفریح گاہ، مویشیوں اور سواری کے جانوروں کی چراگاہ، ایندھن حاصل کرنے کی جگہ یا قبرستان وغیرہ“ (۱۲۶)۔

ایسی زمینیں بنجر اور بے آباد ہوتی تھیں۔ یہ کسی کی ملکیت یا قبضہ میں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ لہٰذا ان کے لیے یہ حکم تھا کہ:

”جو ان زمینوں کو آباد کر لے وہ اس کا مالک ہے“۔

”احیاء الموات“ عہد نبوی ﷺ سے جاری تھا۔ حدیث مبارک ہے کہ:

”جس شخص نے مردہ زمین زندہ کی پس وہ اسی کی ہے“ (۱۲۷)۔

موات کی زمینیں جب کسی کو آباد کرنے کے لیے دے دی جاتیں تو اس شخص کو تین سال کے اندر اندر اسے قابل استعمال بنانا ہوتا تھا۔ اگر وہ اس عرصہ میں آباد نہ کر سکتا تو اس سے حکومت زمین واپس لے کر دوسرے کو دینے کا حق رکھتی تھی۔

ارشاد نبویؐ ہے کہ:

> ”تین سال تک اگر زمین آباد نہ کرے تو حکومت کو یہ زمین واپس دینا ہو گی“ (۱۲۸)۔

تاہم حکومت عباسی میں موات زمینوں کی آبادکاری کے لیے ہر طریقہ استعمال کیا گیا۔ انہیں بطور جاگیر تقسیم کیا گیا اور مختلف مراعات اور سہولتیں دی گئیں۔ یہاں تک کہ حکومت ایسی زمینوں کو کرایہ پر بھی کاشت کروالیتی تھی۔ یعنی بنجر اور بے آباد زمینوں سے بھی ہر ممکن فائدہ اٹھایا جاتا تھا(۱۲۹)۔

عہد عباسی میں کسانوں کی اقتصادی حالت

سلطنت عباسیہ میں کسان ہمیشہ خوشحال اور مطمئن رہتے تھے۔ حکومت کی طرف سے انہیں ہر ممکن سہولیات و مراعات دینے کی کوشش کی جاتی تھی۔ ملک کے گوشے گوشے سے خراج وعشر کی آمد کی تفصیلات سے ان کی اقتصادی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ طبری (۱۳۰) اور مسعودی (۱۳۱) نے ایسے واقعات پیش کیے ہیں جن میں خلفاء اچانک کسی کسان کے گھر پہنچ جاتے اور وہاں خوراک اور ضروریات کی تمام چیزوں کی موجودگی پر حیران ہوتے تھے اور مقریزی نے مصر کی ایک بوڑھی جاگیردار عورت کا واقعہ بیان کیا ہے جس نے مامون کو نہ صرف اپنا مہمان بنایا بلکہ اس کے لاؤ لشکر کو بھی پرتعیش کھانا دیا اور ساتھ تحفے تحائف دیئے۔ اس واقعہ کی تفصیلات مقریزی (۱۳۲) نے اس طرح بیان کی ہے۔

زمین کی زرخیزی اور عوام کی خوشحالی کا ایک واقعہ

مامون الرشید ایک بار مصر کے دورے پر گیا۔ اس کا معمول تھا کہ وہ دورہ میں اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ہر گاؤں میں قیام کرتا تھا۔ اس دوران ایک "طاء النمل" (۱۳۳) نامی گاؤں سے گزرا۔ لیکن نام کی حقارت کی وجہ سے وہ وہاں نہ ٹھہرا اور آگے بڑھ گیا۔ جب وہ آگے چلا گیا تو اس گاؤں کی ایک زمیندار عورت ماریہ قبطیہ روتی چلاتی مامون کے پیچھے گئی۔ مامون رک گیا کہ کوئی فریاد لے کر آئی ہوگی۔ لیکن جو ترجمان مامون کے ساتھ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ بڑھیا رو رو کر یہ کہہ رہی ہے کہ مامون نے ہر گاؤں میں قیام کیا لیکن اس کے گاؤں کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ اس سے اس کی توہین ہوئی ہے اور دشمنوں کو ہنسنے اور طعنوں کا موقع ملا ہے۔ لہٰذا مامون سے التجا ہے کہ وہ اس کے گاؤں میں قیام فرمائیں۔

مامون واپس مڑا اور اس کے گاؤں میں خیمے ڈال دیئے۔ عورت کا بیٹا مطبخ کے نگران (باورچی) کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا کہ وہ کتنی بکریاں، مرغیاں، چوزے، مچھلی، مصالحہ، شکر، شہد، کیوڑہ، گلاب، موم، میوے اور چارہ دانہ حاضر کرے؟ جتنا نگران مطبخ نے بتایا اس سے زیادہ حاضر کیا گیا۔ مامون کے ساتھ مامون کے بھائی معتصم، کا بیٹا عباس اور بھتیجے واثق اور متوکل کے علاوہ یحییٰ بن اکثم اور قاضی احمد بن ابی داؤد بھی تھے۔ ان سب کے لیے ان کی پسندیدہ چیزیں مہیا کی گئیں۔

مامون یہ سب دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ صبح جب روانگی کا وقت ہوا تو بڑھیا اپنی دس عدد خادماؤں کے ساتھ حاضر ہوئی۔ ہر خادمہ نے ایک ایک طشتری میں ایک ایک تھیلی دیناروں کی رکھی ہوئی تھی۔ جو کہ مامون کی خدمت میں پیش کی گئی۔ مامون کو بہت ہی تعجب ہوا اس نے شکریہ کے ساتھ واپس کرنا چاہی لیکن عورت نے قسم اٹھالی کہ اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لے گی۔ مامون نے دیناروں کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اسی سنہ کے دینار تھے۔ اس پر مامون کہنے لگا "خدا کی قسم ہمارے بیت المال میں بھی اسی سال کے اتنے دینار نہیں ہوں گے"۔

بڑھیا کی التجا پر مامون نے چند دینار لینے کی رضامندی ظاہر کی اور کہا "باقی واپس لے جاؤ ہم نہیں چاہتے کہ تجھے زیر بار کریں"۔

بڑھیا نے زمین سے تھوڑی سی مٹی اٹھائی اور دینار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "میرے لیے یہ مٹی سو دینار ہے۔ یہ سونا اگلتی ہے۔ دوسرا آپ کے عدل و انصاف کی وجہ سے سلطنت میں خوشحالی عام ہے اور میرے پاس دیناروں کی کوئی کمی نہیں ہے"۔ مامون نے حکم دیا کہ دینار قبول کر لیے جائیں۔ اس کے بعد بڑھیا کو چند جاگیریں عطا کیں۔ اس کے گاؤں طاء النمل کی زمینوں میں سے سو سو فدان زمین کا خراج معاف کر دیا اور بڑھیا کی مروت اور خوشحالی پر تعجب کرتا ہوا گاؤں سے روانہ ہوا۔

کسان کی عام طور پر خوراک

کسان عموماً مکئی، گندم اور جو کی روٹی، زیتون کا تیل، سبزی، پیاز، کھجور، گندنا، ریبشا اور نبیذ وغیرہ استعمال کرتے تھے (۱۳۴)۔

☆ عہد عباسی کی زرعی اصلاحات

عباسی خلفاء زمینوں کی آبادکاری میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا زرعی نظام بہت منظم اور اچھا تھا۔ انہوں نے اس پر بھرپور توجہ دی اور وقتاً فوقتاً اس میں اصلاحات نافذ کرتے رہے۔ ان میں پٹوار سسٹم کا قیام، نہروں اور کنوؤں کا کھدوانا، بھل صفائی، چشموں کی حفاظت، ٹیکسیشن سسٹم میں بہتری، کسانوں، کاشتکاری کے لیے مراعات اور دیگر مختلف قسم کی اصلاحات شامل ہیں جن کو مختصراً یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

محکمہ پیمائش و بندوبست (پٹوار سسٹم) کا قیام (۱۳۵)

خلیفہ مہدی نے محکمہ پیمائش و بندوبست قائم کیا اور پوری مملکت کی زمین کی پیمائش کروائی اور عمر بن بذیع کو پہلا افسر بندوبست مقرر کیا۔ اس میں زمینوں کے متعلق تمام ریکارڈ ہوتا تھا۔ اس کے مختلف شعبے قائم کیے گئے اور ہر شعبہ کا انچارج مقرر کیا گیا (۱۳۶)۔

کسانوں کے لیے سہولیات (مراعات)

نظام مساحتہ کی بجائے نظام مقاسمہ کا قیام

ابتداء میں منصور کے دور تک گیہوں اور جو وغیرہ کی پیداوار پر "نقد محصول" لیا جاتا تھا۔ جس میں زمین کی پیمائش کا حساب لگایا جاتا تھا۔ یہ طریقہ مساحتہ تھا، جو ختم کر دیا گیا منصور نے پیداوار میں تقسیم کا طریقہ مقاسمہ جاری کیا۔ یعنی پیداوار کی خاص نسبت کے لحاظ سے جنس کی شکل میں محصول لیا جانے لگا۔ لیکن کھجوروں اور پھلوں وغیرہ پر نقد رقم ہی بطور محصول لیا جاتا رہا۔ اس لیے کہ یہ چیزیں جلد خراب ہونے والی ہوتی ہیں (۱۳۷)۔

نظام مقاسمہ کا بھی خاتمہ اور زمینوں کی حالت کے مطابق محصول کا نفاذ

بعد میں کسانوں کی سہولت کے پیش نظر مقاسمہ کا طریقہ بھی ختم کر دیا گیا اور اراضی کے حالات کے مطابق ٹیکس لیا جانے لگا (۱۳۸)۔ چنانچہ اگر زمین زرخیز ہوتی اور اس پر زیادہ محنت درکار نہ ہوتی تو نصف حصہ محصول لیا جاتا۔ ورنہ حالات کے مطابق چوتھائی یا پانچواں حصہ یا اس سے بھی کم لیا جاتا۔

کھجوروں اور پھلوں کے درختوں کا مالک بھی اپنی پیداوار کے لحاظ سے نصف، تہائی یا اس سے کم مقرر کردہ محصول ادا

کرتا تھا(۱۳۹)۔

محصول میں رعایت (بوجہ ناگہانی صورت حال)

رشید کی حکومت نے کسانوں اور کاشتکاروں کے احوال و مطالبات پر پہلے سے کہیں زیادہ توجہ کی اور جو ٹیکس ان سے وصول کیا جاتا تھا اس میں بھی حسب خواہش تخفیف کر دی۔ تاکہ زیادہ دل لگا کر اور اندیشوں سے مبرا ہو کر کام کرسکیں۔ جب کبھی بھی ان کاشتکاروں اور کسانوں کو اقتصادی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ان کے محصول میں مناسب تخفیف کر دی جاتی (۱۴۰)۔

کسانوں کے لیے خصوصی عدالتوں کا قیام

مہدی پہلا خلیفہ ہے جس نے رعایا اور خاص طور پر کسانوں سے عدل و انصاف کرنے کے لیے خصوصی عدالتیں قائم کیں (۱۴۱)۔ مہدی بے حد انصاف پسند تھا۔ وہ رعایا اور خصوصاً زمینداروں کے حقوق کا بے حد خیال رکھتا تھا۔ اگر کبھی کوئی زمیندار اس کے خلاف بھی نالش کرتا تو وہ انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ طبری نے رشید کے عمال میں صرف ایک والی کا ذکر کیا ہے جو ظالم تھا اور جس نے خراسان میں لوگوں پر ظلم توڑے تھے اور رقم اور تحائف اکٹھے کیے تھے۔ اس کا نام علی بن عیسیٰ تھا۔ ہارون نے نہ صرف اس کی تمام جائیداد ضبط کی جو کہ آٹھ کروڑ درھم تھی بلکہ خوفناک سزا بھی دی (۱۴۲) منصور کو ہمیشہ اس بات کی آرزو رہتی تھی کہ اس کے افسر مال ایماندار اور فرض شناس ہوں اور مالگذاری پوری وصول کریں مگر ظلم و زیادتی نہ کریں۔

مساقات

عہد عباسی میں باغات کثرت سے تھے اور ان کا رقبہ میلوں تک پھیلا ہوا تھا (۱۴۳)۔ شاید ہی مملکت کا کوئی شہر ایسا ہو جہاں باغات نہ ہوں۔ لہٰذا ان باغات کی دیکھ بھال اور بندوبست کے لیے جہاں باغ کا مالک خود موجود ہوتا تھا وہاں اس وسیع کاروبار کے لیے دوسروں کی مدد بھی درکار ہوتی تھی۔ جس طرح زراعت کے لیے خود کاشت کرنے کے علاوہ مزارعت اور ٹھیکہ کا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا بالکل اسی طرح باغات کی وسعت کے پیش نظر ان کے لیے مساقات کا طریقہ موجود تھا۔

> ''مساقات سے مراد ایسا معاملہ ہے جس میں درخت ایک فریق کا اور اس کی دیکھ بھال اور پرورش دوسرے فریق کے ذمہ ہوتی ہے اور پھل آنے پر باہم تقسیم کر لیے جاتے ہیں'' (۱۴۴)۔
>
> ''تمام فقہاء معمولی استثناء کے ساتھ معاملہ مساقات کے جواز کے قائل ہیں'' (۱۴۵)۔

عہد عباسی کے مشہور باغات

یوں تو پورے ملک میں باغات کا ایک سلسلہ تھا۔ لیکن کچھ شہر خاص طور پر باغات کے لیے مشہور تھے۔ مثلاً بصرہ کے باغات کے بارے میں مقدسی کا بیان ہے کہ:

> ''عبدلیس سے لے کر عبادان تک پچاس فرسخ (۲۰۰ کلومیٹر) کے رقبہ میں کھجوروں

کے بے پناہ باغات تھے"(۱۴۶)۔

دوران میں اتنا تسلسل تھا کہ ایک ہی باغ معلوم ہوتا تھا۔ انہیں نہر ابلہ سیراب کرتی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی نہریں تھیں (۱۴۷) اور اصطخری ان باغات کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ:

یہاں آدمی یا تو کسی کھجور کے باغ میں ہوگا یا کسی نہر پر یا کسی ایسے مقام پر ہوگا جہاں سے وہ انہیں دیکھ رہا ہوگا"(۱۴۸)۔

اسی طرح سواد میں بھی بہت باغات تھے۔ یہاں قادسیہ اور انبار تک کھجوروں کے باغات کے سلسلے تھے(۱۴۹) اور جزیرہ ابن عمر کے باغات عراق سے بھی بڑے اور بہتر تھے(۱۵۰)۔

اسی طرح خراسان، عراق، بجستان، جزیرہ، خوزستان اور الجبال وغیرہ باغات کے لیے مشہور تھے۔(۱۵۱)

جبکہ ماوراء النہر میں سغد، اشروسنہ اور فرغانہ میں اتنے زیادہ پھل ہوتے تھے کہ لوگ مویشیوں کو پھل کھلاتے تھے(۱۵۲) اسی طرح مدینہ منورہ میں بہت زیادہ کھجوریں تھیں۔ لیکن یمامہ میں مدینہ منورہ اور سارے حجاز سے زیادہ کھجوریں تھیں(۱۵۳)۔

اہم پھل اور ان کے علاقہ جات

ان باغات میں ہر طرح کا پھل پایا جاتا تھا۔ جن میں کھجور، انگور(۱۵۴) سرفہرست تھے۔ ان کے علاوہ انار، شفتالو(۱۵۵)، انجیر، زیتون، بیر، نارنگی، کیلا، اخروٹ، سیب، گنا، بادام، کشمش، ناشپاتی اور پستہ وغیرہ سب موجود تھے(۱۵۶)۔ یہ سب پھل پوری مملکت اسلامیہ کی ضروریات پورا کرتے تھے۔ ان کے اہم علاقہ جات یہ تھے۔

کھجور

تمام ملک کی اہم پیداوار تھی۔ ملک کا کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ تھا جس میں کھجوریں نہ پائی جاتی ہوں۔ تاہم بصرہ کی کھجوریں بہت مشہور تھیں۔ اس کے علاوہ عشیرہ کی کھجوریں سارے حجاز سے اچھی ہوتی تھیں(۱۵۷) بڑے بڑے اقالیم میں عراق، فارس، خراسان، بجستان، الجبال وغیرہ کھجوروں کے لیے خاص طور پر مشہور تھے(۱۵۸)۔ خراسان میں تا حد نظر کھجوروں کے باغات تھے اس لیے یہاں کھجوریں بہت سستی تھیں(۱۵۹)۔

انگور

کھجور کے بعد انگور دوسری بڑی پھلوں کی پیداوار تھی۔ یہ بھی تقریباً تمام ملک میں پایا جاتا تھا۔ خراسان خاص طور پر انگور کے لیے مشہور تھا(۱۶۰)۔ بصرہ میں انگور بہت تھے(۱۶۱)۔ اس کے علاوہ حلوان، بغداد، دیر العقول، عکبرا، سامرا، جرجان، طیر ناباذ، رے، تستر اور رامہرمز وغیرہ انگور کے لیے مشہور تھے۔ رامہرمز میں تو کبھی بھی انگور ختم نہیں ہوتا تھا(۱۶۲)۔ ان شہروں کے علاوہ شام، بجستان، ماوراء النہر، جزیرہ، سندھ، بحر الخزر وغیرہ میں بھی انگور کثرت سے پایا جاتا تھا(۱۶۳)۔

انجیر

ارجان، سابور، شام، فلسطین کے سارے پہاڑی علاقوں میں، حلوان، طبرستان، اقلیم، الجبال اور تمام ملک میں انجیر پایا

جاتا تھا(۱۶۴)۔

انار شفتالو

انار رے اور ہمدان، میں پائے جاتے تھے(۱۶۵)۔ جرجان، سندھ اور اقلیم جبال میں بھی بکثرت ہوتے تھے(۱۶۶)۔

بادام، پستہ، اخروٹ، کشمش وغیرہ

طائف، بلاد فارس، خراسان، ماوراء النہر، دیبل، مکران، حلوان اور الجبال کے دوسرے شہروں میں بکثرت پائے جاتے تھے(۱۶۷)۔

خراسان خشک پھلوں کے لیے بہت مشہور تھا(۱۶۸)۔

کیلا

عمان وغیرہ میں پایا جاتا تھا(۱۶۹)۔

نارنگی

جرجان بلاد فارس میں (۱۷۰)۔

ناشپاتی

خراسان میں(۱۷۱)۔

سیب

ماوراء النہر کے فرغانہ میں (۱۷۲)۔

بیر

سابور میں(۱۷۳)۔

گنا

جرجان، طرابلس، خوزستان میں (۱۷۴)۔

زیتون

ارجان، سابور، جرجان میں (۱۷۵)۔

تربوز

رامہرمز میں کثرت سے ہوتے تھے(۱۷۶)۔

آم، لیموں، ناریل

سندھ میں پائے جاتے تھے اور بہت سستے تھے (۱۷۷)۔

پھلوں کی منڈی (دارالبطیخ)

دور جدید کی طرح عہد عباس میں بھی پھلوں کے لیے منڈیاں قائم تھیں۔ جہاں تمام علاقوں سے پھل وہاں آتے تھے فروخت کے لیے۔ ایسی پھلوں کی منڈیاں دارالبطیخ کہلاتی تھیں (۱۷۸)۔ بغداد میں بھی دارالبطیخ قائم تھی (۱۷۹)۔ یہاں ہر قسم کے پھل فروخت ہوتے تھے۔

پھلوں کی درآمد و برآمد

پھل اس کثرت سے ہوتا تھا کہ اسے دوسرے علاقوں کو برآمد کیا جاتا تھا۔ اندرون ملک ضلعی اور صوبائی سطح پر درآمد و برآمد قائم تھی۔ مثلاً بلاد فارس سے پھل اصبہان بھیجا جاتا تھا (۱۸۰)۔ اس طرح خراسان کے کردخ سے کشمش اور منصقہ بھیجا جاتا تھا (۱۸۱)۔ ہرز جرد سے تربوز (۱۸۲) سورمین سے کشمس (۱۸۳) اور بامیان سے مختلف قسم کے پھل برآمد کیے جاتے تھے (۱۸۴)۔ عراق میں تمام ملک سے پھل درآمد کیے جاتے تھے (۱۸۵)۔ تستر سے انگور اور دیگر پھل اھواز اور بصرہ تک جاتے تھے (۱۸۶)۔

سرکاری باغات خوشحال لوگوں کو ٹھیکے پر دیئے جاتے تھے

سرکاری باغات وغیرہ ہر سال ٹھیکے پر دیئے جاتے تھے اور کوشش کی جاتی تھی کہ ایسے لوگوں کو ٹھیکہ پر دیئے جائیں جو مالدار ہوں۔ تاکہ فصل کی کمی بیشی اور ناگہانی صورت حال کو ٹھیکیدار برداشت کرنے کے قابل ہو اور حکومت کو نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ جیسا کہ ایک دفعہ جب مدینہ منور کے سرکاری باغات ٹھیکے پر دینے کا وقت آیا تو خلیفہ منصور نے وہاں کے عامل کو ہدایت کی کہ "یہ ٹھیکہ کسی مفلس آدمی کو نہ دینا اگرچہ وہ بہت زیادہ رقم دینے کا اقرار کرے۔ بلکہ خوشحال کو باغات ٹھیکے پر دینا خواہ وہ کم ٹھیکہ ہی دے۔ وجہ یہ ہے کہ کھاتے پیتے شخص سے رقم لی تو جا سکے گی مگر جس کے پاس کچھ نہ ہوگا اس سے کیا وصول کیا جا سکتا ہے" (۱۸۷)۔

مساقات میں خراج وصول کرنے کا طریقہ کار

عہدِ عباسی میں پہلے مساحتہ کا طریقہ رائج تھا یعنی باغ کی زمین کی پیائش کر لی جاتی تھی اور اس پر خراج متعین ہوتا تھا۔ بعد میں اسے ظالمانہ سمجھتے ہوئے ختم کر دیا گیا اور مقاسمہ کا طریقہ رائج کیا گیا۔ مقاسمہ میں پیداوار کو مقررہ شرح پر تقسیم کر لیا جاتا تھا (۱۸۸)۔

مہدی کے وزیر معاویہ یسار نے نخلستان اور عام درختوں کی آمدنی کو حصہ رسدی کے مطابق الگ الگ کر دیا۔ جبکہ اس سے پہلے پیداوار کا ایک مجموعی مقررہ حصہ بطور خراج لیا جاتا تھا (۱۸۹)۔

شرح خراج

پھلوں کی پیداوار کے حساب سے نصف، تہائی یا چوتھائی سے بھی کم زمین کے حالات کے مطابق خراج مقرر ہوتا تھا (۱۹۰)

اس میں بازار کے دور و نزدیک کا خیال رکھا جاتا تھا(۱۹۱)۔

مساقات اور مزارعت میں مناسبت

عہد عباسی میں مساقات اور مزارعت قائم تھی۔ نجی اور سرکاری اراضی و باغات، مزارعت و مساقات پر دیئے جاتے تھے۔ ان دونوں میں مناسبت قائم کرتے ہوئے عبدالرحمان الجزیری فرماتے ہیں کہ:

> ''مساقات اور مزارعت میں مناسبت ہے۔ اس لیے کہ دونوں میں دو فریقوں کے درمیان معاہدہ ہوتا ہے۔ ایک فریق کی زمین یا درخت ہوتے ہیں اور دوسرے فریق کی محنت ہوتی ہے اور جو پھل حاصل ہوتا ہے اس میں دونوں حصہ دار ہوتے ہیں(۱۹۲)۔

زرخیز علاقے اور ان کی اہم پیداوار

عہد عباسی میں زراعت بنیادی ذریعہ معاش ہونے کی وجہ سے خصوصی توجہ کی حامل تھی۔ جس کے نتیجے میں ملک سرسبز و شاداب تھا اور خوشحالی عام تھی۔ پوری مملکت اسلامیہ میں شاید ہی کوئی ایسا علاقہ ہوگا جو زراعت سے خالی ہو۔ ورنہ تو ہر طرف لہلہاتے کھیت اور سلسلہ وار باغات نے ''سواد'' کی شکل اختیار کر لی تھی(۱۹۳) بلکہ سواد کا علاقہ اپنی سرسبزی و شادابی کی وجہ سے ہی سواد کہلایا(۱۹۴)۔

دمشق میں غوطہ کے علاقے میں درخت اس قدر تھے اور یہ منظر اتنا خوبصورت ہوتا تھا کہ مامون نے قسم کھا کر کہا تھا کہ یہ حصہ زمین کا سب سے خوبصورت قطعہ ہے اور ایک مرتبہ یہ بھی کہا کہ دنیا کی تین جنتیں ہیں (۱) غوطہ دمشق، (۲) نہر سمرقند اور (۳) نہر الابلہ(۱۹۵)۔

ملک غذائی ضروریات میں خود کفیل و خوشحال تھا۔ لوگوں کی خوراک گیہوں، جو، چاول، مکئی، دالیں اور کھجوریں وغیرہ تھیں(۱۹۶)۔ اس کے علاوہ ہر قسم کا پھل سیب، انگور، انار، آم، کیلا، نارنگی، تربوز وغیرہ وافر تھا(۱۹۷)۔ خشک پھلوں میں بادام، اخروٹ، کشمش، پستہ، انجیر عام پیداوار تھی(۱۹۸)۔ گنا بھی کاشت کیا جاتا تھا جس سے شکر تیار کی جاتی تھی(۱۹۹)۔ یہ بھی تقریباً ہر جگہ کاشت ہوتا تھا(۲۰۰) کپاس کی فصل بہت اہم تھی۔ جو نہ صرف ملکی ضروریات پورا کرتی تھی بلکہ اس سے کپڑا بنا کر مختلف ممالک کو بھی برآمد کیا جاتا تھا(۲۰۱) الغرض عہد عباسی میں ہر وہ پیداوار موجود تھی جو انسانی ضروریات کو پورا کرتی ہو۔ یہ اجناس تمام مملکت میں بوئی جاتی تھیں۔ کچھ علاقے تو زراعت کے اعتبار سے انتہائی زرخیز تھے مثلاً:

عراق

عراق انتہائی زرخیز علاقہ تھا۔ نہروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے ہر قسم کی پیداوار یہاں پائی جاتی تھیں۔ گیہوں، جو، چاول اور کھجور یہاں کی خاص فصلیں تھیں، سواد کے کھیتوں میں ہر سال ۲۰۰،۱۷۷ اکر گیوں اور ۹۹،۷۲۲ کر جو پیدا ہوتا تھا اور دور تک کھجوروں کے باغات تھے(۲۰۲)۔ یہاں ہر قسم کی دالیں پیدا ہوتی تھیں جن میں ماش کی دال بھی شامل تھی(۲۰۳)۔ تل (سمسم) بھی وافر پیدا ہوتے تھے(۲۰۴) یعنی عراق میں تقریباً وہ تمام غلے وافر تھے جو آج کے دور میں پیدا ہوتے ہیں(۲۰۵) حقیقت یہ ہے کہ عراق کو قدیم زمانے سے ہی اہمیت حاصل تھی۔ اسے کرہ ارض کا قلب، سرزمین

مشرق کا مینار اور اس زمین کا نچوڑ اور مرکز کہا جاتا تھا۔ اس کی آب وہوا اچھی، زمین زرخیز اور پانی بکثرت تھا(۲۰۶)۔

خراسان

عراق کے بعد خراسان زرعی پیداوار اور آمدنی کے لحاظ سے ممتاز تھا۔ بقول اصطخری:

"خراسان میں کوئی شہر اور گاؤں کھیت سے خالی نہیں" (۲۰۷)۔

یہی حال باغات کا تھا۔ یہاں چاول بہت ہوتے تھے جو کہ ملک کے دوسرے صوبوں اور شہروں کی ضروریات بھی پوری کرتے تھے(۲۰۸)۔

ماوراء النہر

یہ بہت ہی زرخیز علاقہ تھا۔ اس کے تمام شہر اور قصبے بہت زرخیز تھے۔ بخاری کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اگر کسی کے پاس ایک جریب (۶۰ گز) زمین بھی ہے تو اس سے اس کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں (۲۰۹)۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اگر کبھی ماوراء النہر کی فصلوں پر پالا پڑ جائے یا ٹڈی دل حملہ کر دے یا کوئی آفت آ جائے تو وہاں کی بچی کچھی فصلیں ہی اتنی ہوں گی کہ وہاں کے لوگوں کی آسانی سے گزر بسر ہو سکتی ہے اور انہیں دوسرے شہروں سے کچھ نہیں منگوانا پڑے گا۔ یہاں کھانے پینے کی تقریباً ہر چیز پائی جاتی تھی (۲۱۰)۔

مصر

مصر بھی زرخیز ترین اقلیم تھی۔ یہاں ہر قسم کی فصل پیدا ہوتی تھی (۲۱۱)۔ کپاس اور گنا مصر کی خاص پیداوار تھے۔ گنے کی طرح کی فسطاط کے اردگرد کے علاقے میں ایک خاص فصل کاشت کی جاتی تھی جسے بلسان کہتے تھی۔ اس کا تیل استعمال کیا جاتا تھا(۲۱۲)۔ مصر میں غلہ بہت زیادہ ہوتا تھا(۲۱۳)۔

خوزستان

گندم، جو، چاول اور گنا یہاں کی اہم فصلیں تھیں۔ اس کے علاوہ یہاں ہر قسم کا پھل وافر تھا(۲۱۴)۔

شام

شام ایک پہاڑی اور زرخیز علاقہ تھا۔ یہاں بارش کثرت سے ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ نہروں کا نظام کافی منظم تھا۔ حمص بھی ہر لحاظ سے ایک بہترین علاقہ تھا(۲۱۵)۔ یہاں ہر قسم کی فصلیں اور پیداوار ہوتی تھی (۲۱۶)۔

سجستان

یہاں بھی ہر قسم کا غلہ اور پھل پایا جاتا تھا۔ یہ زراعت سے بھرپور اقلیم تھی (۲۱۷)۔

اسی طرح مملکت کے دوسرے علاقے آذربائیجان، الجبال، الدیلم اور بحرالخزر وغیرہ علاقے بھی زراعت سے بھرپور تھے (۲۱۸) جو نہ صرف ملکی غذائی ضروریات پوری کرتے تھے بلکہ خراج وعشر کی صورت میں زندگی کے دوسرے لوازمات مہیا کرنے میں بھی معاون ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ اجناس برآمد بھی کی جاتی تھیں مثلاً خراسان سے چاول برآمد کیا

جاتا تھا اور سندھ سے سفید شکر (چینی) دنیا کے کئی ممالک کو بھیجی جاتی تھی (۲۱۹)

نظام آبپاشی

زراعت کی ترقی اور وسعت کے لیے نظام آبپاشی کا منظم اور بہترین ہونا بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے جن علاقوں میں آب رسانی کی سہولت موجود ہوتی ہے وہی زراعت میں بھرپور کردار ادا کرتے ہیں اور پانی سے محروم زرخیز علاقے بھی ریگستانوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے عباسی خلفاء نے اس جانب بھرپور توجہ دی اور آبپاشی کا بہترین نظام قائم کیا۔ یہی وجہ تھی کہ پورے ملک میں نہروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ بقول اصطخری:

''صرف بصرہ میں بے شمار نہریں تھیں جن میں کشتیاں چلتی تھیں'' (۲۲۰)۔

اس کے علاوہ جگہ جگہ کنویں کھدوائے گئے اور چشموں کو استعمال میں لانے کے لیے بہترین انتظامات کیے گئے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ملک سرسبز تھا۔ ہر طرف لہلہاتے کھیت اور وسیع باغات تھے۔ جن کی وجہ سے ملکی خوشحالی اور ضروریات زندگی کے لیے خراج وعشر کی صورت میں درہم و دینار موجود تھے۔

آبپاشی (سیرابی) کے ذرائع

جانور کو پانی پلانے یا کھیتی کو سینچنے کی باری کو ''شرب'' یعنی سیرابی کہتے ہیں (۲۲۱) عرف عام میں کھیت میں (زمین میں) ہل چلا کر بیج بونا اور پھر اسے پانی دے کر نشوونما پانے کے لیے سیراب کرنا ہے۔ عہد عباسی میں کھیتوں کو سیراب کرنے کے عموماً دونوں طریقے ہی رائج تھے۔

(الف) قدرتی ذرائع آبپاشی

(ب) مصنوعی ذرائع آبپاشی

(الف) قدرتی ذرائع آبپاشی

قدرتی ذرائع میں بارش، دریا (دجلہ وفرات) ندی نالے، چشمے شامل تھے۔ بقول امام ابوعبید القاسم (۲۲۲):۔

عَشرِیؔ: جو زمین بارش کے پانی سے سیراب ہو اسے ''عشری'' کہتے ہیں اور عام بول چال میں ''عذی'' کہلاتی ہے۔

بَعل: اور وہ جڑوں والے درخت جو زمین سے ہی جڑوں کے ذریعے پانی حاصل کرتے ہوں جیسے کھجور وغیرہ کے درخت وہ بعل کہلاتے ہیں۔

غَیلؔ: اسی طرح ہر بہتا پانی جیسے نہروں، چشموں اور نالوں وغیرہ کا غیل کہلاتا ہے۔

کظائم: یہ بھی نالوں ہی ایک قسم ہے۔

فَتح: اس کا اطلاق بھی غیل کی طرح ہر بہتے پانی پر ہوتا ہے۔ لیکن اسے فتح اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں سے نہریں نکالی جاتی ہیں اور اس میں نہروں کے دھانے ہوتے ہیں۔ یہ پانی پینے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

1-دریا

دریا اور اس سے نکالی گئی نہریں اور چشمے قدرتی ذرائع آبپاشی تھے۔ جنہیں استعمال میں لانے کے لیے حکومت خصوصی اقدامات کرتی رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ملک کے گوشے گوشے میں ان ذرائع سے استفادہ کیا جاتا تھا۔ مقدسی (۲۲۳) نے ستائیس دریاؤں کے نام دیئے ہیں جن میں بارہ دریاؤں کو بڑے دریا جیسا کہ دریائے دجلہ، فرات، نیل، جیحون، شاش، سیحان، جیحان، بردان، مہران، رس، ملک اور دریائے اہواز ہیں جن میں کشتیاں بھی چلتی تھیں۔ ان کے علاوہ پندرہ اور نام بھی دیئے ہیں مثلاً دریائے مروین، حرات، بجستان، بلخ، صغد، طیفوری، زندرد، عبس، بردی، اردن، مقلوب، انطاکیہ، ارجان، شیریں اور دریائے سمندر وغیرہ۔ ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے دریاؤں کا ذکر مختلف اقالیم میں کیا ہے۔ مثلاً دریائے طاب، نہرواں اور زاب وغیرہ (۲۲۴)۔

مؤرخین نے دریائے دجلہ وفرات کا اکثر ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ دونوں بغداد کے قریب سے گزر کر اس کی سرسبزی کا باعث بنتے تھے (۲۲۵) دریائے دجلہ، فرات سے بڑا تھا اور اس کی لمبائی اپنے منبع جو شہر آمد کے قریب ایک چشمہ تھا۔ اس سے اپنی انتہا یعنی بحر فارس میں گرنے تک ۸۰۰ میل سے کچھ زائد بتائی جاتی ہے (۲۲۶) اور فرات جس کی ابتداء روم شہر کے ایک چشمہ سے ہوتی ہے۔ یہ مختلف راستوں سے ہوتا ہوا سواد کو سیراب کرتے ہوئے نیچے دجلہ میں جا گرتا ہے۔ اس کی لمبائی بلاد اسلام میں داخل ہونے کے مقام سے بغداد تک ۶۲۳ میل تھی (۲۲۷)۔

2-نہریں

ان دریاؤں سے نکالی گئی نہروں کا ایک وسیع نظام موجود تھا۔ ہر طرف نہروں کا ایک جال بچھا ہوا تھا (۲۲۸)۔ خلفاء نے نہریں کھدوانے میں بہت دلچسپی لی اور ملک کے ہر گوشے کو سیراب کر دیا۔ بصرہ کے گردونواح میں بے شمار نہریں تھیں۔ جس کا نتیجہ سلسلہ وار باغات اور کھیت تھے۔ اسی طرح بغداد، کوفہ اور ملک کے ہر حصے میں زراعت کے لیے نہروں کا سلسلہ قائم تھا۔ یہ نہریں قدرتی ذرائع آبپاشی میں شمار ہوتی تھیں اور حکومت ان کے کھدوانے اور صفائی وغیرہ کا انتظام خود کرتی تھی (۲۳۰)۔ اسی لیے ان کے پانی پر موجودہ دور کی طرح ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ بلکہ دسواں حصہ بطور عشر لیا جاتا تھا۔ جیسا کہ تمام کتب فقہ میں نہری زمین کی پیداوار پر عشر لیا جانے کا حکم ہے۔ جس طرح ابوداؤد کی روایت میں جو "فی السماء والعیون والانہار" (جو بارش، چشموں اور نہروں سے سیراب ہو اس کا دسواں حصہ لیا جائے گا) آیا ہے۔ اس سے وہ نہریں اور ندی نالے مراد ہیں جن کے پانی پر محصول نہیں لیا جاتا۔ جبکہ موجودہ دور میں نہریں اور چاہی زمینیں ایک ہی حکم میں آتی ہیں (۲۳۱)۔

زراعت کے علاوہ بھی کچھ نہریں مختلف مقاصد کے لیے کھودی گئی تھیں۔ مثلاً پینے کا پانی حاصل کرنے کے لیے (۲۳۲)، بحری تجارت کے لیے (۲۳۳) اور ایک نہر کھارے پانی کی بھی جاری کی گئی تھی جس سے چوروں ڈاکوؤں سے دفاع مقصود تھا (۲۳۴) کچھ نہریں خاص طور پر خلفاء کے محلوں کے لیے بھی تھیں۔ مثلاً خلیفہ منصور کے گھر تک دجلہ وفرات سے دو نہریں آتی تھیں (۲۳۵)۔

چند مشہور نہریں

نہر عیسیٰ

سب سے بڑی نہر جو فرات سے نکالی گئی تھی (۲۳۶)۔

نہر ابلہ

یہ بھی بہت بڑی نہر تھی اس سے اور بہت سی چھوٹی نہریں نکلتی تھیں (۲۳۷)۔ یہ منظر کے لحاظ سے خوبصورت ترین نہر تھی۔ جیسا کہ خلیفہ مامون نے اسے دنیا کی جنت قرار دیا تھا (۲۳۸)۔

نہر ابوالاسد

منصور کے دور میں اس کے غلام ابوالاسد نے بطیحہ کے قریب نہر کھدوائی جو اسی کے نام سے مشہور ہوئی تھی (۲۳۹)۔

نہر میمون

ملکہ زبیدہ کے وکیل سعید بن زید نے میمون قریہ کے قریب کھدوائی اس لیے نہر میمون کہلاتی تھی (۲۴۰)۔

نہر امیر

یہ عیسیٰ بن علی کی جاگیر میں تھی (۲۴۱)

نہر المحدود

ملکہ خیزران نے یہ نہر کھدوائی تھی۔ چونکہ اس نہر کی کھدائی کے دوران اسے مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ علیحدہ علیحدہ جماعت نے کھودا اس لیے اس کا نام المحدود مشہور ہو گیا (۲۴۲)۔

نہر صراط

یہ نہر عیسیٰ سے نکلتی تھی۔ اس سے مزید کئی نہریں نکلتی تھیں۔ یہ مختلف جاگیروں کو سیراب کرتی تھی (۲۴۳)۔

نہر خندق طاہر

یہ نہر بھی نہر عیسیٰ سے نکلتی تھی اور مختلف جاگیروں کو سیراب کرتی تھی (۲۴۴)۔

نہر رزین

ربض حمید سے نکل کر مختلف جگہوں کو سیراب کرتی ہوئی نہر صراط میں جا گرتی تھی (۲۴۵)۔

نہر کرخایا

یہ نہر عیسیٰ سے نکلتی تھی۔ اس میں سے مزید کئی نہریں نکلتی تھیں۔ علاقہ کرخ کی تمام نہریں اس سے نکلتی تھیں (۲۴۶)۔

نہر بطاطیہ

یہ دجیل کے دھانے سے نکلتی تھی جو مختلف جاگیروں اور دیہاتوں کو سیراب کرتی ہوئی وہیں ختم ہو جاتی تھی (۲۴۷)۔

نہر موسیٰ

نہر بین سے نکل کر معتضد باللہ کے محل ثریا کے گرد گھوم کر تین حصوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ پھر معتصم باللہ کے محل تک جاتی تھی وہاں سے ابن الفرات وزیر کے گھر میں جا گرتی تھی اور وہیں ختم ہو جاتی تھی (۲۴۸)۔

نہر مہدی

مہدی نے "نہروان" سے ایک نہر کھدوائی اس کا نام نہر مہدی رکھا۔ یہ قصر الرصافہ کے تالاب میں جا گرتی تھی (۲۴۹) ۔اس کے علاوہ واسط کی زمینوں کے لیے بھی نہر کھدوائی تھی (۲۵۹)۔

نہر المعلّٰی

یہ خلیفہ ہارون الرشید کے ایک جرنیل کے نام پر تھی (۲۵۱)۔ یہ دجلہ میں گرتی تھی (۲۵۲)۔ ان کے علاوہ نہر العمود (۲۵۳)، نہر دجاج (۲۵۴)، نہر القطیعتہ اقلاب (۲۵۵)، نہر الفضل (۵۶) کے علاوہ بھی اور بے شمار چھوٹی بڑی نہریں سیرابی کا کام کرتی تھیں۔

مخصوص مقاصد کے لیے وقف نہریں

اہل حرمین شریفین کے اخراجات کے لیے مخصوص نہر

خلیفہ مہدی نے یہ نہر کھدوائی اور اس کی آمدنی اہل حرمین کی مدد، روزگار، اجرتوں اور نقصانات حرم کے لیے مخصوص کر دی تھی اور ایسے کاشتکاروں سے جو اس نہری پانی سے زمینیں کاشت کرتے ان سے پچاس برس تک کے لیے دو خمس سالانہ خراج لیا جاتا تھا اور پچاس برس گزرنے کے بعد مقاسمہ کا طریقہ رائج کیا گیا (۲۵۷)۔

فوج کے اخراجات کے لیے نہر قاطولہ

نہر قاطولہ کو ابو الجند کہتے تھے۔ کیونکہ یہ جن زمینوں کو سیراب کرتی تھی ان کی پیداوار سے وہاں کی فوج کی تنخواہیں دی جاتی تھیں (۲۵۸)۔

تجارتی مقاصد کے لیے نہر

دمسا کے مقام سے جو کہ بغداد سے آٹھ فرسخ دور تھا۔ ایک نہر نکالی گئی جو بغداد تک جاتی تھی تاکہ شام و جزیرہ کی اشیاء اس کے راستے بغداد پہنچتی رہیں۔ جبکہ موصل اور اس سے متعلقہ علاقوں کی اشیاء دریائے دجلہ کے ذریعے پہنچ جاتی تھیں (۲۵۹)۔

شاہی اخراجات کے لیے مخصوص نہریں

اموی عہد میں مسلمہ بن عبدالملک نے سواد میں دو نہریں کھدوائیں جو السیبین کہلاتی تھیں۔ ان نہروں کے اردگرد بہت سے مزدور کاشت کار آباد ہو گئے تو عباسی عہد میں جب اموی جائدادیں ضبط کی گئیں تو السیبین کا تمام علاقہ داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو جاگیر میں دے دیا گیا بعد میں اس کے ورثاء سے یہ علاقہ خرید کر صرف خاص میں شامل کر لیا گیا(۲۶۰)۔

دفاعی مقاصد کے لیے نہر

عمران بن موسیٰ نے سندھ میں ڈاکوؤں کو رام کرنے کے لیے سمندر سے کھارے پانی کی ایک لمبی چوڑی نہر جاری کی اور انہیں ان کے علاقے میں سے گزارا جس سے ان کا پانی کھارا ہو گیا۔ اس طرح وہ رام ہو گئے(۲۶۱)۔

نہروں پر پن چکی کا قیام

بغداد کی نہر صراط میں ایک پن چکی تھی جو تیز چلتی تھی اور اسے ''رحی البطریق'' کہتے تھے(۲۶۲)۔

خلیفہ مامون کی پسندیدہ نہر

خلیفہ مامون نے دمشق میں ایک نہر کھدوائی پھر بدیر مران کی طرف پہاڑوں کے دامن میں نہر پر ایک قبہ بنوایا جس پر کھڑے ہو کر وہ رات کو نہر سے لطف اندوز ہوتا رہتا تھا(۲۶۳)۔

پینے کے پانی کے لیے نہریں

پینے کے لیے پانی، کنوؤں اور چشموں کے علاوہ نہروں کے ذریعے دریاؤں سے حاصل کیا جاتا تھا۔ اسی لیے جب کوئی نئی بستی بسائی جاتی تو اس میں نقشے کے تحت دجلہ وفرات سے پانی لانے کا باقاعدہ انتظام کیا جاتا تھا(۲۶۴) اس کے علاوہ خلفاء اکثر نہروں کا اجراء کرتے رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں ملکہ زبیدہ نے بھی کئی نہریں کھدوائیں تھیں۔ جن میں نہر زبیدہ مشہور نہر تھی۔ جس سے موصل کے لوگ پانی پیتے تھے(۲۶۵)۔

خلیفہ متوکل نے بھی دجلہ سے پانی حاصل کرنے کے لیے دو نہریں بنوائیں اور ان نہروں کو اوپر سے ڈھک دیا گیا تھا تا کہ پانی خراب نہ ہو۔ یہ دونوں نہریں جامع مسجد تک جاتی تھیں۔ پھر سامرا کے بازاروں میں نکل جاتی تھیں۔ انہیں شتویہ اور صیفیہ کہتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک اور نہر بھی جاری کی تھی(۲۶۶) پینے کے لیے کھودی گئی نہریں پکی شاندار بنائی جاتی تھیں اور شہروں کے اندر تک پانی لایا جاتا تھا(۲۶۷)۔

☆ نہروں کی کھدائی پر اخراجات

خلیفہ متوکل نے نہر کھدوانے کے لیے تخمینہ لگوایا جو پندرہ لاکھ دینار تھا(۲۶۸)۔

☆ نہروں، کنوؤں کی صفائی (بھل صفائی) دیکھ بھال

نہروں اور کنوؤں وغیرہ کی کھدائی اور صفائی حکومت کے ذمہ تھی۔ وہ ہر سال یہ کام سرانجام دیتی تھی۔ جیسا کہ مدینہ الرملہ (فلسطین) کے کنوؤں اور نہروں کی صفائی کے لیے خلیفہ ہر سال رقم منظور کرتے تھے اور پھر صفائی ہوتی تھی۔ لیکن معتصم نے خلیفہ ہونے کے بعد اس کے مصارف کا حساب لگا کر ایک ہی بار حکم جاری کر دیا کہ ہر سال اتنی رقم اس کے لیے دی جائے۔ اس طرح بار بار اجازت کا سلسلہ بند ہو گیا (۲۶۹)۔

☆ آڈٹ

اس صفائی کا حساب کتاب عمال کے پاس ہوتا تھا اور اس سے سال کے سال حساب لیا جاتا تھا (۲۷۰)۔

3-چشمے

چشموں سے ہر کوئی فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ یہ بھی قدرتی ذریعہ آبپاشی تھا۔ ان سے دیہات، جاگیریں، باغات اور کھیت وغیرہ سیراب کیے جاتے تھے (۲۷۱)۔ اکثر چشمے گرمیوں میں گرم اور سردیوں میں سرد ہوتے تھے (۲۷۲)۔

خلیفہ مہدی نے ہر چشمہ آب پر عمارات بنوائی تھیں (۲۷۳) جبکہ ملکہ زبیدہ نے نہروں کی طرح چشمے بھی کھدوائے جیسا کہ حجاز میں عین المشاس نامی چشمہ جاری کروایا (۲۷۴)۔

سیروان اور حمیرا میں بہت چشمے اور نہریں تھیں۔ جن سے آبپاشی کی جاتی تھی (۲۷۵)۔ بغداد میں بھی چشموں کی بہتات تھی (۲۷۶) اصبہان میں شریں پانی کے بہت سے چشمے تھے۔ یہاں سے پانی سردیوں میں کنوؤں میں جمع کر لیا جاتا تھا۔ جب گرمیاں آتی تھیں تو یہ پانی پگھل جاتا تھا۔ پھر اسے استعمال میں لایا جاتا تھا (۲۷۷)۔

(ب) مصنوعی ذریعہ آبپاشی

کنویں

کنویں وغیرہ کھود کر بھی آبپاشی کی جاتی تھی اور ان کنوؤں سے پانی مختلف طریقوں سے کھینچ کر فصلوں اور کھیتوں تک لے جایا جاتا تھا۔ امام عبید القاسم نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ: (۲۷۸)۔

السّوانِي

وہ رہٹیں ہیں جن کو مختلف جانوروں سے چلا کر پانی حاصل کیا جاتا تھا۔

النّواضح

وہ اونٹ ہیں جن سے آبپاشی کا کام لیا جاتا تھا۔

اَلْغَرَب

ایک بڑا سا ڈول (چرس) جسے آبپاشی کرنے والے اونٹ یا دوسرا جانور کھینچتا ہے۔

اَلرِّشا

ایک رسی جو کنویں کے اندر سے پانی کھینچنے میں کام آتی ہے۔

الدَّلِیَه اور النَّاعُورة

وہ چھوٹے چھوٹے ڈول (ڈبے وغیرہ) جنہیں چکیاں گھماتی ہیں۔ یعنی رہٹ وغیرہ، الدلیہ اور لناعورۃ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔

چونکہ اس طریقہ سے سیرابی کرنے میں بہت محنت، پیسہ اور وقت صرف کرنا پڑتا تھا اس لیے جب ایسی زمینوں سے عشر وغیرہ لیا جاتا تو کم لیتے مثلاً ۲۰/۱ نصف عشر لیا جاتا تھا (۲۷۹)۔

مہدی نے بہت سے جدید کنویں بھی کھدوائے (۲۸۰)۔

کچھ کنویں کھارے پانی کے بھی ہوتے تھے جو مختلف مقاصد کے لیے استعمال کیے جاتے تھے (۲۸۱)۔

☆ سیم زدہ زمین کو کار آمد بنانے پر توجہ

سواد کے علاقہ میں ۶ ھ میں خسرو پرویز کے دور میں دجلہ وفرات میں شگاف پڑنے سے بہت سی آباد زمینیں ڈوب گئیں۔ اس سال ان دریاؤں میں بہت پانی چڑھ آیا تھا۔ اس سے پہلے کبھی اتنا پانی نہ آیا تھا۔ شگافوں کو پر کیا گیا لیکن اس پانی سے زمینوں کو برباد کرنے سے نہ روکا جا سکا۔ پھر جب مسلمانوں کا عراق پر قبضہ ہوا اہل فارس بھی جنگ میں مشغول ہو گئے تو اسے بڑھتے ہوئے پانی کی طرف توجہ نہ کی گئی اور کسان اس پانی کو خود نہ روک سکے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک وسیع علاقہ سیم زدہ بن گیا اور یہ سب ارض بطیحہ کہلانے لگا۔ اموی اور عباسی دور میں اس سیم زدہ زمین کو کار آمد بنانے کے لیے بہت کوششیں کی گئیں اور بہت سی رقم اس مد پر خرچ کی جاتی رہی۔ اس بطیحہ میں سے بعض اوقات نہری کنویں بھی نکلتے تھے اور ایک طویل عرصہ تک اس زمین کو کار آمد بنانے کے لیے کوششیں کی جاتی رہیں (۲۸۲)۔

عصر حاضر میں بھی یہ بطیحہ (دلدل) موجود ہے۔ ان کے قریب مختلف نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔ یہ ایسے ہموار ٹیلوں اور جزیروں پر آباد ہیں جو ہر سال آنے والے سیلابوں سے مکمل طور پر زیر آب نہیں آتے۔ بعض دفعہ یہ بستیاں مکمل دیہات کا روپ دھار لیتی ہیں۔ یہ دیہات لمبی لمبی تر چھل سے بنی جھونپڑیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یہاں کہ اہم پیداوار چاول ہے۔ اس کے علاوہ جو، زرد مکی، چنا، مسور، خربوزے، تربوز اور پیاز کی فصلیں ہیں۔ سرکاری آمدنی کا بڑا ذریعہ نرکل ہیں جو ہر قسم کے گھریلو کاموں میں استعمال ہوتے ہیں جو قدیم زمانے سے قلم بنانے کے لیے بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ مزید برآں یہاں مچھلیاں بکثرت ملتی ہیں۔ جو کہ مقامی باشندوں کی خوراک ہے اور برآمد کی جاتی ہیں۔ ابن رستہ قرون وسطی میں بطیحہ کے نرکلوں اور مچھلیوں کی پیداوار کی اہمیت کا ذکر کرتا ہے جبکہ موجودہ دور میں بھی یہ علاقہ ہر سال تقریباً دو ہزار ٹن مچھلیاں فراہم کرتا ہے۔ جس کے لیے تقریباً پانچ سو ماہی گیر مصروف کار رہتے ہیں۔ (۲۸۳)

اس کے علاوہ یہاں بھینسیں بھی دولت کا ذریعہ ہیں۔ ان کے دودھ سے مکھن بغداد اور دوسرے شہروں کو برآمد کیا جاتا ہے۔ بھیڑیں بھی پائی جاتی تھیں۔ لیکن مچھروں اور جھینگوں کی بہتات سے موسمی بخار اور مخصوص علاقائی امراض کی وجہ

سے یہ ضلع انحطاط کا شکار ہے(۲۸۴)۔

جنگلات

سلطنت عباسیہ کے اکثر حصوں میں جنگلات پائے جاتے تھے۔ جو جنگلات پہاڑوں اور وادیوں وغیرہ پر ہوتے تھے اور کسی کی ملکیت میں نہ ہوتے تھے ایسے جنگلات سے استفادے کا حق عوام کو حاصل تھا(۲۸۵) لوگ جب چاہتے جتنا چاہتے ان جنگلات سے پھل، شہد، جانور اور لکڑی وغیرہ حاصل کر سکتے تھے۔ اسی طرح جو جنگلات نہروں کے قریب جھاڑیں کی صورت میں ہوتے تھے۔ ان میں پرندوں اور جانوروں کا شکار بھی کر سکتے تھے۔ زیادہ تر سیاہ تیتر کا شکار کیا جاتا تھا(۲۸۶) اور جو جنگلات کسی کی ملکیت میں ہوتے ان جنگلات سے عام لوگ بغیر اجازت کے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ نہ تو لکڑیاں چن سکتے تھے نہ ہی مویشی وغیرہ چرا سکتے تھے۔ اگر کوئی ایسا کرتا تو اسے جرمانہ ادا کرنا پڑتا۔ البتہ ایسے جنگلوں میں پرندوں کا شکار کیا جاسکتا تھا اور پانی سے مچھلیاں پکڑی جاسکتی تھیں(۲۸۷)۔

جنگل کا مالک جھاڑیاں (نرکل) وغیرہ فروخت کرسکتا تھا اور انہیں بٹائی پر بھی دے سکتا تھا(۲۸۸)۔

چند اہم جنگلات کے علاقے

سلطنت میں چند ایسے اہم جنگلات بھی تھے جن سے لکڑی وغیرہ حاصل کی جاتی تھی اور بعض مقامات سے تو یہ لکڑی دوسرے علاقوں میں بھی ایکسپورٹ کی جاتی تھی مثلاً

خراسان

یہاں سے عرعر کی لکڑی دوسرے علاقوں کو بھیجی جاتی تھی(۲۸۹)۔

ارض شام

یہاں زیادہ تر صنوبر کی لکڑی پائی جاتی تھی (۲۹۰)۔ اور بھینسے بھی بکثرت پائے جاتے تھے۔(۲۹۴)

بلاد فارس

یہاں فسا کے مقام پر اکثر اوقات سرو کی لکڑی استعمال کی جاتی تھی (۲۹۱)۔

مصر

مصر میں بحر روم کے کنارے پر ایک قلعہ تھا جو صنوبر کی لکڑی کا گڑھ تھا۔ یہاں سے لکڑی شام، مصر اور دوسرے علاقوں میں بھیجی جاتی تھی۔

طبرستان

یہاں ایک سخت قسم کی لکڑی پائی جاتی تھی جس سے برتن اور خاص طور پر پلیٹیں بنائی جاتی تھیں۔ جو دنیا بھر میں ایکسپورٹ کی جاتی تھیں(۲۹۳)۔

بانس اور نرکل سے قلم بنائے جاتے تھے جو لکھنے کے کام آتے تھے(۲۹۵) اور کھجور کی خشک شاخ سے خاص قسم کے خطوط طومار (Scrool) سے لکھے جاتے تھے۔ طومار بادشاہوں کی طرف سے خطوط لکھنے میں استعمال ہوتے تھے(۲۹۶)۔

قلم کہتی ہے کہ میں جنگل کی جڑ ہوں
کوئی پکڑ لے تو میں موتی کی لڑ ہوں

شکار (پسندیدہ مشغلہ)

شکار ہمیشہ سے ہر خاص و عام کا پسندیدہ مشغلہ رہا ہے۔ عہد عباسی میں بھی امراء اور خلفاء کے علاوہ عام لوگ بھی شکار کے لیے جنگلات وغیرہ میں جاتے تھے۔ عام جنگلات جن کا کوئی مالک نہ ہوتا تھا وہاں تو کوئی روک نہ ہوتی تھی۔ لیکن وہ جنگل جو کسی شخص کی ملکیت ہوتے تھے وہاں اور قسم کی پابندیاں تو ہوتی تھیں لیکن پرندوں اور جانوروں کے شکار کی پھر بھی اجازت ہوتی تھی۔ لیکن پالتو جانور یا پرندے کے شکار کی سخت ممانعت تھی(۲۹۷)۔ اسی طرح نہروں وغیرہ کے ساتھ جو جھاڑیاں یا جنگل ہوتا وہاں بھی عام شکار کیا جا سکتا تھا(۲۹۸)۔

لیکن عباسی خلفاء وغیرہ نے شکار کے لیے بڑے علاقے، زمینیں اور رقبیں اپنے لیے مخصوص کر رکھی تھیں۔ جن سے اور کوئی استفادہ نہیں کر سکتا تھا۔ تقریباً تمام خلفاء شکار کے دلدادہ تھے اور شکار میں بہت وقت صرف کرتے تھے۔ الفخری میں ہے کہ:

"فرمانرواؤں کو شکار سے زیادہ اور کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی" (۲۹۹)۔

(۲۹۹) الفخری، ۳۸۔۳۹

بلکہ خلفاء کی اس روش کو بہت فائدہ مند قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"شکار سے بعض فوجی مشقیں پوری ہوتی تھیں۔ مثلاً شہ سواری، حملہ کرنا، رخ بدلنا، تیر اندازی، تلوار اور گرز سے ضرب لگانا، قتل و خونریزی کی عادت ڈالنا اور ضروری خونریزی میں اگر ہچکچاہٹ ہو تو اسے کم کرنا اور گھوڑے پر مکمل گرفت کا ہونا وغیرہ، اس کے علاوہ کھانا ہضم ہوتا ہے اور صحت درست رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ بلکہ حکماء کا قول ہے کہ بہترین گوشت وہ ہے جو شکاری کو پریشان کر دے" (۳۰۰)۔

تاہم امراء، خلفاء کے شکار کے علاقے مخصوص ہوتے تھے۔ جیسا کہ معتصم جو شکار کا عاشق تھا اس نے دجلہ کے اس پاس میلوں تک دیوار تعمیر کروا دی تھی۔ اس کے کارندے شکار کو جنگل سے گھیر کر دجلہ اور اس دیوار کے درمیان تک لے آتے پھر خلیفہ اپنے رشتہ داروں، ندیموں اور مصاحبوں سمیت شکار کرتے۔ یہ جنگلی گدھوں پر نشان لگا کر چھوڑ دیتے تھے۔ ایک حکایت مشہور تھی کہ معتصم نے ایک جنگلی گدھے کو نشان لگا کر چھوڑ دیا اور اس کے پانچ سال بعد معتصم نے اس جنگلی گدھے کا شکار کیا کہتے ہیں کہ جنگلی گدھوں کی عمریں بہت زیادہ ہوتی ہیں (۳۰۱)

مویشی پروری و مرغ بانی

دیہاتوں میں عام طور پر لوگوں کا ذریعہ معاش مویشی پالنا ہوتا تھا۔ جن میں بھیڑ، بکریاں، اونٹ، گائے، بھینس، گھوڑے، گدھے، خچر اور بیل وغیرہ شامل ہوتے تھے (۳۰۲)۔ ان کے علاوہ مرغیاں بھی پالی جاتی تھیں (۳۰۳)۔

مویشیوں کی کثرت والے علاقے

یہ تمام حیوانات مملکت کے تقریباً ہر حصے میں پائے جاتے تھے۔ لیکن بعض علاقے مویشیوں کی کثرت کی وجہ سے مشہور تھے۔ مثلاً حبشہ، مصر کے الواحات، صقلیہ، ماوراء النہر، اصبہان کے پہاڑی علاقے، عند مین زمشان، اتامحل، سندان، صیمور، کنبانہ اور ایل وغیرہ (۳۰۴)۔

مختلف جانوروں کی پرورش کے اہم علاقے

ملک میں ایسے علاقے مخصوص تھے جہاں خاص جانور ملتے تھے۔ مثلاً

مصر

مصر میں پوری دنیائے اسلام سے زیادہ اچھے اور قیمتی گدھے اور خچر پائے جاتے تھے (۳۰۵)۔

ماوراء النہر

یہاں خچر، گدھے اور اونٹ بہت زیادہ پائے جاتے تھے (۳۰۶)۔

اصبہان

اصبہان کے پہاڑی علاقوں میں بکریاں کثرت سے ہوتی تھیں۔ یہاں کے لوگوں کی خوراک ہی بکری کا دودھ تھا۔ یہاں سے پنیر کئی شہروں کو بھیجا جاتا تھا (۳۰۷)۔

شام، طبرستان اور سندھ

یہاں بھینس اور گائے بہت پائی جاتی تھیں۔ ان کے علاوہ ملک کے ہر علاقے میں موجود تھیں (۳۰۸)۔

خراسان

خراسان کے علاقے سے مختلف قسم کے مویشی برآمد کیے جاتے تھے (۳۰۹)۔

جانوروں کا استعمال

1- کھیتی باڑی، آبپاشی کے لیے

بیل، اونٹ اور دیگر جانوروں سے آبپاشی کا کام بھی لیا جاتا تھا۔ ایسے اونٹوں کو النواضح کہا جاتا اور ایسی رہٹیں جن کو مختلف

جانوروں سے چلا کر پانی حاصل کیا جاتا تھا السوانی کہلاتی تھیں (۳۱۰)۔

2-بار برداری کے لیے

خچر، گدھے، بیل اور اونٹ وغیرہ گاڑیاں کھینچنے اور بار برداری کے لیے بھی استعمال کیے جاتے تھے (۳۱۱)۔

3- کرایہ پر دیے جاتے تھے

یہ جانور کرایہ پر لیے اور دیئے جاتے تھے۔ ان پر لوگوں کی معاش کا انحصار ہوتا تھا (۳۱۲)۔

4-دودھ، دہی، گھی اور پنیر کے حصول کے لیے

گائے، بھینس، اونٹ اور بکریوں وغیرہ سے دودھ، دہی، گھی اور پنیر وغیرہ حاصل کیا جاتا تھا۔ بلکہ اصبہان کے پہاڑی علاقوں میں تو لوگوں کی خوراک ہی بکری کا دودھ تھا (۳۱۳)۔

5- کھانے کے لیے

حلال جانوروں کا گوشت فروخت ہوتا تھا اور لوگوں کی خوراک میں شامل تھا۔ لوگ مرغیاں بھی فروخت کرتے تھے (۳۱۴)۔

6- کھالوں کا حصول

جانوروں کی کھالوں سے مختلف اشیاء بنائی جاتی تھیں۔ جنگلی جانوروں کی کھالیں بہت مہنگی ہوتی تھیں۔ حبشہ چیتے اور دوسرے جانوروں کی کھالوں کے لیے بہت مشہور تھا (۳۱۵)۔ بحر الخزر سے کالی کھالیں (سمور) برآمد کی جاتی تھیں (۳۱۶)۔

چراگاہیں

مویشیوں کے لیے باقاعدہ چراگاہیں میسر ہوتی تھیں۔ جہاں چارے کے ساتھ ساتھ پانی کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ لوگ ان چراگاہوں سے لکڑیاں وغیرہ بھی ایندھن کے طور پر حاصل کرتے تھے۔ عموماً یہ چراگاہیں دو طرح کی ہوتی تھیں (۳۱۷)۔

1- عام چراگاہیں 2- خاص چراگاہیں

1-عام چراگاہیں

یہ چراگاہیں عموماً پہاڑوں اور وادیوں میں واقع ہر گاؤں کے لیے ہوتی تھیں۔ یہ جس گاؤں کے پاس ہوتیں اسی گاؤں کی ملکیت ہوتی تھیں۔ لیکن دوسرے گاؤں کے لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکتے تھے۔ لیکن اگر ایسا ہوتا کہ کسی گاؤں کے پاس صرف جھاڑی دار میدان ہو اور اس کے علاوہ مویشیوں کے لیے کوئی چراگاہ نہ ہو تو پھر وہ دوسروں کو یہ چراگاہ استعمال کرنے سے روک سکتے تھے۔ ان چراگاہوں میں لوگ مویشی چراتے تھے اور جلانے کے لیے لکڑیاں چنتے تھے (۳۱۸)۔

2- مخصوص چراگاہیں

اگر کوئی چراگاہ کسی شخص کی ملکیت ہوتی تو اس شخص کو اس سے استفادہ کرنے کے علاوہ بیچنے کا حق حاصل ہوتا بلکہ وہ اسے وراثت میں منتقل بھی کر سکتا تھا۔ دوسرے عام لوگوں کو اس چراگاہ سے صرف پانی اور گھاس حاصل کرنے کا حق حاصل ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتے تھے۔ اگر لوگ ایندھن کے لیے لکڑی حاصل کرنا چاہتے تو انہیں قیمت ادا کرنا پڑتی تھی (۳۱۹)۔

مویشیوں کی خرید وفروخت کے لیے منڈیاں

عصر حاضر کی طرح عہد عباسی میں ان مویشیوں کی خرید وفروخت کے لیے باقاعدہ منڈیاں موجود تھیں۔ جہاں ہر قسم کے جانور لائے جاتے تھے۔ بغداد کے محلہ کرخ میں ان کی ایک بہت بڑی منڈی قائم تھی (۳۲۰)۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی جگہ منڈیاں اور بازار تھے۔ بعض جگہوں پر مخصوص جانوروں جیسا کہ بکریوں کی منڈیاں تھیں۔ اس طرح نہروں کے کناروں پر بھی ایسے لوگ آباد تھے جو مویشی فروخت کرتے تھے۔ لہٰذا ان کے نام اسی نسبت سے مشہور ہو جاتے تھے مثلاً نہر دجاج کی وجہ شہرت مرغیوں اور دوسرے پالتوں جانوروں کی خرید وفروخت تھی (۳۲۱)۔

مویشیوں پر زکوٰۃ

جب مویشیوں کی تعداد نصاب تک پہنچ جاتی تو شریعت کے اصول وضوابط کے تحت ان پر زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اور حکومت کی طرف سے ایک نمائندہ آ کر یہ زکوٰۃ وصول کرتا تھا (۳۲۲)۔

ماہی گیری

عہد عباسی میں ماہی گیری بھی ایک اہم ذریعہ معاش تھا۔ بلکہ ساحلی علاقوں کے لوگوں کا تو زیادہ تر پیشہ ہی یہی تھا۔ یہ کاروبار کافی وسیع تھا۔ دجلہ وفرات جہاں زراعت وتجارت کی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہے تھے وہاں ماہی گیری میں بھی بہت معاون تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک مرتبہ صرف دجلہ کے ماہی گیروں کی آمدنی کا اندازہ کیا گیا تو وہ نوے ہزار درہم نکلی (۳۲۳)۔

فش فارمز

لوگوں نے فش فارم طرز کے بڑے بڑے تالاب بنا رکھے تھے۔ جہاں مچھلی محفوظ کر لی جاتی تھی اور جب فروخت کرنا ہوتی تو بغیر تالاب سے نکالے ہی فروخت کی جا سکتی تھی (۳۲۴)۔

مچھلی کی ایکسپورٹ

مچھلی وسیع پیمانے پر ایک دوسرے علاقوں میں ایکسپورٹ کی جاتی تھی اور بعض علاقوں میں تو صرف ایک خاص قسم کی مچھلی ہی

ایکسپورٹ ہوتی تھی مثلاً آذربائیجان کے شہر اندراب سے شموبہ نامی مچھلی ایکسپورٹ کی جاتی تھی (۳۲۵)۔
دیبل کے بحیرہ ارمہ میں طریخ نامی مچھلی بہت ہوتی تھی۔ لہٰذا دوسرے علاقوں میں وسیع پیانے پر ایکسپورٹ ہوتی تھی (۳۲۶)۔اسی طرح بجستان سے مختلف شہروں میں مچھلی بھیجی جاتی تھی (۳۲۷)۔

مچھلی کا استعمال بطور (روزمرہ) خوراک

بعض علاقوں میں مچھلی خوراک کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ مثلاً دیبل مکران میں ایک قوم کی خوراک مچھلی تھی (۳۲۸)

عباسی خلیفہ کے لیے مچھلی کی زبانوں سے تیار کردہ مہنگی ترین ڈش

عباسی خلیفہ بھی مچھلی پسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ابراہیم بن مہدی نے خلیفہ رشید کی دعوت کی تو ایک ڈش ایسی بنائی جو مچھلی کی زبانوں سے تیار کی گئی تھی۔ اس میں مچھلی کی ڈیڑھ سو زبانیں استعمال کی گئی تھیں اور اس پر ایک ہزار درہم خرچ آیا تھا (۳۲۹)۔

☆ عجیب وغریب مچھلی

خلیفہ مامون کے دور میں سندھ کی ایک ایسی مچھلی کا ذکر کیا گیا ہے جو بزغالہ یعنی بکری کے بچے کے مشابہ ہوتی تھی۔ اسے مخصوص طریقے سے پکا اور کھا کر دوبارہ پانی میں اس کے کانٹے یعنی ریڑھ کی ہڈی ڈال دی جاتی تھی کچھ دنوں بعد ان کانٹوں پر گوشت پوست آجاتا تھا اور دوبارہ مچھلی بن جاتی تھی۔ اگر یہ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی تو پھر دوبارہ مچھلی نہیں بنتی تھی۔ اس کا تجربہ امیر سندھ غسان بن عبادہ نے اپنے گھر کے تالاب میں کیا تھا جو ٹھیک ثابت ہوا (۳۳۰)۔

□♦□♦□

فصلِ دوم

تجارت

عہد عباسی میں تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ عام لوگوں سے لیکر امراء، وزراء، علماء اور فقہاء تک تجارت سے کسی نہ کسی طور منسلک تھے۔ یہ روزی کمانے کا ایک باوقار طریقہ تھا۔ امام راغب اصفہانی تجارت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"التجارة التصرف فی راس المال طلباء الربح"

(''تجارت اصل (سرمایہ) میں اس طرح تصرف کرنے کا نام ہے جس سے منافع حاصل ہو'')(۳۳۱)۔

اور بقول فرید وجدی:

''تجارت راس المال(Capital) میں ایسے تصرف کو کہتے ہیں جس کی پشت پر نفع کمانے کا جذبہ کارفرما ہو''(۳۳۲)۔

مجلة الاقتصاد الاسلامی میں ہے کہ:

''تجارت اپنے عام فہم اور سادہ ترین مفہوم میں منافع کا تبادلہ ہے''(۳۳۳)۔

جبکہ معیشت دان علامہ ابن خلدون کہتے ہیں کہ:

''سستی چیزیں خرید کر انہیں مہنگا بیچ کر مال بڑھانے کا نام تجارت ہے خواہ انہیں ذخیرہ کر کے اس وقت بیچا جائے جب بھاؤ چڑھ جائیں یا ایک شہر سے خرید کر کسی دوسرے شہر میں جہاں اس کی مانگ ہو منافع سے بیچی جائیں یا وہ چیزیں مہنگی قیمت پر ادھار دے دی جائیں''(۳۳۴)۔

لیکن ساتھ ہی وہ اس بات کی مذمت کرتے ہیں کہ مہنگائی کے انتظار میں مال خصوصاً اناج روکنا ظلم ہے جس سے لوگوں کی بددعائیں حاصل ہوتی ہیں(۳۳۵)۔

''الغرض تجارت ایک قدیم پیشہ ہونے کے ساتھ ساتھ روزی کمانے کا ایک طبعی طریقہ بھی ہے۔ لیکن اس کے اکثر طریقے حیلوں پر موقوف ہیں۔ تاکہ چیزوں کے نرخوں کے اتار چڑھاؤ سے فائدہ حاصل کیا جائے۔ اگرچہ یہ طریقہ ایک قسم کا جوا ہے مگر اس کو روا رکھا گیا ہے۔ لیکن جوئے کی طرح اس میں دوسروں کا مال مفت

نہیں لیا جاتا اس لیے اسے جائز اور جوئے کو حرام قرار دیا گیا ہے"(۳۳۶)۔

تہذیب کی ترقی میں تجارت کا کردار

تجارت کسی بھی معاشی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس ملک میں تجارتی سرگرمیاں جتنی تیز ہوں گی وہاں کی معیشت اتنی ہی مضبوط وتوانا ہوگی۔ تجارت میں دولت کی ریل پیل ہوتی ہے اور سرمایہ گردش میں رہتا ہے۔ جو کہ معیشت کی ترقی کا ایک زریں اصول ہے۔ تجارت میں تہذیبیں فروغ پذیر ہوتی ہیں اس لیے تجارت سے بڑھ کر تہذیب کو پھیلانے کا کوئی اور ذریعہ یا پیشہ دنیا میں موجود نہیں ہوسکتا۔ تجارت کے لیے غیر ملکی رابطوں، خیالات کا تبادلہ وتوسیع، عوام کی ترقی، ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کا رجحان جس کے نتیجے میں نئی نئی دریافت اور ایجادات کا وقوع پذیر ہونا ایسے مسلسل واقعات ہیں کہ ایک سے دوسرا بطور علت ومعلول کے خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔

عہد عباسی میں بغداد، بصرہ، دمشق، میرو، ہرات اور بخارا نہ صرف تجارت کے مراکز تھے بلکہ تہذیب اور علوم اسلامیہ کے مخزن تھے۔

آٹھویں صدی عیسوی تک اہل علم اور صوفیاء کی تعلیم کا یہ جزو تھا کہ وہ غیر ملکوں میں سفر کریں۔ چین سے مغرب تک اور سیلان سے بلغار تک ہزاروں عالم، صوفی اور طالب علم، علم طریقت کی تلاش میں پھرتے تھے اور اپنے اپنے خیالات کا تبادلہ کرتے تھے۔ جس سے علم میں وسعت وتوسیع کا عمل پیدا ہوتا تھا۔ لیکن یہ سب صرف اسی لیے ممکن اور آسان تھا کہ آٹھویں صدی تک چین اور ہندوستان اور جزائر کی تجارت، یورپ اور افریقہ کے ساتھ اسلامی ممالک کے ذریعے ہوتی تھی اور اہل علم اور اہل طلب قافلوں اور تاجروں کے جہازوں کے ساتھ دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک آسانی سے پہنچ جاتے تھے(۳۳۷) عہد عباسی میں دولت کی فراوانی، صنعت وحرفت وزراعت میں دلچسپی، شاہراہوں اور سڑکوں کا قیام، ان شاہراہوں کا پرامن ہونا اور تجارت کا فروغ ایسے عوامل ہیں جنہوں نے ایک نئی تہذیب اور نئے تمدن کو جنم دیا۔ جو عربی عجمی عناصر سے ظہور پذیر ہوئی اور "تہذیب اسلامی" کے نام سے دنیا میں اپنے آپ کو منوایا۔

☆ عباسی معیشت میں تجارت کے رائج طریقے

اسلام میں تجارت کے دو طریقے پسندیدہ قرار دیئے گئے ہیں جو عہد عباسی میں بھی پوری طرح رائج تھے۔ یعنی (۱) شراکت اور (۲) مضاربت۔

1-شراکت (نفع ونقصان میں شراکت)

یہ کاروباری شراکت ہوتی ہے جس میں شرکاء میں سے ہر ایک شریک درہم ودینار کاروبار (تجارت) میں لگاتا ہے اور انہیں اس طرح خلط ملط کر دیتا ہے کہ وہ آپس میں مل کر ایک ہی مال بن جاتے ہیں حتی کہ ان میں تمیز نہیں رہتی کہ کس کا مال فروخت کیا اور کس کے مال سے سامان تجارت خریدا گیا۔ جبکہ نفع ونقصان میں شرکاء اپنے اپنے حصوں کی نسبت سے شریک ہوتے ہیں (۳۳۸)۔

ائمہ اربعہ بھی شراکتی کاروبار کرتے تھے۔ بلکہ علم کی ترویج کے ساتھ ساتھ بطور ذریعہ معاش وہ تجارت کرتے تھے اس طرح

دیگر علماء وفقہاء بھی تجارت میں ہی دلچسپی رکھتے تھے(۳۳۹)۔

سودی کاروبار(صرف نفع میں شراکت)(بنکاری نظام)

بنوعباس کے آخری دور میں سودی کاروبار شروع ہو چکا تھا۔ بغداد اور دوسرے بڑے شہروں میں تاجروں کا ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو ساہوکاری کا کام کرتا تھا۔ یہ صیرفی کہلاتے تھے۔ یہ لوگوں کو تجارت کی غرض سے رقم ادھار دیتے تھے جو کہ ہزاروں دیناروں تک ہوتی تھی۔

طریقہ یہ تھا کہ سرمایہ دار(صیرفی) کسی تاجر کو طے شدہ مقررہ شرح منافع پر قرض دیتا۔ اپنے آپ کو نقصان سے بری الذمہ قرار دیتا اور اپنا منافع ہر حال میں وصول کرتا(۳۴۰)۔ بالکل عصر حاضر کے بنکوں کا کردار یہ صیرفی ادا کرتے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ بنکوں کی ابتداء کا دور تھا۔

تجارتی قرض کی ادائیگی قسطوں میں

تاجر جو قرض حاصل کرتے تھے وہ اگر بروقت ادا نہ کر سکتے تو انہیں قسطوں میں رقم ادا کرنے کی سہولت دیدی جاتی تھی۔ تنوخی کا بیان ہے کہ اس پر وہ سود بھی لیتے تھے(۳۴۱)۔

ادھار مال فروخت کرنا

تاجر ادھار سامان فروخت کرتے تھے(۳۴۲) اس قسم کے سودے کبھی تو باہمی سمجھوتے سے طے پا جاتے اور کسی کی ضمانت کی ضرورت نہ پڑتی اور کبھی قرض لینے والے کو ضامن بھی پیش کرنا پڑتا تھا(۳۴۳)۔

2-مضاربت

شراکت کی ایک شکل مضاربت ہے۔ جس میں راس المال ایک شریک کا ہوتا ہے اور سعی وعمل دوسرے شریک کا اور منافع میں مقررہ شرح سے دونوں شریک ہوتے ہیں۔ جبکہ نقصان کی صورت میں نقصان صرف صاحب المال کا ہوتا ہے اور مضارب جو محنت کرتا ہے اس کی محنت ضائع ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ نقصان سے بری الذمہ ہوتا ہے۔

کاروبار کی یہ شکل عہد عباسی میں رائج تھی(۳۴۴) جیسا کہ:

> ''واثق ومتوکل کے وزیر ابن زیات کا ملازم ''روح'' ابن زیات کے سرمائے سے تجارت کرتا تھا۔ ابن زیات کے بغداد میں کئی کارخانے تھے جن میں مال تجارت بھی رہتا تھا۔ مال تجارت میں گیہوں، جو، آٹا اور دوسرے دانے، تیل، انجیر کپڑا وغیرہ ہوتا تھا''(۳۴۵)۔

تنوخی کا بیان ہے کہ:

> ''سفر کرنے والے یعنی مضاربت کرنے والے تاجر بہت زیادہ تھے''(۳۴۶)۔

تاجروں کی اقسام

تاجروں کی عموماً چار اقسام تھیں:

(۱) الرکاض (۲) الخزان (۳) المجہز اور (۴) دلال

1-الرکاض

وہ تاجر جن کی تجارت مختلف ممالک تک پھیلی ہوتی تھی۔ ان کی دکانیں مختلف مقامات پر کھلی ہوتی تھیں۔ جیسا کہ آج کل بڑی تجارتی فرمیں اپنی شاخیں مختلف شہروں میں کھولے رکھتی ہیں۔ الرکاض تاجروں کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے اور اپنا نفع وصول کرتے۔ یہ ایک طرح کے کمشن ایجنٹ بھی ہوتے تھے۔

2-الخزان

ذخیرہ اندوزوں کو الخزان کہا جاتا تھا۔ جب چیزوں کی قیمت کم ہوتی بازار سے زیادہ اشیاء خرید لیتے اور جب قیمتیں چڑھ جاتیں تو یہ مال فروخت کے لیے باہر لاتے۔ ان تاجروں کی معلومات بہت وسیع ہوتیں۔ انہیں ملک ملک کی منڈی کے بھاؤ معلوم ہوتے تھے۔ وہ اپنی معلومات سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔

کبھی کبھی یہی تاجر بعض چیزوں کے سارے کے سارے ذخیرے پر قابو پا لیتے اور منڈی ان کی محتاج ہو جاتی تھی۔ تنوخی نے ایک تاجر کی مثال لکھی ہے کہ:

> "اس نے زیتون کا ایک ذخیرہ دس ہزار دینار میں خریدا، منڈی میں چونکہ زیتون نہ تھا اس لیے اس نے یہی ذخیرہ بیس ہزار دینار میں فروخت کیا" (۳۴۷)۔

3-المجہز

یہ وہ تاجر ہوتے تھے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر تو نہ کرتے تھے اور مرکز میں ہی رہتے تھے مگر مختلف مقامات پر ان کے ایجنٹ موجود ہوتے تھے (وکلاء) جو ان کی طرف سے ان کے سامان کو بیچتے اور بیچ کر انہیں قیمت ادا کر دیتے (۳۴۸)۔

4-دلال

ان مندرجہ بالا تینوں قسموں کے علاوہ دلال بھی ہوتے تھے۔ یہ دلال باہر کے تاجروں کا مال مقامی منڈیوں میں فروخت کرنے میں ان کی رہنمائی کرتے اور کمیشن لیتے (جیسا کہ آج کل بھی ہوتا ہے۔) ابن جصاص عہد عباسی کا سب سے بڑا جواہرات کا بیوپاری تھا۔ یہ خماردیہ کے لیے اس کے گھر پر بیٹھا رہتا تھا جو کوئی گاہک آتا یہی تمام معاملات طے کرتا (۳۴۹)۔

☆ تجارتی مراکز

تجارت کے لیے باقاعدہ بازار اور مارکیٹیں قائم تھیں۔ جہاں پوری مملکت اسلامی سے مال تجارت آتا رہتا تھا۔ یہ مراکز ہر شہر اور قصبہ میں ہوتے تھے۔ ان مارکیٹوں بازاروں کے باقاعدہ نام ہوتے تھے۔ کچھ مارکیٹوں کے نام تو عصر حاضر کی طرح وہاں فروخت ہونے والی اشیاء کے ناموں کی نسبت سے ہوتے تھے۔ جیسا کہ کپڑے کا بازار "بزازین" ریشم کے کاروبار کا بازار "خزازین" اور غلاموں کی تجارت کا سوق الرقیق وغیرہ کہلاتے تھے (۳۵۰)۔ اسی طرح بعض بازاروں

کے نام وہاں بازار قائم کرنے والے یا جس کی جگہ ہوتی تھی اس کے نام پر مشہور ہو جاتے تھے۔ چند مشہور بازار یہ تھے:

لوگ کے ناموں کی نسبت سے قائم شدہ بازار

1:- سوق الیحییٰ بن ولید

2:- سوق العطش، بہت بڑا بازار تھا جو مہدی کے غلام کی جاگیر میں تھا (۳۵۱)۔

3:- سوق ہشام رانقہ کا بہت بڑا بازار تھا۔(۳۵۲) سویقہ ابی داؤد بھی بڑا بازار تھا اس میں ہر قسم کی تجارت ہوتی تھی (۳۵۳)۔اسی طرح مزید کئی بازار تھے جو لوگوں کے ناموں پر کسی نہ کسی وجہ سے مشہور ہو گئے ہوتے تھے۔
اسی طرح کئی ایک ایسے مقامات تھے جہاں مختلف چیزیں بکتی تھیں لہٰذا ان کے پاس سے گزرنے والی نہریں بھی ان چیزوں کے نام پر مشہور ہو جاتی تھیں۔ مثلاً نہر دجاج جو کرخایا سے نکلتی تھی اس کے کنارے پر تاجروں کے گھر تھے۔ یہاں مرغی فروش مرغیاں (اور دوسرے پالتو جانور) بیچتے تھے۔ لہٰذا اس نہر کا نام ''نہر دجاج'' مشہور ہو گیا (۳۵۴)۔

4:- کرخ میں کاغذیوں کی گلی مشہور تھی (۳۵۵)۔

ہفتہ وار لگنے والے بازار

عصر حاضر کی طرح عہد عباسی میں بھی ہفتے کے مختلف دنوں میں مخصوص قسم کے بازار لگا کرتے تھے۔ جو کہ اس دن کی نسبت سے ہی زبان زد عام ہوتے تھے۔ جیسا کہ آج کل پاکستان میں بھی تمام شہروں میں جمعہ بازار، اتوار بازار، منگل بازار وغیرہ سستے قسم کے بازار عوام کو سستی اشیاء فراہم کرنے کے لیے لگائے جاتے ہیں۔ عہد عباسی میں بھی بغداد سمیت کئی شہروں میں ایسے بازار لگائے جاتے تھے مثلاً

بغداد میں منگل بازار لگتا تھا (۳۵۶) اس کی لمبائی ''دو فرسخ'' یعنی ۱۲ کلو میٹر ہوتی تھی (۳۵۷)۔

خوزستان کے عسکر مکرم میں ہفتے کے ہر دن کے نام پر ایک بازار لگایا جاتا تھا (۳۵۸)۔

ماوراء النہر کے شہر بخاری میں مقررہ دنوں میں بازار لگتے تھے جن میں کپڑے، غلام اور مویشیوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی (۳۵۹) یمن میں جمعہ کے روز مختلف مقامات پر ''جمعہ بازار'' کے نام سے بازار لگتا تھا (۳۶۰)۔ عسکر مکرم (خوزستان) میں ہفتے کے دن کے نام سے ہر ایک بازار لگتا تھا (۳۶۱)۔

روزمرہ استعمال کی چیزوں کی ارزاں قیمتیں

منصور کے عہد میں عام روزمرہ استعمال کی چیزیں بہت سستی تھیں۔ مثلاً مینڈھا ایک درہم میں مل جاتا تھا اور گائے کا گوشت ایک درہم میں ۹۰ رطل اور بکری کا ۶۰ رطل۔ دکاندار آوازیں لگا لگا کر گاہکوں کو بلا بلا کر (عصر حاضر کی طرح) بیچتے تھے۔ جبکہ شہد ایک درہم میں ۱۰ رطل، گھی ۱۲ رطل اور کھجوریں ۴۰ رطل مل جاتی تھیں (۳۶۲)۔

تجارتی مراکز کی نگرانی وحفاظت

علی بن عیسیٰ نے دار البطیخ میں ایک ملازم مقرر کر رکھا تھا جو پھلوں کی منڈی میں گھومتا رہتا اور حالات پر نظر رکھتا اور خاص

طور پر انگور کی دکانوں پر نظر رکھتا۔ اگر کوئی ایک پیٹی انگور لیتا تو ٹھیک اور اگر کوئی زیادہ لیتا تو اس پر نمک چھڑک دیتا تھا تاکہ شراب نہ بنا سکے(۳۶۳)۔

تجارتی مراکز میں سواری اور بار برداری کے جانور باندھنے کی سہولت

عہد عباسی میں جس طرح اور بہت سی آج کی متمدن دنیا کی طرح سہولیات حاصل تھیں۔ اسی طرح وہاں اکثر بازاروں وغیرہ کے قریب تاجروں اور لوگوں کی سہولت کے لیے سواری اور بار برداری کے جانوروں کو باندھنے کے لیے باقاعدہ جگہ بنی ہوتی تھی۔ جہاں لوگ اپنے جانور باندھ کر آرام سے خریداری کرتے تھے۔ جیسا کہ عصر حاضر میں اکثر مقامات پر کار پارکنگ وغیرہ باقاعدہ بنی ہوتی ہیں۔ اسی طرح نہ صرف یہ کہ جانوروں کے باندھنے کی جگہ ہوتی تھی بلکہ جانوروں وغیرہ کے سم (جیسا کہ گھوڑے کے سم وغیرہ) بنانے والے بھی اس جگہ کے قریب ہی بستے تھے۔ جیسا کہ کار پارکنگ کے قریب ہی ٹائروں میں ہوا بھرنے اور پنکچر لگانے کی دکانیں بنی ہوتی ہیں (۳۶۴) بغداد میں کناسہ کے مقام پر لوگوں کو یہ سہولت حاصل تھی۔

☆ سب سے بڑا تجارتی مرکز بغداد

جب کسی ملک کی صنعتی زندگی عروج پر پہنچتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کی تجارت خوب بڑھتی ہے۔ خصوصیت سے ایسے حالات میں جبکہ اس ملک کی مالی واقتصادی حالت بہت بہتر ہو اور اس کے بادشاہ اور امیر بہت فراخ دل اور شوقین ہوں۔ تو دنیا جہاں کا سامان ان تک پہنچتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عباسیوں کے عروج کے وقت بغداد دنیا کا سب سے بڑا تجارتی مرکز تھا (۳۶۵)۔

تجارت اور دفاعی طور پر بغداد کی اہمیت

بغداد کی تعمیر سے تجارت کو بہت فروغ ہوا۔ کیونکہ محل وقوع کے اعتبار سے بغداد میں تجارت کا مرکز بننے کی غیر معمولی صلاحیتیں موجود تھیں (۳۶۶)۔

(۳۶۶) ایضاً

خطیب بغدادی اور یاقوت بیان کرتے ہیں:

> ''ایک دیہاتی بغداد کی تعریف کرتے ہوئے منصور سے کہنے لگا کہ'' آپ چاروں طرف سے مامون ہیں۔ دو سمتیں مشرقی جانب ہیں اور دو سمتیں مغربی جانب۔ اس کی وجہ سے دارالخلافہ بغداد بالکل محفوظ ہے۔ مغربی سمتوں میں قطربل اور بادرایا ہیں مشرقی سمتوں میں نہر بوق اور نہر کلواذی واقع ہیں اگر ایک طرف سوکھا پڑ جائے تو دوسری طرف کی خوشحالی اس کی تلافی کر دے گی۔''
>
> امیر المؤمنین! آپ کا دارالحکومت بغداد حراۃ اور دجلہ کے ساحل پر آباد ہے۔ تجارتی سامان مغربی ملکوں سے آپ کے پاس آتا ہے اور فرات کی بندرگاہ کے

ذریعے شام الجزیرہ اور مصر سے سامان تجارت کی درآمد ہوتی ہے اور دجلہ کی بندرگاہ کے ذریعے ہندوستان بصرہ اور واسط کی نفیس اشیاء پہنچتی ہیں۔ اس بندرگار سے ایک طرف آرمینیہ اور آذربائیجان سے اور دوسری طرف موصل، دیار بکر اور دیار ربیعہ سے سامان تجارت بغداد پہنچتا ہے اور آپ دریاؤں کے درمیان محفوظ ہیں۔ دشمن آپ تک صرف پل کے ذریعے پہنچ سکتا ہے اگر آپ پل توڑ دیں گے تو دشمن کے پہنچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ آپ خشکی سے سمندروں سے پہاڑوں سے سب سے قریب ہیں" (۳٦۷)۔

یعقوبی بغداد کی تجارتی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"بغداد میں مختلف نسلوں اور شہروں کے لوگ آئے ہوئے ہیں۔ یہاں ہر طرح کے تجارتی مراکز اور دکانیں ہیں۔ اس شہر میں جو کچھ جمع ہو گیا ہے وہ پوری دنیا کے کسی شہر میں جمع نہیں ہو سکتا۔ پھر اس کے دونوں کناروں پر عظیم الشان دریا دجلہ فرات بہتے ہیں لہٰذا یہاں سے بری و بحری دونوں راستوں سے بڑی آسانی سے تجارت ہوتی ہے" (۳٦۸)۔

بین الاقوامی تجارتی رابطے کے بارے میں مزید کہتا ہے کہ:

"یہاں مشرق و مغرب اور سرزمین اسلام کے ہر حصے کی منڈی نظر آئے گی۔ یہاں ہند، سندھ، چین، تبت، ترک، دیلم، خزر، حبشہ اور دوسرے تمام ممالک کے ساتھ بھی تجارت ہوتی ہے۔ یہاں ان ملکوں سے بھی بڑھ کر تجارتی اشیاء موجود ہیں جہاں یہ اشیاء پیدا ہوتی ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ زمین کی ساری برکات سمٹ کر یہاں جمع ہو گئی ہیں۔ دنیا کے تمام ذخائر یہاں جمع ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ پورے عالم کی تمام نعمتیں یہاں کھنچ آئی ہوں" (۳٦۹)۔

☆ بغداد میں بیرونی تاجروں کے تجارتی مراکز

(الف) عام بیرونی تاجروں کے بازار

جب بیرونی تاجروں کی آمد شروع ہوئی تو انہوں نے اپنے لیے الگ الگ بازار بسائے۔ مثلاً شامیوں نے سوق باب الشام آباد کیا۔ اسی طرح اہل بلخ، اہل مرو، اہل الختل، اہل بخارا، اہل کابل اور اہل خوارزم کے الگ الگ ناموں کے بازار تھے۔ اسی طرح محلہ حربیہ بیرونی تاجروں کی سب سے بڑی منڈی بن گیا (۳۷۰)۔

(ب) زیادہ مالدار بیرونی تاجروں کے بازار

بڑے تاجروں نے اپنی بڑائی کے سبب بغداد کی مشرقی جانب باب الطاق میں اپنی عظیم الشان دکانیں سجائیں۔ یہ بازار مرکزی پل کے متصل تھا(۳۷۱)۔ اس پل پر حفاظتی پہرے بٹھائے جاتے تھے(۳۷۲)۔ اس سے ملے ہوئے دو بازار تھے جہاں عطریات اور خوشبوؤں کی دکانیں تھیں۔ جہاں رنگ رنگ کے پھول بکتے تھے۔ ان کے پیچھے کھانے کا بازار تھا۔ جہاں قسم قسم کے کھانے ہر وقت تیار ملتے تھے۔ اس کے بعد صناعوں کے بازار تھے۔ پھر سوق رصافہ تھا(۳۷۳)۔

بغداد شہر سے باہر ''کرخ'' میں بازار منتقل کرنے کی وجوہات

ابتداء میں بغداد کی چار سڑکوں پر جو کمانوں کے بعد واقع تھیں۔ چار بازار آباد تھے۔ یہ شہر کے اندر بہت بارونق بازار تھے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد منصور نے یہ بازار شہر سے باہر کرخ میں منتقل کر دیئے(۳۷۴) اس تبدیلی کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں مثلاً:

پہلی وجہ

ایک دفعہ ایک رومی بطریق سرکاری کام پر بغداد آیا تو شہر کی سیر کرنے کے بعد منصور سے کہنے لگا کہ:

> ''شہر خوبصورت اور عمدہ ہے مگر آپ کے دشمن آپ کے ساتھ شہر کے وسط میں رہتے ہیں یعنی ''بازار والے''۔
>
> اس کے فوراً بعد منصور نے بازاروں کو شہر سے باہر منتقل کر دیا(۳۷۵)۔

دوسری وجہ

بعض راوی کہتے ہیں کہ شہر سے باہر دکانیں اس لیے منتقل ہوئیں کہ کسی نے منصور سے کہہ دیا تھا کہ:

> ''غرباء وغیرہ بازاروں میں سوتے ہیں، ممکن ہے ان میں کوئی مخبر یا جاسوس ہو جو موقع پر اٹھ کر رات کو شہر کا دروازہ کھول دے''۔

یہ سن کر منصور نے شہر کی دکانیں پولیس اور فوج خاصہ کو رہنے کے لیے دے دیں اور تاجروں کے لیے بیرون شہر دکانیں بنا دیں(۳۷۶)۔

تیسری وجہ

ایک راوی کے مطابق ۱۵۷ھ میں منصور نے ایک شخص ابوزکریا یحییٰ بن عبداللہ کو بغداد اور اس کے بازاروں کا محتسب مقرر کر دیا۔ اس وقت تمام بازار شہر کے اندر تھے۔ منصور کو عبداللہ بن حسن کے بیٹے اور ابراہیم کے ساتھ خروج کرنے والوں کی تلاش تھی۔ یہ محتسب ان لوگوں کے ساتھ خفیہ طور پر مل گیا۔ پھر شہر کے آوارہ منش لوگوں کو اکٹھا کر کے منصور کے خلاف مظاہرہ کروا دیا۔ منصور نے ابوزکریا کو تو پکڑ کر چوک میں سب سے سامنے قتل کر دیا اور بازار شہر سے باہر کرخ میں منتقل کر دیئے اور شہر کی سڑکوں کی چوڑائی چالیس گز مقرر کی۔ اس طرح جس کا گھر ذرا سا بھی سڑکوں کی طرف بڑھا ہوتا اسی قدر

گرادیا جاتا تھا(۳۷۷)۔

''الکرخ'' کی اہمیت

الکرخ بغداد کا سب سے بڑا تجارتی مرکز بن گیا(۳۷۸)۔ بلکہ کچھ عرصہ بعد دنیا کی بڑی تجارتی منڈی بن گیا۔ اس میں ہر نوع اور ہر قسم کے بازار تھے(۳۷۹)۔ عصر حاضر کے جدید معاشی اصول اور ضابطے اس دور میں بھی نظر آتے ہیں۔ مثلاً جدید دور کی طرح عہد عباسی میں بھی ہر چیز کی ایک مکمل مارکیٹ ہوا کرتی تھی۔ مارکیٹ سے جہاں مقابلہ کی صحت مند فضا قائم ہوتی ہے اور قیمتوں میں توازن رہتا ہے وہاں عوام کو بھی انتخاب اور پسند ناپسند کا حق حاصل ہوتا ہے اور وہ اپنی پسند سے سستی، بہتر اور معیاری اشیاء کو تلاش کر کے خریدتا ہے۔ عہد عباسی میں دولت کی فراوانی، خلفاء کی جدت پسندی اور نفیس ذوق اور کل عالم میں برتر ہونے کے احساس نے عوام کے لیے فلاح وخوشحالی کے راستہ کھول دیتے تھے۔ لہٰذا نہ صرف ملک کے گوشے گوشے سے سامان ضرورت اور سامان تعیش یہاں پہنچتا تھا بلکہ ہند، چین، افریقہ اور یورپ کا بھی ہر قسم کا سامان یہاں کے لوگوں کو میسر تھا۔ اسی طرح ان کا سامان بھی دوسرے ممالک کی ضروریات پوری کرتا تھا۔ یوں درآمدات و برآمدات کا ایک سلسلہ تھا جو مسلسل جاری رہتا تھا۔

الکرخ کی سرکاری دکانوں کا کرایہ

بغداد کے باہر کرخ میں منصور نے جو دکانیں بنوائی تھیں۔ وہ اس نے حکومت کی طرف سے کرایہ پر دیں اور ہر گز کے حساب سے دکانوں کا کرایہ مقرر کیا(۳۸۰)۔

الکرخ کی غیر سرکاری دکانوں کا کرایہ

بعد میں جب آبادی کی کثرت ہوگئی تو ان بازاروں سے ہٹ کر لوگوں نے دکانیں بنالیں۔ چونکہ یہ حکومت کی تجویز میں نہ تھیں۔ اس لیے ان کا کرایہ سرکاری دکانوں کے کرایہ سے کم رکھا گیا(۳۸۱)۔

بغداد کی تجارت پر ملکی حالات کے اثرات

بغداد میں مہنگائی

۱۹۷ھ میں طاہر اور امین کی جنگ میں طاہر نے بغداد کی تجارتی ناکہ بندی کر دی جس سے آٹا اور دوسری ضروریات زندگی کم پڑ گئیں۔ پھر اس نے کشتیوں کو بغداد میں داخل ہونے کی اجازت دینے پر کشتی سے ایک ہزار سے تین ہزار یا اس سے بھی زیادہ یا کم درھم ٹیکس لینا شروع کیا جس کی وجہ سے بہت مہنگائی ہوگئی(۳۸۲)۔

بغداد سے متمول تجار کا فرار

۱۹۷ھ میں امین نے اپنے غلام زریح کے ذریعے متمول لوگوں سے کسی نہ کسی بہانے روپیہ اکٹھا کیا۔ وہ دن رات لوگوں کے مکانوں پر دھاوا بولتا تھا۔ ہرش اس کی مدد کرتا۔ آخر کار لوگ حج کا بہانہ کر کے بغداد چھوڑ گئے اور دولت مند بھاگ

گئے (۳۸۰)۔

بغداد کی چند اہم مارکیٹیں

1-بزازین (کپڑے کی مارکیٹ)

یہاں صرف کپڑے کی تجارت ہوتی تھی۔ اس لیے یہ مارکیٹ "بزازین" کہلاتی تھی (۳۸۴) یہاں ہر قسم کا کپڑا فروخت ہوتا تھا۔ جس میں سوتی، اونی اور ریشمی کپڑا شامل تھا۔

2-لوہے کی مارکیٹ

یہاں صرف لوہا اور لوہے سے متعلقہ اشیاء فروخت ہوتی تھیں (۳۸۵)۔

3- لکڑی کی مارکیٹ

یہاں لکڑی کی بنی ہوئی تمام چیزیں ملتی تھیں (۳۸۶)۔

4-خزازین

ریشم بنانے اور ریشم بیچنے کی مارکیٹ تھی (۳۸۷)۔

5-صابون

یہاں صابن بنایا اور بیچا جاتا تھا (۳۸۸)۔

6-صرافہ مارکیٹ

یہاں سونے کی ڈھلائی اور زیورات کی تجارت ہوتی تھی (۳۸۹)۔

7-چمڑے کی مارکیٹ

چمڑے اور چمڑے سے بننے والی تمام اشیاء یہاں فروخت کی جاتی تھیں (۳۹۰)۔

8-سوق البطیخ

یہ پھلوں کی منڈی تھی۔ یہاں ہر قسم کا پھل ملک کے گوشے گوشے سے آتا اور بکتا تھا۔ پھلوں میں آم، انار، شفتالو، سیب، کیلا، انگور، کھجوریں وغیرہ سب شامل ہوتے تھے (۳۹۱)۔

9-سوق الوراقین

یہاں کتابوں اور کاغذ وغیرہ کا کاروبار ہوتا تھا۔ جہاں تقریباً سو سے زیادہ دکانیں تھیں (۳۹۲)۔

10-سوق الرقیق

یہ ایسی مارکیٹ تھی جہاں غلاموں کی تجارت ہوتی تھی۔ اس تجارت کی نگرانی کرنے والے "قیم الرقین" کہلاتے تھے اور

غلاموں کو فروخت کرنے والے کو "نخاس" کہا جاتا تھا (۳۹۳)۔

11- گوشت کی مارکیٹ

یہاں گوشت فروخت ہوتا تھا۔ یہ مارکیٹ سب سے آخر میں تھی۔ جب کرخ بطور تجارتی مرکز کے تعمیر ہوا تو منصور کے دکانوں وغیرہ کی الاٹمنٹ کے دوران قصابوں کے لیے حکم دیا کہ "ان کی دکانیں تمام بازاروں کے آخر میں رکھی جائیں کیونکہ ان کے پاس لوہے کے تیز دھار والے اوزار ہوتے ہیں (۳۹۴)۔ کہیں یہ نہ ہو کہ بازار میں جھگڑے وغیرہ میں ان کا غلط استعمال کر دیا جائے۔

ان کے علاوہ سبزی، چارے، بکریوں اور دیگر جانوروں اور مویشیوں کی مارکیٹیں بھی قائم تھیں۔ جہاں خوب تجارت ہوتی تھی (۳۹۵)۔

2-دوسرا بڑا تجارتی مرکز بصرہ

بغداد کے بعد تجارت کا سب سے بڑا مرکز بصرہ تھا۔ مشرق کے تمام ملکوں کا سامان بصرہ کے ذریعے عراق میں داخل ہوتا تھا۔ مختلف ملکوں کی تجارتی کشتیاں ہر آن بصرہ کے ساحل پر لنگر انداز رہتیں۔ جن میں بصرہ اور دوسرے ملکوں کے سامان لدے ہوتے۔ بصرہ کے تاجر بڑے ہمت والے تھے۔ وہ دنیا جہاں میں پہنچتے اور وہاں کا سامان خرید کر بصرہ لاتے اور پھر عراق میں گھوم جاتے (۳۹۶)۔ ابن الفقیہ کہتا ہے کہ سوس، اقصیٰ و فرغانہ میں جہاں کہیں بھی آپ جائیں بصری و حمیری تاجر پائیں گے (۳۹۷) سب سے زیادہ نفع کمانے والے حمیری، بصری تاجر ہوتے تھے۔

المرید (صحرانشینوں کا خصوصی بازار)

بصرہ کی سب سے بڑی منڈی المرید تھی۔ یہ منڈی، خلفائے راشدین کے دور سے لے کر عباسیوں تک بڑی اہم رہی۔ خلفائے راشدین کے عہد میں یہ کھجوروں، اونٹوں، دوسرے جانوروں اور اسلحہ کا بازار تھا۔ اموی دور میں اس نے ادبی مرکز کی حیثیت حاصل کر لی۔ عباسیوں کا زمانہ جب آیا تو یہ ایک مخلوط بازار بن گیا۔ یہ چونکہ صحرا کے کونے پر تھا اس لیے یہاں زیادہ تر سامان صحرانشینوں کی پسند کا ہوتا (۳۹۸)۔

الابلہ (بذریعہ کشتی تجارت کا بڑا مرکز)

بصرہ کا دوسرا بڑا بازار الابلہ تھا۔ یہ نہر الابلہ کے کنارے پر تھا۔ یہاں تجارتی کشتیوں پر سامان بھرا جاتا اور یہیں سے دوسرے شہروں کو بھی سامان کشتیوں کے ذریعے پہنچتا تھا (۳۹۹)۔

یہ ایک آباد شہر تھا یہاں مساجد اور ہوٹل بے شمار تھے، سرائیں تھیں، سیر گاہیں بھی تھیں (۴۰۰)۔

کاروبار اور خرید و فروخت کے عام بازار

یہاں عموماً تین طرح کے بازار تھے۔

1:- سوق خزاعہ صبح کے وقت لگتا تھا

2:- سوق عثمان دوپہر کے وقت لگتا تھا

3:- سوق قداحین شام کو یہاں کاروبار ہوتا تھا(۴۰۱)

بصرہ دوسری صدی ہجری اور تیسری صدی ہجری کے دوران کمال عروج پر تھا۔اس کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی۔اگر چہ اس کی آبادی میں اختلاف ہے(دولاکھ سے چھ لاکھ افراد تک) یہ ام البلاد کہلانے کا مستحق تھا۔ یہاں اونٹوں کے قافلے آ کر رکتے تھے۔ یہودیوں ،مسیحیون اور دوسرے غیر عرب سرمایہ داروں کی بدولت یہ ایک بڑا مرکز مالیات بھی بن گیا تھا(۴۰۲)۔

اسلحہ سازی کے کارخانوں نے اسے ایک صنعتی مرکز بنا دیا تھا۔

بقول L.Massignon :

> ''درحقیقت بصرہ وہ بھٹی ہے جہاں پہلی اور چوتھی صدی ہجری کے درمیان اسلامی ثقافت کلاسیکی سانچے میں ڈھل کر نکھری''(۴۰۳)۔

عصر حاضر میں بھی بصرہ مختلف نشیب وفراز سے گزر کر ایک جدید متمدن اور صنعتی وتجارتی شہر کے علاوہ تیل پیدا کرنے والا اور زرمبادلہ کمانے والا جدید شہر ہے(۴۰۴)۔

مسعودی اس کی تعریف اس طرح کرتا ہے کہ:

> ''بصرہ ایک مال دار بڑھیا سے کس قدر مشابہت رکھتا ہے جس کو کئی عوارض ہوں اور وہ جب بات کرتی ہو اپنی مال داری اور عوارض کا ذکر کرتی ہو اور اس کا طالب اس کے عوارض کو دور کر دیتا ہو''۔

احنف نے کہا:

> ''بصرہ کے نشیب میں سرکنڈے اور وسط میں لکڑی اور فراز میں کھجوریں ہیں۔ہم سب سے زیادہ گول چادریں ہاتھی دانت دیباج کھانڈ اور نقدی رکھنے والے ہیں''(۴۰۵)۔

3-موصل تیسرا بڑا تجارتی مرکز

بصرہ کے بعد موصل کا نمبر آتا تھا۔ابن حوقل نے ۳۵۸ھ میں یہ شہر دیکھا اور اسے ایک بڑی تجارتی منڈی قرار دیا۔ہر چیز کے کئی کئی بازار تھے۔ ہر بازار میں سو سو دکانیں تھیں(۴۰۶)۔

موصل تجارتی ذریعہ

موصل کو اس وجہ سے بھی بڑی اہمیت حاصل تھی کہ یہ آذربیجان ،شام، آرمینیہ اور جنوبی عراق سے آمدورفت کا ذریعہ تھا۔ ان تمام علاقوں کی سڑکیں یہاں پہنچتی ۔یاقوت موصل کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

> ''یہ باب عراق مفتاح خراسان اور راس طریق آذربائیجان ہے''(۴۰۷)۔

4-سامرہ

معتصم سے المعتمد تک سامرا بھی ایک بڑی تجارتی منڈی رہا۔ دارالخلافہ ہونے کے سبب وہاں عراق کے بہت سے تاجر آن آباد ہوئے۔ یعقوبی سامرا کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"چوتھی صدی ہجری میں اس کی تجارتی اہمیت بہت کم ہو گئی تھی جب تک یہ دارالخلافہ رہا اس وقت تک بھی اس کی زیادہ تر تجارت داخلی تھی۔ اس وقت بھی خارجی تجارت کے بڑے مرکز بغداد اور بصرہ تھے" (۴۰۸)۔

5- کوفہ

عباسی دور میں گو کوفہ کو کوئی بڑی سیاسی اہمیت حاصل نہ تھی لیکن چونکہ اس وقت بھی حاجیوں کے قافلے حج کے لیے اسی کی راہ سے مکہ جاتے اس لیے وہ ایک اچھا خاصا تجارتی مرکز تھا۔ اس کے تجارتی مرکز ہونے کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ وہاں کپڑا بننے کے بہت کارخانے تھے۔ وہاں بہت عمدہ قسم کا اونی اور ریشمی مخلوط کپڑا تیار ہوتا۔ جس کی شہرت تمام مملکت میں پھیلی تھی (۴۰۹)۔

مسعودی اس کی تعریف اس طرح کرتا ہے کہ:

"بہت غلہ پیدا کرنے والا، خوش گوار، کھلا اور اچھی آب وہوا والا شہر۔ اس حسین و جمیل لڑکی سے کس قدر مشابہت رکھتا ہے جو اچھے حسن والی ہو لیکن اس کے پاس مال نہ ہو۔ وہ جب بات کرتی ہو اپنی ضرورت کا ذکر کرتی ہو اور اس کا طالب اس کی ضرورت پوری کر دیتا ہو" (۴۱۰)۔

6- آذربائیجان

اس کا بازار کرکی نامی تھا۔ جو بہت بڑا تجارتی مرکز تھا۔ یہاں عراق سمیت دور دراز سے لوگ تجارت کی غرض سے آتے تھے (۴۱۱)۔

7-ری

اس کے مشہور بازار اوذہ، بلیسان، نصر آباد، سابان، باب الجبل، باب الہشام اور باب سین تھے۔ یہاں بھی ہر قسم کی تجارت ہوتی تھی (۴۱۲)

8-جدہ

جدہ بہت آباد اور پر رونق جگہ تھی۔ جہاں ہر طرح کی تجارتی اشیاء پائی جاتی تھیں۔ تجارت کی گہما گہمی کی وجہ سے بہت رش ہوتا تھا(۴۱۳)

9-بجستان

اس میں "باب کوبہ" اور "باب عیشک" میں جامع مسجد کے اردگرد بہت بازار تھے جہاں تجارتی سرگرمیاں ہر محلہ میں زوروں پر جاری رہتی تھیں(۴۱۴)

10-اصبہان

ایک وسیع ضلع تھا۔ یہاں بہت سے تجارتی مراکز قائم تھے۔ جہاں دوسرے شہروں سے کثرت سے تاجر آتے رہتے تھے(۴۱۵)۔

11-ہارونیہ محل کے قریب تجارتی مراکز

واثق نے دریائے دجلہ کے کنارے ہارونیہ محل بنایا۔ تو یہاں بازار بہت پھیل گئے اور بہت سی صنعتیں مشہور ہوئیں(۴۱۶)۔

☆ مختلف شہروں اور صوبوں کی اہم تجارتی اشیاء

عباسی مملکت کے حسب ذیل صوبہ جات اور شہر مختلف قسم کی تجارت میں شہرت رکھتے تھے:

مصر، طرابلس، حمیر

خمر، بلسان کا تیل، عمدہ قسم کا زمرد، سوتی دھاگہ، اونی کپڑے، سوتی اور ریشمی ملبوسات(۴۱۷)۔

شمالی افریقہ

تلواریں، لونڈیاں، غلام، سنجاب، سمور، فر، لبادے اور اونی ملبوسات۔

آرمینیہ

اونی کپڑے، اون، پردے، فرش، موٹے اور باریک قالین۔

شام

شیشہ، شیشے کے برتن، پھل، شکر، زیتون، روئی، ریشم، سوتی اور ریشمی کپڑے(۴۱۸)۔

مکہ، مدینہ اور ان کے ملحقات

نیزوں کے پھل، چوپائے، اونٹ، کھالیں، عربی گھوڑے۔

ایران اور اس کے ملحقات

زعفران، زمرد، شکر، سرمہ، چنبیلی کا تیل، عرق گلاب، پھل، ٹوپیاں، ابریشم، بیلیں، کڑھے ہوئے کپڑے، اونی جبے، ململ، کتان کے کپڑے، قالین، نمدے (۴۱۹)۔

یمن

خچر، گدھے، تلواریں، زرہیں، دیباج، عنبر، چادریں، چمڑا، کھالیں، زعفران، گلاب، عقیق (۴۲۰)۔

ماوراء النہر اور اس کے ملحقات

تلواریں، فر، سمور، سنجاب، اونی ملبوسات، ریشمی کپڑے، روئی اور کاغذ (۴۲۱)۔

عراق

ہر قسم کا کپڑا، کھجوریں، پھل، گندم، جو، غلہ جات، گھوڑے، پردے، قالین، شہد، روئی، شیشے کے برتن، عمامے، چٹائیاں، ترازو، ادویات، صابن اور دیگر ضرورت کی اشیاء، ان میں سے بہت سی اشیاء دوسرے شہروں کو برآمد بھی کی جاتی تھیں (۴۲۲)۔

☆ جواہرات کی تجارت

عباسیوں کے زمانہ اقتدار میں جواہرات کی تجارت نے خوب فروغ پایا تھا۔ خصوصاً ہارون کے زمانہ میں یہ تجارت خوب چمکی تھی اور بغداد میں ایسے بڑے بڑے تاجر موجود تھے جن کے پاس لاکھوں دینار کی مالیت کے جواہرات ہر وقت رہتے تھے (۴۲۳)۔ ابو عبداللہ بن الجصاص قسم کے جوہری عالم وجود میں آئے جن کے پاس دولت وثروت بادشاہوں سے کم نہ تھی۔ مثلاً اسی ابن الجصاص پر ۲۹۶ھ میں جب مقتدر نے ساٹھ لاکھ دینار جرمانہ کیا تو جرمانہ کی ادائیگی کے بعد بھی اس کے پاس دس لاکھ دینار باقی موجود تھے اور لاکھوں کی جائیداد بھی موجود تھی (۴۲۴)۔

شاہی سرپرستی

مامون جواہرات سے بہت محبت کرتا تھا۔ اس لیے جوہری اس کے پاس آ کر قیمت بڑھا دیتے تھے۔ خلفاء کے پاس نادر ہیرے ہوتے جیسا کہ مستنصر کے زمانہ میں تنگی کے دنوں میں ایک ہیرا نکال کر جوہریوں سے قیمت لگوائی گئی لیکن انہوں نے کہا کہ اس جیسا دوسرا ہیرا تو ہے ہی نہیں لہٰذا کیا قیمت لگائی جائے (۴۲۵)۔

اسی طرح دیگر عباسی وزراء، ان کی بیگمات اور شہزادیوں کو جواہرات خریدنے کا خوب شوق تھا۔ شاہی بیگمات کئی ایسی تھیں جن کے پاس لاکھوں دینار کی قیمت کے جواہرات تھے۔ مثلاً مہدی کی بیوی خیزران کے پاس اتنے جواہرات تھے کہ ان

کی قیمت کا اندازہ نہ کیا جاسکتا تھا۔ ہارون کی بیوی زبیدہ کے جوتے تک میں جواہرات لگے ہوتے تھے(۴۲۶)۔

☆ انسانوں کی تجارت

حکومت عباسیہ میں انسانوں کی تجارت غلام اور لونڈی کے نام سے ہوتی تھی۔ ان کا باقاعدہ نیلام ہوتا تھا(۴۲۷)۔ تمام خلفاء کے پاس بیویوں کے علاوہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں باندیاں ہوتی تھیں۔ جیسا کہ خلیفہ متوکل کے پاس چار ہزار لونڈیاں تھے۔ جو سب اس کے تصرف میں تھیں(۴۲۸)۔ بلکہ اکثر خلفاء باندیوں کے بیٹے تھے۔ خلیفہ مامون بھی ایک باندی کا بیٹا تھا(۴۲۹)۔ یہی حال رعایا کا تھا۔ یہ بھی لونڈیاں خریدنے کا شوق اور استطاعت رکھتے تھے(۴۳۰)۔

باندیوں کی تجارت کا مخصوص بازار

باندیوں کی خرید وفروخت کے لیے بازار مقرر تھے۔ یہ نخاسہ کے بازاروں میں فروخت کی جاتی تھیں۔ یہ قیمتی تحفوں کی طرح ہدیوں میں پیش کی جاتی تھیں اور اموال کی طرح بطور عطیہ کے عطا کی جاتی تھیں۔ ان کی قیمت سینکڑوں درھموں سے لے کر لاکھوں دینار تک ہوتی تھی(۴۳۱)۔ جیسا کہ واثق نے ایک لونڈی پانچ ہزار دینار میں خریدی اور خلیفہ ہارون نے ایک لاکھ دینار میں(۴۳۲) ان کے بازار پورے ملک میں لگتے تھے۔ بغداد، رقہ، طرطوس، مصر، سمرقند، وغیرہ مخصوص منڈیاں تھیں(۴۳۳)۔ جو لونڈی جتنی زیادہ مہذب اور شائستہ (Civilized) ہوتی اتنی ہی زیادہ اس کی قیمت لگتی۔ لہٰذا انہیں باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی۔ گانا گانے، اور گانا سیکھنے والی لونڈی کی قیمت زیادہ ہو جاتی تھی یہاں تک کہ تیس ہزار دینار ہو جاتی تھی(۴۳۴)۔

غلاموں کی ''تجارت'' کے بازار

عہد عباسی میں غلاموں کی تجارت خوب پھیلی ہوئی تھی۔ بغداد میں ایک بازار سوق الرقیق کے نام سے تھا۔ جہاں ان کی خرید وفروخت باقاعدگی سے ہوتی تھی(۴۳۵) اس کے علاوہ رقہ، بغداد، سمرقند، مصر، طرطوس، وغیرہ غلاموں کی تجارت کی اہم منڈیاں تھیں(۴۳۶) بغداد میں تو ایک سڑک کا نام ہی شارع دارلرقیق تھا جو سوق الرقیق کی طرف جاتی تھی(۴۳۷)۔

سیاہ رو (حبشی) غلاموں کی تجارت کے بازار

غلام مختلف نسلوں اور علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ جو حبشی النسل یا سیاہ رو ہوتے تھے۔ ان کے اہم ترین بازار، مصر، جزیرہ عرب کا جنوبی حصہ اور شمالی افریقہ تھے۔ قافلے جنوب کی طرف سے ان غلاموں کو لے جاتے اور واپسی پر انہیں فروخت کر کے بے شمار سونا لے کر آتے تھے(۴۳۸)۔

گورے اور خوبصورت غلاموں کی تجارت کے بازار

ترک اور صقلبی غلام گورے اور خوبصورت مشہور تھے۔ لوگ صقلبی غلاموں کو ترک غلاموں سے بہتر سمجھتے تھے۔ اگر صقلبی غلام نہ ملتے تو اس صورت میں ترک غلام خرید لیے جاتے ان کی اہم ترین منڈی شہر سمرقند میں تھی(۴۳۹)۔

غلاموں کی عموماً قیمت

مہدی کے دور میں غلام کی قیمت عموماً دوسو درہم ہوتی تھی (۴۴۰)۔ کافور اخشیدی حبشی جو بعد میں مصر کا بادشاہ بنا وہ اٹھارہ دینار (ایک سو اسی درہم) میں فروخت ہوا تھا۔ کیونکہ وہ خصی تھا (۴۴۱)۔

لونڈی اور غلام بننے کی مختلف صورتیں

عورتوں اور مردوں کو باقاعدہ تربیت دے کر فروخت کر دیا جاتا تھا۔ جس سے وہ لونڈی اور غلام بن جاتے تھے (۴۴۲)۔ ایک صورت ''جنگی قیدی'' کی تھی۔ یعنی مسلمان کسی ملک پر قبضہ کر لیتے تو وہاں کی عورتوں اور مردوں کو اپنے جنگی قیدیوں کے بدلے چھوڑ دیتے۔ یا فدیہ لے کر چھوڑ دیتے آخری صورت میں جو بچ جاتے انہیں لونڈی اور غلام کی صورت میں فروخت کر دیتے۔ جیسا کہ ۱۹۰ھ میں خلیفہ ہارون نے ہرقلہ فتح کیا تو اس علاقے کو بالکل تباہ و برباد کر دیا اور تمام آبادیوں کو لونڈی اور غلام بنا لیا۔ اسی طرح حمید بن معیوب نے ہارون کے زمانے میں ۱۹۱ھ میں جزیرہ قبرص فتح کیا تو سارا شہر مسمار کر دیا۔ لوگوں کو جو کہ سولہ ہزار تھے لونڈی اور غلام بنا کر رافقہ میں لا کر قاضی ابوالخیری کی معرفت فروخت کر دیا (۴۴۳)۔

تاجروں کی مالی حیثیت

بصرہ کے بعض تاجروں میں سے ہر ایک کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ درہم سے بھی زیادہ تھی۔ ان تاجروں کے تجارتی جہاز دنیا کے دور دراز مقاموں تک جایا کرتے تھے۔ بصرہ اور بغداد کے ان پڑھ چکی والے بھی غریبوں اور محتاجوں کو روزانہ ایک سو دینار بطور خیرات تقسیم کر سکتے تھے۔ سیراف کے ایک متوسط درجے کے تاجر کا خانگی خرچ دس ہزار دینار اور بعض کا تیس ہزار دینار تھا۔ بہت سے بحری تاجروں کی فی کس آمدنی چار لاکھ دینار سے بھی زیادہ تھی۔

بغداد کے صرف ایک جوہری ابن الجصاص ہی کے قبضہ سے عصر حاضر کے ارب پتی روتھ شیلڈون اور کھرب پتی راک فلروں (Roth Schild اور Rockefeller) (امریکہ کے بہت بڑے کارخانہ دار اور بے حساب دولت کے مالک) کی جمع کی ہوئی بے شمار دولت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس جوہری کے پاس اتنی دولت تھی کہ خلیفہ نے ایک بار اس کی جائیداد میں سے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ دینار ضبط کر لیے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اس شخص کو دولت مندی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور وہ جوہریوں کے ایک خاندان کا گل سر سبد بنا رہا (۴۴۴)۔

اندرون ملک درآمدات و برآمدات

عہد عباسی میں صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ ساتھ راستے بھی پر امن تھے۔ جس کے نتیجے میں پورے ملک میں تمام صنعتی اشیاء پائی جاتی تھیں۔ کوئی چیز اگر ملک کے کسی ایک کونے میں بنتی تو اسے پورے ملک میں پھیلا دیا جاتا۔ لہٰذا عباسی سلطنت کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جو ملکی مصنوعات سے محروم رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں ہر وقت تجارتی قافلے رواں دواں رہتے اور ایک شہر میں بننے والی اشیاء سے سارے ملک کے لوگ فائدہ اٹھاتے۔ اس طرح تجارت کو بہت فروغ ملا۔ جس سے ملکی معیشت میں استحکام پیدا ہوتا تھا۔ اصطخری نے فارس (ایران) اور اس سے ملحقہ تمام شہروں کی مصنوعات کا ذکر

کیا ہے جو پوری مملکت اسلامیہ کو بہم پہنچائی جاتی تھیں۔ مثلاً

صوبہ فارس (ایران) کی برآمدات کے اہم شہر

1-علاقہ جور

یہ علاقہ زیادہ تر عرقیات کے لیے مشہور تھا۔ یہاں سے "عرق گلاب" دوسرے تمام ممالک کو بھیجا جاتا تھا۔ یہ اپنی نوعیت کا بہترین عرق ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ زعفران کا عرق، دوسرے پھولوں کے عرقیات، کھجور کے درخت کا گابھا اور دیگر جڑی بوٹیوں کے عرقیات دوسرے علاقوں کو بھیجے جاتے تھے۔ ان عرقیات کو بحری راستہ سے حجاز، یمن، شام، مصر، مغرب، خوزستان، خراسان اور دیگر پہاڑی علاقوں میں بھیجا جاتا تھا (۴۴۴)۔

2-سابور

یہاں سے ہر قسم کے روغنیات برآمد کیے جاتے تھے۔ بنفشہ اور چند چیزوں کو چھوڑ کر یہاں دنیا کے بہترین روغنیات تھے (۴۴۵)۔

3-فسا

یہاں سے مختلف قسم کے کپڑے برآمد کیے جاتے تھے۔ ان کپڑوں پر کڑھائی ہوتی تھی اور کچھ کپڑوں پر سونے کی تاروں سے کڑھائی کی جاتی تھی۔ اسی طرح ریشم اور بالوں سے بھی کپڑے بنائے جاتے تھے۔ جو تمام عالم اسلام میں بھیجے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ریشم کے قیمتی لباس بھی تیار کیے جاتے تھے اور ریشم کے پردے بھی بنائے جاتے تھے (۴۴۶)۔

4- جہرم

جہرم میں بھی کپڑوں پر کڑھائی کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ سادہ کپڑے بھی تیار کیے جاتے تھے۔ یہاں بچھونے، قالین اور مصلے بنائے جاتے تھے جو "جہرمی" کہلاتے تھے (۴۴۷)۔

5-یزداور ابرقوہ

یہاں سے کاٹن کے سوتی کپڑے پوری دنیا میں بھیجے جاتے تھے (۴۴۸)۔

6-ارجان

ارجان سے تیل نکلتا تھا جو اپنی ضروریات سے زائد ہوتا تھا۔ لہٰذا یہ دوسرے علاقوں میں برآمد کر دیا جاتا تھا (۴۴۹)۔

7-جانات

یہاں بہت عمدہ اور باریک کپڑے بنتے تھے جنہیں جاناتی کہا جاتا تھا (۴۵۰)۔

8- کارزون، جناب، جوج، سیز اور شیراز

ان علاقوں میں کاٹن کے کپڑے بہت اچھے تیار ہوتے تھے لہٰذا یہ تمام کپڑے پوری سلطنت اسلامیہ میں بھیجے جاتے

تھے(۴۵۱)۔

9-سیراف

چونکہ یہ بندرگاہ تھی لہٰذا یہاں ہر قسم کی سمندری اشیاء موجود ہوتی تھیں جو کہ دنیا کے تمام ممالک کو بھیجی جاتی تھیں۔ جن میں عود، عنبر، کافور، جواہرات، بانس، ہاتھی دانت، آبنوس، مرچ، صندل، ہر قسم کی خوشبوئیں، ادویات اور گرم مصالحے وغیرہ۔ یہاں کے لوگ فارس کے خوش حال ترین لوگ تھے۔ بہت سے ایسے لوگ تھے جن کے پاس ساٹھ کروڑ درہم سے بھی زیادہ مال ہوتا تھا۔ وہ یہ سب سمندری تجارت سے کماتے تھے(۴۵۲)۔

عراق کی برآمدات کے اہم شہر

عراق کے مختلف شہروں کی برآمدات درج ذیل تھیں(۴۵۳)۔

بصرہ

چنا، بنفشہ، عرق گلاب، فر(کپڑا) اور کھجوریں دوسرے شہروں کو بھیجی جاتی تھیں۔

ابلہ

گندم، جو، شہد، نمک، سمانی، دراج اور پردے ابلہ سے برآمد کیے جاتے تھے۔

بغداد

شیشے کے برتن، ریشمی کپڑے، رومال، عمامے، تیل، ادویہ، خزف اور سوتی کپڑے وغیرہ بغداد سے ایکسپورٹ کئے جاتے تھے۔

کوفہ

یہاں سے روغن بنفشہ، کھجوریں، کوفی رومال اور روشی وغیرہ دوسرے شہروں کو بھیجی جاتی تھیں۔

موصل

یہاں سے گھوڑے، خشک پھل، برآمد کیے جاتے تھے۔

سیان

یہاں سے قالین، پردے، نمدے برآمد کیے جاتے تھے۔

واسط

یہاں سے تکیے، پردے اور قالین برآمد کیے جاتے تھے۔

حران

یہاں سے ترازو، بٹے، شہد، روئی برامد کیے جاتے تھے۔

☆ دیگر صوبہ جات کی ''برآمدات'' کے اہم شہر

1- مصر

اشمونین کے مقام سے کئی قسم کے کپڑے ایکسپورٹ کیے جاتے تھے (۴۵۴) اس کے علاوہ بحر روم کے کنارے قینات سے صنوبر کی لکڑی شام اور دوسرے علاقوں کو بھیجی جاتی تھی۔ خچر، گدھے، دبیقی اور اونی کپڑے بھی برآمد کیے جاتے تھے (۴۵۵)۔

2- اسکندریہ

اسکندریہ سے سنگ مرمر برآمد کیا جاتا (۴۵۶)۔

3- خراسان

نیسابور میں سوتی اور ریشمی کپڑے بہت عمدہ تیار ہوتے تھے۔ لہٰذا دوسرے علاقوں کو بھیجے جاتے تھے۔ اسی طرح خراسان اور بزدور سے بھی عمدہ قسم کے سوتی اور ریشمی کپڑے ایکسپورٹ کیے جاتے تھے۔ خراسان سے مویشی بھی ایکسپورٹ ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ کروخ سے کشمش اور بنفشہ بھی باہر بھیجا جاتا تھا (۴۵۷)۔

4- خوزستان

تستر کے مقام سے دیباج کپڑا پوری دنیا میں ایکسپورٹ کیا جاتا تھا۔ غلاف کعبہ بھی اسی سے بنایا جاتا تھا (۴۵۸) اس کے علاوہ پھل بھی بصرہ اور اہواز بھیجا جاتا تھا (۴۵۹)۔ رامہر مز سے ریشمی کپڑا اور جندیساپور سے چینی دوسرے شہروں میں بھیجی جاتی تھی (۴۶۰)۔

5- جرجان

یہاں سے کپڑا برآمد کیا جاتا تھا (۴۶۱)۔ یہاں بختی اونٹ یعنی دو کوہانوں والے اونٹ بہت زیادہ پالے جاتے تھے (۴۶۲)۔

6- طبرستان

یہاں سے سوتی کپڑا اور زعفران جبکہ آذربائیجان کے شہر دبیل سے اون کے کپڑے، چٹائیاں، تکیے، کرسیاں اور صوفے ایکسپورٹ ہوتے تھے (۴۶۳)۔

بزیون سے غلام اور دیباج جبکہ طبرستان سے ابریشم، لکڑی کے برتن اور ریشمی کپڑے پوری دنیا میں برآمد کیے جاتے تھے (۴۶۴)۔

7-اقلیم الجبال

اصبہان سے عتابی، ریشمی اور سوتی کپڑے، زیورات وغیرہ بھیجے جاتے تھے۔اس کے علاوہ زعفران اور پنیر یہاں سے کئی ممالک کو بھیجا جاتا تھا(۴۶۵)۔

8-بحرالخزر

یہاں سے شہد سیسہ،اور موم ایکسپورٹ ہوتا تھا(۴۶۶)۔اس کے علاوہ کالی کھالیں (سمور) بھی ایکسپورٹ ہوتی تھیں(۴۶۶)۔

9-بجستان

مچھلی اور بانس ایکسپورٹ ہوتا تھا۔ بجستان اور مکران کے درمیانی علاقے سے ہینگ بڑی مقدار میں باہر بھیجی جاتی تھی(۴۶۷)۔

10-ماوراء النہر

یہاں سے فر، اون باہر بھیجی جاتی تھی۔ بخاری سے سوتی کپڑا، چٹائیاں، مصلے اور اونی عمدہ کپڑے اور طواویس سے سوتی کپڑے ایکسپورٹ ہوتے تھے(۴۶۸)۔

11-یمن

یہاں سے عقیق ایکسپورٹ ہوتا تھا(۴۶۹)۔

ان بازاروں میں ملکی اور غیر ملکی اشیاء فروخت ہوتی تھیں۔یہ تمام اشیاء تاجروں اور سوداگروں کے ذریعے ہر مارکیٹ میں پہنچائی جاتی تھیں۔ان سے نہ صرف ہر طرح کا مال میسر آتا اور تجارت کو فروغ ملتا بلکہ عشور(چنگی) کے نام پر بیت المال میں تجارتی ٹیکس بھی جمع ہوتا تھا۔ جو عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ ہوتا تھا۔

لیکن تجارت میں اتنی وسعت اور پھیلاؤ اسی صورت میں ہوتا ہے جب کسی بھی ملک میں سڑکیں اور شاہراہیں نہ صرف اچھی حالت میں ہوں بلکہ وہ محفوظ اور پرامن بھی ہوں تاکہ بلاخوف وخطر اپنا سامان تجارت ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جا سکیں۔اس لحاظ سے خلافت عباسی قابل صد تحسین ہے کہ اس نے اس طرف بہت توجہ دی اور پوری مملکت میں نہ صرف سڑکوں اور شاہراہوں کا جال بچھادیا(۴۷۰) بلکہ انہیں عصر حاضر کی طرح جدید سہولیات سے بھی آراستہ کیا۔خلیفہ مہدی نے ہر میل پر سنگ میل نصب کروائے جس سے فاصلہ کی طوالت کا اندازہ ہوتا تھا(۴۷۱)۔اسی طرح راستوں پر رکنے اور ٹھہرنے کے لیے سرائیں بھی بنوائیں اور پینے کے پانی کا انتظام بھی کیا اور سب سے اہم بات یہ کہ ان راستوں کو چوروں اور ڈاکوں سے محفوظ رکھنے کے انتظامات کئے اور انہیں پرامن بنایا۔ یہی وجہ تھی کہ عہد عباسی میں پوری مملکت اسلامیہ میں نہ صرف اندرون ملک بننے والی مصنوعات میسر تھیں بلکہ ہند، چین، افریقہ اور یورپ کی اشیاء بھی نظر آتی تھیں اور اسی طرح بلاد اسلامیہ کی مصنوعات بھی ان تمام ممالک میں پائی جاتی تھیں۔

یہ تجارت دو راستوں سے ہوتی تھی۔ ایک بری تجارتی راستے سے دوسری بحری تجارتی راستوں سے۔ حکومت عباسی نے جس طرح سڑکوں، شاہراہوں کو بنایا اور انہیں محفوظ رکھا اسی طرح بحری راستوں پر بھی خصوصی توجہ دی۔ کیونکہ بری اور بحری دونوں ہی راستے تجارت کے فروغ میں معاونت کرتے تھے۔ لہٰذا چند بری اور بحری راستوں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

بغداد چونکہ دارالخلافہ تھا اس لیے وہاں سے تمام مملکت کو راستے جاتے تھے۔ عباسی دور میں بغداد سے پانچ سڑکیں مملکت کے مختلف حصوں کو باہم ملاتی تھیں۔ وہ یہ سڑکیں تھیں۔

☆ اہم تجارتی شاہراہیں

1- شرقی شاہراہ

خراسان، بلاد، ماوراء النہر اور مشرقی یورپ کو جانے والے تجارتی قافلے مشرقی سڑک کے ذریعے ہر صبح و شام رواں دواں نظر آتے۔ یہ سڑک بغداد سے ہمدان، قزوین، رے، نیشاپور، مرو، بخارا اور سمرقند تک جاتی تھی۔ آگے سے اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ ایک خوارزم کو نکلتی دوسری چین کو۔ اس دور میں خوارزم اور بلغار کے مابین خوب آمد و رفت رہتی تھی۔ روس سے بھی تجارت تعلقات قائم ہو چکے تھے (۴۷۲)۔

2- شمالی شاہراہ

یہ سڑک بغداد سے موصل اور جزیرہ کو جاتی تھی (۴۷۳)۔

3- جنوبی شاہراہ

بغداد سے واسط اور واسط سے بصرہ، سوق الاہواز، شیراز، السیر جان، بجستان، اھواز اور اصبہان تک جاتی تھی (۴۷۴)۔

4- جنوب غربی شاہراہ

بغداد سے کوفہ اور کوفہ سے مکہ اور مدینہ جاتی تھی (۴۷۵)۔

5- غربی شاہراہ

بغداد سے رقہ، رقہ سے شام اور شام سے مصر کو جاتی تھی (۴۷۶)۔

تجارتی شاہراہوں کی حفاظت

تجارتی شاہراہوں کی حفاظت محکمہ برید کے ذمہ تھی۔ کیونکہ یہ سڑکیں تجارتی اغراض کے علاوہ سرکاری کاموں کے سلسلہ میں بھی استعمال ہوتی تھیں۔ اس لیے بھی ان کی خوب حفاظت ہوتی تھی۔ تجارتی راستوں پر سرکاری چوکیاں قائم تھیں اور ہر چوکی پر باقاعدہ پہرہ ہوتا تھا۔ تاکہ برید (ڈاک) اور تجارتی قافلے امن و سلامتی سے سفر کر سکیں (۴۷۷)۔

☆ اندرون ملک بحری تجارتی راستے

عراق کی اندرونی تجارت زیادہ تر دریائی راستوں کے ذریعے ہوتی تھی۔ اس طرح سفر کم وقت میں طے ہوتا تھا اور

آسانیاں بھی رہتیں۔ یہ تجارت دریائے دجلہ وفرات اور نہروں کے ذریعے ہوتی تھی۔

تجارت بذریعہ دریائے دجلہ

دجلہ فرات کی نسبت بڑا دریا ہے۔ اس لیے اس میں چلنے والی کشتیاں بڑی ہوتی تھیں۔ خصوصیت سے بغداد اور بصرہ کے درمیان بڑے بڑے جہازوں کی آمدورفت رہتی۔ خلیج فارس سے جو جہاز تجارتی مال لے کر دجلہ میں داخل ہوتے وہ بڑی سہولت سے بغداد تک بڑھے چلے جاتے (۴۷۸)۔

زیادہ تر آمدورفت چونکہ دریائی ہوتی تھی اس لیے اندازہ کیا گیا ہے کہ ۳۵۰ھ کے قریب بغداد میں تیس ہزار کشتیاں اس کام میں استعمال ہوتی تھیں (۴۷۹)۔ جو کشتیاں بغداد سے بصرہ جاتیں وہ مدائن، دیرالعاقول، جرجرایا، جبل اور فم الصلح، دھانہ سے ہوتی ہوئی واسط پہنچتیں۔ بغداد سے واسط جانے والی کشتیوں کا حجم نسبتاً زیادہ ہوتا۔ واسط سے تجارتی مال بڑی کشتیوں سے چھوٹی کشتیوں میں منتقل کر دیا جاتا تھا اور یہ کشتیاں سامان لے کر بطیحہ میں داخل ہو جاتیں۔ یہاں پانی نسبتاً کم ہوتا تھا۔ ہول پہنچ کر پانی صاف ہو جاتا تھا۔ وہاں سے کشتیاں بازورد جاتیں وہاں سے نہر ابی الاسد میں داخل ہو جاتیں پھر دجلہ عورہ میں اترتیں پھر نہر معقل میں آتیں اور پھر بصرہ کو جاتیں (۴۸۰)۔

تجارت بذریعہ دریائے فرات

دجلہ کیطرح تجارتی سامان فرات کے ذریعے بھی آتا تھا۔ فرات میں سامان تجارت لانے والی کشتیاں چھوٹی ہوتی تھیں (۴۸۱)۔

حکومت عباسی کے بین الاقوامی تجارتی تعلقات

حکومت عباسی میں نہ صرف اندرونی طور پر تجارت مضبوط بنیادوں پر قائم تھی بلکہ بین الاقوامی طور پر بھی۔ اس کا وجود معیشت کے استحکام کی تائید کرتا ہے۔ ملک میں صنعت وحرفت کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔ جس کا لازمی نتیجہ تجارت کی ترقی وفروغ تھا۔ اس وسیع مملکت اسلامی کے ہر شہر اور ہر گوشے میں تجارتی اشیاء پہنچتی تھیں۔ اسی طرح اردگرد کی ہمسایہ اقوام اور حکومتوں سے بھی تجارتی روابط مضبوط بنیادوں پر قائم تھے۔ تجارتی قافلوں کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ عصر حاضر کے مسلم مستشرقین بھی اس بات کو مانتے بلکہ دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ حکومت عباسی کے تجارتی تعلقات دیگر ہمسایہ حکومتوں مثلاً چین، ہندوستان، روم، افریقہ اور یورپ وغیرہ سے قائم تھے۔

☆ بین الاقوامی بحری تجارت کا ثبوت

فلپ حتی کہتا ہے کہ:

> ''عصر حاضر میں عربی سکوں کے دفینے شمالی روس، فن لینڈ، سویڈن اور جرمنی جیسے
> دور دراز علاقوں سے برآمد ہوئے ہیں۔ یہ دفینے اس بات کے شاہد ہیں کہ اس
> زمانے میں اور اس کے بعد کے زمانے میں مسلمانوں کی تجارت ساری دنیا میں

پھیلی ہوئی تھی۔ سند باد جہازی کی داستان جو الف لیلہ کی بہترین داستانوں میں شمار کی جاتی ہے۔ محض من گھڑت افسانہ نہیں بلکہ اس کے متعلق یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ اصل میں یہ قصے مسلمان تاجروں کے بحری سفروں کی روداد پر مبنی ہیں'' (۴۸۲)۔

مسلم مورخ سید امیر علی کا بیان ہے کہ:

''سویڈن سے ابھی تک سکوں کا برآمد ہونا ثابت کرتا ہے ان ممالک سے بھی رشتہ تجارت و آمدورفت قائم تھا'' (۴۸۳)۔

فرنچ مؤرخ گستالی بان اس طرح دلائل دیتا ہے کہ:

''ان سکوں کی تاریخ سے جو روس میں دریائے والگا کے دہانے سے لے کر بحر بالٹک کے سواحل تک ملے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ عربوں کی تجارت اوائل زمانہ خلافت سے شروع ہوئی اور گیارہویں صدی عیسوی کے آخر سے آگے نہ بڑھی۔ یعنی اس تجارت کا قیام تقریباً چار صدی رہا۔ آخری سکہ کی تاریخ ۱۰۴۰ء ہے۔ یہ سکے زیادہ تر خلفائے عباسیہ کے زمانہ کے ہیں اور ان میں شاذ و نادر ہی اندلس کے اسلامی سکے بھی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دمشق اور سمرقند کے تجار کے ہاتھوں میں آنے کے بعد اس کے ذریعے یورپ پہنچے۔ بارھویں صدی کے بعد سے مشرق و مغرب کی تجارت وینس کے باشندوں کے ہاتھ چلی گئی اور مختلف اوطان عالم کا تجارتی مال انہی کے ذریعے فروخت ہونے لگا'' (۴۸۴)۔

مشرقی حکومتوں سے تجارتی روابط

رشید کی حکومت اور پڑوس کی مشرقی حکومتوں مثلاً چین، ہند، روم، ترکستان وغیرہ سے کاروباری اور تجارتی تعلقات اگر جنگ کی حالت نہ ہوتی تو قائم و مستحکم رہتے تھے۔ اگرچہ مختلف وقفوں میں ان کی نوعیت اور کیفیت بدلتی رہتی تھی۔ اس کے علاوہ ان ملکوں سے کاروباری اور تجارتی تعلقات بھی اس لیے قائم ودائم تھے کہ راستے محفوظ و مامون تھے خواہ خشکی کا ہو یا پانی کا (۴۸۵)۔

چین سے تجارتی تعلقات

ارنالڈ کہتا ہے کہ:

''خیال ہے کہ عرب تاجر دوسری صدی ہجری میں چین پہنچ گئے تھے اور جن غیر ملکیوں نے کانتوں کی بندرگاہ اور اس کی منڈی پر قبضہ کیا تھا (۸۲ھ۔۷۰۰ء) ان میں عرب بھی شامل تھے۔ اس شہر کا (۱۴۱ھ۔۷۵۸ء) میں جو شورشیں اٹھی تھیں ان

کا تفصیلی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں عرب وہاں موجود تھے"(۴۸۶)۔

دلیل المسافرین(Travellers Guide)

تیسری صدی ہجری میں ابو القاسم بن خرداذبہ نے بحری اور بری تجار کے لیے دلیل المسافرین (Travellers Guides) "المسالک والممالک" مرتب کی(۴۸۷)۔

اس کتاب میں انہوں نے اس بحری راستہ کا تعین کیا جو دریائے دجلہ کے ہیڈ سے شروع ہو کر ملہار اور خلیج بنگال سے ہوتا ہوا چین کے شہروں تک جاتا ہے۔اس کتاب کی ترتیب سے تجارت اور مسافروں کی بحری اور بری سفر کی صعوبتیں دور ہو گئیں۔

"طریق الحریر" (شاہراہ ریشم)

مشرق کی طرف مسلمان تاجروں کے قافلے چین تک پہنچ گئے تھے۔ یہاں ان کی تجارت ریشم پر مبنی تھی۔ چنانچہ اسی بنا پر وہ تجارتی راستہ جو سمرقند اور چینی ترکستان سے گزرتا ہوا چین کو جاتا ہے "طریق الحریر" کے نام سے مشہور ہو گیا تھا(۴۸۸)۔

عرب سے چین جانے کا تجارتی راستہ (شہروں اور بندرگاہوں کے لحاظ سے)

ابن خرداذبہ اپنی کتاب "المسالک والممالک" میں چین جانے کا راستہ بتاتے ہوئے لکھتا ہے:

"بصرہ سے شروع ہو کر سواحل فارس کے کنارے ہوتے ہوئے مابط اور مابط سے بائیں طرف تیموتہ (اور بعض نسخوں میں تیوتہ ہے) پہنچتا ہے۔ تیموتہ میں عود ہندی اور کافور کی خاص تجارت ہے اور وہاں سے قمار تک پانچ روز میں اور قمار سے صنف تین روز میں پہنچتے ہیں اور صنف سے لوقین (موجود ٹونکیں (Tonken) تک) جو چین کی پہلی بندرگاہ ہے۔دونوں کی مسافت خشکی اور دریائی راستے میں کوئی ۱۰۰ فرسخ ہے۔

لوقین سے "خانفو" تک چار روز میں دریائی راستے سے اور بیس روز میں خشکی کے راستے سے پہنچتے ہیں۔"خانفو" چین کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔ وہاں سے آٹھ روز میں خانجو(Hang Chow) پہنچ سکتے ہیں۔ اس شہر میں وہ تمام چیزیں ملتی ہیں جو شہر خانفو میں ہیں۔ چین کی ہر بندرگاہ میں کشتیاں آتی جاتی ہیں اور اس میں مدوجذر بھی ہوتا ہے"(۴۸۹)۔

عرب و چین کا تجارتی راستہ (سمندروں کے لحاظ سے)

یعقوبی اپنی کتاب میں سیراف سے چین تک کے راستے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"چین ایک بہت بڑا ملک ہے۔ اگر کوئی چین جانے کا ارادہ کرے تو اس کو سات

سمندروں سے گزرنا پڑے گا اور ان سات سمندروں میں سے ہر ایک دوسرے سے رنگت، ہوا اور موجوں کے لحاظ سے مختلف ہے۔

پہلا سمندر بحر فارس کہلاتا ہے اس میں بحری سفر کی ابتدا سیراف سے ہوتی ہے اور راس تجمہ تک اس سمندر کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ راس تجمہ ایک دریائی درہ ہے جہاں سے موتی نکالے جاتے ہیں۔

دوسرا سمندر راس تجمہ سے شروع ہوتا ہے اور اس میں جزائر حقواق بھی ہیں۔ اس سمندر میں عجیب و غریب چیزیں ملتی ہیں۔

تیسرا سمندر ہرکند کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں جزائر سرندیب ہیں۔ سرندیب میں موتی اور جواہرات خوب ہوتے ہیں۔ یہاں گنے اور گلاب بھی خوب ملتے ہیں۔

چوتھا سمندر ''کلاہ باز'' ہے جس میں پانی کم اور اژدہے کثرت سے ہوتے ہیں۔ کافور کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

پانچواں سلاہت کا سمندر ہے۔ یہ عجائبات سے بھرا ہوا ہے۔

چھٹا کندرنج کا سمندر ہے اور اس کے بعد

ساتواں سمندر منخی (یہ چین کے جغرافیے میں چان ہائی کے نام سے موسوم ہے) ہے جہاں پر ایک دوسرا دریا گنجلی آملتا ہے۔ یہ چین کا سمندر ہے۔ جہاں سے ایک بڑے دریا کے دہانے تک جا سکتے ہیں اور وہاں سے شہر ''خانفو'' تک جانے کا راستہ ہے۔ اس دریا کے کنارے چینی حکومت نے اپنی فوجی چوکیاں بنا رکھی ہیں اور یہاں چین معمورہ کی حدود شروع ہیں۔ ''خانفو'' ایک بڑی بندرگاہ ہے۔ مسلمان جہازی برابر وہاں آیا جایا کرتے تھے'' (۴۹۰)۔

مندرجہ بالا دو قولوں کا مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یعقوبی نے جو راستہ بیان کیا ہے وہ سمندروں کے لحاظ سے ہے اور ابن خردازبہ کا شہروں اور بندرگاہوں کے لحاظ سے ہے۔ اس کے باوجود دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ ''خانفو'' چین کی سب سے بڑی بندرگاہ تھی۔ جہاں عرب اور ایران کے سوداگر جمع ہوتے تھے جن کی وجہ سے وہاں کی رونق و عظمت بڑھ گئی تھی (۴۹۱)۔ ابن فقیہ لکھتا ہے کہ:

''چین کا عمدہ سے عمدہ اور اچھے سے اچھا مال عراقی تجار یہیں سے مہیا کرتے ہیں'' (۴۹۲)۔

چین کے راستے کی بندرگاہیں جہاں تجارتی کشتیاں لنگرانداز ہوتی تھیں

مالابار، سیلان، معبر، ساطرہ، جاوہ اور تونگ کینگ(Tong King)چین کے راستے کی اہم تجارتی بندرگاہیں تھیں(۴۹۳)۔

ملاباراورسرندیپ کی اہمیت

عربی کتابوں میں سواحل ملابار اور سراندیپ کے متعلق کثرت سے ذکر ملتا ہے۔اس میں شک نہیں کہ ملابار اور سراندیپ چین اور عرب کی تجارت میں مرکز کی حیثیت سے واقع ہوئے تھے۔ابن خرداذبہ، سلیمانی سیرافی سے لے کر ابن بطوطہ تک ان کی مرکزیت کی شہادت دیتے ہیں(۴۹۴)۔

مشرقی ساطرہ کے جزیرۃ الرامنی کی اہمیت

بحری راستے میں ایک اور بندرگاہ جو سیلان اور چین کے درمیان واقع ہے۔"پالم بنگ" تھی۔یہ مشرقی ساطرہ کا جزیرہ ہے جسے عرب جزیرۃ الرامنی کے نام سے پکارتے ہیں۔عربوں نے گو کہ اس جزیرہ کی اہمیت اور اجمالی حالت بیان کی ہے۔ لیکن تجارتی اشیاء کے ذکر سے خاموش رہے ہیں۔مگر ایک چینی مصنف نے جو چویوکو(Choo Yo Koo)کے نام سے علمی دنیا میں مشہور ہے۔اپنی کتاب "چوفان" یعنی تذکرہ ممالک اجنبیہ میں اس تجارتی بندرگاہ کی تفصیل لکھی ہے۔اس کے قول کے مطابق وہاں کی خاص پیداوار کافور، خوشبودار، لکڑی، لونگ، صندل اور سیب ہوتے ہیں۔ان کے علاوہ موتی، آب گلاب، ہاتھی دانت، مونگے، عنبر، چشم گربہ، صبر وغیرہ پائے جاتے ہیں۔یہ سب ان ممالک سے آتے تھے جو عربوں کے زیر حکم تھے۔

اس جزیرہ میں بہت سے اجنبی بھی رہتے تھے۔جو ایک دوسرے سے تجارت کا تبادلہ کرتے تھے۔چاندی سونے کی علاوہ چینی کے برتن، سفالین، کمخواب، زربفت، شکر، لوہا، چاول اور دار چینی سے بھی تجارت کا تبادلہ ہوتا تھا(۴۹۵)۔

چین وعرب کی تجارت کا عرصہ

چین وعرب کی تجارت آٹھویں صدی عیسوی میں بہت منظم تھی اورنویں صدی کے درمیان سے اس میں بڑی ترقی ہوئی اور اس میں غالباً چودھویں صدی یعنی سلطنت مغول کے چین سے منقرض ہونے کے بعد زوال اور سولھویں یا سترھویں صدی میں گھٹتے گھٹتے بالکل موقوف ہوگئی(۴۹۶)۔

چین میں عربوں کی تجارتی منڈیاں

کانتون، چوان چاؤ، ہانگ چاؤ(پرانا نام خانفویا کانفو) حمدان یا زیتون کانتون، پرانا نام چوان چاؤChuan Chow بانگ چاؤ، (پرانا نام سوسہ(Su Chow)(۴۹۷)۔

چین کا سکہ

خلیج فارس میں چین کے بحری نفوذ کی قوی دلیل وہ چینی سکے ہیں جو نویں صدی عیسوی میں بمقام سیراف پائے جاتے

ہیں۔ابوزید سیرافی کے مطابق:

”چین کے پیسے تانبے اور دوسرے معدنی عناصر سے ملا کر بنائے جاتے ہیں۔ان کا پیسہ ایک درہم کے برابر ہے۔ پیسے کے درمیان ایک بڑا سوراخ ہوتا ہے تا کہ موٹا دھاگہ اس کے اندر جا سکے۔ہزار پیسوں کی قیمت ایک مثقال ذہبی کی ہے اور دھاگہ اس طرح پیسوں کو باندھتا ہے کہ ہر سو پیسوں کے درمیان ایک گرہ لگ سکتی ہے۔جبکہ کوئی سودا خریدتا ہے تو قیمت ان پیسوں سے ادا کرتا ہے۔یہ سیراف میں موجود ہیں جن پر چینی حروف کے نقوش ہیں“(۴۹۸)۔

خلیج فارس کی بندرگاہیں

خلیج فارس کی بندرگاہیں ان کشتیوں اور جہازوں کا اڈہ تھیں جن پر مال تجارت لاد کر بصرہ، عمان اور بلاد فارس سے لایا جاتا تھا اور بلاد چین و ہند چین کی طرف روانہ کر دیا جاتا تھا۔اس طرح اس کے برعکس بھی صورت عمل میں آیا کرتی تھی۔خلیج فارس کے راستے میں عباسی سلطنت کی تجارت چین اور مشرقی افریقہ سے ہوتی تھی۔بغداد سے جو بھی درآمد یا برآمد ہوتی وہ بصرہ کے راستے سے ہوتی تھی۔یعنی سامان بصرہ سے ہو کر جاتا تھا۔اس خلیج میں ایران کے ساحل پر سیراف کی بندرگاہ تیسری صدی ہجری میں معروف ترین بندرگاہ تھی۔(۴۹۹)

ہندوستان سے تجارتی روابط

ہندوستان کے ساتھ بھی مستحکم تجارتی روابط قائم تھے۔دونوں طرح کی تجارت بحری و بری ہوتی تھی اور درآمدات و برآمدات کا سلسلہ جاری تھا۔

عام طور پر بحری تجارت پر عرب تاجر قابض تھے اور بری تجارت میں عجمی سوداگر آگے تھے۔چین، صغد، تبت، خراسان، بلخ، بخارا، فارس، سجستان اور دیگر بلاد عجم کے تاجر اپنے ملک کی پیداوار اور مصنوعات ہندوستان لا کر فروخت کرتے تھے۔تبت، خراسان اور ماوراء النہر کے تجارتی قافلے سندھ کے شمال مغربی علاقہ فہرج کی راہ سے داخل ہو کر اندرون ملک تجارت کرتے تھے۔(۵۰۰)

تجار کی کثرت (بین الاقوامی تجارت)

بحری تجارت کے عروج، تجارتی سامان کی زیادتی اور تاجروں کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تاجروں کی آمدورفت ہر وقت رہا کرتی تھی اور عرب و ہند کے درمیان تعلقات قائم رہتے تھے۔ابوزید سیرافی لکھتے ہیں کہ:

”ہندوستان کے علاقے جانے پہچانے ہیں کیونکہ ان دنوں عرب و ہند کے شہر ایک دوسرے کے قریب ہیں اور ہر وقت ادھر کی خبریں ادھر پہنچتی رہتی ہیں“۔(۵۰۱)

ہرموز کے صرف ایک تاجر حسن بن عباس کے کئی تجارتی جہاز ہندوستان اور چین تک جاتے تھے اور حکومت کو اس کی

تجارت سے بہت زیادہ آمدنی ہوتی تھی اور کرمان کے بادشاہ محمد بن ارسلان شاہ کا بیان ہے کہ :

''حسن کے جہازوں سے ہر سال تقریباً ایک لاکھ دینار کی اسے ٹیکسوں سے آمدنی ہوتی ہے''۔(۵۰۲)

ہندوستانی بڑی تجارتی منڈی (کلہ)

جنوبی ہند کا شہر کلہ یہاں کے تجارتی مال کی منڈی تھا۔ سیسہ اور قلعی کے معدنی ذخائر اور بانس کے جنگل تھے اس علاقہ کی تمام پیداوار یہاں یکجا ل جاتی تھی۔ عود، کافور، صندل، ہاتھی، دانت، قلعی رانگا، آبنوس، مقم پڑے رہتے تھے اور یہاں سے براہ راست سامان تجارت عمان جاتا تھا۔(۵۰۳) ہندوستان سے درآمد ہونے والی اشیاء کی تفصیل ان تاجروں اور سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کی بیان کردہ ہے جو تیسری صدی میں موجود تھے انہوں نے اپنے مشاہدہ اور تجزبہ کی روشنی میں اسے لکھا۔(۵۰۴)

ہندوستانی درآمدات

1:- سندھ سے قسط، نیزہ اور خیزران (بانس وغیرہ)۔

2:- سندان سے ساگوان اور نیزہ۔

3:- ملی سے مرچ اور نیزہ۔

4:- سنجلی کبشکمان اور لوا سے گیہوں اور چاول۔

5:- نشین سے ہاتھی، بھینس، چوپائے اور دوسرا بہت سامان۔

6:- ابینہ سے ہاتھی۔

7:- سراندیپ سے ہر قسم کا یاقوت، عود، الماس، مرچ، عطر، مشک، زباد، ناریل سباج، بلور، موتی اور خوشبوئیں۔

8:- رامی (رہمی) سے عنبر۔

9:- زابج سے کافور۔

10:- نکبالوس سے لوہا۔

11:- کلہ سے قلعی رانگا، خیزران لکڑی۔

12:- جزیرہ بالوس سے عمدہ کافور، کیلا، ناریل، گنا، چاول۔

13:- شلاہط (سلہٹ) اور ہرلج سے ناریل، کیلا، گنا، صندل، سنبل، لونگ۔

14:- بلاد رہمی کے سوتی، مخملی کپڑے اور عود ہندی۔

15:- بتومہ کی عود ہندی اور کافور

16:- قمار کی عود قماری اور چاول

17:- صنف کی عود صنفی، گائے، بھینس

18:- اور ہندوستان کے مشرقی ساحلی علاقوں سے عود، کافور، مافور، جوز بوا، لونگ، قاقلہ، کبابہ، ناریل، نباتی کپڑے، سوتی مخملی کپڑے، ہاتھی اور سرندیپ سے ہر رنگ اور ہر شکل کے یاقوت، الماس، موتی، بلور، سباوج، قمم وغیرہ درآمد کیے جاتے تھے۔(۵۰۵)

ہندوستان سے زہر کی درآمد

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ معتمد کو اس شراب میں جس کو وہ پیا کرتا تھا ایک قسم کا زہر پلایا گیا جسے بیش کہتے ہیں۔ جسے ہندوستان، ترکستان اور تبت سے لایا جاتا تھا اور بعض اوقات وہ سنبل الطیب میں بھی مل جاتا تھا۔ وہ تین رنگ کا ہوتا تھا اور اس میں عجیب خواص ہوتے تھے(۵۰۶)

سندھی غلام

سندھ میں ایک ناخوشگوار حادثہ کی وجہ سے خلیفہ ہادی کے زمانہ میں سندھی غلاموں کی قدروقیمت گرگئی اور بہت حقیر و ذلیل سمجھے جانے لگے۔ انہیں حکومت سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ اس لیے اس دور میں سندھی غلام بہت سستے ہوگئے حتی کہ معمولی قیمت پر مل جاتے تھے(۵۰۷)

علمائے ہند کا پیشہ

علماء ہند میں کئی ایک ذریعہ معاش کے طور پر اپنا کاروبار کرتے تھے اور دینی وعلمی خدمات کا صلہ نہیں لیتے تھے۔ اس دور میں عام طور پر علماء اسلام دینی وعلمی زندگی کے ساتھ ساتھ معاشی ومعیشت کی سرگرمی بھی جاری رکھتے تھے۔ مثلاً:

1:- امام ابومعشر نجیح بن عبدالرحمان سندھی مدنی۔ خیاط (درزی) تھے(۵۰۸)۔

2:- امام علیشہ کوفہ کے بزاز تھے یعنی کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔(عرب کے)(۵۰۹)۔

3:- بختیار بن عبداللہ ہندی الفصاد یعنی فصد کھولتے تھے۔(۵۱۰)۔

4:- ضحاک بن عبداللہ ہندی مطرز (Embroidary) ایمبرائیڈری کا کام کرتے تھے۔(۵۱۱)۔

5:- ابومحمد حسن بن حامد دیبل بغدادی عالم حدیث کی تعلیم دیتے تھے اور ساتھ ساتھ مختلف شہروں میں تجارت کرتے تھے(۵۱۲)۔

اطالیہ(اٹلی) کے دو بڑے شہروں جنیوا اور بندقیہ(وینس) سے عربوں نے مشرق بعید اور یورپ کے مابین تجارتی راہ ورسم جاری کر رکھے تھے۔ چنانچہ مصالحے اور جواہرات نادرہ چین وہند سے لے کر بحراحمر کی طرف منتقل کر دیتے تھے۔ یہاں سے یہ چیزیں خلیج عقبہ یا خلیج سویس پہنچ جاتی تھیں۔ پھر مال خشکی پر اتار لیا جاتا تھا اور منزل مقصود تک پہنچایا جاتا تھا۔ اس صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہارون رشید نے ایک مرتبہ تو یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ بحراحمر اور بحرابیض کا درمیانی علاقہ فتح کرلے تاکہ مال تجارت کو یہاں سے منتقل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

علامہ سیوطی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

"رشید نے ارادہ کرلیا تھا کہ بحراحمر اور بحرابیض کا درمیانی علاقہ فتح کرلے، جو شہر

فرمایعنی مصری سرزمین سے قریب تھا۔ تاکہ مشرق و مغرب میں بغیر کسی روک ٹوک کے آسانی کے ساتھ تجارت اور کاروبار جاری رکھا جا سکے۔ اسی طرح شمالی افریقہ، اندلس (اسپین) صقلیہ (سسلی) اور فرنگ (یورپ) کے سواحل، جزیرۃ العرب، فارس اور عراق سے متصل ہو جاتے۔ لیکن اس کے بعض خواص نے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے اسے باز رکھا جن میں یحییٰ بن خالد برمکی، خاص طور پر پیش پیش تھا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ اس طرح روم کے لوگ اراضی مقدسہ سے اتصال پیدا کریں گے۔ ان کی کشتیاں سواحل حجاز تک آنے لگیں گی اور رومی جب چاہیں گے اس سہولت سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں پر حج کا راستہ بند کر دیں گے۔ بعض دوسرے لوگوں نے یہ بات رشید کے سامنے پیش کی کہ اس طرح مصر اور صقلیہ کے سواحل ٹوٹ پھوٹ جائیں گے اور بحر ابیض، بحر احمر میں آ ملے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یمن اور حجاز کے سواحل غرق ہو جائیں گے۔ کیونکہ بحر ابیض کا مسوی بحر احمر سے اونچا ہو جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رشید اس ارادے سے باز آ گیا" (۵۱۳)۔

موجودہ نہر سویز وہی ہے جس کا ارادہ رشید نے کیا تھا۔

افریقہ سے تجارتی تعلقات

لی سٹرینج نے مسلمان عربوں کے سکوں کی موجودگی سے بین الاقوامی تعلقات کو لنک کیا ہے جبکہ تاریخی کتابوں سے زیادہ وضاحت نہیں ہوتی۔ تاہم ثانوی ماخذات سے پتہ چلتا ہے کہ عربوں کے افریقہ کے ساتھ کافی تعلقات تھے۔ وسط افریقہ کے ان کل حصوں سے جہاں اہل یورپ اس وقت بمشکل پہنچتے ہیں اور جہاں کی ہر ایک سیاحت یورپ میں ایک مہم عظیم خیال کی جاتی ہے۔ عرب بخوبی واقف تھے اور ان اکثر اقوام کا جن میں وہ محض تاجروں کی حیثیت سے جاتے تھے اسلام قبول کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ عرب تاجر افریقہ میں کس قدر مقبول تھے۔ مغرب کے عرب مغربی افریقہ کے ساتھ تعلقات رکھتے تھے اور مصر کے عرب افریقہ شرقی اور وسطی کے ساتھ۔ یہ عرب صحارئی سے پار ہو کر نگریشیا کے سونے، ہاتھی دانت اور غلاموں کی تلاش میں جاتے تھے۔ عربوں کی تحقیقات افریقہ میں بہت بڑے حصوں تک پہنچی تھی اور وہ ٹمبکٹو کے شہروں تک جہاں اس وقت تک اہل یورپ نہیں پہنچے تھے پہنچ چکے تھے۔ سواحل اور ملک کے اندرونی حصوں میں بھی عربوں کی آمد و رفت برابر تھی (۵۱۴)۔

موسیو سیدیو لکھتے ہیں:

"عرب سواحل افریقہ کے کنارے کنارے پہلے ابنائے باب المندب تک اور اس کے بعد زنجبار اور کافرستان کے ملک تک پہنچے۔ انہوں نے براوا، ممباسہ، قلوا کو قائم کیا۔ جہاں سلطان شیراز کے بھائی نے پناہ لی تھی۔ انہوں نے فرامبیک اور

سفالالمند ااور میگاڈاسکو کی بناء ڈالی۔ پھر یہ سواحل کے قریب کے جزائر پر اور جزیرہ میڈیگاسکر کے مختلف مقامات پر قابض ہوئے۔ وسط افریقہ میں بھی جس کا اس وقت تک ہمیں کم علم ہے اسلام کا تسلط کچھ کم نہ ہوا۔ ان شہروں کے ذریعے سے جو عربوں نے ساحل شرقی پر قائم کر لیے تھے ان کو ملک کے اندر تک پہنچنا نہایت آسان ہو گیا تھا۔ سومالیوں کا ملک جو ایک خلیق اور مہمان نواز قوم ہے اور جزیرہ سکاٹرا (سقطرے) بہت بڑا مرکز تجارت تھا۔ یہاں بھی عرب پہنچ گئے تھے اور انہوں نے حبس اور سینار اور کردفان تک جس کا تعلق ہمیشہ مصر سے رہا ہے اور جو فی الواقع دارافور اور وادی کی کنجی ہے اپنی تجارت پہنچائی تھی اور جو قافلے مغرب سے روانہ ہوئے تھے بالکل اس عظیم الشان صحارے کے ریگستانوں سے جو دریائے نیل سے سمندر تک وسیع اور رقبہ میں دو لاکھ فرسخ ہے بالکل نہ ڈرتے تھے اور اس کو طے کر کے سودان اور نگریشیا کے ملک میں پہنچتے۔ تجار عرب کا گزر غالباً ایسی اقوام میں ہوا تھا جو خالص اور خالص افریقی تھی اور حال کے سیاح ان اصلاحوں کی شہادت دیتے ہیں جو عربوں کی وجہ سے ان اقوام کے اوصاف و اخلاق میں واقع ہوئیں" (۵۱۵)۔

یورپ کے ساتھ تجارت (۵۱۶)

عربوں کے تعلقات یورپ کے ساتھ کئی راستوں کے ذریعے سے مدت دراز تک رہے۔ ان میں سے ایک راستہ تو پرنیز پر سے تھا۔ دوسرا بحر متوسط سے اور تیسرا وہ راستہ تھا جو روس سے ہو کے دریائے والگا پر سے شمالی یورپ کو جاتا تھا۔ اندلس کے عرب ان پہلے دو راستوں سے آمدورفت رکھتے تھے اور مشرق کے عرب تیسرے راستے سے۔ ان قدیم تاریخوں میں جو ہم تک پہنچی ہیں عربوں کی شمالی یورپ سے تجارت کا مطلق پتہ نہیں لگتا لیکن ان تاریخوں سے بھی زیادہ پکی اسناد موجود ہیں جن سے نہ فقط یہ تجارت ثابت ہوتی ہے بلکہ آمدورفت کی راہ کا بھی حال معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ یہ تجارتی تعلقات کب شروع ہوئے اور کب ختم ہوئے۔ یہ اسناد وہ سکے ہیں جن کو عربوں نے ہر جگہ چھوڑا اور جو ہر روز نکلتے ہیں۔ ان سکوں کی بدولت ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجارت بحر خزر سے شروع ہوئی تھی۔ دمشق و بغداد، سمرقند و طہران اور مفلیس کے تاجر یہاں جمع ہوتے تھے اور دریائے والگا پر استرخان سے بلغار (قدیم نام سم برسک) تک جو روس کے قریب بلغاریہ میں واقع تھا اور ایشیاء اور شمالی یورپ کی باہمی تجارت کا مرکز تھا جایا کرتے تھے۔ جو مال تجارت یہ لاتے اس کو مختلف اقوام کے تجار لے لیتے اور دریائے والگ پر، بحر بالٹک میں سے ہوتے ہوئے خلیج فن لینڈ تک پہنچاتے تھے۔

شمالی یورپ کی مشہور تجارت گاہیں نوگراڈ ارشلیس وگ تھیں اور علی الخصوص بحر بالٹک کے جزائر گاتھ لینڈ اولینڈ اور بادن ہوم میں جو عربی سکے پائے گئے ہیں ان کی تعداد کئی سو ہزار ہے۔

ابنائے فن لینڈ سے تجار سواحل بحر بالٹک کے کل مشہور مقامات یعنی سوئیڈن، فن لینڈ، ڈنمارک اور پروشیا کے بندرگاہوں

میں پھیل جاتے تھے۔ جہاں کہیں انہیں بحری راستے ملتے وہ ان کے ذریعے سواحل پر پہنچ جاتے۔ جیسا کہ ان عربی سکوں سے پایا جاتا ہے۔ جو سائی لی شیا، پولینڈ اور علی الخصوص وارسا کے اردگرد ملے ہیں۔

عربی سکوں کا ملک کے اک خاص حصہ میں پایا جانا اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ ان ملکوں کے باشندے ممالک اسلام سے تجارتی تعلقات رکھتے تھے۔ مگر ان تجار کی اصلی قومیت ان سکوں سے ثابت نہیں ہوتی اور ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاجر مسلمان تھے۔ جیسا کہ اس وقت بھی بعض روس کے باشندے مسلمان ہیں۔ ان کوفی کتبوں سے جو روس میں پائے گئے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ عرب خزرون اور بلغاریوں میں جا بسے تھے۔ لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عرب بلغار سے زیادہ آگے بڑھے تھے یا نہیں۔ غالباً وہ روس کے بلغاری تھے جو عربی تجارتی مال کو ڈنمارک تک لے جاتے، منجملہ اس تجارتی مال کے جو عرب شمالی یورپ سے لے جاتے تھے زیادہ تر عنبر تھا جو مشرق میں نہایت قیمتی چیز ہے۔ سمور، رانگا اور بعض عربی تواریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ لونڈیاں بھی مال تجارتی میں شریک تھیں۔ اس مال کے عوض اہل ڈنمارک ان سے اقسام کے ملبوسات، مشرقی قالین، بنت گل دان اور زیورات لیا کرتے تھے۔ بہت ہی قرین قیاس ہے کہ اکثر مشرق کی صناعیاں مثلاً جڑاؤ گہنے اسی راستہ سے یورپ کے اکثر مغربی حصوں میں پہنچے ہوں۔

رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے:

> ”عربوں کے نفیس کتانی، سوتی، اونی اور ریشمی لباس، بغداد کے حریر و پرنیاں دمشقی مشجر، موصل کی ململ، غازہ کی جالی، غرناطہ کے اونی کپڑے، ایرانی تافتہ اور طرابلس کی شیفون نے یورپ کی نیم برہنہ آبادی کو اعلیٰ لباس کا شوقین بنا دیا۔ اس قسم کے مناظر اکثر دیکھنے میں آئے کہ بشپ گرجے میں عبادت کر رہا ہے اور اس کی عبا پر قرآنی آیات کاڑھی ہوئی ہیں۔ مرد تو ایک طرف رہے عورتیں بھی عربی قمیض اور جبہ بڑے فخر سے پہنتی تھیں“(۵۱۷)۔

عربوں کی تجارتی جدوجہد سمندروں تک محدود نہ تھی افریقہ کے شمالی ممالک میں ایک بڑی تجارتی شاہراہ بنائی گئی اور صحرا کے بیچوں بیچ براعظم کے وسط تک کئی سڑکیں نکالی گئیں۔ بحر روم کی بے شمار بندرگاہوں سے ہسپانیہ، سسلی اٹلی اور فرانس سے تجارت کی جاتی تھی۔ طرابزون رومی تجارت کے لیے مخصوص تھا۔ خلیج فارس کے کنارے کنارے کئی راستے وسط ایشیاء اور شمالی ہندوستان کی طرف جاتے تھے۔ بغداد سے ایک بڑی جھیل کیسپین تک جا کر بحری راستے سے مل جاتی تھی اور شمالی ممالک سے بذریعہ جہاز آمدورفت قائم رکھی جاتی تھی۔ سویڈن میں ابھی تک عباسی سکوں کا برآمد ہونا ثابت کرتا ہے کہ ان ممالک سے بھی رشتہ تجارت و آمدورفت قائم تھا(۵۱۸)۔

دیگر اہم درآمدی ممالک اور انکی درآمدات

روم

روم سے رومی دیباج، چاول، قالین اور کتانی کپڑے درآمد کیے جاتے تھے (۵۱۹)۔

ہندوستان

سے ہاتھی، جوز ہندی، آبنوس، سفید صندل، کھالیں، عود ہندی، کپڑا، ناریل، کافور، انگور، یاقوت اور موتی بغداد آتے (۵۲۰)۔اس کے علاوہ وہ ہندوستانی تلواریں بھی آتی تھیں جن کی قیمت ۱۰ ہزار درہم تک ہوتی تھی۔خلیفہ متوکل کا قتل بھی اس کے گارڈ (محافظ) نے ہندوستانی تلوار سے کیا تھا (۵۲۱)۔

چین سے مخمل اور کاٹن کے کپڑے، مشرقی سمندر کے راستے کاغذ، دوائیں، کالٹھیاں، سونے، چاندی کے برتن، قفل، مشک، دارچینی، لبادے، دیباج، ریشم، ریشمی ملبوسات، عود، عطر اور دوسری خوشبودار چیزیں عراق آتیں (۵۲۲)۔

اندلس

گو اندلس ایک رقیب خاندان کے تسلط میں تھا۔اس کے باوجود اندلس سے عباسی مملکت کا خوب لین دین تھا۔وہاں کے تاجر یہاں آتے اور یہاں کے وہاں جاتے۔ وہاں سے ربق ، سیماب، قبز (ریشم) اقمشہ (کپڑے) قطیفہ (کاٹن) اور جواری (لونڈیاں) عراق درآمد کی جاتی تھیں (۵۲۳)۔

روس اور بلغاریہ

روس اور بلغاریہ سے فر، سمور، سنجاب، لومڑیوں کی کھالیں، گرم ٹوپیاں، تلواریں، زرہیں، شہد اور شمعیں درآمد کی جاتی تھیں (۵۲۴)۔

صقالبہ

صقالبہ کے تاجر تلواریں، فرلے کے بحر قزوین کے ساحل پر اترتے تھے اور وہاں سے اپنا سامان مجروں پر لاد کر بغداد لاتے تھے (۵۲۵)۔

کابل

کابل سے ناریل، زعفران اور ہرڑ آتی تھی (۵۲۶)۔

جرمنی قالین اور گدے کا استعمال شاہی خدندان میں

خیزران اور دیگر خواتین بیٹھنے کے لیے جرمن قالین اور جرمن گدیلا استعمال کرتی تھیں (۵۲۷)۔

☆ عہد عباسی میں تجارت کی اہمیت

عہد عباسی میں تجارت کو ایک معزز اور باوقار پیشہ سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ علماء، فقہاء، معززین، عامل، والی اور دیگر سرکاری اہلکار بھی اپنے اپنے دائرہ عمل میں مصروفیت کے ساتھ ساتھ بطور ذریعہ معاش تجارت کو اپنائے ہوئے تھے۔ علماء، فقہاء، محدثین، علم کی روشنی پھیلاتے، اس سلسلے میں درس وتدریس کا کام حلقہ درس میں دیتے یا چل پھر کر علم پھیلاتے یا علم کی تلاش میں خود نکلتے لیکن وہ گزر اوقات کے لیے کوئی نہ کوئی کاروبار بھی کرتے تھے۔ جو حکومت سے گزارہ الاؤنس یا وظیفہ لینا پسند کرتے انہیں درس وتدریس کے علاوہ ذریعہ معاش کی ضرورت نہ پڑتی تھی (۵۲۸)۔ لیکن جو حکومتی وظائف کو ناجائز سمجھتے یا کسی بھی وجہ سے اسے لینا پسند نہ کرتے تو ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ درس وتدریس اور دیگر فلاحی کاموں کے ساتھ ساتھ خود روزی کماتے اور اپنے گزارے کے لیے کوئی کاروبار کرتے۔ جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، سفیان ثوری اور دیگر فقہا اور محدثین کا طریقہ رہا ہے (۵۲۹)۔

اور حکومتی اہلکار ویسے ہی سائیڈ بزنس کے طور پر اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے تجارت کرتے تھے (۵۳۰)۔ ذیل میں چند اہم شخصیات ہیں جنہوں نے تجارت کو بطور ذریعہ معاش کے اپنایا ہوا تھا۔ خصوصاً امام ابوحنیفہؒ کے طریقہ تجارت سے اس دور کے تجارتی عمل پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔

☆ آئمہ اربعہ ودیگر علماء وفقہا واہم شخصیات کا ذریعہ معاش تجارت

امام ابوحنیفہؒ

امام صاحب خز کپڑے کی تجارت کرتے تھے (۵۳۱)۔ آپ کا کاروبار خاصا وسیع تھا۔ لوگ آپ کے پاس امانتیں رکھتے تھے۔ جس سے آپ ان کی اجازت سے کاروبار کرتے۔ آپ غلاموں اور دوسرے لوگوں سے بھی کاروبار کرواتے تھے (۵۳۲)۔

آپ کپڑا درآمد بھی کرتے تھے اور خود آرڈر پر تیار بھی کرتے تھے۔ چونکہ آپ اپنے ہاتھ سے محنت کرتے تھے اس لیے آپ کبھی خلیفہ کے بار احسان نہ ہوئے۔ بلکہ آپ حکومت وقت سے کسی قسم کا وظیفہ اور مدد نہ لیتے اس لیے کہ آپ اسے حلال نہ سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ ابوجعفر منصور نے امام صاحب کے پاس کچھ رقم بھیجی آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ مشورہ دینے والوں نے کہا کہ آپ واپس نہ کریں بلکہ خیرات کر دیں۔ آپ نے جواباً فرمایا:

''کیا ان لوگوں کے پاس حلال بھی کچھ ہے۔ حلال بھی کچھ ہے'' (۵۳۳)۔

ایک اور موقع پر منصور نے پھر رقم دینا چاہی تو آپ نے پھر لینے سے انکار کر دیا۔ منصور نے اصرار کیا کہ آپ کیوں نہیں لیتے تو آپ نے جواباً فرمایا:

> ''امیر المومنین نے اپنے ذاتی مال میں سے کبھی کوئی چیز مجھے نہیں دی جو میں نے واپس کر دی ہو۔ مگر آپ ہمیشہ مسلمانوں کے بیت المال میں سے مجھے دیتے ہیں اور اس میں سے لینے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر فوجی ہوتا اور جنگ کرتا تو سمجھتا

۔فوجیوں کا بیت المال پر حق ہے۔ جس طرح ان کے بال بچوں اور اہل وعیال کو ملتا ہے۔ مجھے بھی ملا۔ سو وہ بھی نہیں ہوں یا میرا شمار مسلمانوں کے نادار اور مفلس لوگوں میں ہوتا تو فقرا کی مدد سے لینے کا مجھے حق ہوتا لیکن بحمد للہ میں محتاج وفقیر بھی نہیں ہوں'' (۵۳۴)۔

امام ابوحنیفہؒ کا کاروبار تجارت

امام صاحب کوفہ میں خز (ریشم ملا مضبوط کپڑا) کپڑے کے تاجر تھے۔ آپ کی دکان عمرو بن حریث کے دار (کوٹھی) میں تھی۔ جو کافی مشہور تھی۔ یہاں کپڑا فروخت بھی ہوتا تھا جو کہ بغداد اور دوسرے شہروں سے درآمد کیا جاتا تھا۔ حفص بن عبدالرحمان تجارتی کاروبار میں تیس سال تک امام صاحب کے شریک رہے آپ باہر سے مال ان کے پاس بھیجا کرتے تھے جبکہ یہاں کپڑا آرڈر پر تیار بھی کیا جاتا تھا۔ یہاں آپ کے صاحبزادے حماد اور دوسرے تلامذہ بھی کام کرتے تھے (۵۳۵)۔

دکان کی خصوصیات

کپڑے کی قیمت مقرر رہوتی تھی۔ جس سے بارگیننگ (Barganing) جیسے مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا تھا جس سے وقت کی بچت ہوتی (۵۳۶) اور آپ کی ایمانداری پر بھی زد نہ پڑتی۔

ماذون التجارة

امام ابوحنیفہ بھی اس زمانے کے دستور کے مطابق غلاموں سے تجارت (مضاربت) کروایا کرتے تھے (۵۳۷)۔

امام ابوحنیفہؒ بحیثیت بینکر (Banker)

امام صاحب کے پاس لوگ امانتیں رکھواتے تھے۔ آپ ان امانتوں کو رکھتے وقت لوگوں سے طے کر لیتے تھے کہ وہ اس امانت کو کاروبار میں لگا دیں گے۔ اگر اجازت مل جاتی تو وہ اسے کاروبار میں لگا دیتے۔ امام صاحب کی جب وفات ہوئی تو اس وقت ان کے گھر میں پچاس ملین (پانچ کروڑ) کی امانتیں لوگوں کی موجود تھیں (۵۳۸)۔

لہٰذا وہ اعداد وشمار جو امام صاحب کے ودائع اور امانتوں کے متعلق مؤرخین نے لکھے ہیں اور ان کی ساکھ جو قدرتاً ملک میں قائم ہوگئی تھی تو یہ تصور کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ امام صاحب کی تجارتی کوٹھی (دار) موجودہ زمانے کے بڑے بنک کی قائم مقامی کرتی تھی (۵۳۹)۔

☆ دیگر اکابرین کرام

حضرت سفیان ثوری یمن میں تجارتی کاروبار کرتے تھے اور ہر سال اصل راس المال اور منافع کا حساب کر کے زکوٰۃ نکالتے تھے (۵۴۰)۔

محدث یحیٰ بن بشر، عمرو بن محمد بھی تاجر تھے (۵۴۱)۔

امام موسیٰ بن ہارون بغداد کپڑا بیچنے کا کاروبار کرتے تھے (۵۴۲)۔
عائل انواع واقسام کی چیزوں اور لکڑیوں وغیرہ کی تجارت بھی کیا کرتے تھے (۵۴۳)۔
محدث محمد بن القاسم کناسہ میں گدھے اور اونٹ کی تجارت کرتے تھے (۵۴۴)۔
ابونصر کھجور کی تجارت کرتے تھے (۵۴۵)۔

صنعت وحرفت

کسی عملی اور فکری کام میں مہارت پیدا کر لینے کا نام صنعت ہے (۵۴۶)۔

صنعتوں کی اقسام

علامہ ابن خلدوں مسلم اکانومسٹ صنعتوں کی دو اقسام بیان کرتے ہیں (۵۴۷)

1-بسیط

یعنی کسی عملی اور فکری کام کی ابتدائی حالت۔

2-مرکب

اسی عملی اور فکری کام میں ملکہ حاصل کر لینا اور ماہر ہو جانا مرکب کہلاتا ہے۔

صنعتوں کا کمال تمدن کے کمال پر منحصر ہے

جب تک ملک میں تہذیب وتمدن پورے عروج پر نہ ہوں اس وقت تک لوگوں کا رجحان معاشی ضروریات تک ہی محدود رہتا ہے اور وہ غذا کے حاصل کرنے میں ہی لگے رہتے ہیں پھر جب تمدن پورے شباب پر ہوتا ہے اور کاموں کی کثرت ہو جاتی ہے اور لوگ اپنی ضروریات سے فارغ ہو جاتے ہیں اور ان کی آمدنیاں ضرورت سے زیادہ ہونے لگتی ہیں تو پھر وہ اپنی توجہ ایسی اشیاء کی طرف مبذول کرتے ہیں جن سے زندگی میں آرائش وجمال پیدا ہو۔
دیہاتی آبادیوں اور کم آبادی والے شہروں میں محض بسیط صنعتوں کی مانگ ہوتی ہے۔ جن کے بغیر چارہ نہیں مثلاً معمولی بڑھئی، جولاہا، درزی، لوہار، قصائی وغیرہ۔ ان صنعت کاروں میں کمال ومہارت نہیں پائی جاتی۔ ان سے جس قدر ضرورت ہو کام چلا لیتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں خوبصورتی عمدگی اور لطافت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ سب وسائل ہوتے ہیں مقصود بالذات نہیں اور جب آبادی بڑھتی ہے تو آبادی کی نگاہیں کمال اور مہارت کو ڈھونڈتی ہیں اور کمالات میں صنعتوں میں خوبصورتی اور رنگارنگی اور عمدگی بھی داخل ہے۔ لہٰذا صنعتوں میں جو کمی ہوتی ہے وہ بھی پوری ہو جاتی ہے اور ان میں تعیش کی عادتوں اور احوال موجودہ تقاضوں کے مطابق دیگر نئی نئی صنعتوں کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب تمدن انتہا کو پہنچتا ہے تو صنعتوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے (۵۴۸)۔

☆ معیشت عباسی میں صنعتی ترقی

عہد عباسی کی تجارتی سرگرمیوں اور برآمدات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں صنعت وحرفت کو کیا کمال حاصل تھا؟ پورے ملک میں صنعتوں کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔ ہر چھوٹا بڑا شہر اور مقام کسی نہ کسی صنعت سے منسلک تھا۔ مصنوعات کی وسعت نے صنعت کا درجہ اختیار کر لیا ہوا تھا۔ ضرورت کی کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو حکومت عباسی میں نہ بنتی ہو اور اسے درآمد کرنا پڑتا ہو۔ تعیشات کی اشیاتھی وہ بھی ملک میں ہی بنتی تھیں۔ اس لحاظ سے معیشت عباسی میں برآمدات بہت زیادہ تھیں جبکہ درآمد نسبتاً کم تھیں۔ اس کی وجہ یقیناً حکومتی سطح پر دلچسپی و معاونت، دولت کی فراوانی اور لوگوں کا ہنر مند اور باشعور ہونا ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ تاجروں کا ملکی مصنوعات کو ملک کے گوشے گوشے میں پہنچانا اور سرمایہ اندوزی کرنا بھی صنعت کی ترقی کا ایک اہم پہلو تھا۔

معیشت عباسی کی چند اہم صنعتیں یہ تھیں۔

☆ اہم صنعتیں

☆ کپڑے کی صنعت

مملکت عباسی میں ہر طرح کا کپڑا بنایا جاتا تھا جن میں سوتی، اونی اور ریشمی ہر طرح کے کپڑے شامل تھے۔ بلکہ ان تینوں قسموں کے کپڑوں میں بھی ہلکے، درمیانے اور اعلیٰ درجے کے کپڑے بنائے جاتے تھے(۵۴۹)۔ تاکہ ملک کے ہر طبقے کی ضروریات وذوق کی تسکین کی جاسکے۔ بعض علاقے کسی ایک ہی قسم کے کپڑے بنانے کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے اور بعض علاقوں میں ہر قسم کا کپڑا نہ صرف تیار ہوتا تھا بلکہ دوسرے علاقوں کو بہت بڑی مقدار میں ایکسپورٹ بھی کیا جاتا تھا۔ مثلاً

ا۔ سوتی کپڑے

خراسان، نیشاپور، بزرور، طواویس، جنابہ، اشمونین، کازرون، توج، ماوراء النہر، مصر، طبرستان، اصبہان، خوارزم، بغداد، کوفہ دارالبحر و، سینیز(۵۵۰) اور مملکت کے تقریباً سارے شہروں میں سوتی کپڑے بنائے جاتے تھے۔ یہ کپڑے علاقائی ضروریات سے زائد ہوتے لہٰذا انہیں مملکت کے دوسرے شہروں بلکہ ہمسایہ ملکوں میں بھی بھیجا جاتا تھا۔

ب۔ ریشمی کپڑے

دبیقی، دیباجی، وشی، کتانی اور خز کے کپڑے، بہت قیمتی عمدہ اور نفیس ہوتے تھے(۵۵۱) دبیقی کپڑے کی صرف ایک قمیض ہی بیس دینار میں آتی تھی(۵۵۲) اسی طرح دیباجی اور خز بھی بہت مہنگا ہوتا تھا۔ خز کوفہ کی خاص صنعت تھی(۵۵۳)۔ خز ایسا کپڑا ہوتا تھا جو ریشم اور اُون سے مل کر بنایا جاتا تھا(۵۵۴)۔ دیباج سے غلاف کعبہ بنایا جاتا تھا(۵۵۵)۔ دباج خوزستان کے شہر تستر میں بنایا جاتا تھا اور پوری دنیا میں ایکسپورٹ کیا جاتا تھا(۵۵۶)۔ وشی ایسا کپڑا ہوتا تھا۔ جس پر خاص قسم کی چھاپ رہتی تھی۔ خراسان، جرجان، رامہرمز، بزیون، اصبہان، طبرستان، بغداد، مصر، آمد، کوفہ، ریشمی کپڑوں کی صنعت کے

مراکز تھے(۵۵۷) جبکہ کوفی کے "کوفیہ" رومال بہت مشہور تھے۔ یہ سر ڈھانپنے کے کام آتے تھے۔ اسی طرح بغداد کے بھی رومال اور عمامے مشہور تھے(۵۵۸)۔

ج۔ اونی کپڑے

تکریت، نعمانیہ، حیرہ، طبرستان، اونی کپڑوں کے بہترین مراکز تھے(۵۵۹) شیراز میں اون کی دھاری دار عبائیں تیار کی جاتی تھیں(۵۶۰)۔

☆ خلفاء اور شاہی خاندان کے کپڑے

خلفاء اور شاہی خاندان کے کپڑے مخصوص قسم کے کارخانوں میں بنتے تھے۔ یہ کپڑے تمام لوگ نہیں پہنتے تھے۔ ان پر مخصوص قسم کی نشانات اور عبارات کڑھائی کی ہوتی تھیں۔ اس لیے یہ طراز کہلاتے تھے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے:

دارالطراز

بنو امیہ اور بنو عباس کے عہد میں کپڑے کے وہ کارخانے جو ان کے توشہ خانوں کے لیے پارچات تیار کرتے تھے ان کے اپنے محلات میں ہی ہوا کرتے تھا اور "دارالطراز" کہلاتے تھے۔ یہ کارخانے ایک افسر کی نگرانی میں ہوتے تھے۔ جو صاحب الطراز کہلاتا تھا اس کے فرائض میں یہ بات شامل تھی کہ وہ کاریگروں کی نگرانی کرے مشینوں اور باندوں کی دیکھ بھال کرے، ان کی اجرت کا انتظام کرے اور تمام دیگر امور کی دیکھ بھال کرے۔ اس عہدے پر صرف عالی مرتبہ اور قابل اعتماد افراد ہی مقرر ہوا کرتے تھے(۵۶۱)۔

حسن طراز

خلفاء کے کپڑوں پر فن طراز میں بعض اوقات صرف خلفاء کا نام ہوتا تھا اور بعض اوقات کوئی عبارت یا رسمی کلمات ہوتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اس مقام کا نام بھی دے دیا جاتا تھا جہاں یہ سامان تیار ہوتا تھا اور اس وزیر یا افسر کا نام بھی جو خزانے یا طراز کے کارخانے کا معتمد ہوتا اور کبھی کپڑا تیار کرنے والے کاریگر کا نام بھی لکھ دیا جاتا تھا(۵۶۲) مثلاً قاہرہ کے موزۃ العربیہ میں طراز کے جو پارچات محفوظ ہیں ان میں سے ایک اہم نمونہ وہ ہے جو الفسطاط سے دستیاب ہوا تھا(۵۶۳) جس پر یہ عبارت کڑھائی کی ہوئی تھی۔

"بسم اللہ بر کتہ من اللہ بعبد اللہ الامین محمد امیر المؤمنین اطال اللہ بقائمہ مما امر بصنعتہ فی طراز العامۃ بمصر عطی یدی الفضل ابن الربیع مولی امیر المؤ منین"

(شروع میں کرتا ہوں اللہ کے نام سے برکت ہو اللہ کی عبداللہ الامین محمد امیر المؤمنین پر جس کو خداد یر تک سلامت رکھے (یہ شے ہے) جس کی تیاری کا حکم امیر المومنین کے آزاد کردہ غلام فضل بن الربیع نے مصر کے کارخانہ عامہ کو دیا(۵۶۴)۔

فضل بن الربیع کا نام کعبہ کے دو غلافوں کے طراز میں بھی آیا ہے(۵۶۵)۔

اسی طرح ایک ٹکڑا اخمیم سے بھی دستیاب ہوا ہے اور برلن کے موزہ قیصر فریڈرک میں محفوظ ہے۔ اس میں آیات قرآنی اوپر نیچے اور وسط میں ہیں:

(بسم اللّٰه) بر کة من اللّٰه بعبد اللّٰه هارون امیر المؤمنین"اور صنعة مروان بن هادی"(٥٦٦)

سامرا سے "کتان" (Lenin) کا ٹکڑا دستیاب ہوا ہے جس پر سرخ ریشم سے یہ عبارت بنی گئی تھی۔

"بر کة من اللّٰه لعبد اللّٰه الامام المعتمد علی اللّٰه امیر المؤمنین(ایده) اللّٰه، ماعمل بتنمس علی بدیزید مولی امیر المؤمنین"(٥٦٧)

دراصل طراز میں بادشاہ کے نام کا ذکر اس کی بادشاہت کی علامت سمجھا جاتا تھا جس طرح کہ خطبہ میں اس کا نام لینا ضروری ہوتا تھا۔ جب المامون نے اپنے بھائی خلیفہ امین سے بغاوت کر دی تو اس نے پہلا کام یہ کیا کہ خلیفہ کا نام طراز کی عبارتوں میں سے اڑا دیا(٥٦٨)۔

خلفاء اس مخصوص حق شاہی پر خاص زور دیتے تھے اور اس کے غلط استعمال کے متعلق ہر قسم کی احتیاطی تدابیر اختیار کرتے تھے۔ طراز اور اس کی تیاری کو جو اہمیت دی جاتی تھی وہ خلیفہ ہارون کی اس وصیت (١٨٦ھ) سے ظاہر ہے جو اس نے ولایت خراسان المامون کو ودیعت کرتے وقت کی تھی۔ جس میں خراج برید اور خزانوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ طراز کے کارخانوں کا ذکر بھی خاص طور پر کیا اور ان کے متعلق ہدایات دیں(٥٦٩)۔

غلاف کعبہ

خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانا بھی ابتداء میں خلیفہ وقت کا مخصوص حق سمجھا جاتا تھا(٥٧٠)۔ عباسی خلفاء ہر سال بغداد سے مکہ معظمہ میں "کسوۃ" یعنی غلاف بھیجا کرتے تھے۔ یہ غلاف عام طور پر مصر میں تیار ہوتے تھے۔ اس کے بعد یہ فرض حکام مصر کو منتقل ہو گیا۔ القلقشندی کے زمانے میں یہ غلاف (کسوۃ) سیاہ ریشم سے مشہد الحسین میں بنا جاتا تھا اور اس کی عبارت سفید رنگ کی ہوتی تھی(٥٧١)۔

غلاف کعبہ عام کاریگر تیار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ سرکاری سطح پر تیار کروایا جاتا تھا۔ اس کے لیے کتان اور ریشم بڑی حد تک مصر سے حاصل کیا جاتا تھا۔ کتان کی بافندگی کا کام زیادہ تر زیریں مصر میں ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ تنیس، تونہ، دمیاط، شطا اور اسکندریہ، اس صنعت کے بڑے بڑے مرکز تھے۔ ان کے علاوہ دبیق، بنشا الفرمہ اور دمیرہ میں بھی یہ صنعت جاری تھی۔ اعلیٰ قسم کے کتان دبیق یا شرب کی طرز پر تیار ہوتا تھا۔ سامان آرائش کے غلافوں کے لیے موزوں کپڑا مختلف چمکدار رنگوں کے نمونوں کا ہوتا تھا(٥٧٢)۔ اس قسم کا مال گراں نرخوں پر بکتا تھا اور جو کارآمدنہ ہوتا تھا وہ بھی سو دو سو دینار تک بک جاتا تھا(٥٧٣)۔ بقول ابن عبدربہ تنیس میں پانچ ہزار کھڈیاں تھیں اور ایک کارخانہ خلیفہ کے لیے مخصوص تھا۔ جس کی تصدیق نہ صرف غلاف کعبہ کے بارے میں المقریزی کے بیان سے ہوتی ہے جو وہیں تیار ہوتا تھا بلکہ اس سلسلے میں سامرا سے دستیاب شدہ مذکورہ بالا پارچہ بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔

شاہی کارخانے کا تیار شدہ کپڑا عام آدمیوں کے ہاتھ فروخت نہیں کیا جاتا تھا ایک ایرانی شہزادے نے تنیس میں بیس ہزار

دینار کپڑے کی خرید کے لیے بھیجے جو خلیفہ کے استعمال کے لیے مخصوص تھا۔ لیکن اس کے گماشتوں کو کچھ نہ مل سکا(۵۷۴)۔ تنیس کے کپڑوں میں ایک "بدنہ" کپڑا تھا جو صرف خلیفہ کے ذاتی استعمال کے لیے تیار ہوتا تھا۔ جو کھڈی پر ہی تیار ہو کر اترتا تھا اور اسے قطع کرنے یا سینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی (۵۷۵)۔

تونہ کے گاؤں میں بھی جو تنیس کے ضلع میں تھا اسی قسم کا مال اور غلاف کعبہ تیار ہوتا تھا۔ سیس میں زیادہ تر عماموں ٹوپیوں اور زنانہ ملبوسات کے لیے رنگین قصب تیار ہوتا تھا۔ یہاں سے بہت سا مال باہر برآمد کیا جاتا تھا۔ یعنی ۳۶۰ھ تک تقریباً بیس تیس ہزار دینار کی قیمت کا مال ہر سال ملک سے باہر بھیجا جاتا رہا۔

عصر حاضر میں عجائب خانوں میں عہد عباسی کے کپڑے جن پر طراز کی تحریریں ہیں اور وہ عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔ سر فہرست قاہرہ کا موزۃ العربیہ ہے جہاں عہد عباسی کے بہت سے پارچات ہیں۔ ان کے بعد ایتھنز کے موزۃ البنا کی (Benaki) ہے(۵۷۶)۔

قاہرہ الفسطاط میں عباسیوں کے عہد میں ایک طراز خانہ عام (طراز العامہ بمصر) تھا جیسا کہ قاہر کے موزۃ العربیہ کے ایک کپڑے کے ٹکڑے سے پہلے بھی واضح ہو چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں لفظ "عامہ" لفظ خاصہ کے مقابلے میں وجہ امتیاز پیدا کرتا ہے یعنی خاصہ سے وہ کارخانہ مراد ہے جو صرف خلیفہ کے کاموں کے لیے مخصوص تھا اس کا یہ مطلب نہیں کہ الامین کے عہد میں قاہرہ کا کارخانہ (خالصہ) ایک غیر سرکاری کارخانہ ہو کر رہ گیا تھا۔ جو سرکاری اور غیر سرکاری لوگوں کی ضروریات پوری کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کارخانہ خالصیہ حکومت کی ملکیت ہو جو عوام الناس کو بھی کپڑا مہیا کرتا ہو(۵۷۷)۔

تاہم کسی بھی کارخانے کے متعلق یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ملکیت کی کیا صورت تھی عام خیال (Karabacek) کی تقلید میں آج یہی رہا ہے کہ طراز کے کارخانے کلی طور پر حکومت کے اختیار میں ہوتے تھے اور بنوامیہ اور بنو عباس ہمیشہ طراز کی صنعت اور اپنے حقوق کے تحفظ کا خاص خیال رکھتے تھے۔ لیکن فاطمی بادشاہوں کے زمانے میں ان کپڑوں کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی۔ جبکہ شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ عام کارخانے بھی موجود تھے(۵۷۸)۔ یمن کے دارالحکومت میں بھی جو پارچہ بافی کے لیے بہت مشہور تھا عباسیوں کے ذاتی کارخانے بھی موجود تھے(۵۷۹)۔

زنانہ کارخانے

> "قاہرہ میں تھوڑے عرصہ کے لیے طراز کا ایک زنانہ کارخانہ قائم ہوا تھا۔ جس میں خلیفہ وقت کے ملبوسات میں خفیف سی ترمیم یا اصلاح کرنے کے لیے تیس عورتوں کا عملہ رکھا گیا تھا۔ جو ایک عورت ہی کی نگرانی میں کام کرتا تھا" (۵۸۰)۔

"متوکل لباس"

متوکل نے سفید ابریشم والے نہایت ہی خوبصورت، خوش رنگ اور اچھی بناوٹ والے کپڑے کو رواج دیا۔ یہاں تک کہ یہ

لباس خلیفہ کے اہل خانہ اور عام لوگ بھی استعمال کرنے لگے جس کی وجہ سے اس کپڑے کی قیمت بہت زیادہ ہو گئی۔ متوکل نے لوگوں کی اس کپڑے میں اتنی دلچسپی دیکھی تو اپنے لیے کچھ کپڑے مخصوص کر لیے اور دوسرے عوام کے لیے رہنے دیے۔ یہ کپڑے "متوکل لباس" کہلائے (۵۸۱)۔

صنعت قالین بافی

کپڑے کی طرح عباسیوں کی سرپرستی کے سبب عراق کی صنعت سجاد یا قالین وغالیچہ نے بڑی ترقی کی۔ خصوصیت سے ایسے قالین تو بہت ہی نادر اور بے نظیر تھے جن کی بنائی میں سونے چاندی اور اون کے تار استعمال ہوتے تھے۔ بغداد واسط، میسان، دارالجبرد میں عمدہ قسم کے قالین تیار ہوتے تھے (۵۸۲)۔

قالین کے علاوہ لوگ دریاں بھی فرشوں پر بچھاتے تھے۔ باران طسوج، الروز وریویدت میں دریاں بنائی جاتی تھیں جو اعلیٰ درجے کی ہوتی تھیں جنہیں بڑے بڑے لوگ امراء ورؤساء استعمال کرتے تھے۔ درمیانہ طبقہ یہ استعمال نہیں کر سکتا تھا کیونکہ عمدہ اور پائیدار ہونے کی وجہ سے بہت قیمتی ہوتی تھیں۔ اگر انہیں "ارمنی" کے ساتھ استعمال کیا جاتا تو اچھی رہتیں ورنہ پھٹ جاتی تھیں۔ اس سے اونچے اونچے پردے بھی تیار کیے جاتے تھے (۵۸۳)۔

پردوں کی صنعت

قالینوں کے علاوہ عباسیوں کی خوش ذوقی اور نفاست پسندی نے "پردوں" کی صنعت کو بھی عروج دیا۔ شاہی محلات اور امراء کے عشرت کدوں کو مزین کرنے کے لیے واسط، آمد، ابلہ اور موصل کے جولاہوں نے بڑے خوبصورت اور نفیس قسم سے پردے تیار کیے۔ جن میں سونے اور چاندی کے تار استعمال کیے جاتے۔ فندخان میں بھی پردے تیار کیے جاتے (۵۸۴)۔ ابوالفدا نے لکھا ہے کہ جب (۳۰۵ھ میں) رومی سفیر بغداد آئے تو المقتدر کے محل میں ستر ہزار پردے لٹکائے گئے تھے جن میں ریشم وکمخواب اور لشو کے لاتعداد پردے تھے (۵۸۵)۔

شاہی کارخانے

اعلیٰ قسم کے قالینوں، پردوں اور ملبوسات کے لیے عباسی خلفاء کے اپنے ذاتی کارخانے ہوتے تھے۔ یہ کارخانے صناعوں کی نگرانی میں شاہی ضروریات کی تکمیل کرتے۔ بغداد میں ایسے بہت سے کارخانے تھے جو کہ ہر عباسی خلیفہ کے دور میں قائم تھے۔ ان کارخانوں کے نگران کو صاحب الطراز کہا جاتا تھا (۵۸۶)۔

امراء اور صوبیداروں کے کارخانے

بعض امراء اور صوبیدار بھی اپنے صوبوں میں ایسے کارخانے چلاتے تھے۔ راسبی اہواز کے صوبیدار نے اہواز میں ایسے کارخانے قائم کرر کھے تھے (۵۸۷)۔

صنعت شیشہ سازی

شیشے کے برتن اور دیگر اشیاء

عباسی تسلط سے پہلے ہی عراق میں شیشے کی صنعت موجود تھی۔ مگر عباسیوں کے دور میں اسے فروغ ملا اور اس دور میں جو اس صنعت میں صفائی اور خوبصورتی آئی وہ پہلے کبھی نہ تھی۔ عباسی دور کے صناع شیشے کے پیالے، گلاس، صراحیاں، جام اور قندیلیں تیار کرتے تھے۔ ان کے برتن سادہ اور منقش ہوتے۔ ان برتنوں پر جانوروں کی تصویریں ہوتیں یا مناظر کشی کی جاتی تھی۔ عموماً ان برتنوں کے رنگ سنہرے، سرخ، سبز، سفید اور چتکبرے ہوتے تھے (۵۸۸)۔

شیشہ سازی کے اہم مراکز

عراق نے اس صنعت میں بڑا نام پیدا کیا۔ خاص طور پر قندیل اور جام تو دور دور کے ممالک تک بھیجے جاتے تھے۔ بغداد کے شہر نصیبین اور حران میں شیشے کے باٹ بنتے تھے جو اشیاء وغیرہ کے تولنے کے کام آتے تھے (۵۸۹) بغداد میں شیشے کے نفیس اور خوبصورت برتن بنتے تھے۔ صور، صیدا اور شام کے دوسرے شہر شیشے کی صفائی اور نزاکت کے لحاظ سے ضرب المثل بن گئے تھے۔ یہ صنعت شیشہ سازی کی قدیم ''فینقی'' صنعت کی باقیات تھی اور قدامت کے اعتبار سے تاریخ میں مصر کی شیشہ سازی کی صنعت کے بعد اس کا نمبر تھا۔ صلیبی لڑائیوں کے نتیجہ کے طور پر شامی شیشہ یورپ کے بڑے بڑے کلیساؤں کے رنگین شیشوں کا پیش رو بن گیا۔ شام میں جو برتن بنائے جاتے تھے ان کی مانگ ان کے استعمال اور تزئین و آرائش کے لیے بہت مشہور تھی (۵۹۰)۔

ان پر باریک دھاریوں کا کام بوزنطینی زمانے سے چلا آ رہا تھا۔ شام میں شیشے کا اعلیٰ مسالہ تیار ہوتا تھا۔ نجف نے اس صنعت میں بہت نام کمایا۔ یہ صنعت وہاں عروج پر تھی۔ بصرہ کے شیشہ ساز شیشہ سازی میں خصوصی شہرت رکھتے تھے (۵۹۱)۔ مصر بھی شیشہ سازی میں ممتاز تھا۔ اوائل عہد اسلام میں شیشے کے برتنوں پر نقش و نگار نہیں ہوتے تھے اور ان پر کوئی عبارت کندہ ہوتی تھی۔ بعد میں ان کی آرائش گول تمغہ نما دائروں سے ہونے لگی جن میں قرص نما شکلیں جانوروں کی تصویریں اور کوئی عبارتیں ہوتی تھیں۔

شیشے پر رنگ سازی اور منظر کشی

بغداد رنگ سازی کی صنعت میں بہت مشہور تھا۔ اس فن میں ایرانی غیر معمولی کمال رکھتے تھے۔ وہ شیشے کے سامان پر بڑا نازک اور دیدہ زیب رنگ کرتے تھے۔ شیشے کی چیزوں پر کمال فن سے جواہر جڑتے تھے۔ ان کے فن کے کمال کی انتہا یہ تھی کہ شیشے کے ظروف پر لکھے ہوئے حروف ابھرے ہوئے تھے۔ سلاطین کے لیے جو پیالے بنائے جاتے تھے ان پر پرندوں کی تصویریں ایسی بنائی جاتی تھیں کہ پرندے زندہ معلوم ہوتے تھے۔ بعض پیالوں پر اڑتے ہوئے پرندوں کی تصویریں بنائی جاتی تھیں جن پر عقاب جھپٹتے دکھائی دیتے تھے۔ ان تصویروں کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی اور نگاہیں حیرت زدہ ہو جاتی تھیں (۵۹۲)۔

صنعت حکا کی یا کٹائی

شیشہ سازی سے متعلق ایک یادگار صنعت حکا کی یا کٹائی کی تھی۔ یہ کام دستی بھی ہوتا تھا اور چرخی سے بھی شیشے کا آبخورے ،قرابے اور لوٹے بنائے جاتے تھے۔فن کی آرائشی کٹائی سے کی جاتی تھی۔ان کے اندر پرندوں اور جانوروں کی تصویریں ہوتی تھیں۔موٹی دیوار والی عطر دانیاں شیشے میں سیسہ ملا کر اب بھی تمام اسلامی ممالک میں بنائی جاتی ہیں(۵۹۳)۔

سونے چاندی سے برتن اور دیگر اشیاء بنانے کا صنعت

بڑے شہروں کے سناروں نے شاہی محلات کے سونے اور چاندی کے عجیب وغریب برتن بھی بنائے۔ یہاں کے جام، صراحیاں، پیالے، گلدان، اپنی مثال آپ تھے۔شاہی محلات کی تمام مشعلیں اور چراغ سونے اور چاندی کے ہوتے۔ خیزرانیہ محل کی چھتیں بھی سونے کی تھی۔ گھوڑوں کی کاٹھیاں، کتابوں کی جلدیں، میز کرسیاں، تخت اور یہاں تک پلنگ تک سونے چاندی سے تیار کیے جاتے۔ مقتدر کے اصطبل میں چار سو کاٹھیاں سونے اور چاندی کی تھیں۔شاہی نشتگاہ سے متصل چمن میں سونے اور چاندی کے درخت لگائے گئے تھے۔ایک ایک درخت کی مالیت پانچ لاکھ درہم سے کم نہ تھی(۵۹۴)۔ذیب، بمشک (جالی دار) کام بھی چاندی سے کیا جاتا تھا۔ ہتھیاروں ،تلواروں ، بھالوں، خودوں ، ڈھالوں وغیرہ پر سونے چاندی کا کام ہوتا تھا(۵۹۵)۔

ہارون الرشید کے خزانے میں بے شمار صندوق سونے چاندی کی چھریوں سے بھرے پڑے تھے۔جن پر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔اسی طرح بے شمار سونے چاندی کے جڑاؤ گلاس بھی بھرے پڑے تھے۔ایک ایک چیز اپنی صنعت کا بہترین نمونہ تھی(۵۹۶)۔ہارون کے پاس ایسے آلات تھے جن کی ایک ایک قیمت ہزار دینار تک تھی(۵۹۷)۔

’’قیمتی پتھر‘‘ کے برتن اور دیگر اشیاء کی صنعت

مقریزی نے ایک سنگ’’ شب‘‘ کی چیز کا ذکر کیا ہے۔ جو مایدہ کہلاتی تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید کی نبیذ پینے کے جام’’بادزہر‘‘ کے تھے اور محل میں ان کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔چھریوں اور چمچوں کے دستے شب اور عقیق کے تھے۔ بلور صافی کے برتن چلپچی آفتابے بھی بنائے جاتے تھے۔خلیفہ کے آئینہ کا دستہ زمرد کا تھا(۵۹۸)۔

کھیلوں کے سامان کی صنعت

شطرنج کے مہرے اور نرد سے کھیلنے والے کھیلوں کی’’نردیں‘‘اور’’بساط‘‘ ہاتھی کے دانت اور آبنوس کی بنتی تھیں(۵۹۹)۔

لوہے کی مصنوعات کی صنعت

عباسیوں کے زمانے میں لوہے کی مصنوعات نے بھی بہت ترقی پائی۔خصوصیت سے تلواریں، زرہیں اور بھالوں کے پھل،کرسیاں، زنجیریں، کڑاہیاں،توے، ترازو، بٹے، برتن، دیگیں، چھریاں، چاقو،تالے،صندوق، الماریاں اور سائنس ،

ریاضی کے آلات اور اسی طرح کی دوسری چیزیں خوب بنائی گئیں اور اس دور کے ماہرین نے انہیں زیادہ سے زیادہ خوبصورت بنانے میں اپنی تمام تر مہارتیں صرف کر دیں۔ موصل کو زنجیروں اور چاقو چھریوں میں خصوصی کمال حاصل تھا۔ جیسا کہ عصر حاضر میں پاکستان میں وزیر آباد کو ہے۔ حران میں ریاضی و ہندسہ کے آلات تیار ہوتے۔ خصوصیت سے اسطرلات کی تیاری میں تو حران کے کاریگروں نے بڑی شہرت پائی (٦٠٠)۔ اس طرح یہاں کے ترازو بھی بہت پسند کیے جاتے تھے (٦٠١)۔

اسلحہ سازی

تلوار، نیزہ، ڈھال، گرز، خنجر، زرہ، خود وغیرہ منجنیقیں اور مٹی کے تیل کا استعمال بطور اسلحہ استعمال ہوتا تھا۔ عہد عباسی کے دفاعی نظام اور بے شمار فوج اور شوق جہاد کے لیے اسلحہ سازی میں کمال و مہارت کے ساتھ اس کی بہتات بھی ضروری تھی۔ لہٰذا ملک میں خدا کی طرف سے عطا کیے گئے معدنی ذخائر میں لوہا بھی کافی مقدار میں پایا جاتا تھا۔ جو اسلحہ سازی میں کام آتا تھا (٦٠٢)۔

خشت سازی کی صنعت

عباسیوں نے ایک نئے تمدن کو جنم دیا ہر طرف ان کی ''تعمیرات'' شہروں، بستیوں، محلوں، سراؤں اور حماموں کی صورت میں نظر آتی تھیں۔ یقیناً یہ سب اینٹوں سے بنایا جاتا تھا اس ذوق تعمیرات کی تسکین کے لیے عہد عباسی میں صنعت خشت سازی کو بھی بہت فروغ ملا اینٹوں کے نام مقرر ہوتے تھے۔ جیسا کہ جس اینٹ سے بغداد کی تعمیر ہوئی اسے جعفری اینٹ کہتے تھے۔ اس کا وزن بقول الخطیب بغدادی ١٧ رطل (٦٠٣) اور الیعقوبی ٢٥٠ رطل تھا اور چوڑائی ایک ذراع (٦٠٤) تھی۔

چمڑے کی صنعت

چمڑے کی صنعت عباسی دور میں خوب بڑھی تھی۔ بغداد اس صنعت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ یہاں ہر قسم کے چمڑے کی مصنوعات فروخت ہوتی تھیں (٦٠٥)۔

ٹینریز اور چمڑے کا استعمال

یمن میں صعدہ کے مقام پر بہت سے تاجر رہتے تھے۔ یہاں کے لوگ چمڑے کی دباغت کرتے تھے اور جوتیاں وغیرہ بناتے تھے (٦٠٦)۔ ''چمڑے'' کی چونے سے دباغت کی جاتی تھی اور اس چمڑے پر کتابیں وغیرہ لکھی جاتی تھیں۔ لیکن یہ چمڑا بہت سخت ہوتا تھا۔ بعد میں کھجور سے دباغت کا رواج ہوا یہ کوفی دباغت کہلاتی تھی۔ کوفی دباغت شدہ چمڑا نرم ہوتا تھا۔ لہٰذا یہ استعمال ہوتا تھا۔ شاہی فرامین بھی چمڑے پر لکھے جاتے تھے۔ امین کے دور میں حکومتی ضروری تحریریں چمڑے پر لکھی جاتی تھیں (٦٠٧)۔

چمڑے کی جلد سازی

کتابوں کی جلدیں بھی چمڑے کی بنائی جاتی تھیں۔ جلد بندی کا فروغ مامون کے عہد میں ہوا۔ ابتداء میں جلدیں بدنما بھی تھیں۔ ان میں ایسا چمڑا لگایا جاتا تھا جس کی چونے سے دباغت کی جاتی تھی۔ مگر کوفہ میں کھجوروں سے دباغت کا نیا طریقہ ایجاد ہوا جس سے نرم اور اچھا چمڑا بننے لگا (۶۰۸)۔ اس سے جلدیں تیار کرنے اور ان کو مزین کرنے میں بڑی تیزی سے ترقی ہوئی۔ قرآن مجید کی ایسی جلدیں بننے لگیں کہ وہ سنہرے نقش و نگار سے دیدہ زیب اور سونے کا ڈلا معلوم ہوتی تھیں (۶۰۹)۔

روغنیات عطر اور عرقیات کی صنعت

بغداد اس دور میں مختلف قسم کے عطروں، خوشبوؤں اور غیر خوشبودار تیلوں گلاب اور دوسرے پھلوں کے عرق تیار کرنے میں آگے بڑھ گیا تھا۔ بغداد میں ایک بازار صرف ایسا تھا جہاں مختلف قسم کے تیل اور عطر بکتے تھے۔ اس طرح بصرہ اور کوفہ عرق گلاب اور روغن بنفشہ تیار کرنے میں بہت خصوصیت رکھتے تھے (۶۱۰) روغن بادام، روغن تل، روغن کدو اس طرح کے دوسرے روغنیات بھی عراق کی خاص مصنوعات تھے۔ فارس میں گلاب، زعفران، پھولوں اور دیگر جڑی بوٹیوں کا عرق نکالا جاتا تھا۔ علاقہ جور "عرقیات" کے لیے بہت مشہور تھا (۶۱۱)۔ ارجان میں تیل بہت تھا (۶۱۲)۔ خوزستان عطریات کے لیے مشہور تھا۔ گور اور سرے بور میں عمدہ اور خوشبودار سر میں ڈالنے والا تیل بنایا جاتا تھا۔ خوشبودار تیل اور عطر بنانے کی صنعت نے بہت ترقی کی اور بہت جلد پورے ملک میں پھیل گئی (۶۱۳)۔

صابن سازی کی صنعت

عراق میں ایک خاص صنعت صابن سازی تھی۔ بغداد اور رقہ اس صنعت کے دو بڑے مرکز تھے۔ بغداد کا ایک پورا محلہ اس کام کے لیے مخصوص تھا (۶۱۴)۔ بعد میں رقہ نے اس صنعت میں حیرت انگیز خصوصیت حاصل کر لی۔ بغداد میں کتنا صابن تیار ہوتا تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ صرف عید الفطر کی رات بغداد کے لوگ پندرہ لاکھ رطل صابن استعمال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ شہر میں بے شمار حمام تھے جہاں بے حساب صابن روزانہ خرچ ہوتا تھا (۶۱۵)۔ ارجان میں بھی عمدہ درجے کا صابن بنتا تھا (۶۱۶)۔

کاغذ سازی کی صنعت

کاغذ چین کی ایجاد ہے۔ یہ چین میں کھاس سے تیار کیا جاتا تھا۔ پھر یہ خراسان میں چینی کاریگروں نے چینی کاغذ کی ساخت پر تیار کیا۔ مختلف روایات ہیں کہ بنو امیہ کے دور میں شروع ہوا یا عباسی دور میں؟ تاہم عباسی دور میں اس صنعت نے کافی ترقی کی" (۶۱۷)۔ جرجی زیدان کا اعتراف ہے کہ:

"عہد عباسی کے آغاز میں کاغذ کا استعمال شروع ہوا۔ فضل بن یحیٰی نے اس سلسلے

میں رہنمائی کی جس سے کاغذ کا استعمال و رواج عرب میں پھیلا۔ غالب امکان یہ ہے کہ عربوں نے چین سے کاغذ سازی سیکھی کیونکہ چینی ولادت مسیح سے پہلے ہی کاغذ سازی کے استاد مانے جاتے تھے۔ اگر کاغذ بنانے کی صنعت کو "دنیا میں پھیلانے" کے سلسلے میں مسلمان یکتائی کا دعویٰ کریں تو انہیں یہ حق پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے سوا اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں ملتا جس نے اس صنعت کو پھیلایا ہو۔ نیز اس بات سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے کہ جب وسطی صدیوں میں اہل یورپ غفلت کی گہری نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے ملک شام کا بنا ہوا کاغذ استعمال کیا" (٦١٨)۔

دوسرا ثبوت یہ ہے کہ قدیم ترین عربی کاغذ پر جو تحریر ملی ہے وہ ابوعبید قاسم بن سلام کی کتاب "غرائب الحدیث" ہے۔ جو ذوالقعدہ ٢٥٢ھ / نومبر دسمبر ٨٨٦ء میں لکھی ہوئی ہے اور لیڈن یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہے"۔ (٦١٩)۔

"ایک اور کتاب "دیوان الادب" برٹش میوزیم، لندن کے کتب خانے میں پائی جاتی ہے جو چوتھی صدی ہجری کے شروع میں لکھی گئی تھی" (٦٢٠)۔

علامہ ابن خلدون کا بیان ہے کہ:

"فضل بن یحییٰ نے کاغذ بنانے کی طرف توجہ دلائی چنانچہ کاغذ سازی کا ظہور ہوا اور اس پر شاہی فرامین، دستاویزات لکھی جانے لگیں۔ پھر لوگ کاغذ پر شاہی خطوط اور علمی کتابیں بھی لکھنے لگے۔ کاغذ سازی نے حسب حیثیت ترقی کی۔ پھر علماء نے علمی کتابوں پر اپنی توجہ مبذول کی" (٦٢١)۔

جبکہ "سالنامہ کابل" کا مصنف لکھتا ہے کہ:

"پیرس کے میوزیم میں کاغذ کے بعض نمونے محفوظ ہیں جو دوسری صدی ہجری کے بغداد کے بنائے ہوئے ہیں اور جن پر عربی عبارات موجود ہیں۔ اس میوزیم میں ایک کاغذ کے ٹکڑے پر کچھ ریاضی کے مسائل لکھے ہوئے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ٩٧٠ء میں شیراز ساختہ ہیں" (٦٢٢)۔

کاغذ کی اقسام

کتان

خراسان کا کاغذ "کتان" کہلاتا تھا۔ جو السی سے تیار کیا جاتا تھا۔ اسی طرح سلیمانی، طلحی، نوحی، فرعونی، جعفری اور طاہری کاغذ کی مختلف اقسام تھیں۔ جن کے بارے میں روایات تھیں کہ یہ کاغذ چینی کاریگروں کی مدد سے چینی کاغذ کی ساخت پر

تیار کیا جاتا تھا (۶۲۳)۔

ورق سلیمانی

ایسے صفحے کو کہتے تھے جس میں بیس سطریں ہوتی تھیں اور یہ سلیمان بن راشد کی طرف منسوب تھا جو ہارون الرشید کے دور میں والئی خراسان تھا (۶۲۴)۔

ورق طلحی

ایسا صفحہ جس پر بیس لائنوں سے زیادہ لائنیں ہوتی تھیں۔ یہ خاندان طاہر کے سربراہ طلحۂ بن طاہر کی طرف منسوب تھا (۶۲۵)۔

سوق الوراقین

بغداد کے لوگ سالہا سال تک ایسا کاغذ لکھنے کے لیے استعمال کرتے رہے جس پر لکھ کر مٹایا جا سکے (۶۲۶)۔ بغداد میں ایک پورا بازار کاغذی کاروبار کا تھا۔ جو "سوق الوراقین" کہلاتا تھا۔ یہاں تقریباً سو سے زیادہ دکانیں تھیں (۶۲۷) مصر کے کاغذ ساز کاغذ سازی میں بہت شہرت رکھتے تھے (۶۲۸)۔ سرکاری استعمال کے لیے کاغذ مصر سے آیا کرتا تھا۔ ابوجعفر منصور کے عہد میں کاغذ کا ایک طومار (رول) ایک درہم کا آتا تھا (۶۲۹)۔

کتابت

اس دور میں کثرت سے کتابیں تصنیف و تالیف ہوئیں۔ ان کی نقول کے لیے ہزار ہا کاتب پیدا ہو گئے۔ جس کی وجہ سے خوشنویسی کو بڑا فروغ ملا۔ مامون کے عہد خلافت میں جب علم و ادب کی کتابوں کی تالیف و تصنیف و تجارت کا زور ہوا تو اس کے ساتھ ساتھ طرز تحریر کو خوشنما بنانے پر بھی توجہ دی گئی۔ مشہور عالم و مدبر وزیر ابن مقلہ (متوفی ۳۲۸ھ) نے عربی رسم الخط کو گول اور خوبصورت بنانے پر خاص توجہ کی۔ اس کے بعد ابن بواب (متوفی ۴۲۳ھ) مشہور خوش نویس تھا جس نے حرفوں کو مدور اور جوڑنے کا عمل مکمل کر کے رسم الخط کی خوشنمائی کو کمال پر پہنچایا۔ مشہور خطاط یاقوت (متوفی ۶۱۸ھ) نے اور بھی اس میں کمال دکھایا (۶۳۰)۔

مصوری

گو مصوری کا عام رواج تھا اس میں بھی ترقی ہوئی۔ سامرہ کے محلات کی دیواروں پر تصاویر بنائی گئی تھیں۔ مقریزی نے بصرہ میں تصویر کشی کے فن کا ذکر کیا ہے۔ وہاں مصوروں کا خاندان تھا جو بنو معلم کہلاتا تھا۔ اس عہد کے مشہور مصور قیصر اور ابن عزیز تھے۔ یہ دونوں وزیر بازوری کے زمانے میں تھے (۶۳۱)۔

خوشبودار لکھنے والا مواد

مشک، عنبر اور کافور کی آمیزش سے لکھنے کا مواد بنایا جاتا تھا۔ جس سے کپڑے پر لکھا جا سکتا تھا۔ ابوالعتاہیہ شاعر اس سے لکھتا

تھا(٦٣٢)۔

بال رنگنے اور چہرہ بلیچ کرنے والی مصنوعات

عصر حاضر کی طرح ایسے کیمیکل تیار ہوتے تھے جس کے لگانے سے چہرے کا رنگ براؤن (بھورا) ہو جاتا تھا اور داڑھی کا کالا۔ یہ کیمیکل ہیئت بدلنے چہرے اور داڑھی کے رنگ کو تبدیل کرنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ جس سے جاسوسی وغیرہ کے اغراض بھی پورے کیے جاتے تھے(٦٣٣)۔

دیسی گھی کی فروخت

گھی لوگ جمع کر کے بازاروں میں لاکر فروخت کیا کرتے تھے۔ وزیر بن زیات بھی وزارت سے پہلے گھی فروخت کیا کرتا تھا(٦٣٤)۔

برف کا استعمال

عہد عباسی میں برف بھی موجود تھی۔ یعنی انہیں پانی کو جما کر برف بنانے کا طریقہ بھی آتا تھا۔ نہ صرف برف بنانے کا بلکہ اسے محفوظ رکھنے کا بھی طریقہ معلوم تھا۔ جیسا کہ ١٤٠ھ میں محمد بن سلیمان نے خلیفہ مہدی کو مکہ میں برف بھیجی۔ یہ پہلے خلیفہ تھے جن کے لیے اتنا اہتمام کیا گیا کہ انہیں مکہ میں قیام کے دوران برف بھیجنا پڑی (٦٣٥)۔

رنگ سازی کی صنعت

آج کل یورپین صناعوں نے کپڑے رنگنے میں جو مہارت حاصل کی ہے یہی مہارت عباسی دور کے صناع کو بھی حاصل تھی۔ ان کے رنگ بے حد پختہ ہوتے تھے۔ وہ رنگوں کو پختہ کرنے اور انہیں زیادہ چمکیلا بنانے کے لیے عموماً زعفران کا استعمال کرتے۔ دبیل میں ایک رنگ قرمز ہوتا تھا جس سے صوف (اون) رنگتے تھے(٦٣٦)۔

لکڑی کی مصنوعات کی صنعت

لکڑی کی صنعت نے بھی عباسی خلفاء اور ان کی بے انتہا ثروت کے سبب خوب فروغ پایا۔ بڑھیوں (نجاروں) کے پاس بادشاہوں اور امراء کی دولت میں شریک ہونے کے لیے اگر قیمتی دھاتیں نہ تھیں۔ یہ لکڑی تو تھی۔ انہوں نے ٹکڑوں پر اپنی ذہانتیں صرف کر دیں اور شاہی محلات اور بیگمات کے کمروں کو زینت دینے کے لیے خوبصورت سے خوبصورت، صندوقچیاں، عطر دانیاں، سنگھار بکس، میزیں، کرسیاں اور پلنگ تیار کیے۔ ساج کی لکڑی پر خصوصیت سے ان بڑھیوں نے بڑی مہارت صرف کی (٦٣٧)۔

جرجان میں اچھی لکڑی تیار کی جاتی تھی۔ جن سے عمدہ قسم کی لکڑی کی مصنوعات تیار کی جاتی تھیں (٦٣٨)۔ طبرستان میں

زیادہ تر عمارتیں بھی لکڑی کی بنی ہوتی تھیں۔ یہاں کی لکڑی سخت ترین ہوتی تھی۔ جس سے پلیٹیں اور دیگر برتن بنائے جاتے تھے۔ جو پوری دنیا میں برآمد کیے جاتے تھے۔ کشتیوں جہازوں سے تجارت، سفر اور جنگ کی جاتی تھی۔ لہٰذا ان کی صنعت بھی بہت وسیع تھی۔ غندقان میں کرسیاں بنائی جاتی تھیں(۶۳۹)۔

لکڑی کی کندہ کاری

جامع قیروان کا منبر جو ہارون الرشید کے عہد کا ہے بغداد کی چوبی کندہ کاری کا بہترین نمونہ ہے چوبی کندہ کاری میں تبدیلیاں آتی رہتی تھیں(۶۴۰)۔

ہاتھی دانت اور ہڈی کے کام کی صنعت

اوائل دور عباسی میں چوبی تختیوں اور پٹیوں پر ہاتھی دانت سے نقاشی کی جاتی تھی۔ ان کے نادر نمونے عصر حاضر میں قاہرہ کے الموزۃ العربیہ میں موجود ہیں(۶۴۱)۔

سنگ تراشی وگچ کاری کی صنعت

عباسی عہد میں فن تعمیر کا نقطہ عروج سامرا اور بغداد کے شاہی محلات تھے۔ سامرا کی کھدائی سے پتہ چلا ہے کہ یہاں شاندار مساجد، محلات، بازار اور امراء کے سکونتی مکانات تھے۔ ان کے آرائشی نقوش انگور کے پتوں، صنوبر کے پھلوں، کھجور کے پتوں اور اقلیدسی ہندسوں پر مشتمل تھے۔ سنگ تراشی وگچ کاری کے بہترین نمونے عباسی محلات، مکانات اور مساجد میں ملتے تھے(۶۴۲)۔ مصر میں رقم، بلقاء کے قریب ایک شہر کے تمام گھر پتھر تراش کر بنائے گئے تھے ان کی دیواریں پتھر کی تھیں گویا ایک ہی پتھر سے بنی ہوں۔ کوفہ کے سنگ ساز سنگ سازی میں بہت شہرت رکھتے تھے(۶۴۳)۔

موسیقی کی صنعت

موزوں اشعار کو سردں کے ساتھ پڑھنا غنا (گانا، گیت) کہلاتا ہے۔ گانے میں سر کاٹ کاٹ کر مشہور نسبتوں سے پڑھے جاتے ہیں۔ یہی کٹے ہوئے سر نغمے کہلاتے ہیں جب یہی نغمے مشہور نسبتوں سے مل جاتے ہیں تو ان کے متناسب ہونے کی وجہ سے سننے والوں کو بڑی لذت آتی ہے اور ان میں عجیب وغریب نشاط آفریں کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

عباسیہ حکومت میں ابراہیم بن مہدی، ابراہیم موصلی، اسحاق بن ابراہیم اور احمار بن اسحاق پر یہ فن کمال کو پہنچ گیا تھا۔ بغداد میں گانے بجانے اور ناچنے کا خوب زور تھا۔ خوب محفلیں سجنے لگیں۔ عرب لہو ولعب میں آگے بڑھے۔ رقص اور سرور کے سامان وادزار تیار کرنے لگے۔ ہر طرح کے آلات موسیقی بنائے جاتے تھے۔ یہ باقاعدہ ایک صنعت اختیار کر چکے تھے۔ جن میں درج ذیل آلات موسیقی اہم تھے(۶۴۴)۔

(۱) شبانہ (بانسر)، (۲) مزمار (باجہ)، (۳) بوق (بگل) بانسری کی سب سے بہتر قسم (۴) عود اور، طنبورہ وغیرہ۔

موسیقی کا عروج وزوال

موسیقی کی صنعت، تمدن میں سب صنعتوں سے آخر میں آتی ہے۔ کیونکہ یہ صنعت زندگی میں لطف پیدا کرنے والی اور زندگی کے ایسے گوشے میں چمکتی ہے جسے فراغت کہتے ہیں۔ فراغت و دولت اسی وقت آتی ہے جب کوئی حکومت ترقی کا دور پورا کرنے کے بعد روبہ تنزل ہوتی ہے اور یہ فن تمدن میں خلل آتے ہی سب سے پہلے ختم ہو جاتا ہے(۶۴۵)۔

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رُباب آخر

(علامہ اقبال)

معدنی پیداوار (کانیں)

معاشی ذرائع میں معدنی پیداوار خاص اہمیت کی حامل تھی۔ اس میں جہاں لوگوں کو فائدہ ہوتا وہاں حکومت کے مالیات میں بھی خمس کی صورت میں اضافہ ہوتا تھا(۶۴۶)۔

معادن سے مراد زمین کے وہ ٹکڑے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے دھاتیں، جواہر اور دوسری قسم کی اشیاء پیدا کی ہیں۔ ان معادن (کانوں) کی دو قسمیں ہوتی تھیں(۶۴۷)۔

1:- ظاہری معادن

2:- باطنی معادن

1-ظاہری معادن

ظاہری معادن وہ تھیں جن کی پیداوار نمودار اور کھلی ہوتی تھی۔ مثلاً سنگ مرمر، سرمہ، نمک، تارکول اور نفط کی کانیں وغیرہ۔ ان چیزوں میں حکومت کا حصہ لینا جائز نہیں تھا۔ بلکہ یہ سب پانی اور ہوا کی طرح عام فضا میں تھے۔ یہ کانیں نفع اٹھانے کے لیے وقف تھیں۔ جس کا جتنا جی چاہتا اپنی ضرورت کے موافق لے لیتا تھا۔

2-باطنی معادن

ان سے مراد وہ کانیں تھیں جن کی پیداوار ان کی تہہ میں چھپی ہوتی تھی۔ مثلاً سونا، چاندی، تانبا، پارہ، فیروزہ، زبرجد یعنی دھات وجواہرات وغیرہ۔ حکومت ان کے نکالنے والوں سے اپنا حصہ لیتی تھی۔ جو برآمد شدہ مال کا پانچواں حصہ ہوتا تھا۔

معدنیات کے مراکز (۶۴۸)

1:- خراسان	سونا، چاندی، فیروزہ، سنگ مرمر، گل مختوم، نوشادر اور پارہ۔
2:- ماوراء النہر	سونا، چاندی، لوہا اور عمدہ قسم کا پارہ۔
3:- بلاد فارس	چاندی، سونا، زمرد، لوہا، سیسہ، گندھک، نفط، چینل اور پارہ۔
4:- اصفہان کا مغربی خطہ	سنگ مرمر۔

5:- کرمان کے شہر دمندان — سونا، چاندی، لوہا، تانبا، نوشادر اور پیتل وغیرہ۔

6:- شمالی افریقہ کے سواحل — دریا کے اندر مونگوں کی کانیں تھیں اور یہ اتنے زیادہ ہوتے کہ ایک ہی جگہ سے پچاس یا اس سے زائد ڈونگیاں مونگے بھری جاتی تھیں اور ایک ڈونگی میں بیس رطل مونگا سما جاتا تھا

7:- سکندریہ مصر — سنگ مرمر جس سے فرش عمارات اور ستون بناتے تھے

8:- شام میں بیروت کے قریب — لوہا

9:- حلب — عمدہ گیرو مٹی، سنگ سرخ کے پہاڑ

10:- فلسطین — سنگ مرمر

11:- اغوار — گندھک

12:- صنعاء — عقیق

13:- بلخ اور مرو — سونا

14:- عدن — موتیوں کے ذخائر اور عنبر

15:- فرغانہ میں انشاش کے قریب چاندی کی کان

عباسی مملکت کے معادن کی یہ ایک مختصر سی مثال ہے۔ اس سے بیت المال کا حق یعنی پانچواں حصہ وصول کیا جاتا تھا۔ معادن پر بھی پیداوار کا حصہ قائم کر کے ٹھیکہ دیا جاتا تھا اور کبھی ایک مقررہ رقم پر جو بہت زیادہ ہوتی تھی۔

عوام کے دیگر معاشی ذرائع

دراصل نظام قدرت کے تحت معاشرہ کو چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو مختلف قسم کی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ کوئی حکومت کرتا ہے تو کوئی غلامی کوئی تجارت کرتا ہے تو کوئی صنعت وحرفت میں نام کماتا ہے۔ کوئی جوتے بناتا ہے تو کوئی کپڑے بنا کر معاشرے کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ جیسا کہ خلیفہ متوکل کا قول ہے کہ:

> ''تمام انسانوں میں مختلف صلاحیتیں ہیں۔ کچھ تجارت، کھیتی باڑی اور سیاست وغیرہ میں ماہر ہوتے ہیں تو کچھ نائی، حجام، جولاہا وغیرہ اچھے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ سب پیشے اللہ تعالیٰ نے معاشرے کی ضروریات کے لیے بنائے ہیں'' (۶۴۹)۔

لہٰذا عصر حاضر کی طرح اس دور میں بھی کچھ لوگ حکومت کے ملازم ہوتے تھے اور کچھ لوگ نجی کاروبار کرتے تھے۔ جن میں ہر چھوٹا بڑا پیشہ وہنر شامل ہوتا تھا۔

سرکاری ملازمین

سرکاری ملازمین میں درج ذیل لوگ شامل ہوتے تھے۔

وزراء، عاملین اور والیوں کے علاوہ

تمام دواوین کا عملہ

مثلاً دیوان الخراج، دیوان البرید، دیوان الضیاع، دیوان الزمام اور دیوان الجند وغیرہ (۶۵۰)۔

عدالت کا عملہ

ان میں قاضی، قاضی القضاۃ، منشی، کاتب اور دیگر ملازمین شامل تھے (۶۵۱)۔

فوج

سپہ سالار، سپاہی، جاسوس، ڈاک کا افسر اور دیگر عملہ اور خلیفہ کی ذاتی فوج وغیرہ (۶۵۲)۔

پولیس

اس کا سربراہ صاحب الشرطہ کہلاتا تھا۔ جو ایک خاص اہمیت کا حامل سرکاری عہدہ تھا (۶۵۳)۔

شاہی معمولات پر مامور عملہ (۶۵۴)

ٹکسال کے ملازمین وغیرہ (۶۵۵)

نجی کاروبار

لوگ ہر طرح کا نجی کاروبار کرتے تھے۔ جس میں باقاعدہ طور پر ملازمت بھی ہوتی تھی ہنر و پیشہ بھی شامل تھا۔ سلطنت میں بڑے بڑے کاروبار سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے پیشے بھی موجود تھے اور ہر شخص کو وسائل معیشت میسر تھے مثلاً

صرافی

سونا عام تھا۔ اس لیے صرافی کا کام بھی بھرپور تھا۔ بلکہ صرافوں کا کام زیادہ تر دیناروں کو پرکھنا ہوتا تھا۔ جس سے کھرے کھوٹے پہچانے جاتے تھے (۶۵۶)۔

سناروں نے ہی چیک جاری کرنے کی ابتداء کی۔ لوگ ان کے پاس سونا رکھ جاتے تھے اور اتنی مالیت کی رسید لے جاتے تھے۔ اس لیے جہاں یہ رقم دینا ہوتی صراف اس کے نام یہ رسید لکھ دیتے تھے۔ یہ سفتجہ کہلاتا تھا۔ اس طرح محفوظ سفر کرتے تھے۔ یعنی ایک جگہ سونا رکھ کر دوسری جگہ کے کسی شخص کے نام چیک سنار سے لے لیتے۔ وہاں پہنچ کر سونا یعنی دینار اس شخص سے وصول کر لیتے (۶۵۷)۔

برتن سازی

کمہار برتن بنانے کا کام کرتے تھے۔ یہ "مٹی" سے برتن بناتے تھے۔ بعض نامور لوگ بھی یہ پیشہ اپنائے ہوئے تھے۔ جیسا کہ مشہور درباری شاعر ابوالعتاہیہ مٹی کے برتن بھی بناتا تھا (۶۵۸)۔

عطائیت

غیر مستند قسم کے لوگ بھی سڑکوں پر چند شیشیاں دواؤں کی رکھ کر لوگوں کا علاج کیا کرتے تھے (جیسا کہ غیر ترقی یافتہ معاشروں خصوصاً پاکستان میں آج کل بھی ہو رہا ہے) بلکہ کچھ لوگ تو پڑھے لکھے بھی نہ ہوتے تھے اور اگر دکان کھول لیتے تو صرف چند مخصوص دواؤں سے علاج کرتے تھے۔ درج ذیل واقعات سے اس دور کی عطائیت اور عصر حاضر کی عطائیت میں مماثلت بہت اچھی طرح واضح ہو سکتی ہے:

> "ایک مرتبہ ہارون الرشید شدید بیمار ہوا۔ آخر کار ہندوستان کے طبیب منکہ کی شہرت سن کر اسے بلایا گیا۔ جس کے علاج سے ہارون صحت یاب ہو گیا۔ ایک دن طبیب "منکہ ہندی" بغداد میں سے گزر رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی چادر، بچھا کر جڑی بوٹیاں پھیلا کر کہہ رہا ہے کہ یہ "معجون ہر قسم کے بخار، درد، بواسیر، ریاح، آشوب چشم، وجع المفاصل، درد شکم، درد سر، شقیقہ، سلسل البول، فالج، رعشہ غرض ہر مرض کے لیے مفید ہے"۔
>
> منکہ کو جب یہ سب ترجمان کے ذریعے پتہ چلا تو وہ کہنے لگا کہ "اگر اس کی باتیں درست ہیں تو پھر خلیفہ نے ناحق مجھے سفر کی تکلیف دی اور میرے لیے اتنی رقم خرچ کی۔ یہ مسیحا تو اس کے پاس ہی تھا اور اگر اس کی باتیں غلط ہیں تو پھر خلیفہ اس کو قتل کیوں نہیں کر دیتا۔ کیونکہ شریعت نے اس کا قتل جائز قرار دیا ہے۔ اس ایک آدمی کی موت سے بہت سے لوگوں کی زندگی بچ جائے گی۔ یہ شخص اگر زندہ رہا تو روزانہ تین چار آدمیوں کی جان لے لے گا یہ زمین میں فساد اور حکومت میں کمزوری کا باعث ہے" (٦٥٩)۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب مقتدر کے دور میں طبیبوں کا امتحان ہوا تو ممتحن سنان سے ایک بوڑھا طبیب کہنے لگا کہ

> "نہ تو میں اچھی طرح پڑھ سکتا ہوں اور نہ ہی میں نے طب میں کوئی باقاعدہ کتاب پڑھی ہے لیکن میں ایک خاندان رکھتا ہوں جس کا پیٹ پیشہ طبابت کی مزدوری سے بھرتا ہے لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ میرے معاش کو بند نہ کریں"۔

سنان کہنے لگا کہ "ٹھیک ہے پھر تم سادہ اور بے ضرر دوائیں دینا فصد تجویز نہ کرنا"۔ اس نے جواب دیا کہ میں سکنجبین اور جلاب سے کبھی آگے نہیں بڑھا۔

اگلے دن پھر ایک نوجوان کا امتحان لیا۔ تو پوچھا استاد کون ہے تو اس نے کہا وہی بوڑھا جو کل آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ سنان نے کہا تم اسی کے طریقہ علاج پر عمل پیرا ہو اس نے کہا ہاں۔

سنان نے کہا "اچھا مگر احتیاط رکھنا اور بوڑھے کے طریقہ علاج سے آگے نہ جانا" (٦٦٠)۔

کان کنی

معدنیات کو نکالنے کے لیے کان کنی کا پیشہ اہم تھا۔ ماہر کان کن یہ کام سرانجام دیتے۔ مزدور بھی شامل ہوتے (۶۶۱)۔

کتب فروشی

بغداد میں ایک مستقل بازار تھا جو "سوق الوراقین" کہلاتا تھا۔ یہاں کتب فروش ہوتے تھے وہ جلد بندی بھی کرتے تھے اور نادر کتب کی نقلیں بھی کراتے تھے (فروخت کے لیے) نقل نویس نساخ کہلاتے تھے۔ یہ سینکڑوں علماء کی معاش کا بہترین ذریعہ تھا۔ ساتویں صدی ہجری تک یہ پیشہ فروغ پذیر رہا۔ دراصل یہ علمی ترقی کا دیباچہ تھا۔ حنین بن اسحاق اس دور کا مشہور مترجم تھا۔ جس کے بارے میں عیونُ الانباء کا مصنف لکھتا ہے کہ وہ ترجمے کی اجرت اس طرح لیتا تھا کہ جس طرح کوئی صنعت کار کسی صنعت کی اجرت لیتا ہے (۶۶۲)۔

کتابوں کی دکانیں کرایہ پر دینا (لائبریری کی قسم)

وراق کتابوں کی دکانیں کرایہ پر دیتے تھے۔ جیسا کہ جاحظ یہ دکانیں کرایہ پر لیتا تھا اور محض کتابیں دیکھنے کے لیے وہاں ٹھہر جاتا تھا (۶۶۳)۔ جب کہ عصر حاضر میں اس صورت حال نے لائبریری کی شکل اختیار کر لی ہے۔

شاعری

لوگوں نے شاعری کو بطور پیشہ اپنایا ہوا تھا اور یہی ان کی روزی کا وسیلہ ہوتا تھا (۶۶۴)۔

قصہ گوئی

عرب لوگ ابتداء ہی سے خطابت، بلاغت وفصاحت اور اپنی زبان دانی اور زبان آوری میں تو ویسے ہی مشہور ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی اس صفت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے تھے۔ قصہ گوئی بطور پیشہ لوگوں نے اپنا رکھی تھی اور قصہ گو راستے میں بیٹھا کرتے تھے۔ معتضد کے دور میں اس کی ممانعت کی گئی (۶۶۵)۔ جبکہ عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ نے یہ فریضہ سنبھال لیا ہے۔ مثلاً ٹی، وی، ریڈیو، فلم، رسائل اور اخبارات وغیرہ۔

نجومی (منجم)

منجم بھی راستوں میں بیٹھا کرتے تھے۔ معتضد نے انہیں بھی منع کیا (۶۶۶)۔ اس کے علاوہ یہ گلی کوچوں میں پھر کر آواز لگاتے اور لوگوں کو قسمت کا حال بتاتے تھے۔ ان کی اجرت کم از کم ۱۰ دینار یا دس درہم بھی ہوتی تھی۔ یعنی جیسا "موقع" "حالت" یا "لوگ" ہوتے ویسا ہی ان کے مطابق معاوضہ لے لیا جاتا تھا (۶۶۷)۔

یہی حال آج پاکستان میں ہے بلکہ اب تو سڑکوں کے علاوہ باقاعدہ دکانیں کھولی ہوئی ہیں اور یہ کاروبار ایک وباء کی صورت پھیل چکا ہے۔

مسخرے بھانڈ

ایک خاص طبقے کا کام لوگوں کی خوشی کے موقعوں پر جا کر مبارکباد دینا، جگتیں مذاق الٹی سیدھی باتیں اور حرکتیں کر کے لوگوں کو ہنسانا بھی تھا۔ یہ ان کا پیشہ تھا۔ یہ معاشرہ کا یہاں تک کہ دربار شاہی کا لازمی جزو تھا (٦٦٨)۔ پاکستان میں بھی یہ طبقہ موجود ہے۔ لیکن حکومت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

درزی

درزی ہر جگہ موجود تھے۔ ہارون الرشید کے عہد میں ایک قمیض کی سلائی دو درہم تھی (٦٦٩)۔

پرندے سدھانا

پیغام رسانی اور جاسوسی کے لیے پرندے سدھائے جاتے تھے (٦٧٠)۔ لوگ پرندے سدھانے کا کام کرتے تھے۔

قصاب

قصابوں کی دکانیں ہر جگہ موجود تھیں۔ بغداد میں محلہ کرخ جہاں تمام بازار تھے وہاں سب سے آخر میں قصابوں کی دکانیں تھیں (٦٧١)۔ ان کی دکانیں آخر میں اس لیے رکھی گئی تھیں کہ ان کے پاس تیز دھار والے اوزار ہوتے تھے۔ جو کھلے عام پڑے ہوتے تھے۔ عصر حاضر میں بھی قصابوں کے لیے علیحدہ مارکیٹیں بھی ہیں اور جگہ جگہ دکانیں بھی ہوتی ہیں۔ جن میں تیز دھار والے اوزار بھی کھلے عام پڑے ہوتے ہیں۔

نانبائی اور سبزی فروش

ملک میں نان بائی جگہ جگہ موجود تھے۔ بلکہ فارس کے ضلع سابور میں ہر میل کے فاصلے پر روٹیاں لگانے والے اور سبزی فروش ہوتے تھے (٦٧٢)۔

شتربانی، سائیس اور ملاح گیر

چونکہ سواری کے لیے اونٹ، گدھے، خچر اور کشتیاں استعمال ہوتی تھیں۔ لہٰذا لوگ یہ چیزیں کرایہ پر حاصل کرتے تھے (٦٧٣)۔

سوت کاتنا

عورتیں سوت کاتنے کا کام کرتی تھیں (٦٧٤)۔

حماموں پر کام کرنے والے

ہر حمام پر پانچ ملازم ہوتے تھے مثلاً حمامی، نگران، گند اٹھانے والا، آگ جلانے والا ماشکی اور صرف بغداد میں ان کی تعداد تقریباً تین لاکھ کے قریب تھی (٦٧٥)۔

ان کے علاوہ کاغذ ساز، شیشہ، سنگ تراش، تیل فروش، موچی، رنگریز، بزاز، سبزی فروش، لوہار، جولاہے اور بڑھئی وغیرہ

موجود تھے۔ جن کا ذریعہ معاش اپنے نام کی مناسبت سے ہی کام کرنا تھا(٦٧٦)۔

عہد عباسی میں پائی جانے والی معاشی بدعنوانیاں

عصر حاضر کی طرح عہد عباسی میں بھی رشوت، سفارش، بددیانتی، رہزنی، چوری اور لوٹ کھسوٹ عام تھی۔ سرکاری اور حکومتی شعبے اس میں پیش پیش تھے۔ کسی نے ملازمت حاصل کرنی ہوتی، خراج کا ٹھیکہ لینا ہوتا، کہیں ضلع یا صوبہ کا سربراہ بننا ہوتا، خلفاء سے ملنا ہوتا، بغاوت چھپانی ہوتی، کوئی کام کروانا ہوتا یا انکوائریاں وغیرہ تبدیل کروانی ہوتیں تو بالکل آج کے دور کی طرح ہی ان کے حل رشوت اور سفارش سے ڈھونڈے جاتے۔ جیسا کہ ان چند واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔

رشوت کی فراوانی

بغاوت چھپانے کے لیے رشوت کی ادائیگی

سرکاری اہل کار طلحہ نے اپنے باپ کی بغاوت کی خبر چھپانے کے لیے صاحب البرید کو پانچ لاکھ درہم بطور رشوت دیئے۔ اس صاحب البرید کے لیے جس کے لیے منصور نے کہا تھا کہ یہ حکومت کے چار پایوں میں سے ایک پایہ ہے۔ جن پر حکومت کے استحکام کا انحصار ہوتا ہے۔ اگر "خبریں دینے والا (صاحب البرید) سچ اور صحیح خبریں پہنچاتا رہے تو حکومت کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا" (٦٧٧)۔

تفتیشی افسر کے لیے رشوت

اسی طرح جب احمد بن خالد کو تفتیشی افسر بنا کر خراسان طلحہ کی سیاسی چالوں اور حکمت عملی کی جانچ پڑتال کے لیے بھیجا گیا تو طلحہ نے اسے تیس لاکھ درہم دیئے تا کہ وہ "سب اچھا ہے" کی رپورٹ دے دے (٦٧٨)۔ بالکل عصر حاضر کی طرح۔

سیاسی رشوت

١٧٦ھ میں فضل بن یحییٰ نے دیلم کے رئیس کو ایک کروڑ درہم بھجوائے تا کہ وہ یحییٰ بن عبداللہ (جس نے دیلم میں بغاوت کر دی تھی اور بہت سے لوگ اور اضلاع اس کے حمایتی بن گئے تھے جس سے اس کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی) کو اپنے علاقے سے بے دخل کر دے(٦٧٩)۔

١٧٦ھ میں ہی خلیفہ ہارون نے یحییٰ بن عبداللہ کو تین بار قید کیا اور بطور رشوت چار لاکھ دینار دیئے تا کہ وہ اس کی خلافت کے لیے خطرہ نہ بنے کیونکہ خلیفہ کو خطرہ تھا کہ وہ اس کی خلافت چھیننا چاہتا ہے(٦٨٠)۔

اسی طرح فوج کو خلیفہ کے لیے اور ولی عہد کے لیے بیعت لیتے وقت یا ملکی امور میں ہم خیال بنانے کے لیے ہمیشہ عطیے، انعام واکرام اور یکمشت سال ہا سال کی تنخواہیں بطور رشوت ادا کی جاتی تھیں (٦٨١)۔

رشوت / کمیشن

خلیفہ مقتدر کے وزیر ابن فرات کے سامنے لوگوں کی درخواستیں پیش کرنے کے لیے ابن مقلہ مقرر تھا۔ جسے ابن فرات نے

کمیشن کا نام دے کر اسے رقم لینے کی اجازت دے رکھی تھی۔ ابن مقلہ خطاط وخوش نویس تھا اور یہاں یہ تنخواہ دار ملازم تھا۔ اس کی تنخواہ چھ دینار ماہانہ تھی۔ یعنی بالکل آج کل کے کلرکوں وغیرہ کا حال تھا(۶۸۲) جو اس وجہ کو جواز بنا کر رشوت لیتے ہیں کہ حکومت جتنی تنخواہ دیتی ہے اس میں گزارا ہونا ممکن نہیں۔

وظیفہ کے حصول کے لیے رشوت

خلفاء کی اولاد کے وظائف مقرر تھے۔ جیسا کہ واثق کے عہد میں متوکل کا وظیفہ مقرر تھا۔ لیکن عمر بن فرج کے نائب اسحاق نے یہ وظیفہ بند کر دیا۔ پھر اسے پچاس دینار بطور رشوت دیئے تو اس نے وظیفہ جاری کر دیا(۶۸۳)۔ بالکل آج کے پاکستان کی طرح جیسا کہ یہاں بھی ہر ماہ ملازمین وغیرہ کو تنخواہوں کے بل پاس کروانے کے لیے اکاؤنٹ آفس اور دیگر مجاز دفاتر کے اہلکاروں کو رشوت دیئے بغیر کام نہیں ہوتا۔

عہدوں کے حصول کے لیے رشوت اور سفارش

عہدوں کے حصول کے لیے بھی اکثر رشوت دینی پڑتی تھی اور سرکاری اہلکار کھلم کھلا یہ رشوت لیتے تھے۔ جیسا کہ خلیفہ منصور کے حاجب وزیر ربیع نے مہدی کے عہد میں یعقوب بن داؤد کو منصب وزارت دلوانے کے لیے اس سے ایک لاکھ دینار رشوت لی تھی(۶۸۴)۔ آج بھی اعلیٰ عہدوں کے لیے رشوت دینا پڑتی ہے۔

اسی طرح احمد بن ابی خالد الاحوال مامون کے کاتب نے طاہر بن الحسین کو خراسان کا والی مقرر کرنے کے لیے اس شرط پر سفارش کرنے کا عہد کیا کہ کامیاب ہونے پر تیس لاکھ درہم اسے دیئے جائیں گے(۶۸۵)۔ خلیفہ مقتدر کے وزیر تو کھلے عام رشوت وصول کرتے تھے(۶۸۶)۔

نذرانے

لوگ عمال اور دیگر حکومتی ارکان کو اکثر تحفے تحائف بطور نذرانہ پیش کرتے رہتے تھے۔ تاکہ ان کے کام آسانی سے ہوتے رہیں(۶۸۷)۔ جو کہ رشوت ہی کی ایک ''مہذب'' صورت ہے۔

2- غبن وبدعنوانی

خیانت اور غبن وغیرہ عام تھا۔ خلفاء کے احتساب کے باوجود یہ برائیاں سرکاری اہلکاروں میں پائی جاتی تھیں۔ جیسا کہ بصرہ کے والی محمد بن سلیمان روزانہ ایک لاکھ درہم بدعنوانی وخیانت سے حاصل کرتا تھا(۶۸۸)۔

احمد بن خصیب جو جزیرہ مصر اور مغرب کے مالی امور کا نگران تھا۔ اس نے بے شمار مال ودولت جمع کر لیا تھا۔ جو مصادرات کے ذریعے نکلوایا گیا تھا(۶۸۹)۔

منصور کا ایک کاتب ابوایوب سلیمان جو اھواز میں تھا اس کے مالی امور کے انچارج نے غبن دھوکے اور خیانت سے تیس ہزار درہم جمع کر لیے جب منصور کو پتہ چلا تو اس نے یہ درہم نکلوا لیے(۶۹۰)۔

منصور کا ہی وزیر ابوایوب موریانی خلیفہ کی خوشنودی کے لیے ہر جائز وناجائز ذریعہ سے بیت المال بھرنے کی کوشش کرتا

تھا۔ اس ضمن میں اس نے منصور سے اھواز کی ایک زمین کی اصلاح اور اسے قابل زراعت بنانے کے بہانے تین لاکھ درھم کی منظوری حاصل کر لی اور اسے یقین دلایا کہ ریاست کی آمدنی پر اس کا اثر بہت خوشگوار پڑے گا۔ لیکن ابوایوب نے رقم خزانہ سے حاصل کرنے کے بعد اپنے پاس رکھ لی اور زمین کی اصلاح وغیرہ پر ایک حبہ بھی صرف نہ کیا۔ لیکن ہر سال کے آخر میں وہ اس زمین کی آمدنی بتا کر بیس ہزار درھم خزانہ میں جمع کرواتا رہا۔ کئی سالوں تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ آخر ۱۵۲ھ میں خلیفہ کو پتہ چلا تو اس نے تحقیقات کے بعد ابوایوب اور اس کے اہل وعیال کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور مال اسباب جائیداد وغیرہ ضبط کر لی (۶۹۱)۔

خیانت کا یہی حال عشور وغیرہ میں بھی تھا۔ تاجروں سے چنگی اور راہداری وغیرہ زیادہ وصول ہوتی تھی۔ لیکن بیت المال میں رقم کم جمع کروائی جاتی تھی۔ بقول المقدسی یہ رقم کا تہائی حصہ ہوتی تھی (۶۹۲)۔

خراج کی وصولی میں بھی اہلکار خراج سے اپنا حصہ علیحدہ وصول کیا کرتے تھے۔ جو نذرانے، تحفے یا ہدیہ کے نام سے موسوم کیے جاتے تھے۔ ان کی وصولی کی ممانعت کے لیے امام ابو یوسف نے خلیفہ ہارون الرشید کو سختی کرنے کی ہدایت کی تھی (۶۹۳)۔

3-مال مسروقہ پر قبضہ

مرکزی شہروں کے والیوں کو جو اپنے علاقوں کے چوروں، ڈاکوؤں سے لوٹا ہوا مال، ساز وسامان اور اسلحہ وغیرہ ملتا تھا وہ اسے اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔ خلیفہ یا مرکز میں اس کی خبر نہ دی جاتی تھی۔ بلکہ والی اور اس کے کارندے یہ مال خود ہی مل ملا کر ہضم کر جاتے تھے (۶۹۴)۔ یہی حال عصر حاضر میں خصوصاً پاکستان کے تھانوں کا ہے۔ یہاں بھی مال مسروقہ برآمد کر کے پولیس اور اس کے افسران آپس میں بانٹ لیتے ہیں اور بعض اشیاء جو خود مکمل ہضم نہ کر سکتے ہوں جیسا کہ گاڑیاں، موٹر سائیکل وغیرہ تو اس کے لیے طریقہ کار یہ ہے کہ ان میں سے تمام اہم اشیاء نکال لیتے ہیں اور خالی ڈھانچہ واپس کر دیتے ہیں۔ وہ بھی بہت سفارشوں کے ساتھ اور رشوت لے کر۔

4-لاوارث جائیداد پر قبضہ

عہد عباسی میں اکثر یہ بھی ہوتا تھا کہ کوئی زمین وغیرہ لاوارث پڑی ہوتی۔ اس کا قاضی شہر کو پتہ دیا جاتا وہ اپنے ایجنٹوں کے ذریعے اس پر قبضہ کر لیتے اور خلیفہ کو اس جائیداد کی اطلاع نہ دیتے حالانکہ قانوناً لاوارث جائیداد کا مالک بیت المال تھا۔ قاضی اور اس کے ایجنٹ مل کر اس جائیداد سے فائدہ اٹھاتے جیسا کہ قاضی بصرہ کی مثال موجود ہے (۶۹۵)۔

5-قیدیوں کا بھیک مانگنا

ایک رواج یہ تھا کہ قیدیوں کو پابہ زنجیر کر کے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ وہ لوگوں سے خیرات وغیرہ مانگ کر اپنا گزارہ کرتے۔ امام یوسفؒ نے خلیفہ ہارون کو اس بات سے منع کیا اور قیدیوں کی خوراک اور گزر اوقات کے لیے الاؤنس مقرر کرنے کی تنبیہ

کی (۶۹۶)۔ اس طرح نشوار المحاضرہ کے مصنف نے ایک بھکاری کا بھی ذکر کیا ہے جو پہلے بغداد میں بھیک مانگتا ہوا اس نے دیکھا بعد میں وہی بھکاری چین میں بھی بھیک مانگ رہا تھا۔ پوچھنے پر کہنے لگا کہ میری گزر اوقات کا ذریعہ یہی ہے (۶۹۷)۔

6- دیوان عام میں چوری

عہد عباسی میں چوری، رہزنی کے واقعات بھی ہوتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ حکومتی اداروں میں بھی چوری ہوتی تھی۔ جیسا کہ ۲۳۱ھ میں دیوان عام کے خزانے میں جو کہ قصر کے بالکل درمیان میں تھا نقب زنی کی گئی اور ۴۲ ہزار درہم اور کچھ دینار چرا لیے گئے۔ بعد میں چور گرفتار کر لیے گئے (۶۹۸)۔

□♦□♦□

باب دوم

حواشی و مآخذ

(۱) الجومرد، عبدالجبار، ڈاکٹر، ہارون الرشید، مترجم رئیس احمد جعفری، تنویر آرٹ پریس لاہور، جنوری ۱۹۸۶ء، ۵۵۵
(۲) حتی، فلپ، کے، تاریخ شام، مترجم غلام رسول چیمہ، علمی پرنٹنگ پریس لاہور، طبع دوم ۱۹۶۷ء، ۴۳۴
(۳) ایضاً

"عہد عباسی کے اس بغداد کا آج کوئی بھی نشان موجود نہیں۔ اس شہر میں منصور کا محل، مسجد وغیرہ مدت سے ختم ہو چکے ہیں لیکن عباسی محل الاخضیر جو منصور کے چچا عیسیٰ بن موسیٰ نے ۱۶۱ھ/۷۷۸ء میں بنوایا تھا آج بھی اچھی حالت میں محفوظ ہے۔ یہ کربلا سے تیس میل مغرب کی طرف وادی عبید میں واقع ہے۔ اس محل کی لمبائی ۱۷۵ میٹر اور چوڑائی ۱۴۹ میٹر ہے۔ جبکہ محل کے اندر دیوان عام اور دیوان خاص کے دو کمرے بھی موجود ہیں"۔

دائرہ معارف اسلامیہ، فن تعمیر، ۱۵: ۶۸۸۔۶۸۹

(۴) برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، ہماری عظیم تہذیب
(۵) تاریخ بغداد (الخطیب) ۱۴: ۶
(۶) البدایہ والنہایہ، ۱۰: ۷۸
(۷) النجوم الزاہرہ، ۲: ۲۵۰
(۸) ایضاً
(۹) ایضاً، ۲: ۲۴۳
(۱۰) تاریخ بغداد (الخطیب) ۴: ۶

عصر حاضر میں بھی یہ طریقہ جاری ہے۔ صدر مملکت یا وزیر اعظم جب حج کرنے جاتے ہیں تو وزراء اور دیگر اکابرین سلطنت ساتھ جاتے ہیں۔

(۱۱) النجوم الزاہرہ، ۲: ۲۱۴
(۱۲) ایضاً ۲: ۷۲، تاریخ المسعودی، ۳: ۳۴۸
(۱۳) تاریخ الطبری، ۶: ۴۴۳، تاریخ المسعودی، ۴: ۱۸۹۔۱۹۰
(۱۴) تاریخ الطبری ۷: ۳۱۹
(۱۵) القفطی، جمال الدین ابوالحسن علی یوسف، تاریخ الحکماء، مکتبہ المثنی بغداد و موسسۃ الخانجی بمصر، ۱۹۰۳ء، ۱۴۲

(۱۶) تاریخ الاسلام (حسن ابراہیم حسن) ۲: ۳۰۳
(۱۷) موسیو سید یو، تاریخ عرب، مترجم عبدالغفور راہپوری، محمد حلیم رودلوی، ۲۳۶
(۱۸) ابن منظر، محمد بن مکرم، مختصر تاریخ دمشق الابن عساکر، تحقیق روحیۃ الخاس، ریاض عبدالحمید مراد، دارالفکر، بمصر، ۱۹۸۸ء، ۲۹۸
(۱۹) ایضاً
(۲۰) ایضاً ۱۱: ۲۹۷
(۲۱) الجاحظ، التاج فی اخلاق الملوک، دارالفکر، دارالبحار، بیروت، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵، ۷۷
(۲۲) یاقوت حموی، معجم البلدان ۴: ۹
(۲۳) تاریخ بغداد (الخطیب) ۱: ۸
(۲۴) معجم البلدان، ۵: ۱۳، ۷: ۷۵
(۲۵) فیروز سنز، اردو انسائیکلوپیڈیا ۱۱۶۲
(۲۶) سیوحاروی حفظ الرحمٰن محمد مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام، ناشر ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۱ء، ۱۶۲-۱۶۳
(۲۷) مقدمہ ابن خلدون ۲،
(۲۸) حجۃ اللہ البالغہ، (شاہ ولی اللہ) ۲، ۴۵۴
(۲۹) القرآن الحکیم (سورۃ عبس) ۸۰: ۲۴-۲۵
(۳۰) ایضاً (سورۃ الحج) ۲۲: ۵
(۳۱) شرح عینی صحیح بخاری، رواہ ابو یعلیٰ ۵: ۱۱۷
(۳۲) مقدمہ ابن خلدون، ۴۰۶
(۳۳) تہذیب وتمدن اسلامی، ۳: ۲۷۱
(۳۴) تاریخ المسعودی ۴: ۴۷
(۳۵) ایضاً
(۳۶) فتوح البلدان، ۱: ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۷، ۲۰۰، ۳۱۳، ۲: ۳۶۲، ۳۶۶، ۳۸۱، ۳۸۲
تاریخ الطبری، ۶: ۳۷۳
(۳۷) احسن التقاسیم ۶۴،
(۳۸) تاریخ بغداد (الخطیب) ۱: ۱۱۷
ایک جریب = ۶۰ گز، اردو لغت، ۶: ۵۸۱
۱۷۶۰ گز = ۱ میل، ۱ میل = ۱.۶ کلومیٹر
اس کلیہ کے تحت بغداد کا رقبہ معلوم کیا ہے۔

(۳۹) ایضاً

(۴۰) احسن التقاسیم،۶۴

(۴۱) تاریخ الطبری،۶: ۳۷۷،۳۹۱،۴۴۶،۵۰۳،۵۰۴

فتوح البلدان،۲: ۲۵۷،۲۵۹،۳۶۳

(۴۲) کتاب الخراج،(امام ابو یوسف)۸۸

(۴۳) احکام السلطانیہ(الماوردی)،۱۹۱۔۱۹۴

(۴۴) الحاوی

(۴۵) تاریخ الطبری،۶: ۳۷۳

(۴۶) تاریخ الطبری،۶: ۳۷۷،۳۹۱،۴۴۶،۵۰۳،۵۰۴

فتوح البلدان،۲: ۲۵۹،۳۵۷،۳۶۳

احکام السلطانیہ،(الماوردی)۸۰،۸۱،۱۷۶

(۴۷) تاریخ الطبری،۶: ۳۹۵،۳۹۶،تاریخ المسعودی،۳: ۳۲۰،۳۲۲

الخطط،۱: ۸۱

(۴۸) المرغینانی، برہان الدین علی بن ابوبکر، الہدایہ فی شرح البدایہ ،اصح المطابع، لکھنؤ، بھارت،۱۳۱۲ھ،۴۲۲

(۴۹) ابو محمد عبداللہ بن احمد، المغنی،۵: ۳۳۳،مطبع الامام ۱۳ شارع قو قول،اخشیتہ بالقلعہ بمصر مجلتہ الاحکام العدلیہ،شق نمبر ۱۳۳۱،۱۲۷۶

(۵۰) امام شافعی،ابو عبداللہ محمد بن ادریس،کتاب الام،۷،المطبعتہ الکبریٰ الامیریہ، بولاق، مصر ۱۳۲۱ھ/۱۹۲۲ء، ۷: ۱۰۱۔۱۰۲

(۵۱) کتاب الخراج،(امام ابو یوسف)،۸۸

(۵۲) ایضاً

(۵۳) امام ابوداؤد، سنن نسائی، باب المزارعتہ

(۵۴) احکام السلطانیہ،(الماوردی)۱۹۱۔۱۹۴

(۵۵) قطب محمد، شبہات حوالاسلام ترجمہ اسلام اور جدید ذہن کے شبہات ، مترجم محمد سلیم کیانی، بدر رشید پرنٹرز، لاہور، اشاعت سوم،۱۹۸۱ء،۱۲۳

(۵۶) فتوح البلدان،۱: ۱۷۸،۱۷۹،۱۸۷،۲۰۰،۲۱۳،۲: ۳۶۲،۳۸۱۔۳۸۲

(۵۷) ایضاً

(۵۸) الخطط،۱: ۹۶

(۵۹) تاریخ الطبری،۸: ۱۳۹،تاریخ المسعودی،۱: ۲۱۴،فتوح البلدان،۲: ۳۶۲،۳۶۶

(۶۰) تاریخ الطبری، ۸: ۱۳۹، تاریخ المسعودی، ۴: ۵۵، فتوح البلدان، ۱: ۲۰۰، ۳۶۲، ۳۶۶

(۶۱) تاریخ الیعقوبی ۲: ۱۷۱، فتوح البلدان، ۱: ۱۷۸۔۱۷۹، ۲۱۳

(۶۳) تاریخ الطبری، ۸: ۱۳۹، تاریخ المسعودی، ۴: ۵۵

فتوح البلدان، ۱: ۲۰۰، ۳۶۲، ۳۶۶، الاخبار الطوال، ۶۲۲

(۶۴) تاریخ الطبری، ۷: ۳۹۸، ۸: ۱۳۹، فتوح البلدان، ۱: ۱۹۶، ۲۰۰، فتوح البلدان، ۱: ۲۱۴

(۶۵) تاریخ الطبری، ۷: ۲۳۱۔۲۳۴، تاریخ المسعودی، ۴: ۵۵، فتوح البلدان، ۱: ۲۱۴

(۶۶) تاریخ الطبری، ۶: ۴۳۸

(۶۷) فتوح البدان ۲: ۳۶۲

(۶۸) کتاب البلدان، (الیعقوبی)، ۲۵۲

(۶۹) فتوح البلدان، ۲: ۳۶۶

(۷۰) ایضاً

(۷۱) ایضاً

(۷۲) الخطط، ۱: ۸۱

(۷۳) کتاب البلدان، (الیعقوبی)، ۲۴۵

تاریخ بغداد (الخطیب) ۱: ۸۸

(۷۴) کتاب البلدان (الیعقوبی)، ۲۴۵

مولی سے مراد آزاد کردہ غلام ہے۔

(۷۵) تاریخ الطبری، ۷: ۳۹۸

(۷۶) فتوح البلدان، ۱: ۱۹۶

(۷۷) ایضاً، ۲: ۳۶۲

(۷۸) تاریخ المسعودی، ۴: ۵۵

(۷۹) ایضاً

(۸۰) فتوح البلدان، ۲: ۳۶۲، کتاب البلدان، (الیعقوبی)، ۲۵۱

(۸۱) الاخبار الطوال، ۳۷۹

(۸۲) تاریخ الطبری، ۸: ۱۳۹

(۸۳) کتاب البلدان، (الیعقوبی)، ۲۶۴

(۸۴) الفخری، ۱۴۸۔۱۴۹

(۸۵) تاریخ الطبری، ۷: ۱۷۹، تاریخ المسعودی، ۴: ۳۰

(۸۶) فتوح البلدان،ا:۱۷۸۔۱۷۹،۲۱۳

(۸۷) تاریخ یعقوبی،۲ :۱۷۱،ابوالحسن،علی بن احمد، ابن الاثیر الجزری، تاریخ الکامل، المطبعۃ الاظہریہ المصریہ، ۱۳۰۱ھ،۸:۶۸

(۸۸) فتوح البلدان،ا:۱۷۸۔۱۷۹،۲۱۳

(۸۹) کتاب البلدان(الیعقوبی)۲۴۲۔۲۴۳،۲۵۱ تاریخ بغداد(الخطیب)ا:۹۵

(۹۰) تاریخ الطبری،۶:۲۳۵،۷:۲۳۱۔۲۳۴ تاریخ المسعودی،۴:۵۵فتوح البلدان،ا: ۲۱۴

(۹۱) فتوح البلدان،۲:۴۵۶

(۹۲) کتاب الخراج،(قدامہ)،۲۴۱

(۹۳) فتوح البلدان،ا: ۲۱۳

(۹۴) ایضاً،ا:۱۷۹۔۱۸۰

(۹۵) تاریخ الطبری،۴:۲۴

(۹۶) کتاب البلدان،(الیعقوبی)۲۵۱

(۹۷) ایضاً،۲۴۲۔۲۴۳،تاریخ بغداد(الخطیب)۹۵

(۹۸) کتاب البلدان،(الیعقوبی)۲۵۱،کتاب الخراج،(قدامہ)۲۴۱

(۹۹) کتاب الخراج(قدامہ)۲۴۱

(۱۰۰) تاریخ الطبری،۶:۲۳۸

(۱۰۱) تاریخ الطبری،۷:۲۳۱۔۲۳۲،تاریخ المسعودی،۴:۵۵

(۱۰۲) فتوح البلدان،ا: ۲۱۴

(۱۰۳) ایضاً

(۱۰۴) تاریخ الیعقوبی،ا:۱۰۱،۲:۳۵۸،۳۷۴

(۱۰۵) مختصر کتاب البلدان،(ابن الفقیہ)،۲۸۲،المسالک والممالک(اصطخری)۹۸

(۱۰۶) کتاب الخراج،(قدامہ)۲۴۱

(۱۰۷) مختصر کتاب البلدان،(ابن الفقیہ)۲۸۴،المسالک والممالک،(اصطخری)،۹۸

(۱۰۸) فتوح البلدان،۲:۳۹۷،مختصر کتاب البلدان،۲۸۲

(۱۰۹) فتوح البلدان،۲:۳۹۷

(۱۱۰) ایضاً،۲:۴۵۶

(۱۱۱) کتاب الخراج(قدامہ)،۲۴۱

(۱۱۲) کتاب البلدان،(الیعقوبی)،۲۶۷،ابن الاثیر،۷:۱۸۲

(۱۱۳) تاریخ التمدن اسلامی،۲: ۱۰۷

(۱۱۴) ایضاً

(۱۱۵) ایضاً

(۱۱۶) ردالمختار،۳(باب عشروالخراج والجزیہ): ۳۵۴الاحکام السلطانیہ(الماوردی)،۱۹۱۔۱۹۴

(۱۱۷) ایضاً

(۱۱۸) ایضاً

(۱۱۹) کتاب الخراج،(امام یوسف)،۶۴

(۱۲۰) ردالمختار،۳(باب عشروالخراج والجزیہ): ۳۵۴

(۱۲۱) فتوح البلدان،۱: ۱۸۷

(۱۲۲) ایضاً،۲: ۳۸۱۔۳۸۲

(۱۲۳) ایضاً

(۱۲۴) تحفۃ الامراء،۲۸۷

(۱۲۵) الفخری،۱۹۹

(۱۲۶) کتاب الخراج،(امام ابویوسف)،۶۳۔۶۴

(۱۲۷) ایضاً،۶۴۔۶۵

(۱۲۸) ایضاً،۶۵

(۱۲۹) ایضاً،۶۴

(۱۳۰) تاریخ الطبری،۶: ۳۹۵۔۳۹۶

(۱۳۱) تاریخ المسعودی،۳: ۳۲۰۔۳۲۲

(۱۳۲) الخطط،۱: ۸۱

(۱۳۳) ایضاً

(۱۳۴) تاریخ الطبری،۶: ۳۹۵۔۳۹۶،تاریخ المسعودی،۳: ۳۲۰۔۳۲۱

(۱۳۵) فتوح البلدان،۱: ۳،۲: ۲۵۹، ۳۵۷، ۳۶۳احکام السلطانیہ(الماوردی)، ۸۰۔۱۷۶،احسن التقاسیم، ۱۱۷۔۱۱۸
تاریخ الطبری،۶: ۳۶۹،۳۷۳،تاریخ المسعودی،۳: ۳۱۷

(۱۳۶) تاریخ الطبری،۶: ۳۹۱،۳۷۳

(۱۳۷) احکام السلطانیہ(الماوردی)۱۷۶

(۱۳۸) ایضاً،۸۰،۸۱،۱۷۶

(۱۳۹) ایضاً

(۱۴۰) تاریخ الطبری،۶:۴۴۶

(۱۴۱) ایضاً،۶:۳۷۳

(۱۴۲) ۶، :۵۰۳_۵۰۴،۵۱۳

(۱۴۳) مجلۃ الاحکام العدلیہ،۲۷۸،دفعہ ۱۴۴۱

(۱۴۵) مناظر احسن گیلانی،سید،اسلامی معاشیات،دارالاشاعت کراچی،۳۷۶_۳۷۷

(۱۴۶) ابن خرداذبہ،المسالک والممالک،بمطبع بریل،لیدن،۱۳۰۶ھ،۶۱
المسالک والممالک(اصطخری)،۵۷

(۱۴۷) احسن التقاسیم،۵۳

(۱۴۸) المالک والممالک،(اصطخری)۵۷

(۱۴۹) مختصر کتاب البلدان،۲۵۳

(۱۵۰) احسن التقاسیم،۱۳۸

(۱۵۱) ایضاً،۱۲۰_۱۲۵

(۱۵۲) المسالک الممالک،(اصطخری)۵۳_۵۵،۵۷_۶۵،۷۸،۱۳۵_۱۳۸

(۱۵۳) المسالک والممالک(اصطخری)،۲۳

(۱۵۴) المسالک والممالک (خرداذبہ)،۶۱،المسالک والممالک (اصطخری)۲۳_۲۵،۵۸،۶۱_۶۳، ۶۵،۷۸،
۱۳۵،۱۳۸اودیگر کئی صفحات احسن التقاسیم،۴۰۵،۴۲۲،۴۳۴ ، ودیگر کئی صفحات

(۱۵۵) کتاب الوزراء،۴۸۲،۴۸۴

(۱۵۶) احسن التقاسیم،۴۲۲،۴۳۴المسالک والممالک (اصطخری)،۲۷،۴۱،۴۴،۴۶،۷۸،۱۱۷،۱۲۰،۱۲۶

(۱۵۷) المسالک والممالک (اصطخری)،۱۲۵المسالک والممالک (خرداذبہ)،۶۱

(۱۵۸) ایضاً،۵۸_۶۱،۶۳،۶۵،۷۸،۱۱۷

(۱۵۹) ایضاً،۱۳۵_۱۳۸

(۱۶۰) ایضاً،۱۳۵_۱۳۸،۱۵۲_۱۵۸،احسن التقاسیم،۱۲۳

(۱۶۱) المسالک والممالک (خرداذبہ)۶۱،احسن التقاسیم،۱۲۰_۱۲۵

(۱۶۲) المسالک والممالک (اصطخری)،۴۴،۱۲۰_۱۲۵احسن التقاسیم،۴۰۵

(۱۶۳) المسالک والممالک (اصطخری)۵۳،۵۵،۱۰۵

(۱۶۴) ایضاً،۶۱،احسن التقاسیم،۴۲۲،۴۳۴

(۱۶۵) کتاب الوزراء،۲۸۴_۲۸۵

(۱۶۶) المسالک والممالک (اصطخری)،۱۰۵،معجم البلدان،۳:۷۶

(۱۶۷) ایضاً۱۰۸،۱۱۰،۱۱۷_۱۲۰،۱۶۵_۱۶۷
(۱۶۸) المسالک والممالک (اصطخری)۱۴۹،۱۵۲_۱۵۸
کیل(۱۶۹)ایضاً،۲۷
(۱۷۰) ایضاً،۷۸،معجم البلدان،۳:۷۶
ی(۱۷۱)ایضاً،۱۵۷
(۱۷۲) ایضاً۱۳۵_۱۳۸،۱۶۵_۱۶۷
(۱۷۳) معجم البلدان،۳:۷۶
(۱۷۴) المسالک والممالک (اصطخری)،۴۶،۱۵۷،معجم البلدان،۳:۷۶
احسن التقاسم،۴۳۴
(۱۷۵) معجم البلدان،۳:۷۶،احسن التقاسیم،۴۲۲،۴۳۴
(۱۷۶) احسن التقاسیم،۴۱۴
(۱۷۷) المسالک والممالک (اصطخری)،۱۰۳
(۱۷۸) الفخری،۱۸۸
(۱۷۹) تاریخ بغداد،(الخطیب)ا: تلبیس ابلیس،۱۳۲_۱۳۳
(۱۸۰) المسالک والممالک (اصطخری)،۷۷
(۱۸۱) المسالک والممالک (اصطخری)۱۵۱
(۱۸۲) ایضاً،۱۴۹
(۱۸۳) ایضاً،۱۵۳
(۱۸۴) ایضاً،۱۵۷
(۱۸۵) ایضاً،۱۲۴
(۱۸۶) احسن التقاسیم،۴۰۵
(۱۸۷) تاریخ الطبری،۶:۳۲۹
(۱۸۸) احکام السلطانیہ(الماوردی)،۸۰
(۱۸۹) الفخری،۱۳۴
(۱۹۰) احکام السلطانیہ(الماوردی)،۸۰
(۱۹۱) احکام السلطانیہ(الماوردی)،۱۷۶
(۱۹۲) عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ کتاب المضاربۃ،المکتبۃ، التجاریۃ الکبریٰ،۱۹۶۹ء،
دارالفکر بیروت،۳:۳۴

(۱۹۳) تاریخ بغداد(الخطیب)۱:۱۲

درخت بہت زیادہ اور گھنے ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ دور سے سیاہ نظر آتا تھا اس لیے اسے سواد کہتے تھے۔

(۱۹۴) تاریخ بغداد(الخطیب)۱:۱۲

(۱۹۵) ابن منظور، محمد بن مکرم، مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، تحقیق روحیۃ النحاس، ریاض عبدالحمید مراد، دارالفکر، بمصر، ۱۹۸۸ء،۱۱:۲۹۷۔۲۹۸

(۱۹۶) المسالک والممالک (اصطخری)۹۹،مختصر کتاب البلدان،۲۳۷،۲۵۳،۲۷۰

(۱۹۷) المسالک والممالک (خرداذبہ) ۶۱،المسالک والممالک (اصطخری) ،۲۷، ۵۸،۶۵،۷۸،۱۰۵ ،۱۱۷، ۱۳۵ ۔۱۳۸، ۱۵۲ ۔۱۵۸،معجم البلدان،۳:۷۶،احسن التقاسیم ۱۲۰۔۱۲۵،۲۰۵،۲۱۴

(۱۹۸) المسالک والممالک (اصطخری)،۱۶۵۔۱۶۷،۱۰۸،۱۱۰،۱۲۰،۱۴۹،۱۵۲،۱۵۸

(۱۹۹) المسالک والممالک (اصطخری)۹۹،۱۰۵،احسن التقاسیم،۲۰۵

(۲۰۰) المسالک والممالک (اصطخری)۳۶،۱۵۷،ورت الارض،۲۱۲۔۲۱۴

معجم البلدان،۳:۷۶،احسن التقاسیم،۳۳۴

(۲۰۱) المسالک والممالک (اصطخری)،۴۷

(۲۰۲) مختصر کتاب البلدان،۲۳۷،۲۵۳،۲۷۰

(۲۰۳) احسن التقاسیم،۱۲۳

(۲۰۴) ایضاً

(۲۰۵) تہذیب وتمدن اسلامی،۳،۲۷۸

(۲۰۶) تاریخ المسعودی،۲:۳۷

(۲۰۷) المسالک والممالک (اصطخری)،۱۶۱

(۲۰۸) ایضاً،۱۵۱

(۲۰۹) ایضاً،۱۷۴

(۲۱۰) ایضاً،۱۶۱

(۲۱۱) تاریخ المسعودی،۲:۳۶

(۲۱۲) المسالک والممالک (اصطخری)،۴۲

(۲۱۳) تاریخ المسعودی،۲:۳۶

(۲۱۴) ایضاً،۶۳

(۲۱۷) ایضاً،۱۴۰۔۱۴۲

(۲۱۹) ایضاً۱۰۵،۱۵۱،۱۵۳

(۲۲۰) ایضاً، ۵۷

(۲۲۱) کتاب الاموال، ۵۷۸، روایت نمبر ۱۴۲۱

(۲۲۲) کتاب البلدان، (الیعقوبی) ۲۶۹

(۲۲۳) احسن التقاسیم، ۱۹۔۲۰

(۲۲۴) ایضاً

(۲۲۵) کتاب البلدان (الیعقوبی)، ۲۱۵

(۲۲۶) کتاب الخراج، (قدامہ) ۲۳۲۔۲۳۳

(۲۲۷) کتاب الخراج، (قدامہ) ۲۳۳۔۲۳۴

جبکہ ''انسائیکلو پیڈیا'' مطبع فیروز سنز صفحہ نمبر ۱۱۳۴، میں فرات کی کل لمبائی ۱۷۰۰ (سترہ سو میل) بتائی گئی ہے ترخا کے قریب دریائے فرات دریائے دجلہ سے آملتا ہے اور یہاں دونوں مل کر شط العرب کہلاتے ہیں۔

(۲۲۸) تاریخ المسعودی، ۲: ۳۵۶، احسن التقاسم، ۱۱۴۔۱۱۸، ۱۲۹

(۲۲۹) کتاب الخراج، (قدامہ) ۲۴۲، احسن التقاسیم، ۱۱۷۔۱۱۸

(۲۳۰) فتوح البلدان، ۱: ۱۷۳

(۲۳۱) اسلام کا اقتصادی نظام، ۱۱۷

(۲۳۲) کتاب البلدان (الیعقوبی)، ۲۶۹، احسن التقاسیم، ۱۳۸

(۲۳۳) الاخبار الطوال، ۳۷۹

(۲۳۴) فتوح البلدان، ۳۳۴

(۲۳۵) کتاب التاج، ۷۸۔۷۹

(۲۳۶) کتاب البلدان (الیعقوبی) ۲۵۰، تاریخ بغداد (الخطیب)، ۱: ۱۱۱۔۱۱۲

ابن الجوزی، مناقب بغداد، ۱۸، مطبعۃ دار السلام بغداد، ۱۹۲۱ء و ۱۳۴۳ھ

(۲۳۷) کتاب البلدان، (الیعقوبی)، ۵۷، احسن التقاسیم، ۱۱۷۔۱۱۸، ناصر خسرو، ابی معین الدین القبادیانی، المروزی، رحلۃ ناصر خسرو القبادیانی، عمارۃ شوون المکتاب، جامعۃ الملک سعود الریاض، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، ۱۷۸

(۲۳۸) تاریخ ابن عساکر، ۱۱: ۲۹۸

(۲۳۹) فتوح البلدان، ۲: ۳۵۹

(۲۴۰) ایضاً، ۳۴۷

(۲۴۱) ایضاً

(۲۴۲) ایضاً، ۱: ۳

(۲۴۳) تاریخ بغداد (الخطیب) ۱: ۱۱۲

(۲۴۴) ایضاً

(۲۴۵) تاریخ بغداد(الخطیب)۱:۱۱۲

(۲۴۶) ایضاً

(۲۴۷) ایضاً،۱:۱۱۳

(۲۴۸) تاریخ بغداد،(الخطیب)،۱۱۴،مناقب بغداد،۱۹

(۲۴۹) ایضاً،۹۷،۱۱۵،کتاب البلدان،(الیعقوبی)۲۵۱

(۲۵۰) المسالک والممالک (خرداذبہ)،۲۴۲

(۲۵۱) ایضاً،۹۷

(۲۵۲) مناقب بغداد،۱۹

(۲۵۳) تاریخ بغداد،(الخطیب)۱:۱۱۳

(۲۵۴) ایضاً،مناقب بغداد،۱۹

(۲۵۵) ایضاً

(۲۵۶) مناقب بغداد،۱۹

(۲۵۷) فتوح البلدان،۲:۳۵۷

(۲۵۸) ایضاً۲:۳۶۳

(۲۵۹) الاخبار الطوال،۳۷۹

(۲۶۰) کتاب الخراج،(قدامہ)،۲۴۱

(۲۶۱) فتوح البلداج،۴۳۴

(۲۶۲) تاریخ بغداد،(الخطیب)۱:۱۱۲

(۲۶۳) تاریخ ابن عساکر،۱۱:۲۹۶

(۲۶۴) تاریخ المسعودی،۴:۵۵

(۲۶۵) احسن التقاسیم،۱۳۸

(۲۶۶) معجم البلدان،۵:۱۵

(۲۶۷) کتاب البلدان،(الیعقوبی)،۲۳۸

(۲۶۸) ایضاً،۲۶۵،۲۶۷

(۲۶۹) فتوح البلدان،۱:۱۷۳

(۲۷۰) ایضاً۱:۲۱۵

(۲۷۱) کتاب البلدان،(الیعقوبی)،۲۶۹

(۲۷۲) ایضاً
(۲۷۳) تاریخ الطبری، ٦:۳٦۹، تاریخ المسعودی، ۴:۳۱۷
(۲۷۴) ایضاً، ایضاً
(۲۷۵) کتاب البلدان، (الیعقوبی)، ۲٦۹
(۲۷٦) ایضاً، ۲۳۳
(۲۷۷) کتاب الاعلاق، ۱۵۵
(۲۷۸) کتاب الاموال، ۵۷۹، روایت نمبر ۱۴۲۱
(۲۷۹) ایضاً
(۲۸۰) تاریخ الطبری، ٦:۳٦۹
(۲۸۱) احسن التقاسیم، ۱۳۸
(۲۸۲) فتوح البلدان، ۲:۳۵۹، کتاب الخراج (قدامہ)، ۲۴۰، ۲۴۱ الفخری، ۱۷۹، کتاب الاعلاق، ۹۴
بطیحہ (جمع بطائح) وسیع زمین پر پھیلا ہوا پانی جس کی تہہ میں باریک ریت ہو۔ یہ بہت وسیع وعریض ولدل تھی۔
جوارض نہرین کے نشیبی حصے میں دجلہ وفرات کے سیلاب سے پیدا ہوئی تھی۔
(۲۸۴) ایضاً، ٦۲۲
(۲۸۵) کتاب الخراج، (امام ابویوسف)، ۱۰۴
(۲۸٦) ایضاً (قدامہ)، ۲۰۵
(۲۸۷) کتاب الخراج، (امام ابویوسف)، ۱۰۳
(۲۸۸) ایضاً
(۲۸۹) المسالک والممالک (اصطخری)، ۱۵۱
(۲۹۰) ایضاً، ۴۷
(۲۹۱) ایضاً، ۷۸
(۲۹۳) ایضاً، ۱۲۴
(۲۹۴) تاریخ المسعودی، ۱:۳۱۱
(۲۹۵) الفہرست، ۳۷
(۲۹٦) ایضاً، ۱۸
(۲۹۷) کتاب الخراج، (امام ابویوسف)، ۱۰۳، ۱۰۴
(۲۹۸) کتاب الخراج، (قدامہ)، ۲۰۵
(۳۰۰) ایضاً

(۳۰۱) ایضاً، ۳۸
(۳۰۲) تاریخ المسعودی، ا: ۳۰۹، ۳۱۱
کتاب البلدان، ۲۴۴، ۲۵۰
(۳۰۳) تاریخ بغداد (الخطیب)، ا: ۱۱۳، مناقب بغداد، ۱۹
(۳۰۴) المسالک والممالک (اصطخری)، ۳۲، ۴۱، ۵۱، ۱۰۵، ۱۲۵، ۱۶۱
(۳۰۵) المسالک والممالک (اصطخری)، ۴۲
(۳۰۶) ایضاً، ۱۶۱
(۳۰۷) ایضاً، ۱۲۵
(۳۰۸) تاریخ المسعودی، ا: ۳۱۱، التنبیہ والاشراف، ۳۵۵
(۳۰۹) المسالک والممالک (اصطخری)، ۱۵۶
(۳۱۰) کتاب الاموال، ۵۷۹، شق نمبر ۱۴۲۱
(۳۱۱) تاریخ الطبری، ۷: ۴۴، تاریخ المسعودی، ا: ۳۱۱
(۳۱۲) ایضاً، ایضاً
(۳۱۳) المسالک والممالک (اصطخری)، ۱۲۵
(۳۱۴) کتاب البلدان، ۲۴۴، ۲۵۰، تاریخ بغداد، (الخطیب) ا: ۱۱۳، مناقب بغداد (ابن الجوزی)، ۱۹
(۳۱۵) المسالک والممالک (اصطخری)، ۳۲
(۳۱۶) ایضاً، ۱۳۲
(۳۱۷) کتاب الخراج، (امام ابو یوسف)، ۱۰۲-۱۰۴
(۳۱۸) ایضاً، ۱۰۳
(۳۱۹) ایضاً ۱۰۲-۱۰۳
(۳۲۰) تاریخ بغداد (الخطیب)، ا: ۱۱۵
کتاب البلدان، ۲۴۴، ۲۵۰
(۳۲۱) ایضاً، ا: ۱۱۳، مناقب بغداد، ۱۹
(۳۲۲) کتاب الاموال، روایت نمبر ۹۳۳، ۹۷۳، ۹۷۷، ۹۹۲، ۱۰۱۸، ۱۰۲۷، ۱۰۳۲، ۱۰۳۴
(۳۲۳) تاریخ بغداد (الخطیب)، ا: ۱۱۷
(۳۲۴) کتاب الخراج، (امام ابو یوسف)، ۱۰۳
(۳۲۵) المسالک والممالک (اصطخری)، ۱۰۹
(۳۲۶) ایضاً، ۱۱۱

(۳۲۷) ایضاً،۱۴۰

(۳۲۸) ایضاً،۱۰۷

(۳۲۹) تاریخ المسعودی،۳: ۳۷۳

خلیفہ منصور نے اس اسراف کو پسند نہیں کیا تھا اور اسی وقت ایک ہزار درہم منگوا کر اس اسراف کا کفارہ ادا کیا۔

(۳۳۰) القفطی، جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف، تاریخ الحکماء،۷۴۔۷۵(مختصر الزوزنی المسمی بالمنتخبات الملتقطات من کتاب اخبار العلماء باخبار الحکماء) مکتبہ المثنی بغداد و موسسۃ الخانجی بمصر،۱۹۰۳ء

(۳۳۱) راغب اصفہانی، امام، مجم، مفردات الفاظ القرآن، تجارت

(۳۳۲) فرید وجدی، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بیروت ۱۹۷۱ء،۲: ۵۳۹

(۳۳۳) مجلۃ الاقتصاد الاسلامی عدد ۴۷، شوال، ۱۴۰۵ھ، جون ۱۹۸۵ء

(۳۳۴) مقدمہ ابن خلدون، ۳۹۵

(۳۳۵) ایضاً، ۳۹۷

(۳۳۶) ایضاً، ۳۸۳

(۳۳۷) ابن بطوطہ، شرف الدین، محمد بن عبداللہ محمد بن ابرہیم، تحفۃ النظار فی غرائب الامصار الاسفار ترجمہ عجائب الاسفار، (سفرنامہ) ابن بطوطہ، مترجم خان بہادر محمد حسین، تمہید محمد حسین، مطبعہ قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد ۱۹۸۳ء

(۳۳۸) المرغینانی، برہان الدین علی بن ابو بکر، الہدایہ فی شرح البدایہ، اصح المطالع بلکھنؤ بھارت، ۱۳۱۲ھ ج ۲، کتاب لاشراکتہ

(۳۳۹) طبقات ابن سعد ۶: ۲۵۸، ۲۸۰، ۲۸۷

نشوار المحاضرہ، ۳: ۸۱، الخطط، ۱: ۳۳۹، ۱۰۹

(۳۴۴) مجلۃ الاحکام العدلیہ، ۱۷۱، شق نمبر ۱۴۰۴، ۱۴۰۶۔۱۴۰۷

(۳۴۵) تاریخ الطبری، ۷: ۳۶۶۔۳۶۷

(۳۴۶) نشوار المحاضر، ۲: ۳۱۳

(۳۴۰) نشوار المحاضر، ۳: ۸۱

(۳۴۱) ایضاً، ۳: ۵۰۔۵۱

(۳۴۲) ایضاً، ۳: ۵۲

(۳۴۳) ایضاً

(۳۴۷) ایضاً، ۲: ۳۱۲۔۳۱۳، ۳: ۸۱۔۸۲

(۳۴۸) ایضاً، ۳: ۸۱۔۸۲

(۳۴۹) ایضاً،۲: ۳۱۲

(۳۵۰) کتاب البلدان (الیعقوبی)،۲۵۴

(۳۵۱) کتاب البلدان)الیعقوبی)،۲۵۲

(۳۵۲) معجم البلدان،(یاقوت)،۴: ۲۰۹

(۳۵۳) کتاب البلدان،۲۴۴

(۳۵۴) ایضاً،۲۴۴،۲۵۰

(۳۵۵) طبقات ابن سعد،۷: ۸۱

(۳۵۶) تاریخ بغداد،(الخطیب)،۱: ۱۱۵،۴: ۷

(۳۵۷) کتاب البلدان،(الیعقوبی)۲۴۶

(۳۵۸) احسن التقاسیم،۴۰۶

(۳۵۹) ایضاً،۱۷۶

عہد حاصر میں ایرانی فرسخ ۶ کلومیٹر کا ہے۔ دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۵

(۳۶۰) کتاب الخراج،(قدامہ)،۱۹۰

(۳۶۱) احسن التقاسیم،۴۰۶

(۳۶۲) تاریخ بغداد (الخطیب)۱: ۷۰،تاریخ النقود العراقیہ،۲۵

(۳۶۳) تلبیس ابلیس،(الجوزی)۱۳۲۔۱۳۳

(۳۶۴) کتاب البلدان،۲۴۴

(۳۶۵) کتاب البلدان،(الیعقوبی)،۲: ۲۳۳۔۲۳۴

(۳۶۷) تاریخ بغداد (الخطیب)۱: ۲۱۔۲۳

(۳۶۸) کتاب البلدان،(الیعقوبی)،۲۳۳

(۳۶۹) ایضاً،۲۳۳۔۲۳۴

(۳۷۰) کتاب البلدان،(الیعقوبی)،۲۴۸،مناقب بغداد،۲۷۔۲۸

(۳۷۱) ایضاً ۲۵۳،ایضاً ۲۶

(۳۷۲) ایضاً

(۳۷۳) کتاب البلدان،(الیعقوبی)،۲۵۳،مناقب بغداد (الجوزی)۲۶

(۳۷۴) تاریخ الیعقوبی،۲: ۳۷۴

سبلی،احمد الدکتور،التاریخ الاسلامی، والحضارۃ الاسلامیۃ الطبعۃ الثالثۃ ۱۹۶۶ء، مکتبۃ النھضۃ المصریہ،
قاہرہ،۳: ۲۰۸

(۳۷۵) النقود العراقیہ،۱۲۔۱۳

تاریخ الطبری،۶:۲۶۶،النقود العراقیہ،۱۲۔۱۳،التاریخ الاسلامی (السلبی)،۳:۲۰۸

(۳۷۶) تاریخ الطبری،۶:۲۶۶

(۳۷۷) ایضاً،۶:۲۶۷

(۳۷۸) تاریخ بغداد (الخطیب) ۱:۸۰۔۸۱

(۳۷۹) التاریخ الاسلامی (السلبی) ۳:۲۰۹،تاریخ بغداد (الخطیب) ۱:۸۰

(۳۸۱) تاریخ الطبری،۶:۲۶۶

(۳۸۲) ایضاً ۷:۵۹،۶۳

(۳۸۳) تاریخ الطبری،۶:۲۶۶،تاریخ النقود العراقیہ،۱۳،التاریخ اسلامی (السلبی) ۳:۲۰۸

(۳۸۴) تاریخ بغداد، (الخطیب) ۱:۸۰۔۸۱، کتاب التاج،۸۱،التاریخ اسلامی (السلبی) ۳:۲۰۹

(۳۸۵) تاریخ بغداد (الخطیب)،۱:۸۰۔۸۱، کتاب التاج،۸۱،التاریخ الاسلامی، (السلبی)،۳:۲۰۹

(۳۸۶) ایضاً

(۳۸۷) تاریخ بغداد (الخطیب)،۱:۱۱۳

(۳۸۹) ایضاً،۸۰۔۸۱، کتاب التاج،۸۱،التاریخ الاسلامی (السلبی) ۳:۲۰۹

(۳۹۰) ایضاً

(۳۹۱) تاریخ بغداد (الخطیب)،۱:۱۱۴، کتاب التاج،۸۱،التاریخ الاسلامی، (السلبی)،۳:۲۰۹

(۳۹۲) کتاب البلدان، (الیعقوبی)۲۴۵،تاریخ بغداد (الخطیب) ۱ :۸۱، کتاب التاج،۸۱،التاریخ اسلامی (السلبی)،۳:۲۰۹

(۳۹۳) کتاب البلدان، (الیعقوبی)،۲۶۰

(۳۹۴) تاریخ بغداد، (الخطیب) ۱:۸۱، کتاب التاج،۸۰،التاریخ الاسلامی، (السلبی)،۳:۲۰۹

(۳۹۵) تاریخ بغداد (الخطیب)،۱:۱۱۴

(۳۹۶) مختصر کتاب البلدان،۵۱

(۳۹۷) ایضاً

(۳۹۸) اصفہانی، ابوالفرج، کتاب الاغانی، القاہرہ،۱۹۲۷ء، سق العرب:۲۲۶۔۲۲۷،۲۵۲،۲۶۰

(۳۹۹) سفرنامہ، ناصر خسرو،۱۸۵

(۴۰۰) ایضاً

(۴۰۱) ایضاً،۱۷۸

(۴۰۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ،"البصرہ"،۴:۵۸۰

(۴۰۳) L.Massignon بحوالہ دائرہ معارف اسلامیہ، البصرہ۴: ۴۸۰
(۴۰۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ،۴: ۵۸۴
(۴۰۵) تاریخ المسعودی،۳: ۳۴۰
(۴۰۶) صورت الارض،۳۱۴
(۴۰۷) معجم البلدان، (یاقوت حموی)، موصل
(۴۰۸) کتاب البلدان، (الیعقوبی)، ۲۵۸_۲۶۳
(۴۰۹) مختصر کتاب البلدان،۲۵۲
(۴۱۰) تاریخ المسعودی،۳: ۳۴۰
(۴۱۱) المسالک والممالک (اصطخری)، ۱۰۹
(۴۱۲) ایضاً،۱۳۲
(۴۱۳) ایضاً،۲۳
(۴۱۴) ایضاً،۱۴۰
(۴۱۵) کتاب الاعلاق،۱۵۲
(۴۱۶) کتاب البلدان، (الیعقوبی)، ۲۶۶
(۴۱۷) المسالک والممالک (اصطخری)، ۴۱، ۱۶۲، ۱۶۷، ۱۷۰، مختصر کتاب البلدان،۲۵۲
(۴۱۸) احسن التقاسیم، ۱۸۱
(۴۱۹) المسالک و الممالک (اصطخری)، ۶۴، ۱۱۰، ۱۱۸، ۱۲۴، ۱۳۶، ۱۳۹، احسن التقاسیم، ۳۶۷، مختصر کتاب البلدان ۲۵۳_۲۵۴
(۴۲۰) مختصر کتاب البلدان، ۲۵۲
(۴۲۱) المسالک والممالک (اصطخری)، ۲۶، ۱۶۲، ۱۶۷، ۱۷۰
(۴۲۲) احسن التقاسیم، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۴۵
(۴۲۳) الخطط،۱: ۴۱۴، نشوار المحاضرہ،،، ۲۵، ۴۰، ۴۱۴، ۲: ۳۱۲
(۴۲۴) نشوار المحاضرہ،۱: ۲۵
(۴۲۵) ایضاً،۱: ۴۰، الخطط،۱: ۴۱۴
(۴۲۶) نشوار المحاضرہ،۱: ۲۵
(۴۲۷) تاریخ الطبری، ۷: ۲۷۸
(۴۲۸) ضحیٰ الاسلام، ۸۷
(۴۲۹) تاریخ الخلفاء، ۲۲

(۴۳۰) ضحیٰ الاسلام،۸۱

(۴۳۲) تاریخ الطبری،۷،۲۴۰:۷،۳۲۰

(۴۳۳) ایضاً،۷:۳۳۲_۳۳۳،ضحیٰ الاسلام،۸۵

(۴۳۴) کتاب الاغانی،۱۴:۱۰۹

(۴۳۵) کتاب البلدان،۲۶۰،ضحیٰ الاسلام،۸۳

(۴۳۶) تاریخ الطبری،۷:۳۳۲_۳۳۳،ضحیٰ الاسلام،۸۵

(۴۳۷) ضحیٰ الاسلام،۸۳

(۴۳۸) ایضاً،۸۵

(۴۳۹) ایضاً

صقالبہ کا لفظ ان لوگوں پر بولا جاتا تھا۔ جو بلغاریہ سے لے کر قسطنطیہ کی حدود تک سکونت رکھتے تھے(ضحیٰ الاسلام،۸۵)

(۴۴۰) الفہرست،۱۴۰

(۴۴۱) ضحیٰ الاسلام،۸۵

(۴۴۲) کتاب الاغانی،۱۴:۱۰۹

(۴۴۳)(الف) تاریخ الطبری،۶:۵۱۰،تاریخ ابن خلدون،۳:۴۸۳

(۴۴۳)(ب) History of the Arabs, 345

(۴۴۴) المسالک والممالک (اصطخری)،۹۲

(۴۴۵) ایضاً،۹۲

(۴۴۶) ایضاً

(۴۴۷) ایضاً

(۴۴۸) ایضاً

(۴۴۹) ایضاً،۹۳

(۴۵۰) المسالک والممالک (اصطخری)،۹۴

(۴۵۱) ایضاً،۹۲،۹۴،۹۹

(۴۵۲) ایضاً،۹۲_۹۳

(۴۵۳) احسن التقاسیم،۱۲۸،۱۲۹،۱۳۵

(۴۵۴) المسالک والممالک (اصطخری)،۴۱،مختصر کتاب البلدان،۲۵۲

(۴۵۵) ایضاً،۴۷

(۴۵۶) احسن التقاسیم،۴۳

(۴۵۷) المسالک والممالک(اصطخری)،۱۳۶،۱۴۹،۱۵۱،۱۵۳،۱۵۶،۱۵۸

(۴۵۸) المسالک والممالک(اصطخری)،۶۴

(۴۵۹) احسن التقاسیم،۴۰۵

(۴۶۰) المسالک والممالک(اصطخری)،۶۶،احسن التقاسیم،۴۰۵

(۴۶۱) معجم البلدان،۷:۷۵

(۴۶۲) کتاب البلدان،۱(الیعقوبی)،۲۸۷

(۴۶۳)المسالک والممالک(اصطخری)،۱۱۰

(۴۶۴)ایضاً،۱۱۰،۱۲۴

(۴۶۵)ایضاً،۱۱۷،۱۲۰

(۴۶۶) ایضاً،۱۳۰،۱۳۲

(۴۶۷)ایضاً،۱۴۰،۱۴۱

(۴۶۸)ایضاً۱۶۱،۱۷۵،۱۷۶

(۴۶۹) المسالک والممالک(اصطخری)،۲۶۰

(۴۷۰) کتاب الخراج،(قدامہ)۵_۴۶

(۴۷۱) ایضاً

(۴۷۲) ایضاً،۲۰۰_۲۰۹

(۴۷۳)ایضاً،۲۱۴_۲۱۷

(۴۷۴)ایضاً،۱۹۳_۱۹۷

(۴۷۵) ایضاً،۱۸۵_۱۹۳

(۴۷۶) ایضاً،۲۱۷_۲۱۸

(۴۷۷)احسن التقاسیم،۶۴_۶۶

(۴۷۸)ایضاً،۱۲۴

(۴۷۹) تاریخ الطبری،۶:۱۱۶،۳۶۹

(۴۸۰) کتاب الاعلاق،۹۵،۱۸۴،۱۸۵

(۴۸۱) صورت الارض،۱۶۶

History of the Arabs, 305 (۴۸۲)

A short History of the Saracens, 461.(۴۸۳)

(۴۸۴) تمدن عرب، ۵۹۶

(۴۸۵) حسن ابراہیم حسن الدکتور، تاریخ الاسلام السیاسی والدینی والثقافی والاجتماعی مکتبۃ النھضۃ المصریہ، بالقاہرہ، ۱۹۶۵ء،: ۲: ۳۱۱

(۴۸۶) Arnold, The Preaching of Islam,363-364
تاریخ الاسلام (حسن ابراہیم حسن) ۲: ۳۱۴

(۴۸۷) المسالک والممالک (خرداذبہ)، مطبع بریل لیدن، ۱۳۰۶ھ، تاریخ الاسلام (حسن ابراہیم حسن)، ۲: ۳۱۴۔۳۱۵

(۴۸۸) History of the Arabs, P. 334

(۴۸۹) المسالک والممالک (خرداذبہ)، ۶۱، ۶۸، ۶۹

(۴۹۰) بدرالدین چینی مولوی، چین و عرب کے تعلقات اور ان کے نتائج، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، ۱۹۴۹ء، ۷۵۔۷۶

(۴۹۱) چین و عرب کے تعلقات، ۷۹۔۸۰

(۴۹۲) مختصر کتاب البلدان، ۱۳

(۴۹۳) چین و عرب کے تعلقات، ۱۶۸

(۴۹۴) ایضاً، ۱۷۷

(۴۹۵) ایضاً، ۸۱

(۴۹۶) ایضاً، ۱۶۵۔۱۶۶

(۴۹۷) ایضاً

(۴۹۸) ایضاً

(۴۹۹) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، "جزیرۃ العرب"، ۱۳: ۹۰

(۵۰۰) المسالک والممالک (خرداذبہ)، ۵۵

(۵۰۱) صورت الارض، ۵۵

(۵۰۲) ایضاً، ۵۵

(۵۰۴) خلافت عباسیہ اور ہندوستان، ۳۵۵

(۵۰۵) المسالک والممالک (خرداذبہ)، ۶۳، ۶۴، ۷۰۔۷۱

(۵۰۶) تاریخ المسعودی، ۴: ۲۳۰

(۵۰۷) ایضاً، ۳: ۳۳۶

(۵۰۸) تاریخ بغداد (الخطیب)، ۱۳: ۴۲۸

(۵۰۹) ایضاً، ۶: ۳۲۱

(۵۱۰) خلافت عباسیہ اور ہندوستان، ۵۴۱

(۵۱۱) تاریخ ابن عساکر، ۱۱: ۱۲۸

(۵۱۲) تاریخ بغداد (الخطیب) ۷: ۳۰۳

(۵۱۳) تمدن عرب، ۵۹۱۔۵۹۳

(۵۱۵) ایضاً، ۵۹۲۔۵۹۳

(۵۱۶) ایضاً، ۵۹۴۔۵۹۶

(۵۱۷) یورپ پر اسلام کے احسان، ۱۲۵

(۵۱۸) The Sprit of Islam, 461.

(۵۱۹) صورت الارض، ۱۸۵

(۵۲۰) ایضاً

(۵۲۱) المسالک والممالک، (ابن خرداذبہ)، ۷۰، ۱۵۳

(۵۲۲) ایضاً

(۵۲۳) احسن التقاسیم، ۲۹۹

(۵۲۴) ایضاً، ۳۲۴۔۳۲۵

(۵۲۵) المسالک والممالک (خرداذبہ)، ۱۵۴، احسن التقاسیم، ۳۲۵

(۵۲۶) المسالک والممالک (خرداذبہ)، ۳۸، ۷۰۔۷۱

(۵۲۷) تاریخ المسعودی، ۳: ۳۲۳

(۵۲۸) تاریخ المسعودی، ۳: ۳۳۳، تذکرہ الحفاظ (الجاحظ)، ۱: ۱۵۹ طبقات سعد، ابن سعد، ۶: ۲۵۸

(۵۲۹) طبقات ابن سعد، ۶: ۲۵۸، ۲۸۰، ۲۸۷، ۷: ۸۱ تاریخ بغداد (الخطیب) ۱۳: ۳۲۵

(۵۳۰) الخلط، ۱: ۱۰۹، ۳۳۳

(۵۳۱) تاریخ بغداد (الخطیب) ۱۳: ۳۲۵

(۵۳۲) ایضاً، ۱۳: ۳۵۸، ۳۶۰

(۵۳۳) تذکرہ الحفاظ (امام ذہبی)، ۵۹

(۵۳۴) تاریخ بغداد (الخطیب)، ۱۳: ۳۵۹۔۳۶۰

(۵۳۵) ایضاً، ۱۳: ۳۲۵، ۳۶۰

(۵۳۶) ایضاً، ۳۶۲

(۵۳۷) مناقب موفق، ۱: ۲۰۳، تاریخ بغداد، ۱۳: ۳۵۸، ۳۶۰

(۵۳۸) ایضاً، ۱: ۲۲۰

(۵۳۹) منظر احسن گیلانی، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، ۱۱۱

(۵۴۰) طبقات ابن سعد، ۶: ۲۵۸

(۵۴۱) ایضاً، ۶: ۲۸۷

(۵۴۲) تذکرہ الحفاظ، (امام ذہبی)، ۴۶۹

(۵۴۳) الخطط، ۱: ۱۰۹، ۳۳۳

(۵۴۴) طبقات ابن سعد، ۶: ۲۸۰

(۵۴۵) ایضاً، ۷: ۷۱

(۵۴۶) مقدمہ ابن خلدون، ۴۴۰

(۵۴۷) ایضاً

(۵۴۸) ایضاً

(۵۴۹) احسن التقاسیم، ۴۳۲

(۵۵۰) المسالک والممالک (اصطخری)، ۴۱، ۹۲، ۱۱۰، ۱۱۷، ۱۳۶، ۱۴۹، ۱۵۸، ۱۷۰، ۱۷۵، ۱۷۶۔

مختصر کتاب البدان، ۲۵۲

(۵۵۱) المسالک والممالک (اصطخری)، ۶۴، مختصر کتاب البلدان، ۲۵۲، احسن التقاسیم، ۱۴۵

(۵۵۲) نشوار الحاضر، ۱: ۵۱

(۵۵۳) تاریخ بغداد (الخطیب)، ۱۳: ۳۲۵

(۵۵۴) ایضاً

(۵۵۵) المسالک والممالک (اصطخری)، ۶۴

(۵۵۶) ایضاً

(۵۵۷) المسالک والممالک (اصطخری)، ۶۴، ۱۱۰، ۱۱۷، ۱۲۴، ۱۳۶، ۱۵۸، کتاب البدان، (الیعقوبی)، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۹۱،

مختصر کتاب البلدان، ۲۵۲، احسن التقاسیم، ۱۲۸

(۵۵۸) احسن التقاسیم، ۱۲۸ (۵۵۹) المسالک والممالک (اصطخری)، ۱۲۴، احسن التقاسیم، ۱۲۸

(۵۶۰) History of the Arabs,347.

(۵۶۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ''فن، طراز''، ۱۵: ۹۳۴

طراز کے لغوی معنی سوزن کاری، کشیدہ کاری، کارچوبی یا زردوزی کے ہیں (یہ فارسی زبان کا لفظ ہے)۔
بعد ازاں اس کے معنی ایسے لباس کے ہو گئے جن پر ایسی کڑھائی کی گئی ہو جس میں کچھ تحریر کیا گیا ہو۔ یہ تحریر سونے کی تاروں سے لکھی جاتی تھی۔

(۵۶۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، فن طراز، ۱۵: ۹۳۶

Herz Bey, Calal Raisnone, 271

(۵۶۳) Catal, Raisnone:Herz Bey t، ۲۷۱، بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، فن طراز، ۱۵: ۹۳۶

(۵۶۴) ایضاً

(۵۶۵) ایضاً

(۵۶۶) ایضاً

(۵۶۷) ایضاً

(۵۶۸) ایضاً

(۵۶۹) الارزقی، اخبار مکہ، طبع وسٹنفلٹ، ۱۶۲، ۱۶۶

(۵۷۰) القلقشندی، ابو العباس احمد بن علی، ترائنا صبح الاعشی، فی صناعتہ الانشاء، الطبعتہ الامیریہ بمصر، ۴، ایضاً ۵۷

(۵۷۱) ایضاً

(۵۷۲) معجم البلدان، ۱: ۸۸۲

(۵۷۳) الادریسی، نزھتہ المشتاق، مترجم اے جیوبیرٹ، ۱: ۳۲۰

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، فن طراز، ۱۵: ۳۲۷

(۵۷۴) ابن عبدربہ، الفقیہ احمد بن محمد اندلسی، العقد الفرید، طبع بولاق، ۱۲۹۳ھ، ۳: ۳۶۲

(۵۷۵) Herz-Bey, Catal Raisonne, 266-268

A.Mez, Die Reaisancescedes Islams, 433.

بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۵: ۹۵۱

(۵۷۶) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، فن طراز، ۱۵: ۹۵۱

(۵۷۷) ایضاً، ۱۵: ۹۴۴

(۵۷۸) ایضاً

(۵۷۹) ایضاً ۱۵: ۹۵۵

(۵۸۰) ایضاً ۱۵: ۹۴۹

(۵۸۱) تاریخ المسعودی، ۴: ۸۴

(۵۸۲) احسن التقاسیم، ۱۲۸۔۱۲۹، ۴۴۲

(۵۸۳) کتاب الاعلاق، ۱۵۳

(۵۸۴) احسن التقاسیم، ۱۲۸، ۱۴۵، المسالک والممالک (اصطخری)، ۹۲

(۵۸۵) ابو الفداء، عماد الدین اسماعیل، الملک المؤید، کتاب المختصر فی اخبار البشر، دار الفکر، دار البحار، ۱۳۷۵ھ/۱۹۹۴ء

بیروت۔ب، ۱۹۸، ۳: ۸۷

(۵۸۶) مقدمہ ابن خلدون، ۲۶۷

(۵۸۷) النجوم الزھرہ، ۲: ۱۹۴

(۵۸۸) کتاب البلدان (الیعقوبی)، ۲۶۴، مختصر کتاب البلدان، ۲۵۳، تہذیب وتمدن اسلامی، ۲۸۳

(۵۸۸) کتاب البلدان (الیعقوبی)، ۲۶۴، مختصر کتاب البلدان، ۲۵۳، تہذیب وتمدن اسلامی، ۲۸۳

(۵۸۹) احسن التقاسیم، ۱۲۸، ۱۴۵

(۵۸۸) کتاب البلدان (الیعقوبی)، ۲۶۴، مختصر کتاب البلدان، ۲۵۳، تہذیب وتمدن اسلامی، ۲۸۳

(۵۹۱) کتاب البلدان، (الیعقوبی)، ۲۶۴

(۵۹۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، فن متفرقات، ۱۵: ۱۰۰۹

(۵۹۲) تاریخ الاسلام (حسن ابراہیم حسن) ۵۹۲۔۵۹۳

(۵۹۵) ایضاً، ۱: ۳۰۸، ۳۱۴

(۵۹۶) ایضاً، ۱: ۳۱۴

(۵۹۷) ایضاً

(۵۹۸) ایضاً

(۵۹۹) ایضاً، ۳۱۴، ۳۱۵

(۶۰۰) الفہرست، ۳۱، ۳۱۰

(۶۰۱) الخطط، ۱: ۳۱۴، ۳۱۵

(۶۰۲) تاریخ بغداد (الخطیب) ۱: ۷۱

(۶۰۳) کتاب البلدان، (الیعقوبی) ۲۸۳

(۶۰۴) ایضاً، (ذراع کہنی سے نیچے تک گنا جاتا تھا)

(۶۰۵) تاریخ بغداد (الخطیب)، ۱: ۸۰۔۸۱، معجم البلدان، ۶ کتاب التاج، ۸۱، التاریخ الاسلامی (السلمی) ۳: ۲۰۹

(۶۰۶) کتاب الخراج، (قدامہ)، ۱۹۰

(۶۰۷) الفہرست، ۳۸

(۶۰۸) ایضاً

(۶۰۹) ایضاً، ۲۰

(۶۱۰) احسن التقاسیم، ۱۲۸، طبقات الاطباء ۱: ۲۶۳

(۶۱۱) المسالک والممالک (اصطخری)، ۹۲

(۶۱۲) احسن التقاسیم، ۳۳۲

(۶۱۳) المسالک والممالک (اصطخری)، ۳۲، ۱۶۲

(۶۱۴) تاریخ البغداد(الخطیب)ا: ۱۱۳،احسن التقاسیم،۱۴۵
(۶۱۵) ایضاً،۶۷
(۶۱۶) احسن التقاسیم،۴۴۲
(۶۱۷) الفہرست،۳۸
(۶۱۸) تاریخ التمدن الاسلامی،ا:۲۱۸
(۶۱۹) ایضاً.History of the Arabs, .347
(۶۲۰) ایضاً
(۶۲۱) مقدمہ ابن خلدون،۴۲۲
(۶۲۲) سالناہ کابل،۲۹۱
(۶۲۳) الفہرست،۳۷-۳۸
(۶۲۴) ایضاً،۲۳۳،لغت نامہ وہمد اذیلی لفظ(کاغذ)
(۶۲۵) ایضاً
(۶۲۶) الفہرست،۳۸
(۶۲۷) کتاب البلدان،(الیعقوب)۲۴۵،تاریخ بغداد(الخطیب)،ا:۸۱،معجم البلدان،۶،التاریخ الاسلامی ، (السلبی) ،
۲:۳۰۹،کتاب التاج،۸۱
(۶۲۸) کتاب البلدان(الیعقوبی)،۲۶۴
(۶۲۹) کتاب الوزراء،۱۳۸
(۶۳۰) ایضاً،۱۹
(۶۳۱) الخطط،۲:۳۱۸
(۶۳۲) تاریخ المسعودی،۳:۳۲۷
(۶۳۳) الفخری،۲۳۰-۲۳۱
(۶۳۴) الفہرست،۱۸۴
(۶۳۵) تاریخ الطبری،۶:۳۶۶،تاریخ المسعودی،۴:۴۹۷
(۶۳۶) المسالک والممالک(اصطخری)،۱۱۰
(۶۳۷) مقدمہ ابن خلدون،۳۴۲
(۶۳۸) کتاب البلدان،(الیعقوب)،۲۷۷
(۶۳۹) المسالک والممالک(اصطخری)،۹۲،۱۲۴
(۶۴۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ،فن متفرقات،۱۵:۱۰۰۶

(۶۴۱) ایضاً،۱۵: ۱۰۰۸

(۶۴۲) ایضاً،۱۵: ۱۰۰۲

(۶۴۳) کتاب البلدان، (الیعقوبی)،۲۸، ۲۶۴

(۶۴۴) مقدمہ ابن خلدون، ۴۲۳

(۶۴۵) ایضاً، ۴۲۸

(۶۴۶) تاریخ المسعودی، ۱: ۳۱۳، کتاب الخراج، (قدامہ) ۱۹۰، الاحکام السلطانیہ، (الماوردی)، ۱۹۷۔۱۹۸

(۶۴۷) الاحکام السلطانیہ، (الماوردی)، ۱۹۷۔۱۹۸

(۶۴۸) تاریخ المسعودی، ۱: ۳۱۳، المسالک والممالک (اصطخری)، ۲۶، ۷۷، ۹۳، ۱۱۲، ۱۵۲، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۸۵، ۱۸۷، کتاب الخراج (قدامہ)، ۱۹۰

(۶۴۹) المستطرف، ۱: ۶۸

(۶۵۰) کتاب البلدان، (الیعقوبی)، ۲۶۶

(۶۵۱) طبقات ابن سعد، ۶: ۲۸۰، کتاب الوزراء، ۱۱۳۔۱۱۴، ۱۳۲، تذکرۃ الحفاظ (الجاحظ) ۲۲۰

(۶۵۲) تاریخ الطبری، ۶: ۲۱۰، ۲۶۹، ۳۷۳، ۵۱۲، ۵۶۱، ۷: ۲، ۱۵، ۳۲، ۴۹، کتاب الخراج (قدامہ) ۸۹، ۲۵۳

(۶۵۳) النظم الاسلامیہ (حسن ابراہیم حسن) ۲۶۰

(۶۵۴) تاریخ الحکماء، ۱۳۲، ۱۴۳، ۱۵۲

(۶۵۵) الفہرست، ۲۵۸

(۶۵۶) کتاب الخراج، ۱۲۳، الفہرست، ۲۵۸

(۶۵۷) تحفۃ الوزراء، ۸۱

(۶۵۸) تاریخ المسعودی، ۳: ۳۲۷

(۶۵۹) تاریخ الطبری، ۶: ۵۳۴، تاریخ الحکماء، ۱۹۱۔۱۹۲

(۶۶۰) تاریخ الحکماء، ۱۹۱۔۱۹۲

(۶۶۱) تاریخ المسعودی ، ۱ : ۳۱۳، کتاب الخراج، (قدامہ) ۱۹۰، احسن التقاسیم، ۳۴۱، المسالک والممالک (خرداذبہ)، ۳۶

(۶۶۲) الفہرست، ۲۰، ۲۷۱، عیون الانباء وطبقات الاطباء، ۲۶۴

(۶۶۳) تاریخ الخلفاء، ۲۷۰، الفہرست، ۱۷۵

(۶۶۴) تاریخ المسعودی، ۳: ۳۲۶

(۶۶۵) تاریخ الخلفاء، ۳: ۲۷۰

(۶۶۶) ایضاً

(۶۶۷) الفخری، ۲۰۶

(۶۶۸) تاریخ الطبری، ۶ : ۵۳۲، ۷: ۱۰۲، ۲۳۳

(٦٦٩) کتاب الخراج،(امام ابو یوسف)،۱۲۴
(٦٧٠) الفہرست،۲۷۹
(٦٧١) تاریخ بغداد(الخطیب)۱:۸۰، کتاب الخراج،(امام ابو یوسف)،۱۲۴
(٦٧٢) احسن التقاسیم،۲۲۴
(٦٧٣) طبقات ابن سعد،۵ :۳۱۵:۳۱٦
(٦٧٤) تاریخ ابن اکثیر،۱۰ :۷۸،الفخری،۱۱۱
(٦٧٥) تاریخ بغداد(الخطیب)،۱:۱۱۷۔۱۱۸
(٦٧٦) کتاب البلدان،(الیعقوبی)،۲٦۴،تاریخ بغداد(الخطیب)،۱ :۱۱۷، کتاب الخراج،(امام ابو یوسفؒ)،۱۲۴
(٦٧٧) تاریخ الطبری،۷:۱۷۰
(٦٧٨) ایضاً
(٦٧٩) تاریخ الطبری،۸:۵۳
(٦٨٠) ایضاً
(٦٨١) ایضاً،۸:۵۳،۱۱۳،۱۸۲،۱۸۴،۲۷۴
(٦٨٢) الفخری،۲۰۱
(٦٨٣) تاریخ الطبری،۷:۳۸٦
(٦٨٤) الفخری،۱۳٦
(٦٨٥) تاریخ الیعقوبی،(الیعقوبی)،۲:۴۵٦
(٦٨٦) الفخری،۲۰۱
(٦٨٧) تاریخ الطبری،٦:۴۵۹۔۴٦۰
(٦٨٨) تاریخ المسعودی،۳:۳۲۸
(٦٨٩) کتاب البلدان،(الیعقوبی)،۳۲۷
(٦٩٠) کتاب الوزراء،۱۱۴
(٦٩١) الفخری،۱۰۹،۱۲۹
(٦٩٢) احسن التقاسیم،۱۰۴۔۱۰۵
(٦٩٣) کتاب الخراج،(امام ابو یوسف)،۱۰٦۔۱۰۸
(٦٩٤) کتاب الخراج،۱۸۳
(٦٩٥) ایضاً،۱۸۵
(٦٩٦) ایضاً،۱۵۰
(٦٩٧) نشوار المحاضرہ،۳:۵۵
(٦٩٨) تاریخ الطبری،۷:۳۳۰

□♦□♦□

باب سوئم

باب سوم

نظام مالیات

عہد عباسی میں رائج ''مالیاتی نظام'' بہت منظم اور مستحکم تھا۔
عباسی خلفاء اس کے بارے میں بہت حساس تھے۔ وہ علماء اور فقہاء سے مشورے لیتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر خلفاء کے دور میں ''کتاب الخراج'' کے نام سے اسلامی مالیاتی نظام پر تحقیق کی گئی اور مستقبل کی راہیں متعین کی گئیں(۱)۔ یہاں تک کہ خلیفہ ہارون الرشید نے باقاعدہ ایک سوالنامہ مرتب کر کے اس وقت کے قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ کو بھیجا جس میں مختلف مالیاتی امور کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر معلوم کیا گیا تھا۔ جس کے جواب میں امام صاحب نے ایک بے نظیر کتاب ''کتاب الخراج'' کے نام پر لکھی (۲)۔ اور فرمایا:

''اگر آپ نے اس تحریر پر عمل کیا جو کہ انشاء اللہ عمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو بغیر
کوئی ظلم وستم کیئے آپ کے خراج میں اللہ تعالیٰ بہت اضافہ کرے گا''۔

اس کے علاوہ کتاب الخراج کے موضوع کے تحت اور بھی کئی کتابیں لکھی گئیں۔ جبکہ ان تمام کتابوں میں مختلف مالی امور زکوۃ، عشر، خراج، مال غنیمت جزیہ وغیرہ اور ان کے خرچ کی مدآت پر بحث کی گئی ہے صرف خراج پر نہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید صرف خراج پہ لکھا گیا ہو دراصل ان کتابوں کو ''کتاب الخراج'' کا نام دیتے وقت ان مصنفین کے پیش نظر اپنے زمانے کا عرف عام تھا جو خراج کے تحت ان تمام امور کو شامل کر لیتا تھا(۳)۔

حکومتِ عباسی کے ذرائع آمدن

اسلامی ریاست اپنی مالیاتی پالیسی کو بروئے کار لانے اور اس کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے سرکاری خزانہ قائم کرتی ہے اور سرکاری خزانہ کے محفوظ مقام کو بیت المال کہا جاتا ہے۔ ''بیت المال'' کا لفظ اسلامی ریاست کے پورے مالیاتی نظام کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے(۴)۔

عہد عباسی میں ایک مرکزی بیت المال بغداد میں قائم تھا۔ اس کے علاوہ ہر صوبے میں بیت المال قائم تھے۔ مرکزی بیت المال سرکاری خزانے کے ساتھ ساتھ اس وقت کا مرکزی بنک بھی تھا۔ جو سوائے سود پر قرض دینے، نوٹ جاری کرنے اور تجارتی کاروبار کرنے کے لیے قرض کے اجراء کے باقی وہ تمام فرائض پورے کرتا تھا جو آج کل حکومتوں کے مرکزی بنک کرتے ہیں(۵)۔

حکومت عباسی کے ابتدائی دور میں بیت المال کی آمدنی کے بڑے بڑے ذرائع تقریباً وہی تھے۔ یہ ایک طرح سے شرعی

ٹیکس تھے یعنی شریعت نے ان کو جائز قرار دیا تھا۔ لیکن واثق کے بعد کے دور میں جو ٹیکس یا وصول کیے جاتے تھے وہ شرعی نہ تھے(٦) اوران ٹیکسوں کی مقدار بھی بہت زیادہ تھی۔ اس کے باوجود عصر حاضر سے وہ ٹیکس کسی طور بھی زائد نہ تھے۔

التنوخی اور الصابی کہتے ہیں کہ:

''عباسی عہد کے دوسرے دور میں غریب کسانوں پر کافی بوجھل محصول لگائے گئے۔
صرف کسی ایک چیز پر نہیں بلکہ ضروریات زندگی میں سے بہت سی چیزوں پر انہیں
بھاری ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے''(٧)۔

اصطخری اس کی مثال دیتے ہوئے کہتا ہے:

''پہلے فارس میں انگور پر اور نہ ہی درختوں پر خراج لیا جاتا تھا لیکن علی بن عیسیٰ نے
٣٠٢ھ میں ہر چیز پر خراج لگا دیا''(٨)۔

جبکہ علامہ ابن خلدون اس صورت حال کو حکومت کے خاتمہ کی علامت سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

''حکومت کے آخری دنوں میں ٹیکسوں کی بھرمار ہو جاتی ہے''(٩)۔

ٹیکسز کے علاوہ کئی دیگر ذرائع سے بھی بیت المال میں مال و دولت جمع ہوتا تھا۔ تاہم بیت المال کے ذرائع آمدن کچھ اس طرح سے تھے۔

(1) خراج (١٠)، (2) جزیہ (١١)، (3) زکوٰۃ (١٢)، (4) عشر (١٣)، (5) عشور (١٤)، (6) کراء الارض (١٥)،

(7) خمس (١٦)۔ (الف) مال غنیمت کا ١/٥ (١٧) (ب) معادن کا ١/٥ (١٨) (ج) دفینوں (رکاز) کا ١/٥ (١٩) (د) صید البحر یعنی سمندر سے حاصل ہونے والی اشیاء کا ١/٥ (٢٠)

(8) اعشار السفن البحر (٢١)، (9) مستغلات (٢٢)، (10) منافع سکہ سازی (٢٣)، (11) ضریبۃ الارث (٢٤)، (12) مختلف اشیاء اور جانوروں پر ٹیکس (٢٥)، (13) تاوان جنگ (٢٦)، (14) ضرائب ونوائب (ہنگامی ٹیکس) (٢٧)۔

اموال فاضلہ (٢٨)

1:- لاوارث ترکے (٢٩)

2:- لاوارث ذمی کی جائیداد

3:- بازیافتہ مسروقہ مال و دیگر اموال واسباب (٣٠)

4:- مصادرات (٣١)

عہد عباسی کا ٹیکسیشن سسٹم

ہر شخص کو زندگی گزارنے کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح حکومت کو بھی اپنے فرائض ادا کرنے کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا حکومت مختلف قسم کے ٹیکسز (محاصل) لگا کر یہ رقم وصول کرتی ہے۔

ٹیکس Tax (محصول)

آئرستان کے مستند ماہر مالیات پروفیسر Bestable کے مطابق ''محصول سے مراد کسی شخص یا جماعت کی دولت کا وہ حصہ ہوتا ہے جو سرکاری اغراض کے لیے لازمی طور پر لیا جاتا ہے'' (۳۲)

اور عصر جدید کے ماہر مالیات پروفیسر ڈالٹن کہتے ہیں کہ

''محصول ایک لازمی مطالبہ ہے جو سرکار کی طرف سے عائد کیا جاتا ہے'' (۳۳)۔

جبکہ اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ:

''محصول یا ٹیکس اسلامی ریاست کا وہ شرعی حق ہے جس کے ذریعے وہ اپنی آمدنی حاصل کرتی ہے تاکہ وہ اپنی شرعی ضروریات اور مصالح عامہ کے کار خیر انجام دے سکے (۳۴)۔ مزید یہ کہ محصول صرف سرکاری اخراجات کے لیے ہی نہیں لیا جاتا بلکہ بعض محاصل محض غریبوں، بے روزگاروں، معذوروں، مسافروں اور مقروضوں کی دستگیری کے لیے بھی وصول کیے جاتے ہیں'' (۳۵)۔

لہٰذا حکومت عباسی بھی عوام پر مختلف قسم کے محصول وغیرہ لگا کر اپنے اخراجات پورے کرتی تھی۔ ان کی ٹیکسیشن پالیسی بڑی منظم اور سخت تھی۔ جس کے تحت مختلف قسم کے محاصل وصول کیے جاتے تھے۔

ٹیکس دہندگان

عہد عباسی میں دو طرح کے ٹیکس دہندگان تھے (۳۶)

۱۔ مسلم ۲۔ ذمی (غیر مسلم)

ٹیکس کی اقسام (۳۷)

عصر حاضر کے ٹیکسیشن سسٹم کی طرح ٹیکس کی دو اقسام تھیں۔

۱۔ بلاواسطہ ٹیکس (Direct Tax)

۲۔ بالواسطہ ٹیکس (Indirect Tax)

1- بلاواسطہ ٹیکس (Direct Tax)

محصول بلاواسطہ اس شخص کی جانب سے ادا کیا جاتا ہے جس پر ٹیکس عائد کیا گیا ہو (۳۸)۔ لہٰذا مسلم اور غیر مسلم دونوں پر یہ ٹیکس لاگو ہوتا تھا۔

(الف) مسلمانوں سے بلاواسطہ ٹیکس کی وصولی

مسلمانوں سے زکوٰۃ، صدقات، خیرات وغیرہ کی صورت میں حکومت وصول کرتی تھی (۳۹)۔ جو کہ شریعت کی طرف سے عائد تھے اور ان کے مصارف بھی شریعت نے مقرر کر دیئے تھے۔ دراصل یہ مخصوص طبقہ کے لیے مخصوص قسم کے محصول ہیں

جو کہ دوسرے عام محاصل کی طرح مفادِ عامہ کے لیے خرچ نہیں کیئے جا سکتے۔ بلکہ یہ خاص لوگوں کی حاجت روائی کے لیے وصول کیے جاتے ہیں۔

(ب) غیر مسلموں سے بلاواسطہ ٹیکس کی وصولی

یہ ٹیکس غیر مسلموں سے جزیہ کی صورت میں حکومت وصول کرتی تھی۔ جو کہ ان کی حفاظت اور فوجی خدمات و دیگر حکومتی خدمات سے مستثنیٰ کرنے کے عوضانے کے طور پر وصول کیا جاتا تھا(۴۰)

2-بالواسطہ ٹیکس (Indirect Tax)

یہ ٹیکس کسی ایک شخص پر عائد کیا جاتا ہے۔ مگر جزوی طور پر یا کل کا کل کوئی دوسرا ادا کرتا ہے(۴۱) عہد عباسی میں بالواسطہ ٹیکس مسلم اور غیر مسلم دونوں پر عائد ہوتا تھا۔ مثلاً خراج، عشر اور عشور وغیرہ (۴۲)

قوانین محاصل (Laws of Taxes)

جدید معاشیات کے بانی آدم سمتھ (Adam Smith) نے ٹیکس کے چار اصول پیش کیے ہیں جو کہ عصر حاضر میں مانے جاتے ہیں(۴۳)۔ لیکن یہی اصول اسلامی معاشی نظام کے تحت چودہ سو سال پہلے پیش کیے جا چکے تھے۔ چنانچہ مولانا نور محمد غفاری چار کی بجائے ''اسلام کا قانون محاصل'' اور ''اسلام کا نظام مالیات'' (۴۴) میں چھ قوانین ٹیکس پیش کرتے ہیں۔ جن میں سے چار آدم سمتھ نے بھی پیش کیے ہیں۔ باقی دو کا اضافہ ہے۔ عہد عباسی میں ان تمام قوانین کو پیش نظر رکھا جاتا تھا اور انہی کے مطابق ٹیکسیشن پالیسی نافذ تھی مثلاً:

1-اصول عقیدہ ونظریہ(۴۵)

اسلامی ریاست میں مسلمان شہری بعض ٹیکس محض اپنا مذہبی فریضہ اور عبادت سمجھ کر ادا کرتا ہے۔ مثلاً زکوٰۃ (۴۶) عشر (۴۷) اور صدقات (۴۸) وغیرہ۔ قرآن مجید میں ۲۰ مقامات پر زکوٰۃ کا ذکر نماز کے بعد کیا گیا ہے۔ جس سے اصول عقیدہ کے تحت زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری اور وجدانی طور پر سہل اور آسان ہو جاتی ہے اور بعض ٹیکس اس لیے ادا کرتا ہے کہ اسلامی ریاست اس کے عقیدۂ ایمان کی حفاظت کرتی ہے۔ نیز اسلامی ریاست ان شعائر کو قائم رکھتی ہے اور پروان چڑھاتی ہے۔ جن پر وہ ایمان رکھتا ہے۔ اسی طرح ذمی اپنا جزیہ (۴۹) اور خراج اس لیے ادا کرتے ہیں کہ وہ اسلامی ریاست میں امن وامان سے رہ کر اپنے مسلمہ مقاصد پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ خلافت عباسی بھی عوام سے ٹیکس اسی اصول کے تحت وصول کرتی تھی اور رعایا مسلم و ذمی ہر دو اپنے اپنے عائد شدہ ٹیکسز ادا کرتے تھے۔ جو خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہی کی فلاح پر خرچ کر دیئے جاتے تھے(۵۰)۔

2-معاشرتی اصول

اس اصول کے تحت معاشرتی اور معاشی دونوں اغراض کو پورا کیا جاتا ہے یعنی ایک طرف ریاست کو آمدنی ہوتی ہے اور دوسری طرف معاشرتی اونچ نیچ کا علاج بھی ہوتا ہے۔ اسلام دولت کا چند ہاتھوں میں مرتکز ہونا پسند نہیں کرتا بلکہ چاہتا ہے

کہ دولت امراء غرباء میں مسلسل گردش کرتی رہے۔ اسی لیے اسلام ٹیکس لگا کر معاشرتی اور معاشی تفاوت کا علاج کرتا ہے(۵۱)۔

"كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ"(۵۲)

(تا کہ دولت تمہارے مالداروں ہی میں گردش نہ کرتی رہے)۔

رسول اکرم ﷺ زکوٰۃ کے محصول کا مقصد سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"تو خذمن اغنیائهم فترد علی فقرائهم"(۵۳)

(ان کے امراء سے لو اور غرباء میں تقسیم کر دو)۔

عہد عباسی میں اس اصول کو پیش نظر رکھا گیا اور امراء واغنیاء سے زکوٰۃ، خیرات، عشر، عشور اور خراج وغیرہ کے نام پر لے کر سرمایہ کو مستحقین میں بانٹ کر گردش میں رکھا جاتا تھا اور دیگر رفاہی وفلاحی امور جو معاشرے کے تمام افراد کے لیے فائدہ وفلاح کا باعث ہوتے سرانجام دیے جاتے تھے۔

3- قانون تیقن

اس اصول کے تحت ٹیکسوں کی قانونی حیثیت، ان کی مقدار، ان کی ادائیگی کا وقت، طریقہ ادائیگی اور ضروری ادائیگی اور ادا کنندگان تک کا تعین کر دیا جاتا ہے اور ان سب امور کا علم ٹیکس دہندگان کو ہوتا ہے(۵۴)۔ عباسی دور میں یہ قانون اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ نافذ تھا۔ یعنی زکوٰۃ، عشر، خراج، جزیہ، عشور وغیرہ سب متعین تھے۔ کہ کب؟ کتنا؟ کیسے؟ کس نے؟ کس کو؟ کیا ادا کرنا ہے؟ یعنی نصاب، شرح، مدت، صاحب نصاب، وغیرہ سب متعین ہوتے تھے(۵۵)۔ یہ خلیفہ کی صوابدید پر ہوتا تھا کہ حالات وواقعات کے پیش نظر جس کو چاہیے جب اور جتنا چاہیے معاف کر دے یا رعایت دے دے(۵۶)۔

4- قانون سہولت

اس قانون کے تحت ٹیکس گزار کی سہولت ادائیگی پیش نظر ہوتی ہے۔ تا کہ اسے بوجھ اور پریشانی محسوس نہ ہو(۵۷)۔ عباسی خلفاء پوری کوشش کرتے تھے کہ کسی کو بھی پریشانی نہ ہو۔ ہارون الرشید نے خراج اور دیگر ٹیکسز کے بارے میں اس وقت کے چیف جسٹس امام ابو یوسفؒ سے مشورہ مانگا تو جواباً آپؒ نے فرمایا کہ:

"خراج کے سلسلہ میں کسی کو بھی تنگ نہ کیا جائے۔ کسی پر ظلم وزیادتی نہ ہو کیونکہ ظلم سے برکت مٹ جاتی ہے اور جو لگان ظلم سے حاصل ہوتا ہے اس سے شہر اجڑ جاتے ہیں اور ملکوں میں تباہی وخرابی آتی ہے"(۵۸)۔

اکثر خلفاء خراج میں کمی کر دیتے یا معاف کر دیتے تھے۔ جیسا کہ ہارون، مامون اور متوکل کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے(۵۹) عشر اس وقت لیا جاتا تھا جب فصل پک جاتی تھی(۶۰)۔ اسی طرح جزیہ کی ادائیگی میں جنس اور نقد دونوں لیے جاتے تھے(۶۱) بوڑھوں، بچوں کو مستثنیٰ کر دیا جاتا تھا۔ اکثر غرباء اور ناداروں کو معاف بھی کر دیا جاتا تھا(۶۲)۔

5- قانون کفایت

کم سے کم خرچ کر کے زیادہ سے زیادہ وصول کیا جائے اور وصولیٔ ٹیکس کے اخراجات بہت زیادہ نہ ہوں جو ٹیکس کی وصول شدہ رقم کا کثیر حصہ لے اڑیں (٦٣)۔ فقہاء کا بیان ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی کے اخراجات ٢٠ سے ٥٠ فیصد تک ہوں (٦٤)۔

عہد عباسی میں اصول کفایت کے تحت ٹیکس وصول کیے جاتے تھے اور کوشش کی جاتی تھی کہ "محصلین" (محصول کی وصولی پر مامور عملہ) کے اخراجات حد سے نہ بڑھیں۔

6- قانون مساوات

اس قانون کے تحت ہر وہ شخص جو کسی ملک کا باشندہ ہوتا ہے۔ اس پر اس ملک کے قانون کے تحت ٹیکس ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً مسلم اور غیر مسلم مقررہ ٹیکس ادا کریں اور ہر شخص اپنی آمدنی کے مطابق ادا کرے (٦٥)۔

عباسی دور میں مسلم زکوٰۃ وعشر ادا کرنے کے پابند تھے اور غیر مسلم جزیہ اور خراج ——— اسی طرح عشور بھی ہر ذمی اور مسلم کو ادا کرنا پڑتا تھا (٦٦)۔

عہد عباسی کے محاصل (Taxes)

1- خراج

لغت عرب میں خراج زمین کے کرایہ اور پیداوار کو کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "خراج بالضمان" اسی سے ہے (٦٧)۔

امام ابوعبید القاسم خراج کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

> "خراج کے معنی کرایہ، محصول، آمدنی، اجرت اور پیداوار کے ہیں۔ اسی لیے اہل عرب زمین کی پیداوار، گھر کے کرایہ اور مملوک غلام سے حاصل شدہ آمدنی کو خراج سے تعبیر کرتے ہیں" (٦٨)۔

حضرت ابوعبیدؒ کے نزدیک حضرت عمرؓ نے جن زمینوں کا خراج لیا تھا وہ گویا زمین کا کرایہ تھا۔ آپؒ خراج کو زمین کے کرایہ کے مشابہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "جس طرح کرایہ دار مالک مکان کو کرایہ دیتا تھا اسی طرح کاشتکار سرکار کو زمین کا کرایہ دیتا تھا" (٦٩)۔

آپ خراج کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ:

> "خراج ان زمینوں کی آمدنی کا نام ہے جو مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت (فئی) قرار

پاتی ہیں (۷۰)۔ عموماً ان زمینوں پر وہی غیر مسلم لوگ کام کرتے ہیں جو پہلے وہاں آباد ہوتے تھے اور حکومت کو زمین کا کرایہ ایک مقررہ اجرت یا معینہ مقدار غلہ کی صورت میں ادا کرتے ہیں اور بقایا تمام پیداوار ان کی اپنی ہوتی ہے (۷۱)"۔

اور امام ابو یوسف ؒ بھی خراج کو فئی ہی کے معنوں میں لیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"خراج دراصل "فئی" ہی کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ اگر معمولی جنگ کے بعد کفار مغلوب ہو کر صلح کر لیں اور اپنی اراضی کا خراج مسلمانوں کو دینا شروع کر دیں تو یہ "فئی" ہی شمار ہوگا" (۷۲)۔

خراجی زمینیں (۷۳)

خراجی زمینوں سے مراد وہ زمینیں ہیں جن سے خراج لیا جاتا تھا۔

بقول الماوردی اور یحیٰی بن آدم:

"خراج وہ ضریبہ (ٹیکس) ہے جو تین قسم کی زمینوں پر عائد کیا گیا تھا"۔

اول: ایسی زمینیں جو عنوۃً فتح ہوئیں اور مسلمانوں کے لیے وقف کر دی گئیں جیسا کہ سواد کی زمینیں۔

دوم: وہ زمینیں جو فتوحات کے زمانے میں مالکوں کے بغیر رہ گئیں اور مسلمانوں کی طرف منتقل کر دی گئیں۔ زمینیں بھی خراجی تھیں خواہ ان کے مالک مسلم تھے یا غیر مسلم۔

سوم: یہ وہ زمینیں تھیں جن پر مسلمانوں نے صلح کے ذریعے قبضہ کیا اور اس قبضہ کے سلسلہ میں ان کے اور ذمیوں کے درمیان معاہدے ہوئے۔ ان معاہدوں کی رو سے ان کی ملکیت مسلمانوں کی طرف ہو گئی (۷۴)۔ یا وہ اپنے مالکوں کے پاس رہیں مسلمانوں کی طرف منتقل نہ ہوں ایسی زمینیں بھی خراجی تھیں۔ البتہ جب ان زمینوں کے مالک مسلمان ہو جاتے تو ان پر خراج عائد نہ ہوتا تھا۔ مالکوں کے اسلام لانے کے بعد زمینیں عشری بن جاتی تھیں (۷۵)

عشری زمینیں (۷۶)

1:- ہر وہ زمین جس کے مالک اس پر قابض رہتے ہوئے اسلام لائے ہوں ان کی ملکیت ہے۔ ایسی زمینیں عشری زمینیں کہلائیں گی۔ خواہ وہ زمین عرب کی ہو یا عجم کی (مثلاً مدینہ اور یمن کی زمینیں)۔

2:- اسی طرح بت پرست عربوں کی اور ہر اس فرد کی زمین عشری کہلائے گی جس سے جزیہ نہ قبول کیا جاتا ہو۔

3:- اگر عجمی زمینیں فتح کے بعد فاتحین میں تقسیم کر دی جاتیں تو یہ عشری زمینیں کہلاتی تھیں۔

عرب و عجم کی زمینوں میں فرق (۷۷)

امام ابو یوسف ؒ عرب و عجم کی زمینوں کا فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"عرب کی زمین عجم کی زمین سے اس بنا پر مختلف ہے کہ باشندگان عرب سے

اسلام قبول کرنے کے مطالبہ کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے۔ ان کے لیے صرف ایک ہی راہ ہے۔ اسلام یا قتل ---------- ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا"۔

اہم مسائل بابت عشری زمین

1:- اب اگر ان کی زمینیں ازراہ عنایت انہی کے پاس رہنے دی جائیں تو بھی وہ عشری قرار پائیں گی۔

2:- اور اگر امام وہ زمینیں لے لے اور خود تقسیم کر دے تو بھی وہ عشری ہی قرار پائیں گی۔

"یہ طریقہ صرف عرب کے بت پرستوں کے ساتھ اختیار کیا جائے۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے گا۔ اہل عرب کی حیثیت وہی ہے جو عجمیوں کی ہے۔ ان سے جزیہ قبول کیا جائے گا"۔

نصاب خراج

1:- حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مطابق خراج کا کوئی نصاب نہیں۔ یہ عشر کی طرح قلیل و کثیر مقدار پر ہوتا ہے (۷۸)۔

2:- حضرت امام ابو یوسفؒ خلیفہ ہارون کو خراج کے بارے میں تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"خراج بالکل عشر کی طرح اسی پیداوار پر ہوگا جس کی مقدار یا قیمت پانچ وسق کے برابر ہو۔ اگر ڈھائی وسق جو ڈھائی وسق گیہوں مل کر پانچ وسق ہوں تو پھر عشر ہوگا۔ اسی طرح مختلف پیداوار مثلاً گیہوں، جو، دھان، کھجور، کشمش، سب مل کر پانچ وسق ہوں تو اس پر عشر ہوگا۔ اگر پیداوار پانچ وسق سے کم ہو تو عشر نہیں ہوگا" (۷۹)۔

شرح خراج کا تعین

فقہاء نے خلفاء کو اختیار دیا تھا کہ وہ عدل و انصاف کے پیش نظر جتنا چاہیں خراج مقرر کریں (۸۰)۔ لہٰذا خلفاء درج ذیل امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے خراج کا تعین کرتے تھے (۸۱)۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات مختلف علاقوں کا خراج مختلف ہوتا تھا (۸۲)۔

شرح خراج کے تعین میں خلفاء کے پیش نظر رہنے والے امور (۸۳)

1:- زمین کی زرخیزی اور اس کی پیداوار (یعنی اختلاف زمین) کو دیکھتے ہوئے خراج مقرر کیا جاتا تھا۔

2:- مختلف غلوں اور پھلوں کی کاشت کو پیش نظر رکھا جاتا تھا (جن میں کسی کی قیمت کم ہوتی تھی اور کسی کی زیادہ)۔

3:- یہ دیکھا جاتا تھا کہ ذرائع آب پاشی کیا ہیں؟

4:- اس کے علاوہ کھیت سے بازار اور منڈی تک کے فاصلے کو بھی مدنظر رکھا جاتا تھا۔

خراج کی اقسام

خراج تین طرح سے لیا جاتا تھا (۸۴) عموماً ایک وقت میں اور ایک صوبے میں خراج کی ایک ہی قسم رائج ہوتی تھی۔ لیکن

بعض علاقے ایسے بھی تھے جہاں خراج کی تینوں ہی قسمیں بیک وقت لاگو ہوتی تھیں مثلاً اقلیم فارس وغیرہ میں (۸۵)۔

(ا)- خراج مساحۃ

زمین کے رقبہ پر خراج مقرر کرنے کو خراج مساحۃ کہا جاتا ہے (۸۶)۔ یعنی رقبہ کے لحاظ سے ایک متعین شرح کے مطابق دراہم وجنس وصول کرنا۔ مثلاً یہ مقرر کرنا کہ اتنے درہم فی جریب یا اتنا غلہ فی جریب لیا جائے گا (۸۷)۔ خلیفہ ابو جعفر منصور کے دور تک علاقہ سواد کا خراج مساحۃ ہی مقرر تھا۔ لیکن جب سواد تباہ ہو گیا۔ نرخ گھٹ گئے اور محصول پورے نہ ہوتے تھے تو منصور نے گیہوں اور جو (جن کی پیداوار زیادہ ہوتی تھی) کے خراج میں چاندی (دراہم) وغیرہ لینا بند کر دیا اور خراج مساحۃ کو ختم کر دیا۔ اس کے بدلہ میں خراج کے مقاسمہ کا طریقہ رائج کرنے کے احکامات جاری کیے (۸۸)۔ جبکہ یحییٰ بن آدم کے بقول لوگوں نے خلیفہ سے خراج مساحۃ ختم کر کے مقاسمہ قائم کرنے کی درخواست کی تھی۔ جسے خلیفہ نے قبول کر لیا لیکن اس کو عملاً نافذ کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گا۔ لہٰذا اس کے بیٹے مہدی نے خراج مقاسمہ کا طریقہ جاری کیا (۸۹)۔

(ب)- خراج مقاسمہ

رقبہ زمین پر خراج مقرر کرنے کی بجائے پیداوار پر مقرر کیا جاتا تھا اور یہ فصل کے تیار ہونے پر لیا جاتا تھا۔ اسے کسور کا طریقہ بھی کہتے ہیں۔ خلیفہ مہدی تک خراج مقاسمہ کا طریقہ رائج رہا (۹۰)۔ چونکہ اس طریقہ میں زمیندار اور حکومت کے درمیان پیداوار تقسیم ہو جاتی ہے اس لیے اس کو مقاسمہ کہتے ہیں (۹۱)۔

لیکن سواد اور اطراف مشرق ومغرب کے کچھ علاقوں پر سابق دستور کے مطابق جو حضرت عمرؓ کے دور سے چلا آ رہا تھا پیمائشی رقبہ کے حساب سے ہی خراج مقرر تھا۔ یعنی خراج مقاسمہ کی بجائے خراج مساحۃ قائم تھا (۹۲)۔

خلیفہ مہدی کی مقرر کردہ شرح خراج

ماوردی، بلاذری اور الفخری کے مؤلف الطقطقی کے بقول خلیفہ مہدی نے مقاسمہ کا طریقہ جاری رکھا اور اس کی شرح نصف، تہائی اور چوتھائی رکھی (۹۳)۔

پیداوار کا نصف بطور خراج ادا کرنے والی زمین

وہ زمینیں جو دریاؤں اور قدرتی نہروں کے کنارے واقع تھیں اور ان کے مالکوں کو انہیں سیراب کرنے کے لیے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑتی تھی ان کی آدھی (۲/۱) پیداوار بطور خراج مقرر کی گئی تھی (۹۴)۔

تہائی (۳/۱) اور چوتھائی (۴/۱) پیداوار بطور خراج

وہ زمینیں جنہیں مصنوعی ذرائع آبپاشی سے سیراب کیا جاتا تھا۔ جن سے مشقت زیادہ ہوتی تھی تو ان زمینوں کا خراج تہائی اور چوتھائی مقرر تھا۔ مثلاً:

(۳/۱) تہائی پیداوار بطور خراج

کنویں سے سیرابی ہو تو ۱/۳ پیداوار بطور خراج مقرر تھی۔

(۴/۱) چوتھائی پیداوار بطور خراج

ڈول سے اگر آب پاشی کی جاتی تو ۱/۴ پیداوار خراج کے طور پر دی جاتی۔
یعنی آلات کے ذریعے اگر زمین سیراب کی جاتی تو ۱/۴ خراج مقرر تھا(۹۵)۔

بازاروں، منڈیوں یا شہروں سے دور زمینوں کا خراج

جو زمینیں بازاروں، منڈیوں یا شہروں سے دور تھیں انہیں یہ رعایت دی گئی تھی کہ ان کا خراج بازار تک غلہ پہنچانے کے اخراجات نکالنے کے بعد مقرر کیا جاتا(۹۶)۔

مدت وصولی خراج

یہ قاعدہ تھا کہ چار ماہ کی مدت میں ایک تہائی (۱/۳) لگان (خراج وعشر) وصول کیا جاتا تھا(۹۷)۔

ہنگامی صورت حال میں وصولی خراج (لگان)

کبھی کبھار ہنگامی حالات میں یہ مدت کم کر کے دو ماہ کر دی جاتی اور سارے سال کا پورا لگان دو ماہ میں ہی وصول کر لیا جاتا تھا(۹۸)۔

ہنگامی صورت حال میں خراج میں زیادتی واضافہ

خراج میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ جیسا کہ مازیاد نے اپنے خلاف حالات وواقعات دیکھے اور اپنی حکومت ختم ہوتی نظر آئی تو اس نے فوراً لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے ان سے ایک تو مقررہ مدت سے پہلے کم عرصہ میں سارا خراج وصول کر لیا دوسرا اس کی شرح بھی بڑھا دی۔ یعنی ۳۰ فیصد شرح بڑھا دی گئی۔ لہٰذا جو اس شرح سے کم ادا کرتے تھے ان پر اضافہ کر دیا گیا اور جو پہلے ہی زیادہ ادا کر رہے تھے ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی گئی(۹۹)۔

امام ابو یوسفؒ کی مجوزہ شرح خراج

خلیفہ ہارون الرشید کو امام ابو یوسفؒ نے خراج کے بارے میں ہدایات دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"سارے باشندگان سواد کے گیہوں اور جو کی کاشت پر"۔

1:- چشموں سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار سے ۲/۵ خراج مقاسمہ لیں۔

2:- رہٹ اور کنوؤں سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار سے ۱/۵ خمس اور نصف خمس۔

3:- کھجور کے درختوں، انگور، پختہ کھجور اور باغات کی پیداوار میں سے ۱/۳ (ایک تہائی) لیں۔

4:- موسم گرما میں پیدا ہونے والے غلوں پر ایک چوتھائی (۱/۴) کے حساب سے معاملہ کیا جائے"۔ (کیونکہ پانی میں

کمی آجاتی تھی)۔

اس میر، سے کسی چیز کی وصولی اندازہ اور تخمینہ سے نہ ہو بلکہ پیداوار تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دی جائے پھر اس کی معمولی قیمت میں سے حصے تقسیم کر لیے جائیں۔ یا اس کی منصفانہ قیمت لگائی جائے۔ جس میں نہ تو خراج ادا کرنے والوں پر زیادتی ہو اور نہ حکومت کا نقصان ہو۔ اور پھر اس حساب سے ان کے ذمہ جو نکلتا ہو وہ لے لیا جائے۔ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت سہل تر ہو وہی اختیار کی جائے۔ اگر پیداوار کو فروخت کر کے حکومت اور ان کے درمیان تقسیم کر دینا سہل ہو تو یہی طریقہ کیا جائے (۱۰۰)۔ آپ نے خراج کے اس مجوزہ نظام کے لیے خیبر کے واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے بعد یہ علاقہ یہودیوں کو خراج مقاسمہ پر دے دیا تھا۔ یعنی ان سے نصف ۲/۱ پیداوار پر معاملہ کر لیا تھا۔

ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسف کی ان سفارشات کو سرکاری طور پر منظور کر کے تمام ممالک میں نافذ کرا دیا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ جو علاقے عباسی حکومت کے زیر اثر تھے وہاں خراج مقاسمہ پر عمل کیا جانے لگا لیکن جو علاقے اس کے اثر سے باہر تھے وہاں وہی حضرت عمرؓ کے زمانے کا جاری کردہ خراج مساحت ہی نافذ رہا (۱۰۱)۔

برصغیر ہند و پاک جو اموی دور میں فتح ہوا تھا ابھی تک عباسی اثر سے باہر تھا۔ اس لیے یہاں بھی خراج مساحت کافی مدت تک مروج رہا۔ یہاں تک کہ جب علاؤالدین خلجی برسر اقتدار آیا تو اس نے خراج مساحت کے طریقے کو بدل کر خراج مقاسمہ کا طریقہ نافذ کیا اور بجائے نقد خراج کے غلہ کا ایک مقررہ حصہ مالکان اراضی سے وصول ہونے لگا (۱۰۲)۔

خلیفہ مہدی اور امام ابو یوسف کی شرحوں کا تقابل

امام ابو یوسف سے پہلے عباسی دور میں خلیفہ مہدی نے اہل علم کے مشورہ سے جو خراج مقاسمہ عائد کیا تھا اس کا امام ابو یوسفؒ کی شرحوں سے یوں تقابل کیا جا سکتا ہے کہ:

زمین کی قسم	مہدی کی شرح	امام ابو یوسفؒ کی شرح
۱۔ بارانی	(۲/۱) نصف پیداوار	۵/۲ پیداوار
۲۔ ڈول اور رہٹ سے سیراب کی جانے والی زمین	(۳/۱) ایک تہائی پیداوار	(۱۰/۳) پیداوار

موسم گرما کی فصلوں کے بارے میں ان دونوں کے نزدیک (۴/۱) چوتھائی ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ پانی کی قلت کی وجہ سے آب پاشی مشکل ہو جاتی تھی (۱۰۳)۔

☆ خراج کا ٹھیکہ

عہد عباسی میں اضلاع اور صوبہ جات وہاں کے والیوں اور عمال کو خراج کی ایک مقررہ رقم پر حوالے کر دیے جاتے تھے۔ وہ حکام مقررہ مالگذاری لے کر ادا کر دیتے اور بقایا جو کچھ بھی بچتا وہ خود لے لیتے تھے (۱۰۴) جس کا کوئی حساب کتاب نہ ہوتا تھا۔ مثلاً:

1:- برامکہ اپنے کنبہ والوں اور بیٹوں کو مختلف صوبوں کے خراج کا ٹھیکہ (اجارہ) دیتے تھے۔ جیسا کہ خلیفہ مہدی کے دور میں یحییٰ برمک نے ایران (ملک فارس) کے خراج کی ضمانت لی اور آخر کار اس میں خسارہ اٹھانا پڑا (۱۰۵)۔

2:- ابراہیم بن اغلب نے افریقہ کے لیے گورنر بننے کی درخواست اس شرط پر پیش کی کہ:

"خراج مصر سے جو ایک لاکھ سالانہ افریقہ کے اخراجات فوج کے لیے جایا کرتا ہے اسے بڑھا کر چار لاکھ سالانہ بھیجا کروں گا اور شاہی خزانہ میں ایک لاکھ سالانہ جمع کروایا کروں گا" (۱۰۶)۔

یعنی کل پانچ لاکھ سالانہ خراج ادا کرنے پر گورنری حاصل کرنا چاہی۔

جبکہ امام ابو یوسفؒ اور ماوردی اس کی مخالفت کرتے ہیں کہ اس طرح اہل خراج پر ظلم و زیادتی ہوتی ہے (۱۰۷)۔

صوبہ سندھ کا ٹھیکہ ۲۰۵ھ میں

مامون نے سندھ کے بعض صوبوں کو ٹھیکہ پر دے دیا تھا۔ مثلاً ۲۰۵ھ میں بشیر بن داؤد کو سندھ کا صوبہ دس لاکھ درہم سالانہ کے عوض دے دیا (۱۰۸) اور اسے اختیار دیا کہ خراج کی زائد رقم اپنے پاس ہی رہنے دے۔ حالانکہ سندھ کا خراج گیارہ لاکھ پچاس ہزار درہم سالانہ تھا (۱۰۹)۔

صوبہ سندھ کا ٹھیکہ ۲۲۱ھ میں

۲۲۱ھ میں موسیٰ بن یحییٰ برمکی کی وفات کے بعد اس کے بیٹے عمران بن موسیٰ برمکی کو اس شرط پر اس کا جانشین بنایا گیا کہ وہ سندھ سے سرکاری اخراجات کے بعد سالانہ ایک لاکھ درہم روانہ کرے (۱۱۰)۔

صوبہ مصر کے خراج کا ٹھیکہ

ہارون نے عبدالملک بن صالح کو مصر کے خراج کا ٹھیکہ دے دیا تھا۔

اور مامون نے عبداللہ بن طاہر بن حسین کو ۲۱۱ھ ۲۱۳ تک کے خراج کا ٹھیکیدار بنایا دیا تھا۔ اسی طرح معتصم بھی ہارون و مامون کے نقش قدم پر چلا اور اشناس ترکی (۲۱۹ھ۔۲۲۹ھ) کو مصر کا جاگیردار گورنر بنا دیا جس نے سالانہ خراج دینا مقرر کیا اسی طرح واثق نے بھی ایتاخ (۲۳۰ھ۔۲۳۵ھ) کو مصر کا جاگیردار گورنر بنا دیا (۱۱۱)۔

خراج کا ٹھیکہ در ٹھیکہ

خراج کے ٹھیکہ کی دوسری صورت یہ تھی کہ مالدار اور صاحب حکومت و مرتبہ لوگ زمینیں ٹھیکہ پر لے لیتے تھے اور متولی خراج سے معاہدہ کر لیتے تھے کہ اس قدر مال پر (جو باہم بڑھا کر بولیاں بولنے سے طے پاتا تھا) ہم یہ زمین لیتے ہیں۔ اس طرح ایک شخص ایک گاؤں، شہر، ضلع یا پرگنہ ٹھیکہ پر لے لیتا پھر اس میں خود زراعت کرتا یا مزارعین سے کرواتا۔ پھر اس کی پیداوار میں سے مقررہ خراج ادا کر دیتا اور جو بقایا بچ جاتا اس کا وہ خود مالک ہوتا (۱۱۲)۔

اس میں اہم بات یہ تھی کہ خراج جو زبانی مقرر کر دیا جاتا تھا وہ کاشتکار یا ٹھیکہ لینے والے کو ہر حال میں حکومت کو ادا کرنا ہوتا

تھا۔ چاہے وہ زمین کاشت کرے یا نہ کرے (۱۱۳)۔ یہ طریقہ اقلیم فارس میں پہلے سے رائج تھا۔ یہ قدیم یونان کا طریقہ تھا جو عباسیوں نے بھی جاری کیا (۱۱۴)۔

عہد عباسی میں فارس کا خراج تین کروڑ تیس لاکھ درہم مقرر تھا۔ خلیفہ متوکل کے زمانے میں اسے بڑھا کر تین کروڑ پچاس لاکھ درہم کر دیا گیا (۱۱۵)۔

ارضِ سواد کا رقبہ

سواد عراق کا علاقہ بہت وسیع تھا۔ پیمائش کے لحاظ سے یہ ۳۶ ملین جریب تھا (۱۱۶)۔ اس کے رقبہ کی حدود موصل سے شروع ہو کر خلیج فارس تک اور مشرق میں قادسیہ سے لے کر مغرب میں حلوان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ قدیم زمانے سے ہی اسے سواد (سیاہ) کہا جاتا تھا کیونکہ یہ علاقہ درختوں کی کثرت اور سرسبز کھیتوں کی وجہ سے دور سے سیاہ دکھائی دیتا تھا۔ دجلہ اور فرات کے درمیان کی اراضی سواد کہلاتی تھی (۱۱۷)۔ خلیفہ مامون نے اس کا خراج ۲/۱ کی بجائے ۵/۱ مقرر کیا تھا (۱۱۸)۔

ارضِ سواد کے اصولی احکامات بطور نظائر

ماوردی فرماتے ہیں کہ:

> ''ارضِ سواد کے بارے میں فقہاء کے احکامات اصولی حیثیت رکھتے ہیں جن پر اور نظائر کو قیاس کیا جاسکتا ہے'' (۱۱۹)۔

☆ محصول کے اصول سہولت کے تحت وصولیٔ خراج میں رعایت و آسانی

عباسی خلفاء ہمیشہ کسانوں اور کاشتکاروں کے خیر خواہ رہے۔ منصور سختی کرنے والے عاملوں کو سخت سزا دیتا تھا۔ مہدی عادل، منصف اور عوام کا ہمدرد تھا۔ یہی حال ہارون و مامون کا تھا۔ طبری کا بیان ہے کہ ہارون جب بھی کسی عامل کو باہر بھیجتا اسے تلقین کرتا کہ رعایا پر ظلم نہ کرنا عدل اور احسان کرنا اور ہمیشہ خدا سے ڈرنا (۱۲۰)۔

اگر کوئی مالگذاری بروقت یا یکمشت ادا نہ کرسکتا تو اس سے اس کی وجہ دریافت کی جاتی پھر شرعی حکم لاگو کرتے (۱۲۱) مثلاً:

☆ بالاقساط ادائیگی و معافی

ہارون الرشید سے اہل قزوین نے عرض کی کہ ان کا شہر دشمن کی سرحد پر واقع ہے۔ اس لیے ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہنا پڑتا ہے۔ لہٰذا خراج میں تخفیف کر دی جائے۔ ہارون نے خود حالات کا جائزہ لیا اور اس بات کو صحیح پایا تو اس نے دس ہزار درھم سالانہ بالاقساط مقرر کر کے باقی سارا خراج معاف کر دیا (۱۲۲)۔

☆ خراج میں تخفیف

رے کے خراج میں کمی (تخفیف)

مامون کے دور میں رے کی آمدنی ایک کروڑ بیس لاکھ درہم تھی۔ مامون نے بیس لاکھ درہم کی کمی کر دی (۱۲۳)۔

فلسطین کی خصوصی جاگیروں کے خراج میں تخفیف

اصحاب التخافیف

فلسطین میں کچھ جائیدادوں کے لیے جو خراج عامہ سے الگ تھیں خلفاء کے خاص احکامات تھے۔ ان میں تخفیف وغیرہ کا معاملہ تھا۔ دراصل رشید کی خلافت میں بہت سے لوگ اپنی جائیدادیں بھاری خراج کی وجہ سے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ رشید نے ان کو آباد کرنے کے لیے ہرثمہ بن اعین کو بھیجا تاکہ وہ انہیں واپس لائے۔ اس نے وہاں کے کسانوں اور پٹے داروں کو واپس آنے کی دعوت دی اور ان سے وعدہ کیا کہ ان کے خراج میں تخفیف کی جائے گی اور معاملات میں نرمی برتی جائے گی۔ جو لوگ اس دعوت کے جواب میں واپس آ گئے انہیں ''اصحاب التخافیف'' کہتے تھے (۱۲۴)۔

اصحاب الردود

جو لوگ اصحاب التخافیف کے بعد واپس آئے انہیں تخفیف کی رعایت نہیں دی گئی اور ان کو سابقہ خراج پر ہی زمینیں دی گئیں اور انہیں ''اصحاب الردود'' کہنے لگے (۱۲۵)۔

☆ خراج کی معافی

اہل خراسان کی خوشی اور خویش پروری کے لیے خراج کی معافی

اہل خراسان کو خوش کرنے کے لیے مامون نے چوتھائی خراج معاف کر دیا۔ جس سے وہ بہت خوش ہوئے اور فرطِ مسرت سے کہتے پھرتے تھے کہ:

''کیوں نہ ہو ہماری بہن کا بیٹا ہے ہمارے نبی ﷺ کے چچا کا لڑکا ہے'' (۱۲۶)۔

اعترافِ معاونت کے لیے رے، جرجان اور متعلقہ علاقوں کے اخراج کی معافی

اہل رے، جرجان اور ان کے متعلقہ علاقوں کے باشندوں کا خراج اور دوسرے ابواب مالگزاری وغیرہ اس وقت معاف کر دیئے گئے تھے جب خلفاء کی ''اہل جبال'' کی جنگ میں دیلمیوں کے خلاف جہاد میں انہوں نے مدد کی تھی (۱۲۷)۔

ازراہِ عنایت خراج میں معافی

ہارون کے ایک افسر خراج نے ایک دوست کے لیے خراج کی معافی کی درخواست کی۔ یہ خراج ۱۸ ہزار درہم تھے۔ ہارون نے معاف کر دیئے اور سفارشی افسر کو بھی ۸ ہزار درہم ادا کیے (۱۲۸)۔

ازراہِ تلافی خراج کی معافی

ھمذان کے ایک شہری کو وہاں کے عامل نے کئی سال حبس بے جا میں رکھا اور مال اسباب بمع جاگیر ضبط کر لیا۔ ہارون الرشید کو پتہ چلا تو اسے رہائی دلائی اور ھمذان کے گورنر بننے کی پیش کش کی جو اس نے قبول نہیں کی۔ ساتھ ہی اس کا مال اسباب اور جاگیر واپس کر دی اور ہمیشہ کے لیے اس کی جاگیر کا خراج معاف کر دیا (۱۲۹)۔

اہل عراق کا خراج قیام عرق کے دوران کم کردیا تھا۔اہل قم نے بھی ایسا مطالبہ کیا جو نہ مانا گیا(۱۳۰)۔

☆ خراج کی وصولی اور اصلاح احوال میں حکمت عملی کا اچھوتا انداز

مصر کا گورنر عمر بن مہران کافی سخت گیر اور اصول پسند تھا۔ وہ نرالے کردار کا مالک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے حسن تدبیر سے اپنے دور میں اتنا خراج جمع کیا کہ شاید ہی کسی دوسرے عامل کے دور میں اتنا جمع ہوا ہو(۱۳۱)۔ لیکن اس کے لیے اسے ضرورت سے زیادہ سخت گیر نہیں ہونا پڑا نہ ہی ظالم بننا پڑا۔ بس تدبر اور حکمت سے جہانبانی کی۔

عمر بن مہران جب گورنر بن کر مصر پہنچا تو وہاں کے لوگوں میں بہت سے ایسے لوگ تھے جو ادائیگی خراج سے سستی سے کام لیتے اور مقررہ رقم سے بھی کم ادا کرتے تھے۔ اس نے ایک شخص کی جواب طلبی کی اور ادائیگی کے لیے کہا۔ لیکن اس شخص نے حیل وحجت سے کام لیا۔ تو عمر بن مہران نے قسم کھائی کہ یہ خراج وہ نہیں لے گا بلکہ اسے خود بغداد جا کر خزانے میں جمع کروانا ہوگا اور جب وہ شخص خراج ادا کر کے واپس مصر آیا تو اس واقعہ کا لوگوں پر خاطر خواہ اثر ہوا اور لوگ پابندی سے خراج ادا کرنے لگے۔

طبری بیان کرتے ہیں کہ:

> ”دو فصلوں تک ان میں سے کسی نے ادائیگی سے انکار نہیں کیا۔ البتہ تیسری فصل پر معاشی پریشانی کا عذر کیا اور حیل وحجت کرنے لگے۔ ان ہی عذر خواہوں میں سے بہت سے ایسے تھے جنہوں نے وقتاً فوقتاً عمر بن مہران کے حضور نقدی اور کپڑے کی صورت میں تحائف پیش کیے ہوئے تھے (اس لیے کہ اس نے غلام کو منع کیا ہوا تھا کہ سوائے کپڑوں اور نقدی کے کوئی تحفہ قبول نہ کرے۔ مثلاً لونڈی، غلام، جانور)۔ اس نے ان تحائف کو تھیلیوں میں ڈال کر اوپر دینے والے کا نام لکھ کر جوں کے توں سنبھال رکھ دیئے تھے۔ جب انہی لوگوں نے عذر خواہیاں کیں اور اپنے ہدیوں اور تحفوں کو یاد دلایا تو عمر بن مہران نے ان تمام تحائف کو بیت المال سے نکلوایا اور ہر تھیلے کی مالیت کا اندازہ کیا اور خراج کی واجب الادا رقم اس مالیت سے وصول کی۔
>
> اہل مصر پر اس واقعہ کا بہت اثر ہوا۔ انہوں نے سارا خراج ادا کر دیا۔ اس طرح مصر کی آمدنی بہت بڑھ گئی (۱۳۲)“۔

یقیناً یہ ایک حکمت افروز اور اچھوتا انداز اصلاح تھا۔ اس کے آگے بڑی بڑی سزائیں اور سختیاں ہیچ ہیں۔

☆ خراج (لگان) کی آمد کا ایک منظر اور خلیفہ کی فیاضی وسخاوت

اسحاق بن ابراہیم کا دوست عیسیٰ بیان کرتا ہے کہ وہ دمشق میں مامون کے ہمراہ تھا۔ روپیہ کی کمی کی وجہ سے تنگدستی کا سامنا کرنا پڑا۔ ابو اسحاق نے المعتصم سے شکایت کی اس نے کہا کہ جمعہ کے بعد تین کروڑ درہم لگان بس پہنچنے ہی والا

ہے(۱۳۳)۔ جب یہ رقم پہنچی تو مامون نے یحییٰ بن اکثم سے کہا چلو ذرا اسے دیکھیں اور دونوں صحرا پہنچے اور مال کی آمد دیکھنے لگے جو کہ بڑی دھوم دھام سے آ رہا تھا۔ تمام اونٹ آراستہ تھے۔ ان پر کار چوب کی زینیں رکھی تھیں اور رنگی ہوئی جھولیں پڑی ہوئی تھیں، سوتی ڈوریاں تھیں، سرخ، سبز، زرد، چینی ریشم کی تھیلیوں میں رقم تھی اور ان کے منہ پر کام کیا گیا تھا۔ دوسرے لوگ بھی یہ خوبصورت منظر دیکھنے کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔ مامون کو اچھا نہیں لگا کہ وہ انہیں کچھ دیے بنا چلا جائے۔ چنانچہ اس نے وہاں کھڑے کھڑے دو کروڑ چالیس لاکھ تقسیم کر دیے اور باقی رقم کے لیے حکم دیا کہ وہ فوج میں تقسیم کر دی جائے (۱۳۴)۔

وصولیٔ خراج میں ظلم و زیادتی

عباسی خلفاء وصولی خراج میں ہمیشہ نرمی اور احسان کا سلوک کرتے تھے۔ کوئی ایسا خلیفہ تاریخ نے ظاہر نہیں کیا جو رعایا پر خراج و جزیہ کے لیے ظلم کرتا ہو۔ بلکہ سب کے پیش نظر عوام کا مفاد اور خوشحالی رہی ہے (۱۳۵)۔ اسی لیے عملہ مقرر کرنے کے وقت اور ولی اور عامل کے تقرر کرتے وقت انہیں خصوصی طور پر نرمی برتنے اور سہولت دینے کی تنبیہہ کی جاتی (۱۳۶) اور خود خلفاء کبھی خراج معاف کر دیتے (۱۳۷) اور کبھی اس میں کمی کر دیتے تھے (۱۳۸)۔

اس طرز عمل کے باوجود وصولی خراج میں سختی، ظلم اور بے ضابطگی کا نوٹس لیتے تھے (۱۳۹)۔ جب خلفاء کے علم میں آتا وہ اس کا سختی سے نوٹس لیتے تھے تاہم اتنی بڑی سلطنت میں مکمل برائی کا خاتمہ نہیں تھا۔ اس لیے جہاں موقع ملتا برائی اور طاغوتی طاقتیں اپنا کام دکھا جاتی تھیں۔ امام ابو یوسفؒ نے ''کتاب الخراج'' میں ایسی بہت سی بدعنوانیوں اور ظلم و ستم کی نشاندہی کی تھی اور اس وقت کے خلیفہ ہارون الرشید کو اس سے سختی سے نپٹنے کی تنبیہہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

> ''ظلم سے برکت مٹ جاتی ہے اور جو لگان (خراج) ظلم سے حاصل ہوتا ہے اس سے شہر اجڑ جاتے ہیں اور ملکوں میں تباہی و خرابی آتی ہے'' (۱۴۰)۔

جعفر بن یحییٰ کے اس بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خراج کی وصولی میں عمال سختی کرتے تھے جسے جعفر سخت ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ:

> ''خراج یا محصول وغیرہ کا عوام پر زیادہ بوجھ ڈالنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص بھوک کی حالت میں اپنا ہی گوشت کھانا شروع کر دے۔ اس سے بھوک کی تسکین سے زیادہ زخموں کا درد تکلیف دہ ہوگا (۱۴۱)''۔

اسی طرح خلیفہ متوکل نے شوال ۲۳۵ھ میں اہل ذمہ پر ''لباس'' اور ''ہیئت'' کے سلسلہ میں کڑی پابندیاں لگائیں اور ان کے خلاف ورزی پر سزا تجویز کی تو علی بن جہم نے اس سلسلہ میں ایک نظم لکھی جس میں خلیفہ کو احساس دلایا کہ:

> ''آپ نے عسلیات یعنی شہد رنگ کے کپڑوں سے اہل حق و اہل باطل میں امتیاز تو پیدا کر دیا ہے مگر اس طرح کی زیادتی عقلمندوں کے لیے زیبا نہیں۔ اس لیے کہ ایک طرح کی سرکاری آمدنی کا زیادہ حصہ اہل باطل ہی سے حاصل ہوتا ہے'' (۱۴۲)۔

یعنی خراج اور جزیہ ہی ملکی معیشت کو سنبھالے ہوئے تھے اور یہ دونوں اہل ذمہ ہی کے ذریعے حاصل ہوتے تھے۔ درج

ذیل چند واقعات سے عہدہ عباسی کے ٹیکسیشن سسٹم میں پائی جانے والی بدعنوانیوں اور ظلم وستم کا پتہ چلتا ہے جن کی نشاندہی امام ابو یوسف چیف جسٹس نے کی تھی۔

جسمانی ایذا رسانی

بعض علاقوں میں وصولئ خراج میں انتہائی سختی بھی کی جاتی تھی۔ جسمانی اذیتیں دی جاتیں اور مارا پیٹا جاتا تھا(۱۴۳) ایک پاؤں پر کھڑا کیا جاتا، دھوپ میں رکھا جاتا، گردنوں میں گھڑے لٹکائے جاتے اور انہیں قید کر لیا جاتا۔(۱۴۴) اس کے علاوہ درندوں کے آگے بھی ڈالا جاتا۔ قینچیوں اور مختلف اوزاروں سے تکلیف دی جاتی جبکہ بھیڑیوں اور بلیوں کے آگے بھی ڈال دیتے تھے۔(۱۴۵)

خراج اصل سے زیادہ وصول کرنا

والی، خراج وصول کرنے والوں کو اجازت دے دیتا تھا کہ وہ اصل خراج سے زائد خراج وصول کر سکتے ہیں اور یہ زائد خراج وہ اپنے لئے وصول کریں۔

لیکن اگر خراج دہندگان زائد خراج دینے سے انکار کرتے یا حیل و حجت کرتے تو انہیں مارا پیٹا جاتا یہاں تک کہ انہیں قید کر دیا جاتا اور رقم لینے کے بعد ہی چھوڑا جاتا۔ یہ رقم ''حق میانی'' کے نام سے وصول کی جاتی تھی(۱۴۶)

بٹائی کا معاملہ دیر سے کرنا

غلہ فصل کٹنے کے بعد دیر تک کھیتوں کھلیانوں میں پڑا رہتا تھا۔ جسے راہ گیر، جانور اور پرندے وغیرہ ضائع کرتے رہتے اور وصول کرنے والے افسر دیر سے آتے وہ خراج کا تقرر اندازہ اور تخمین سے کرتے۔ اگر اس رقم سے کم رقم وصول ہوتی تو وہ بہانہ بنا کر طے شدہ شرح سے زیادہ وصول کرتے کہ "غلہ" ضائع کیا گیا ہے۔(۱۴۷)

درھموں کی بھنائی اور بٹہ کے نام پر زائد خراج وصول کرنا

اگر خراج درھموں کی صورت میں ادا کیا جاتا تو خراج وصول کرنے والے افسر کاشتکار سے طے شدہ حصے سے زیادہ درھم لے لیتے اور کہا جاتا کہ زائد درہم ان درہموں کی بھنائی یا بٹہ ہے۔(۱۴۸)

خراج دہندگان کو مہمان نوازی کے لیے مجبور کرنا

ایک رواج یہ بھی تھا کہ والی اور اس کے حاشیہ نشین کسی بستی میں جاتے تو مجبور کرتے کہ ان کی بہترین خدمت کی جائے۔ ان کی مہمان نوازی کی جائے۔ جو کہ ان کے بس سے باہر ہوتی تھی (جیسا کہ آج کے دور میں بھی ہو رہا ہے)(۱۴۹)۔

''خراج'' مالِ خراج کے علاوہ ذاتی مال سے بھی وصول کیا جاتا تھا

وصول کنندہ گان خراج کے بقایاجات وصول کرنے میں ظلم و زیادتی کرتے اور ہر حال میں مال وصول کرتے چاہے یہ مال خراج میں سے وصولی ہوتا یا ان کے ذاتی مال میں سے(۱۵۰)۔

وصولیٔ خراج پر مقرر کردہ عملہ

خراج کا عملہ مقرر کرتے وقت اکثر احتیاط سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کی نشاندہی امام ابو یوسف ؒ ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:

> ''میرا مشاہدہ ہے کہ لوگ خراج کے والیوں کا تقرر عمل میں لاتے وقت احتیاط سے کام نہیں لیتے۔ جو آدمی بھی ان میں سے کسی کی ڈیوڑھی پر چند دن پڑا رہے اسے مالیہ وصول کرنے کا کام دے کر مسلمانوں کے سروں پر مسلط کر دیا جاتا ہے ۔حالانکہ مقرر کرنے والا نہ تو والی کے بارے میں جانتا ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے حسن اخلاق اور کردار سے واقف ہوتا ہے۔ نہ عادات واطوار سے''۔

مزید فرماتے ہیں کہ:

> ''والیوں کا تقرر اتنی احتیاط سے ہونا چاہیے جتنی احتیاط سے حاکموں اور قاضیوں کا ہوتا ہے''(۱۵۱)۔

خراج میں رعایت وسہولت کے لیے طریقہ ''الجاء''

اہل خراج اپنی زمینوں اور باغات کے قطعات خلفاء کے بعض عزیزوں یا عاملوں کے زیر اثر دے دیا کرتے تھے جس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ایک طرح کی عزت حاصل کر کے خراج وصول کرنے والوں کی زیادتیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ دوسرا بعض حالتوں میں اس معزز شخص کی رعایت سے آدھا (۲/۱) یا (۴/۱) چوتھائی خراج ہی لیا جاتا تھا۔ باقی معاف ہو جاتا تھا۔ اس طریقہ کا نام ''الجاء'' رکھا گیا تھا (۱۵۲)۔ الجاء کا طریقہ یہ تھا کہ مالک اراضی کسی بھی معزز شخص سے درخواست کرتا کہ وہ اس کی زمین اپنے نام لکھوالے۔ جس کی اجازت ملنے پر وہ تمام اراضی اس شخص یا امیر کے نام سلطنت کے کاغذات میں لکھ لی جاتی تھی اور اس کا اصل مالک صرف کاشتکار رہ جاتا تھا۔ جو صرف خراج کی ادائیگی میں رعایت وسہولت حاصل کر لیتا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ ایک مدت کے بعد وہ اراضی جس کے نام الجاء کی گئی ہوتی اس کی ملکیت ہو جاتی تھیں اور اصل مالک صرف اراضی کا شریک رہ جاتا تھا (۱۵۳)۔ جیسا کہ فارس (ایران) کے جاگیرداروں نے کیا۔ ان کے پاس زیادہ جاگیریں تھیں۔ انہوں نے خلیفہ کے حاشیہ نشینوں کے نام درخواستیں دے کر یہ جاگیریں ان کے نام کیں۔ اس سے انہیں ایک چوتھائی خراج کی رعایت دے دی گئی (۱۵۴)۔ یہ جاگیریں بیچی بھی جاتی تھیں اور وراثتاً منتقل بھی ہوتی تھیں۔ اس طرح اہل زنجان نے قاسم بن الرشید کے نام اپنی تمام جاگیریں کر دیں (۱۵۵)۔

ایغار

بنو عباس کے وقتوں میں خراج کے کم کرنے کی ایک اور قسم بھی رائج تھی۔ جس کو ''ایغار'' کہتے تھے۔ اس کے اصل معنی ''پورا'' اور ''ادا'' کرنے کے ہیں۔ چنانچہ اگر کہا جاتا کہ ''اوغر العامل الخراج'' تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ ''استوفاہ'' یعنی اس نے خراج پورا ادا کر دیا۔ پھر زمانہ مابعد میں اس لفظ کو ایسے موقع پر استعمال کرنے لگے جب کہ ''کوئی مالک اراضی اپنی

زمین کی یکشت طے شدہ رقم ایک ہی مرتبہ ادا کر کے ہمیشہ کے لیے اس کا خراج معاف کرالیتا'' اسی لیے کہتے تھے کہ ''اوغرالملک الرجل الارض'' یعنی بادشاہ نے کسی آدمی کو زمین کا خراج معاف کر دیا ہے(۱۵۶)۔

اور یا یہ صورت ہوتی تھی کہ عاملوں کے پنجہ ظلم سے بچنے کے لیے خلیفہ کو خراج ادا کیا جاتا اور خراج کے ضمان کا نام ''ایغار'' رکھا جاتا۔ لہٰذا جہاں تک بن پڑتا زمیندار لوگ اپنی اراضی کا ''ایغار'' کی مد میں داخل کرانا ضروری سمجھتے تھے۔ دولت عباسیہ میں مشہور ایغار ہوئے تھے ان میں سے ایک ایغار یقطین بھی تھا اس کی اصل یہ ہے کہ یقطین نامی ایک شخص کی بہت سی اراضیاں متعدد پرگنہ جات سے ایغار میں داخل ہوئی تھیں جو بعد میں سلطانی تصرف میں آ گئیں اور ایغار یقطین ہی کی طرف منسوب رہتی آئیں (۱۵۷)۔

خراج مقاسمہ کا خاتمہ اور زمین کی زرخیزی کے مطابق خراج

خراج مقاسمہ مہدی کے ابتدائی عہد تک قائم رہا(۱۵۸)۔ اس کے بعد اس نے اسے ختم کر کے زمین کی زرخیزی کے مطابق خراج مقرر کیا۔ چنانچہ اگر زمین زرخیز ہوتی اور اس پر زیادہ محنت درکار نہ ہوتی تو نصف حصہ محصول لیا جاتا تھا۔ ورنہ حالات کے مطابق چوتھائی (۱/۴) تہائی یا پانچواں (۱/۵) یا اس سے بھی کم لیا جاتا تھا۔ کھجوروں اور پھلوں کے درخت کے مالک بھی اپنی پیداوار کے لحاظ سے نصف (۱/۲) تہائی (۱/۳) یا اس سے بھی کم مقرر کردہ محصول کی قیمت ادا کرتے تھے (۱۵۹)۔

عہد عباسی کے مختلف ادوار کا خراج

منصور بہت محتاط خلیفہ تھا۔ اس نے جتنی جدوجہد سے مال جمع کیا اتنی ہی حکمت و احتیاط سے استعمال کرتا تھا۔ لہٰذا اس کے دور میں خراج اتنا زیادہ جمع ہو گیا تھا کہ جن مدات پر خرچ ہوتا تھا اس کے لیے دس سال تک کے اخراجات کے لیے کافی تھا۔ جیسا کہ خلیفہ منصور خود اعتراف کرتے ہوئے اپنے ولی عہد مہدی کو قومی آمدنی کا مصرف بتاتے ہوئے وصیت کرتا ہے کہ:

> ''میں نے اس قدر مال وزر جمع کر دیا ہے کہ اگر دس سال تک بھی خراج وصول نہ ہو تو یہ رقم باقاعدہ فوج کی تنخواہ، انتظامات مملکت کے اخراجات، اہل وعیال اور اہل خاندان کی معاش اور سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت وصیانت کے لیے کافی ہو گا'' (۱۶۰)

خلیفہ منصور کے دور میں ہندوستان (سندھ) کا خراج

سلطنت کے گوشے گوشے سے خراج مرکزی بیت المال میں جمع ہوتا تھا اور بعض عمال تو ایسے تھے جن کا دور حکومت خراج کی ادائیگی میں مثالی رہا ہے۔ مثلاً ہشام بن عمرو نے اپنے سات سالہ دور میں مرکز کو اموال غنیمت، جنگی قیدی اور دیگر حاصلات اس قدر زیادہ دیئے تھے کہ اس سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی۔ بقول یعقوبی:

"وہ خلیفہ منصور کے پاس یہاں سے جو کچھ لے گیا اس سے پہلے سندھ کے کسی امیر نے اتنا زیادہ نہیں دیا"(۱۶۱)۔

ہارون کے عہد میں ہندوستان (سندھ) کا سالانہ کا خراج

ہارون کے عہد میں ہندوستان سے سالانہ آمدنی اس طرح وصول کی جاتی تھی کہ:

"سندھ اور اس کے اطراف سے نقد ایک کروڑ پندرہ لاکھ درہم، کیرخ سے دس لاکھ قفیز، (۱۶۲) تین عدد ہاتھی، نباتاتی کپڑے کے دو ہزار تھان، چار ہزار لنگی، ایک سو پچاس سیر عود ہندی، عود کی دوسری قسمیں بھی ایک سو پچاس سیر، دو ہزار جوڑے ہوتے اور لونگ بطور خراج لیے جاتے تھے"(۱۶۳)۔

مصر اور دوسرے مقامات کی زمینوں کا خراج

مصر میں پیداوار کی تقسیم کی بجائے فی فدان (یعنی دو ہزار ذرع) پر دو دینار مصری خراج مقرر ہوا (۱۶۴)۔ قریب قریب یہی اندازہ دوسرے مقامات کی خراجی زمینوں کے خراج کا تھا۔

موسیٰ بن عیسیٰ حکومت کو اکیس لاکھ اسی ہزار (۲۱،۸۰،۰۰۰) دینا بھیجا کرتا تھا (۱۶۵)۔ ہارون الرشید کے عہد میں مصر کے اہل خوف نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ ہارون نے ان پر لشکر کشی کر دی۔ چنانچہ انہوں نے اطاعت قبول کرتے ہوئے خراج دینا منظور کر لیا (۱۶۶)۔

مامون کے زمانے میں مصر کا خراج بیالیس لاکھ ستاون ہزار دینار تھا (۱۶۷)۔

خراج کا میزانیہ(۱)

ہارون الرشید کے دور کی سالانہ آمدنی خراج

ہارون الرشید کے دور میں سالانہ آمدنی پچاس کروڑ درہم اور ایک کروڑ دینار تک پہنچ گئی تھی۔ جہشیاری (۱۶۸) کا بیان ہے کہ ابوالوزیر عمر بن مطرف کاتب نے ہارون الرشید کے زمانے میں سلطنت عباسیہ کی آمدنی کا ایک چارٹ تیار کیا تھا۔ اس میں ٹیکسوں کی اس آمدنی کی تفصیل بیان کی تھی جو عباسی قلمرو کے مختلف حصوں سے دارالخلافت بغداد کے بیت المال میں آتی تھی۔ آمدنی کی تفصیل یہ تھی۔

نمبر شمار	علاقہ	رقم/جنس	تعداد/مقدار
۱	ارض سواد	درھم	غلے کی قیمت آٹھ کروڑ سات لاکھ اسی ہزار (۸۰۷۸۰۰۰۰)
		درھم	مختلف اشیاء کی قیمت ایک کروڑ اڑتالیس لاکھ (۱۴۸۰۰۰۰۰)
		بخرانی کپڑے کے تھان	سو (۱۰۰)
		بخرانی حلے	دوسو (۲۰۰)
		مہر لگانے کی لاکھ	دوسو چالیس رطل (۲۴۰) پاؤنڈ
۲	کسکر	درھم	ایک کروڑ سولہ لاکھ (۱۱،۶۰۰،۰۰۰)
۳	اضلاع دجلہ	درھم	دوکروڑ آٹھ لاکھ (۲۰۸۰۰۰۰۰)
۴	حلوان	درھم	اڑتالیس لاکھ (۴۸۰۰۰۰۰)
۵	اہواز	درھم	دوکروڑ پچاس لاکھ
		شکر	تیس ہزار رطل (پاؤنڈ)
۶	فارس	درھم	دوکروڑ ستر لاکھ (۲۷۰۰۰۰۰۰)
		سیاہ منقوں کا عرق	بیس ہزار رطل
		انار اور بہی دانہ	تین لاکھ عدد (۲۵۰۰۰۰)
		منقہ	تین کر ہاشمی
		روغن زیتون	پچاس ہزار نامہ

		آم کا مربہ	پندرہ ہزار رطل
		گلاب کا عرق	تیس ہزار بوتلیں (۱۶۹)
		سیرانی مٹی	پچاس ہزار رطل
۷	کرمان	درہم	بائیس لاکھ
		زیرہ سیاہ	سو رطل
		یمنی اور شہر خبیص کے کپڑے کے تھان	پانچ سو
		کھجور	بیس ہزار رطل
۸	مکران	درہم	چار لاکھ
۹	سندھ کے علاقے	درہم	ایک کروڑ پندرہ لاکھ (۱۱۵۰۰۰۰۰)
		ہاتھی	تین عدد
		مصنوعی ریشم اور حشیشی کپڑے کے تھان	دو ہزار
		عود ہندی	ڈیڑھ دو سو من
		خچر	دو ہزار
		سیاہ کپڑے کے تھان	بیس ہزار
		لنگیاں	چار ہزار
		جوتے	دو ہزار جوڑے
		گندم	دس لاکھ قفیز (ایک پیمانہ)
		لونگیں	
۱۰	سجستان	درہم	چھیالیس لاکھ
		خاص کپڑے کا تھان	تین سو

		ناتیز(ایک قسم حلوہ)	بیس ہزار رطل
۱۱	خراسان	درہم	دو کروڑ اسی لاکھ (۲۸۰۰۰۰۰۰)
		خالص چاندی	دو ہزار نقرہ (سلیں)
		ترکی نسل کے گھوڑے	چار ہزار
		مڑ	تین سو رطل
		غلام	ایک ہزار
		کپڑے کے تھان	ستائیس ہزار
۱۲	جرجان	درہم	ایک کروڑ بیس لاکھ
		ریشم	ایک ہزار من
۱۳	قومس	درہم	پندرہ لاکھ
		کپڑے کے تھان	ستر
		خالص چاندی	ایک ہزار نقرہ
		انار	چالیس ہزار عدد
۱۴	طبرستان	درہم	تریسٹھ لاکھ
		رومال	تین سو
۱۵	رویان اور دباوند	طبری فرش	چھ سو (قطعی)
		چادر	دوسو
		پیالے	چھ سو
۱۶	ری	درہم	بارہ ہزار (۱۲۰۰۰)
۱۷	اصفہان	درہم	ایک کروڑ دس لاکھ (۱۰۰۰۰۰۰۰)
	ختش اور عیسیٰ ادلیس کے علاقوں کے سوا	موم	بیس ہزار رطل (۲۰۰۰۰)

۱۸	ھمذان اور دستی	کھٹے میٹھے انار کا جوس اروندی شہد	ایک کروڑ اٹھارہ لاکھ درہم (۱۱۸۰۰۰۰۰)
۱۹	بصرہ اور کوفہ	درہم	دو کروڑ سات لاکھ (۲۰۷۰۰۰۰۰)
۲۰	شہر زود اور اس کے ملحقات	درہم	دو کروڑ چالیس لاکھ (۲۴۰۰۰۰۰۰)
۲۱	موصل اور اس کے مضافات	درہم شہد سفید	دو کروڑ چالیس لاکھ (۲۴۰۰۰۰۰۰) شہد سفید ۲۰۰۰۰ رطل
۲۲	الجزیرہ	درہم	تین کروڑ چالیس لاکھ (۳۴۰۰۰۰۰۰)
	دیارات اور فرات		
۲۳	آذربائیجان	درہم	چالیس لاکھ (۴۰۰۰۰۰۰)
۲۴	موقان اور کرخ	درہم	تین لاکھ (۳۰۰۰۰۰)
۲۵	جیلان	غلام	ایک سو
		ریشم	(مقدار نہیں دی گئی) زرو تر کی دریاں (۲۰)
		شہد	بارہ مشکیزے
		باز	دس عدد
۲۶	آرمینیہ	درہم	ایک کروڑ بتیس لاکھ (۱۳۲۰۰۰۰۰)
		نمک مینوز ماہی	دس ہزار رطل
		(ایک قسم کی مچھلی)	
		منقش کپڑے	پانچ سو اسی تھان (۵۸۰)
		مچھلیاں	دس ہزار رطل
		باز	تیس عدد
		خچر	دو سو
۲۷	قنسرون اور		چار لاکھ نوے ہزار دینار

	العواصم	۴۹۰۰۰۰	۴۹۰۰۰۰
۲۸	حمص		تین لاکھ بیس ہزار دینار (۳۲۰۰۰۰)
			ایک ہزار گاڑیاں (ریڑھے وغیرہ)
۲۹	دمشق		چار لاکھ بیس ہزار دینار (۴۲۰۰۰۰)
۳۰	اردن		چھہتر ہزار دینار (۷۶۰۰۰)
		(۹۴۰۰۰) دینار	
۳۱	فلسطین	درہم	تین لاکھ بیس ہزار دینار (۳۲۰۰۰۰)
۳۲	مصر	درہم	انیس لاکھ بیس ہزار دینار (۱۹۲۰۰۰۰)
			تونس، دمیاط اور اشمون کی آمدنی شامل نہیں کیونکہ ان کی آمدنی خلفاء و عوام کے لیے وقف تھی
۳۳	رقہ		دس لاکھ درہم (۱۰۰۰۰۰۰)
۳۴	افریقہ		ایک کروڑ تیس لاکھ درہم (۱۳۰۰۰۰۰۰)
			فرش ایک سو بیس رطل تقریبا
۳۵	یمن		آٹھ لاکھ ستر ہزار دینار (۸۷۰۰۰۰)
			اس کے علاوہ کپڑے کے تھان بھی آتے تھے
۳۶	مکہ و مدینہ		تین لاکھ دینار (۳۰۰۰۰۰)
		میزان	پچاس لاکھ دینار + چالیس کروڑ سنتالیس لاکھ آٹھ ہزار درہم

جہشیاری نے اس گوشوارے کو نقل کرتے ہوئے اشیاء اور پیداوار کی قیمت کا تخمینہ کرنے اور دینار کو درہم میں تبدیل کرنے کے بعد جملہ آمدنی یہ قرار دی ہے۔

قیمت اشیاء پیداوار ۱۲۵۵۳۲۰۰۰

۴۰۴۷۰۸۰۰۰

میزان ۵۳۰۲۴۰۰۰۰

۵۳ کروڑ ۲ لاکھ چالیس ہزار درہم

۵۳ کروڑ تین لاکھ ۱۲ ہزار درہم کل رقم صفحہ نمبر ۸۱۔۸۲ الجہشاری میں لکھا ہے۔ جبکہ اعداد و شمار کے حساب سے ۵۳ کروڑ ۲ لاکھ ۴۰ ہزار بنتا ہے (۱۷۰)۔

میزانیہ نمبر (۲)

صوبہ خراسان کا خراج بہ عہد والی فضل برمکی بابت سال ۱۷۶ھ تا ۱۷۷ھ (۱۷۱)

اضلاع کا نام	رقم لفظوں میں	دیگر اجناس
خراسان	دو کروڑ اسی لاکھ درہم	چار ہزار گھوڑے، ایک ہزار غلام، ستائیس ہزار تھان کپڑے
طبرستان، رویان، نہاوند	تریسٹھ لاکھ درہم	چھ سو طبرستانی دریاں
رے	بارہ ہزار درہم	
ہمدان	ایک کروڑ اٹھارہ لاکھ درہم	انار شیریں وترش کا رس ایک ہزار من (۱۷۲)
جرجان	بارہ ہزار درہم	ریشم ہزار من
قومس	پندرہ لاکھ درہم	کپڑے کے تھان ستر
آذربائیجان	چالیس لاکھ درہم	
آرمینیہ	ایک کروڑ بتیس لاکھ درہم	فرش ٹھپہ دار بیس عدد، مچھلی دس ہزار رطل، خچر دو سو عدد، شکاری باز تیس
کل میزان	پانچ کروڑ ستاونے لاکھ انتالیس ہزار درہم	

(۱۷۳)

خراج کا میزانیہ (۳)

معتصم کے عہد خلافت میں خراج کی تفصیل (۲۰۴ھ) (۱۷۴)

قدامہ بن جعفر نے معتصم کے عہد خلافت کے خراج کا ایک چارٹ بنایا تھا جس میں مشرقی اور مغربی سواد کے گندم اور جو کی پیداوار کا تفصیلی ذکر کیا گیا تھا۔ اس (۲) چارٹ میں جو رقم بتائی گئی تھی یہ وہ رقم تھی جو فوجی اخراجات، نہروں کی اصلاح کے مصارف یا محکموں کے اخراجات وقتاً فوقتاً خلیفہ، وزراء، کاتبوں اور سلطنت کے ارکان کے مطالبات پورے کرنے کے بعد بغداد کے بیت المال میں پہنچتی تھی (۱۷۵) یہ ۲۰۴ھ کا حساب ہے۔ یہی صرف ایک ریکارڈ ہے۔ اس سے پہلے کا ریکارڈ (۱۸۳ھ) میں مامون وامین کی خانہ جنگی میں جل گیا تھا (۱۷۶)۔

سواد کے مغربی علاقوں کی پیداوار کی تفصیل

نمبر شمار	علاقوں کا نام	گندم کی مقدار کر میں	جو کی مقدار کر میں	دراہم
۱	انبار و نہر عیسیٰ	۱۱۸۰۰	۶۴۰۰	۴۰۰۰۰۰
۲	طسوج مسکن	۳۰۰۰	۱۰۰۰	۱۵۰۰۰۰
۳	طوج قطربل	۲۰۰۰	۱۰۰۰	۳۰۰۰۰۰
۴	بادوریا (باداریا)	۳۵۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰۰
۵	نہر سیر	۱۷۰۰	۱۷۰۰	۱۵۰۰۰۰
۶	رومقان	۳۳۰۰	۳۳۰۰	۲۵۰۰۰۰۰
۷	کوثی	۳۰۰۰	۲۰۰۰	۳۵۰۰۰۰
۸	نہر درقیط	۲۰۰۰	۲۰۰۰	۲۰۰۰۰۰
۹	نہر جوبر	۱۵۰۰	۶۰۰۰	۱۵۰۰۰۰
۱۰	بارو سماد نہر الملک	۳۵۰۰	۴۰۰۰	۱۲۲۰۰۰
۱۱	الزوابی الثلاثہ	۱۳۰۰	۷۲۰۰	۲۵۰۰۰۰
۱۲	بابل وخطرنیہ	۳۰۰۰	۵۰۰۰	۳۵۰۰۰۰
۱۳	فلوجہ العلیا	۵۰۰	۵۰۰	۷۰۰۰۰
۱۴	فلوجہ السفلی	۲۰۰۰	۳۰۰۰	۲۸۰۰۰۰
۱۵	نہرین	۳۰۰	۴۰۰	۴۵۰۰۰
۱۶	عین التمر	۳۰۰	۴۰۰	۴۵۰۰۰
۱۷	الجبۃ والبداۃ	۱۵۰۰	۱۶۰۰	۱۵۰۰۰
۱۸	سوراو بربیسما	۱۵۰۰	۴۵۰۰	۲۵۰۰۰۰
۱۹	برس الاعلی والاسفل	۵۰۰	۵۵۰۰	۱۵۰۰۰۰
۲۰	فرات بادقلی	۲۰۰۰	۲۵۰۰	۶۲۰۰۰
۲۱	سیلحسین	۱۰۰۰	۱۵۰۰	۱۴۰۰۰۰
۲۲	روزمستان وھرمزجرد	۵۰۰	۵۰۰	۲۰۰۰۰

۲۳	نستر	۲۲۰۰	۲۰۰۰	۳۰۰۰۰۰
۲۴	ایغار یقطین	۱۲۰۰	۲۰۰۰	۲۰۴۸۰۰
۲۵	کسکر	۳۰۰۰۰	۲۰۰۰۰	۶۷۰۰۰۰

سواد کے مشرقی علاقوں کی پیداوار کی تفصیل

نمبر شمار	علاقوں کا نام	گندم کی مقدار کریں	جو کی مقدار کریں	دراہم
۱	بزرجساپور	۲۵۰۰	۲۲۰۰	۳۰۰۰۰۰
۲	راذانین	۴۸۰۰	۴۸۰۰	۱۲۰۰۰۰
۳	نہر بوق	۲۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰
۴	کلواذی ونہربین	۱۶۰۰	۱۵۰۰	۳۳۰۰۰۰
۵	جازر مدینۃ العتیقہ	۱۰۰۰	۱۵۰۰	۲۴۰۰۰۰
۶	روستقباذ	۱۰۰۰	۱۴۰۰	۲۴۶۰۰۰
۷	سلسل ومہروز	۲۰۰۰	۱۵۰۰	۱۵۰۰۰۰
۸	جلولا وجلتا	۱۰۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰
۹	ذبیبین	۱۹۰۰	۱۳۰۰	۴۰۰۰۰
۱۰	الدسکرۃ	۱۸۰۰	۱۴۰۰	۶۰۰۰۰
۱۱	بندنیجین	۶۰۰	۵۰۰	۳۵۰۰۰
۱۲	براز الروز	۳۰۰۰	۵۱۰۰	۱۲۰۰۰۰
۱۳	نہروان الاعلی	۱۷۰۰	۱۸۰۰	۳۵۰۰۰
۱۴	بادرایا وباکسایا	۴۷۰۰	۵۰۰۰	۳۳۰۰۰۰
۱۵	نہروان الاوسط	۱۰۰۰	۵۰۰	۱۰۰۰۰۰
۱۶	کورہ (ضلع) دجلہ (۲۶۰ کے حساب سے)	۹۰۰	۴۰۰۰	۴۳۰۰۰۰
۱۷	نہر الصلتہ (۲۶۰ کے حساب)	۱۰۰۰	۳۱۲۱	۵۹۰۰۰

۱۸	نہروان الاسفل	۱۷۰۰	۱۳۰۰	۵۳۰۰۰
۱۹	مجموعی آمدنی خراج	۱۱۵۶۰۰	۱۲۳۹۲۱	۸۸۲۱۸۰۰

(۱۷۷)

مغربی اور مشرقی سواد کے علاقوں کی مجموعی آمدنی

مغربی اور مشرقی سواد کے علاقوں کی آمدنی کا میزان یہ ہے۔
گندم ایک لاکھ پندرہ ہزار چھ سو کر (۱۷۸)
جو ایک لاکھ تیئیس ہزار نو سو اکیس کرُ اور دراہم اٹھاسی لاکھ اکیس ہزار آٹھ سو ہے (۱۷۹)۔
لیکن یہ میزان قدامہ بن جعفر کے میزان سے مختلف ہے قدامہ نے ان علاقوں کے خراج کی تفصیل بیان کرنے کے بعد میزان لگاتے ہوئے کہا ہے کہ:

''سواد کے خراج کی آمدنی کا میزان بصرہ کے صدقات کی آمدنی کو چھوڑ کر یہ ہے''۔

گندم ایک لاکھ ستتر ہزار دو سو کر (جو ننانوے ہزار سات سو اکیس کر)
دراہم اسی لاکھ پچانوے ہزار آٹھ سو (۱۸۰)۔
غالباً اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ بعض اعداد کے پڑھنے میں غلطی ہوئی ہے اور پھر اتنے لمبے اعداد و شمار میں یہ کوئی بڑا فرق بھی نہیں ہے۔
جو اور گندم کی قیمت کا تخمینہ قدامہ نے دراہم کی شکل میں لگایا تھا، (بحساب دو کُر گندم اور جو = ۴۰ دینار)
ان دیناروں کی رقم کو بحساب ایک دینار = ۱۵ درہم جو اس عہد میں شرح تبادلہ تھی) دراہم میں تبدیل کی جائے تو دس کروڑ تین لاکھ اکسٹھ ہزار آٹھ سو پچپن درہم ہوتے ہیں۔ قدامہ کا بیان ہے کہ بصرہ کے صدقات کی سالانہ آمدنی ساٹھ لاکھ درہم تھی (۱۸۱)۔ اگر ان سب رقموں کو دراہم کی شکل میں جمع کیا جائے تو مجموعی رقم گیارہ کروڑ چوالیس لاکھ ستاون ہزار چھ سو پچاس درہم ہوتی ہے۔

دراہم کی شکل میں آمدنی	=	۸۰۹۵۸۰۵	
گندم اور جو کی قیمت دراہم میں	=	۱۰۰۳۶۱۸۵۵	
بصرے کے صدقات کی آمدنی دراہم میں	=	۶۰۰۰۰۰۰	
میزان	=	۱۱۴۴۵۷۶۵۰	(۱۸۲)

مغربی اور مشرقی ''صوبوں'' کی آمدنی مع سواد

''مشرقی صوبوں'' کی آمدنی

نمبر شمار	مشرقی صوبے	درہم	نمبر شمار	مشرقی صوبے	درہم
۱	سواد	۱۱۴۳۴۵۷۶۵۰	۱۸	ری ودماوند	۲۰۰۸۰۰۰۰
۲	اھواز	۲۳۰۰۰۰۰۰	۱۹	قزوین وزنجان والبر	۱۸۲۸۰۰۰
۳	فارس	۲۴۰۰۰۰۰۰	۲۰	قومس	۱۱۵۰۰۰۰
۴	کرمان	۶۰۰۰۰۰۰	۲۱	جرجان	۴۰۰۰۰۰۰
۵	مکران	۱۰۰۰۰۰۰	۲۲	طبرستان	۴۲۸۰۷۰۰
۶	اصبہان	۱۰۵۰۰۰۰۰	۲۳	تکریت والطیرحان السن والبوازیج	۹۰۰۰۰۰
۷	سجستان	۱۰۰۰۰۰۰	۲۴	شہرزوروالصامغان	۲۷۵۰۰۰۰
۸	خراسان	۳۷۰۰۰۰۰۰	۲۵	موصل اور اس کے علاقے	۶۳۰۰۰۰۰
۹	حلوان	۹۰۰۰۰۰	۲۶	قردی وبذی	۳۲۰۰۰۰۰
۱۰	ماہ الکوفہ	۵۰۰۰۰۰۰	۲۷	دیارربیعہ	۹۶۳۵۰۰۰
۱۱	ماہ البصرہ	۴۸۰۰۰۰۰	۲۸	ارزن ومیافارقین	۴۲۰۰۰۰۰
۱۲	ھمذان	۱۷۰۰۰۰۰	۲۹	طرون	۱۰۰۰۰۰
۱۳	ماسبذان	۱۲۰۰۰۰۰	۳۰	آمد	۲۰۰۰۰۰۰
۱۴	میرجان قذق	۱۱۰۰۰۰۰	۳۱	دیارمضر	۶۰۰۰۰۰۰
۱۵	ایغارین	۳۱۰۰۰۰	۳۲	فرات کے ساحلی علاقے	۲۹۰۰۰۰۰
۱۶	قم وقاشان	۳۰۰۰۰۰۰	۳۳	آرمینیہ	۴۰۰۰۰۰۰
۱۷	آذربائیجان	۴۵۰۰۰۰۰			

میزان ۳۱۵۵۸۱۳۵۰ درہم (۱۸۳)

مغربی صوبوں کی آمدنی

نمبر شمار	مغربی صوبے	دینار
۱	قنسرین والعواصم	۳۶۰۰۰۰
۲	جند حمص	۲۱۸۰۰۰
۳	جند دمشق	۱۱۰۰۰۰
۴	جند الاردن	۱۰۹۰۰۰
۵	جند فلسطین	۲۹۵۰۰۰
۶	مصر والاسکندریہ	۲۵۰۰۰۰۰
۷	الحرمین	۱۰۰۰۰۰
۸	یمن	۶۰۰۰۰۰
۹	یمامہ والبحرین	۵۱۰۰۰۰
۱۰	عمان	۳۰۰۰۰۰

میزان ۵۱۰۲۰۰۰ دینار (۱۸۴)

ان دیناروں کو دراہم میں تبدیل کیا جائے تو کل دراہم اس طرح بنتے ہیں۔

بحساب ایک دینار = ۱۵ درہم

۱۵×۵۱۰۲۰۰۰ = ۷۶۷۱۰۰۰۰ درہم

(یہ کتاب میں لکھا ہے جبکہ کل درہم بنتے ہیں=۷۶۵۳۰۰۰۰)

مشرقی اور مغربی صوبوں کا مشترکہ میزان بنا ۳۸۸۲۹۱۳۵۰ درہم

اڑتیس کروڑ بیاسی لاکھ اکیانوے ہزار تین سو پچاس درہم۔(۱۸۵)

یہ تخمینہ قدامہ کے تخمینہ کے مطابق ہے۔

کتاب الخراج (۲) میں جو تفصیل خراج صفحہ نمبر ۲۴۲ سے صفحہ ۲۵۰ تک دی گئی ہے وہ دوسری تفصیل صفحہ ۲۵۰ سے ۲۵۱ تک سے کچھ مختلف ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

علاقہ کا نام	صفحہ نمبر	رقم
السواد	۲۳۹ تا ۲۵۰	۱۳۰۲۰۰۰۰
الاھواز	۲۴۲ تا ۲۵۰	۲۳۰۰۰۰۰۰

خراسان	۲۲۳	۳۷۰۰۰۰۰۰
ماسبذان	۲۵۰	۱۱۰۰۰۰۰
الایغارین	۲۵۰	۳۱۰۰۰۰۰
قزوین	۲۵۰	۳۱۰۰۰۰۰
طبرستان	۲۵۰	۱۱۶۳۰۷۰
تکریت	۲۵۰	۷۰۰۰۰۰۰
دیارربیعہ	۲۵۱	۴۶۳۵
ارزن ومیافارقین	۲۵۱	۴۱۰۰
حمص	۲۵۱	۱۱۸۰۰۰
فلسطین	۲۵۱	۱۹۵۰۰۰

خراج کا میزانیہ نمبر۴

صوبہ خراسان کا خراج بابت سال ۲۱۱ھ تا ۲۱۲ھ (۱۸۶)

والی خراسان علی ابوالعباس عبداللہ بن طاہر کے عہد میں صوبہ خراسان کا ایک سال ۲۱۱ھ تا ۲۱۲ھ کا خراج کروڑوں میں تھا۔ جانور غلام اور دیگر اشیاء اس کے علاوہ تھیں۔ اس ریکارڈ کو ابن خردازبہ نے "المسالک والممالک" میں اس طرح پیش کیا ہے۔

نمبر شمار	زنام شہر	رقم لفظوں میں	رقم ہندسوں میں	دیگر اجناس
۱	ری	ایک کروڑ درہم	۱۰۰۰۰۰۰۰	
۲	قومس	اکیس لاکھ چھیانوے ہزار درہم	۲۱۹۶۰۰۰	
۳	جرجان	ایک کروڑ ایک لاکھ چھہتر ہزار آٹھ سو	۱۰۱۷۶۸۰۰	
۴	کرمان	پچاس لاکھ	۵۰۰۰۰۰۰	
۵	بجستان	ستتر لاکھ تینتیس ہزار	۷۷۲۳۰۰۰	
۶	طبسین	ایک لاکھ تیرہ ہزار آٹھ سو اسی	۱۱۳۸۸۰	

	طبسین کے ارد گرد کے علاقے	پندرہ ہزار تین سوستر	۱۵۳۷۰	
۷	قہستان	سات لاکھ ستاسی ہزار آٹھ سواسی	۷۸۷۸۸۰	
	قہستان کے علاقے	ایک لاکھ اکیس ہزار آٹھ سواناسی	۱۲۱۸۷۰	
۸	نیساپور	اکتالیس لاکھ آٹھ ہزار نو سو	۴۱۰۸۹۰۰	
	نیساپور کے علاقے	سات لاکھ اٹھاون ہزار سات سو چوبیس	۷۵۸۷۲۴	
۹	طوس	سات لاکھ چالیس ہزار آٹھ سو ساٹھ	۷۴۰۸۶۰	
	طوس کے اردگرد کے علاقے	ایک لاکھ انتالیس ہزار بیس	۱۳۹۰۲۰	
۱۰	نسا	آٹھ لاکھ ترانوے ہزار چار سو	۸۹۳۴۰۰	
	نسا کے اردگرد کے علاقے	ایک لاکھ ساٹھ ہزار تین سو اکتیس	۱۶۰۳۳۱	

۲۳۰ھ میں خراج کی آمدنی

عبداللہ بن طاہر علاقہ سواد خراسان کے توابع، رے، طبرستان اور اس کا ملحقہ علاقہ اور کرمان کا والی تھا۔ اس تمام علاقہ کا خراج چار کروڑ اسی لاکھ تھا(۱۸۷)۔

۲۳۲ھ میں خراج کی آمدنی

۲۳۲ھ عہد معتصم میں خراج اور صدقات میں بہت اضافہ ہوا(۱۸۸)۔

۱۱	ابیورد	سات لاکھ	۷۰۰۰۰۰	
۱۲	افلاق	تین لاکھ سترہ ہزار سات سو چار	۳۱۷۷۰۴	
۱۳	سرخس	تین لاکھ سات ہزار چار سو چالیس	۳۰۷۴۴۰	
	سرخس کے اردگرد کے علاقے	دو لاکھ نو ہزار چھ سو	۲۰۹۶۰۰	
۱۴	مروالشاہجان	گیارہ لاکھ سنتالیس ہزار	۱۱۴۷۰۰۰	

	مروالشاھجان کے اردگرد کے علاقے	سرسٹھ ہزار ایک سوچوالیس	۶۷۱۴۴	
۱۵	الشاھجان کے جنگلات	اڑتالیس ہزار چھ سوانہتر	۴۸۶۶۹	
۱۶	مروردااروز	چار لاکھ بیس ہزار چار سو	۴۲۰۴۰۰	
	مروردااروز کے ارد گر د کے علاقے	تین لاکھ سترہ ہزار دو سو پچیس	۳۱۷۲۲۵	
۱۷	باذغیس	چار لاکھ چالیس ہزار	۴۴۰۰۰۰	
	باذغیس کے ارد گرد کے علاقے	ساٹھ ہزار	۶۰۰۰۰	
۱۸	ھرات	گیارہ لاکھ انسٹھ ہزار	۱۱۵۹۰۰۰	
	اردگرد کے علاقے	پنتالیس ہزار چار سو چون	۴۵۴۵۴	
۱۹	بوشنج	پانچ لاکھ انسٹھ ہزار تین سو پچاس	۵۵۹۳۵۰	
	(معدنی ذخائر)	نواسی ہزار ایک سو چون	۸۹۱۵۴	
۲۰	طالقان	اکیس ہزار چار سو	۲۱۴۰۰	
۲۱	غرشتان	ایک لاکھ	۱۰۰۰۰۰	دو ہزار بکریاں
۲۲	طخارستان	ایک لاکھ چھ ہزار	۱۰۶۰۰۰	
۲۳	خاریاب	پچپن ہزار	۵۵۰۰۰	
۲۴	جوزجان	ایک لاکھ چون ہزار	۱۵۴۰۰۰	
۲۵	بلخ وسعد وخورہ	ایک لاکھ ترانوے ہزار تین سو	۱۹۳۳۰۰	
۲۶	خلم	بارہ ہزار تین سو	۱۲۳۰۰	
۲۷	قبروغش	چار ہزار	۴۰۰۰	
۲۸	ترمذ	دو ہزار	۲۰۰۰	
۲۹	روب سمنجان	بارہ ہزار چھ سو	۱۲۶۰۰	
۳۰	ریوشاران	دس ہزار	۱۰۰۰۰	

۳۱	بامیان	پانچ ہزار	۵۰۰۰	
۳۲	برمخان	دولاکھ چھ ہزار پانچ سو	۲۰۶۵۰۰	
۳۳	جومرین			
۳۴	بنجار			
۳۵	الترمذ	سنتالیس ہزار ایک سو	۴۷۱۰۰	
۳۶	بیقان	تین ہزار پانچ سو	۳۵۰۰	
۳۷	کران	چار ہزار	۴۰۰۰	
۳۸	شقنان	چالیس ہزار	۴۰۰۰۰	
۳۹	دخان	بیس ہزار	۲۰۰۰۰	
۴۰	مندجان	دو ہزار	۲۰۰۰	
۴۱	اخرون	بتیس ہزار	۳۲۰۰۰	
۴۲	الکست	دس ہزار	۱۰۰۰۰	
۴۳	شام	بیس ہزار	۲۰۰۰۰	
۴۴	صغانیان	اڑتالیس ہزار پانچ سو	۴۸۵۰۰	
۴۵	باسارا	سات ہزار تین سو	۷۳۰۰	
۴۶	واشجرد	ایک ہزار	۱۰۰۰	
۴۷	عندمین زمشان	بارہ ہزار	۱۲۰۰۰	تیرہ ہزار جانور
۴۸	کابل	بیس لاکھ پانچ سو	۲۰۰۰۵۰۰	
				دو ہزار غلام جن کی مالیت
				۶۰۰۰۰۰ تھی ناریل زاغفران اہلیلج
۴۹	نسف	نوے ہزار	۹۰۰۰۰	
۵۰	کس	ایک لاکھ گیارہ ہزار	۱۱۱۰۰۰	
۵۱	بتم	پانچ ہزار	۵۰۰۰	
۵۲	باکبکین	چھ ہزار دو سو	۶۲۰۰	

۵۳	رستاون جاوان	سات ہزار	۷۰۰۰	
۵۴	رویان	دو ہزار دو سو بیس	۲۲۲۰	
۵۵	آفنہ	اڑتالیس ہزار	۴۸۰۰۰	
۵۶	خوارزم	چار لاکھ نواسی ہزار	۴۸۹۰۰۰	
۵۷	آمل	دو لاکھ ترانوے ہزار چار سو	۲۹۳۴۰۰	
۵۸	بخارا	گیارہ لاکھ نواسی ہزار دو سو	۱۱۸۹۲۰۰	
			یہ غطریفی درہم تھے	
۵۹	سغد	تین لاکھ چھبیس ہزار چھ چار سو	۳۲۶۴۰۰	
۶۰	فرغانہ	دو لاکھ اسی ہزار	۲۸۰۰۰۰	
			محمدی درہم تھے	
۶۱	مدائن الترک	چھیالیس ہزار چار سو	۴۶۴۰۰	
۶۲	اسروشنہ	پچاس ہزار	۵۰۰۰۰ ۴۸ ہزار محمدی دو ہزار مسیبی	
۶۳	خجندہ	ایک لاکھ	۱۰۰۰۰۰	

کل میزان : پانچ کروڑ انچاس لاکھ اٹھانوے ہزار چار ۵۴۹۹۸۰۰۴

ابن خردازبہ نے خراج کی یہ تمام تفصیل دینے کے بعد اس کی مجموعی رقم چار کروڑ اڑتالیس لاکھ چھیالیس ہزار درہم (۴۴۸۴۶۰۰۰ درہم) دی ہے۔ تیرہ ہزار سواری کے جانور، دو ہزار بکریاں اور دو ہزار غلام (جن کی مالیت چھ لاکھ درہم تھی) بیان کئے ہیں۔ جبکہ تمام شہروں کے خراج کی مجموعی رقم پانچ کروڑ انچاس لاکھ اٹھانوے ہزار چار درہم (۵۴۹۹۸۰۰۴ درہم) بنتی ہے۔ دیگر اجناس کا مجموعہ درست ہے۔ یعنی ابن خردازبہ کی مجموعی رقم اور تفصیلات کی مجموعی رقم میں فرق ایک کروڑ ایک لاکھ باون ہزار چار (۱۰۱۵۲۰۰۴) درہم کا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہو۔

عباسی حکومت کی ملکی آمدنی کا اجمالی گوشوارہ

عباسی حکومت میں خراج کی کثرت مامون کے عہد میں سب سے بڑھی ہوئی تھی اور اس کے بعد سے کم ہونے لگی۔ مگر اس کمی کا اظہار تیسری صدی ہجری کے وسط کے بعد ہوا۔ ورنہ اس زمانے سے پہلے تو عباسی حکومت کا خراج بہت بڑھا ہوا تھا۔ ان کا مختصر گوشوارہ حسب ذیل ہے۔(۱۸۹)

عباسی حکومت کی جبایۂ مامون کے ایام میں مابین ۲۰۴ھ تا ۲۱۰ھ

	=	۳۹۶۵۵۰۰۰ درہم
معتصم یا اس کے بعد بھی ۲۲۵ھ تک	=	۳۸۸۲۹۱۳۵۰
تیسری صدی ہجری کے وسط میں	=	۲۹۹۲۶۵۳۴۰

ان رقموں کا باہم مقابلہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے پہلے پچاس سال ہی کے اندر جبایہ کی مقدار میں نمایاں فرق واقع ہو گیا تھا اور خاص کر یہ صورت اس حالت میں ہو گی جبکہ ابن خلدون کی فہرست میں لکھے ہوئے غلوں اور مال ومتاع کو بالکل نکال دیا جائے جو کہ دراصل خراج میں داخل تھے۔ پس بیت المال میں سالانہ داخل ہونے والی رقم کا اوسط تقریباً ۳۶۰ ملین بنتا ہے۔ جو کہ ممالک اسلامی جبایہ سے مقامی اخراجات کے بعد باقی بچ کر سلطنت کے خزانے میں داخل ہوتی تھی اور جس کی مثال قدیم وجدید سلطنتوں میں کہیں نہیں ملتی۔ مگر جب ہم روم اور فارس کی حکومتوں کی نسبت بعض مورخین کے ان بیانات کا لحاظ کریں جو بر سبیل تذکرہ انہوں نے کئے ہیں تو یہ اور بات ہے۔

اگر ابن خلدون کی تیار کردہ فہرست میں موجود غلوں اور مال ومتاع کو شامل نہ کیا جائے جو کہ درحقیقت خراج میں داخل تھے ان رقموں کا باہم مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے پہلے پچاس سال کے اندر ہی چنگی اور دوسری آمدن (جبایہ) کی مقدار میں نمایاں فرق واقع ہو گیا تھا اس طرح بیت المال میں سالانہ پہنچنے والی رقم کا اوسط تقریباً ۳۶۰ ملین بنتا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ تمام اسلامی ممالک سے مقامی اخراجات کے بعد جو رقم بچ جاتی تھی وہ سلطنت کے خزانے بیت المال میں داخل ہوتی تھی اور یہ بھی اتنی بڑی رقم تھی کہ اس کی مثال اس سے پہلے کسی حکومت میں نہیں ملتی البتہ روم اور فارس کے بارے میں بر سبیل تذکرہ بیانات سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ رومن امپائر کے مشہور مؤرخ گبن نے لکھا ہے کہ اس سلطنت کی آمدنی اپنے انتہائی عروج اور وسعت کے ایام میں چالیس کروڑ درہم کے مساوی تھی جس میں سے تیرہ کروڑ پچاس لاکھ درہم محض ایشائے کوچک سے حاصل ہوتے تھے (۱۹۰) اور ابن خرداذبہ نے ذکر کیا ہے کہ خسرو پرویز کے ایام میں مملکت فارس کا ارتفاع بیالیس کروڑ مثقال یا تقریباً سات سو بلین درہم تھا۔ مگر ہم ان رقموں کو صحیح مان بھی لیں تو یہ مشکل درپیش رہ جاتی ہے کہ ہم کو ان حکومتوں کے اخراجات کے طریقے معلوم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اس آمدنی کا زیادہ حصہ خرچ کر ڈالتے ہوں۔ بخلاف عباسی حکومت کے مذکورہ بالا دونوں سلطنتوں کو چھوڑیئے۔ دوسری حکومتوں کی حالت سے مقابلہ کرنے میں بھی زمین وآسمان کا فرق نظر آئے گا۔ مثلاً دولت عثمانیہ (ترکی) کی ترقی وسعت سب سے زیادہ سلطان سلیمان قانونی کے ایام میں تھی جو دسویں صدی ہجری کا وسطی زمانہ

ہے۔مگراس کے محاصل کا ارتفاع اسی لاکھ دوکات (۱۹۱) سے زیادہ نہیں ہوا، جو تقریباً چھ کروڑ پچاس لاکھ فرانک کے مساوی ہوتا ہے اور عباسی حکومت کے ارتفاع سے اس کو کچھ بھی نسبت نہیں ہے۔ جو اس کے دگنے مقدار سے بھی زائد تھا اسی پر موجودہ زمانہ کی حکومتوں کو بھی قیاس کرنا چاہیے کہ ان کے خزانوں میں کیا باقی رہ جاتا ہے۔

خراج میں چاندی (درہم) نقد دینے والے علاقے

بصرہ، کوفہ، کسکر، شہرزد اور اس کے ملحقات، الجزیرہ، آذربائیجان، موقان اور کرخ، قنسیرین اور لعواصم، مصر، برقہ، افریقہ، اضلاع دجلہ، حلوان، مکران، موصل (۱۹۲)۔

خراج میں سونا (دینار) نقد دینے والے علاقے

دمشق، اردن، مکہ و مدینہ، مصر (یہ درہم و دینار دونوں میں خراج ادا کرتا تھا)۔(۱۹۳)۔

جنس کی صوت میں خراج دینے والے علاقہ جات (۱۹۴)

فارس:	گلاب کا عرق، منقوں کا عرق، مربہ جات اور روغنِ زیتون فارس سے آتے تھے۔اس کے علاوہ تھیلوں میں انار اور بہی دانہ خراج میں آتا تھا۔سیرانی مٹی بھی۔
اھواز:	شکر
کرمان:	کپڑا، کھجور اور زیرہ سیاہ
بجستان:	کپڑا، فانیذ (ایک قسم کا حلوہ)
خراسان:	ترکی نسل کے گھوڑے، غلام، کپڑا، ھرڑ، فانیذ (بکریاں)
جرجان:	ریشم
قوس:	کپڑے کے تھان (یا چادریں)، انار
طبرستان:	طبری فرش، خاص کپڑا، رومال، پیالے
رے:	انار، شفتالو
اصفہان:	شہد، موم (ممتش اور عیسیٰ اور لیس کے علاقوں کے سوا)
ھمدان:	رب الرمانین (کھٹے میٹھے انار کا رس) اروندی شہد
جیلان:	غلام، ریشم، شہد، کپڑا، چادریں، باز زرد ترکی دریاں، نمک لیموں چھوٹی خچر
فلسطین حمص:	مٹے مختلف قسم کے
آرمینیہ:	فرش، نمک، مچھلی، منقش کپڑے، باز، خچر
افریقہ:	فرش
یمن:	کپڑا

☆ سب سے زیادہ خراج دینے والا علاقہ (۱۹۵)

ارض السواد:

۹ کروڑ پچپن لاکھ اسی ہزار درھم (نقد) بخرانی کپڑے کے تھان ۲۰۰، مہر لگانے کی لاکھ دوسو چالیس رطل (۲۴۰ پونڈ)۔

☆ سب سے کم خراج ادا کرنے والا علاقہ

رے:

رے سے بارہ ہزار درہم خراج سالانہ حاصل ہوتا تھا اس کے علاوہ دس کروڑ انار اور ایک ہزار رطل شفتالو بھی بطور خراج دیے جاتے تھے۔

☆ پیداوار اور مصنوعات بطور خراج (۱۹۶)

نقدی کے علاوہ ملک کی پیداوار اور مصنوعات بھی ایک معینہ مقدار اور تعداد میں وصول کی جاتی تھیں یہ سب اشیاء بیت المال میں جمع ہوتی تھیں۔

1-پیداوار جنگل

خالص شہد، موم، ریشم

2-پھل

آگ، انار، سیب، بہی، شفتالو، کھجور، انگور خشک

3-ادویہ ومصالحہ جات

زیرہ، ہرڑ، لونگ، جعفل، انار کا رس، عود ہندی، عرق گلاب کی بوتلیں۔

4-لباس اور فرشی سامان

مختلف ریشمی کپڑوں کے تھان، مندیل (رومال) ریشمی حلے، چادریں، رومال، کمبل، پٹکے، لنگیاں، فرشی دریاں اور سادے فرش، جوتے۔

5-حیوانات

ہاتھی، گھوڑے، ٹٹو، باز، شکرے

6-متفرقات

شکر، قند، مہر لگانے کی مٹی، لونڈی، غلام، خاص قسم کا فانیذ (حلوہ کی قسم)، نمک، مچھلیاں، جامات وغیرہ، روغن زیتون، پیالے، یہ سب سرکاری گوداموں میں جمع ہوتے تھے (۱۹۷)۔

خراج کا استعمال (۱۹۸)

خراج ان مدآت پر خرچ کیا جاتا تھا۔

1:- باقاعدہ فوج کی تنخواہ کی ادائیگی۔

2:- انتظام مملکت کے اخراجات۔

3:- اہل وعیال واہل خاندان شاہی کی معاش۔

4:- سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت۔

۷:- بطور صلہ، عطایا، انعامات واحسان (۱۹۹)۔

عہد الخطاط کے محصول

مقتدر کے عہد میں اس کے وزیر علی بن عیسٰی نے خزانے کی حالت مخدوش ہونے پر اپنے آپ کو الزام سے بری کرنے کے لیے مجبوراً سالانہ آمدوخرچ کا گوشوارہ ۳۰۲ھ کی بابت تیار کیا۔

یہ گوشوارہ وان کریمر نے ایک کتاب میں شائع کیا جس کا عنوان تھا "۳۰۶ھ کی بابت حکومت عباسی کا محصول"۔

دولت عباسیہ کا محصول بابت ۳۰۶ھ (۲۰۰)

مقتدر کے وزیر علی بن عیسٰی کا گوشوارہ جو وان کریمر کے مطابق ہے۔

سواد عراق کا محصول

دینار ۱۵۴۷۷۳۴ اس کی تفصیل	سواد اور اس کے طساسیج کے اموال اور بصرہ کی اراضی مغرب کے صدقات اور وہاں کے جہازات اور تمام وہ آمدنیاں جو اس کی طرف منسوب ہیں اور اس کے ساتھ چلتی رہتی ہیں۔
۶۶۲۸۳	بادوریا، کلواذی اور نہر بین
۱۹۸۳۱۳	انبار، قطربل، سد
۷۵۵۷۶	بہرسی، رومقان، ایغار، جاذر اور مدینۃ العتیقہ (شہر کہنہ)
۲۵۰۰۰	کوثی اور نہر درقیط
۹۵۲۶	زاب الاعلی اور نہر گشتاسپ

۱۶۷۳۶	فلوجہ العلیا اور ارحاء
۱۳۵۸۵	فلوجہ سفلی، نہرین اور عین التمر
۱۴۰۲۵۹	سیب الاعلیٰ، سورا، بابل، خطرنیہ، باردسائی اعلی
۳۸۳۵۰	نہر الملک، مورجا، نہر جوبر، اساسان، اور مالکیات
۴۶۳۳۶	باردسائی اسفل
۱۱۰۱۵۴	طساالجنۃ الکوفہ والخزن
۵۰۲۱۹	سرمن را کی متعلقہ نو آبادی سے
۲۰۵۹۰	نہر بوق اور دیر اسفل
۲۴۳۰۰	بزرگ سابور
۳۰۰۳۵	راذانان
۱۳۶۶۶	رودستقباد
۴۶۴۸۰	نہروان اعلی اور سطائی
۴۰۳۲۷	نہروان اوسط
۶۰۵۳۲	نہروان اسفل
۱۵۹۰۸۹	صلح اور منازل
۴۲۴۹۹	امدا اور باکسایا
۳۱۰۷۲۰	واسط مع خاصہ اور متحدشہ اور عباسیہ کے راتبہ (مقررہ) خرچوں کے بعد
۱۲۱۰۹۵	بصرہ اور کوردجلہ
۲۲۵۷۵	بصرہ کے جبازات
۴۲۷۵۰	ضمانات کے اموال نہروں کے محصول سے ادا کی جانے والی رقمیں جو مفردات کی جانب منسوب کی جاتی ہیں۔
۸۰۲۵۰	عبادت ہیئت کی (بصارۃ ہیبت)
۱۶۹۷۵	بغداد، بصرہ، سرمن رائی، واسط اور کوفہ کی بھیڑ بکریوں کے بازاروں سے
۶۰۳۷۰	بغداد، سرمن رائی، واسط، بصرہ کوفہ کی ٹکسالوں سے
۶۶۰۰۰	بغداد کی جوالی سے (جوال۔ کنویں کی من وچاہیت (ا))
۱۳۸۷۴	ارتفاقات درختوں اور جاگیروں کے مال سے دربار کو جو رقم ادا کی جاتی تھی

۱۸۳۶۱۸۱	میزان

مشرق کا محصول (۲۰۱)

۱۲۶۰۹۲۲	کوراہواز سے جو ابراہیم بن عبداللہ المسیح وغیرہ کے ضمان میں تھا۔
۱۶۳۳۵۲۰	فارس کے اموال مع ان آمدنیوں کے جن کو مونس خادم پاتا تھا اور ان علاقوں کے جو اطراف والوں کے ہاتھوں میں تھے جن کو صرف مال غنیمت کے طور پر وارد کیا گیا ہے۔
۲۵۸۰۴۰	اس نواحی کے امر کے تعلقے معہ سیراف کے جہازوں کی آمدنی کے کرمان مع امرا کے تعلقوں کے مال عہد اور ورح اور بیابانی دیہات کے علاوہ اور اس کے جو کہ مونس خادم خزانچیوں اور پرکھنے والوں کے مال سے لیتا تھا۔
۸۰۰۰۰	عمان کی جاگیریں سوائے اس ہدیہ کے جو کہ دربار کو ارسال ہوتا تھا۔
۳۵۹۷۸۹۲	میزان
۱۵۷۰۵۲۵	ارتفاع خراج اور عام لوگوں کے علاقوں کا مشرق میں جو معاملہ کی رو سے تھا اور وہ اراضی جو امانت اور ضمانت کے ذریعے سے ہوتی تھی۔
۴۶۰۷۸	رے اور دماند کا خراج وہاں کے اعشار اور اخماس مع ان رقموں کے جن کا وہاں سے بذریعہ استخراج ابن دادوان اور احمد بن علی کے ہوتا تھا۔
۱۲۲۶۴۴	وہاں کے تعلقے ،قزوین، زنجان اور ابہر
۱۱۵۷۱	خراج
۵۸۲۹۰	تعلقے
۱۹۷۲۲۰	خراج
۸۰۲۲۹	تعلقے

اصفہان

۱۴۰۱۷۸	خراج جو نئے قرار دادوں کے ذریعے ہوتا تھا۔ کردوں کے خراج اور اس آمدنی کے جو ایغار اور شاہی علاقوں سے ہوتی تھی۔
۱۸۹۳۳۴	وہاں کے تعلقے (ماہ البصرہ اور ایغارین)

۱۸۵۶۳۶	خراج
۲۶۷۵۲۰	تعلقے

ہمدان

۱۵۰۴۸۰	خراج
۵۵۷۸۹	تعلقے

ماسبذان

۵۷۷۴۶	خراج
۱۶۷۵۰	تعلقے
۱۷۶۲۵	وادی سادہ اور وہاں کے پانی پلانے کا امکان ماہ الکوفہ خراج کی مد سے سوی ضیاع راسیہ اور مستحدثہ اور ملعم کے
۸۹۵۰۰	وہاں کے تعلقے
۳۰۰۱۵	حلوان کے خراج اور تعلقوں دونوں کی مد سے
۲۲۵۱۹۳ ۲۲۶۳۷۰	آذربائیجان اور آرمینیہ کے ان معاددہ پر جن پر نرخ کے طریقے کی تقسیم کی گئی تھی
۲۲۵۱۹۳	جن پر نرخ کے طریقے کی تقسیم کی گئی تھی
۶۴۳۹۶۶۳	میزان

3- مغرب کی جبایت (۲۰۲)

مغرب اور اس کی چھاؤنیوں سے ان احتسابات کے بعد جو خراج آتا تھا جو حسب عادت اصلی ارتفاعات سے وضع ہو جاتے تھے اور سوا جاگیر اور غلموں کی جن کی قیمت کے ہر سال ادا کرنے میں (جزیرہ قبرص) لوگوں کی تعریف کی گئی تھی اور حسب ذیل اعمال اور اموال مساۃ کا یہ ہوتا تھا جو کچھ مغرب اور اس کی اجنادہ چھاؤنیوں کے متعلق ہوتا۔

۴۷۴۶۴۹۲

اس کی تفصیل

مصر، اسکندریہ قدیم احتسابات کے بعد حساب فہمی کے بعد	۲۹۰۷۷۳
اور سوئے ذرائمین کی مصادرت اور مال مرافق اور محصول درآمد مال اور اموال غنیمت کے بعد قیمتوں کے (چند فلسطین احتسابات کے بعد)	۱۰۸۰۰۰۰
مال جند فلسطین احتسابات کے بعد	۸۰۷۵۰
جند اردن	۲۳۰۶۴۷
مال	۴۰۴۶۰
جند دمشق احتسابات کے بعد	۱۰۲۰۶۲
مال	۱۱۳۰۵۷
۲۰۰۴۶۰ مال جند حمص احتسابات کے بعد	۳۱۵۳۰۰
جند قنسرین اور عواصم احتسابات کے بعد	۱۱۵۱۱۴
مال	۱۳۳۰۹۷
دلوک اور عبان	۳۵۲۵۷۰ ۱۵۷۶۵
شمشاط، حصن منصور، کیسوم اور بعد وضع شدہ رقم	۵۳۹۷
ثغور شامیہ احمد بن حسین کاتب کی صلح کے علاوہ	۵۲۹۸۵
مال	۶۵۳۳۲
سیاط اور ملطیہ احتسابات کے بعد	۱۴۵۰۱

۳۳۱۲۰	مال
۵۴۷۸	آمد سوئے اس کے جو جاگیروں اور خالصہ میں جمع ہو جاتا تھا اور اس کے احتسابات کے بھی۔
۸۲۳۲۲	مال
۵۶۷۵۰	ارزن اور میافارقین احتسابات کے بعد
۸۲۳۲۲	مال
۲۵۷۲۲۵	دیار معز
۲۲۷۹۷	دیار ربیعہ احتسابات کے بعد
۳۰۴۰۹۳	مال
۱۷۷۵۰	موصل، مردین، بہذرا، اور رساتیق الجبلیہ احتسابات کے بعد
۴۹۲۴۳۰	مال
۹۶۵۸۴	طریق افرات
۴۶۵۹۳۴۱	میزان (ا)

یہاں بھی میزان فرق ہے۔

۴: اموال خاصہ کی جبایت (۲۰۳)

جس میں اعمال مسماۃ اور اموال خاصہ اور اموال موقوفہ وغیرہ سب ہوں گے۔

۲۸۹۰۳۶	وہ تعلقے جو خاصہ کے حالت ضمان واسطہ میں خراب ہو جانے پر دوبارہ قائم کئے گئے تھے۔
۵۱۶۴۷	اموال خاصہ ان کے سوا جو واسط میں تھے۔ کیونکہ وہ اموال عامہ میں اضافہ ہو کر ان کے اندر غلط مبحث ہو گئے تھے اور ان کی بار برداریوں اور مصارف میں آ گئے تھے۔
۱۸۵۴۱۱	العبر (دریاؤں کے گھاٹ، ساحل)
۱۱۶۱۲۰	اہواز، گڑھے اور زمینوں کے شق شدہ مقامات اور ریت کے ٹیلے
۷۲۶۲۶	مشرق
۱۰۴۷۰۰۰	مغرب
۱۸۷۷۸	بیت اور اس کے اعمال، السکر کی اراضیوں کے سوا

	۸۲۴۰ عبر ، ۵۲۶۲ اہواز ۵۸۴۵۰ مغرب ، ۶۲۲۰۰ مشرق
۱۴۴۷۶۰	عباسیہ کی اراضیوں کا مال جو اوسطاً انواح میں تھیں۔
	۱۴۷۳۲ عبر ، ۱۴۲۴۶ اہواز ۳۰۶۷۲ مشرق ، ۷۵۱۱۶ مغرب
۴۵۷۰	مسجدوں پر وقف کیا ہوا مال اس کے سوائے جو واسط میں تھا۔
	۲۲۸۶۹ مشرق ، ۱۲۷۶۰ مغرب
۶۱۷۱۲۶	ذاتی زمینوں کا مال
	۱۷۰۳۲۶ عبر ، ۱۲۹۷۲۴ اہواز ۹۷۳۳۶ فارس ، ۱۱۴۲۲۵ مغرب ۹۵۱۷۸ مشرق
۱۰۰۳۱۸	۳۰۳ھ کی مفرد آراضیوں کا مال
	خزانچیوں اور پرکھنے والوں کا مال سوائے اس کے جو عمال اصلی اموال کے ساتھ جمع کیا کرتے تھے اور سوائے اس کے جو اس میں سے فارس میں مونس خادم کا حق تھا اور سوائے اس کے جو اس میں سے واسط کے ضمان میں داخل تھا۔
۱۷۶۸۰۱۵	میزان

خلاصہ

۱۵۴۷۳۴	سواد کی جبایت
۶۴۳۹۶۶۴	مشرق
۴۷۴۳۶۴۹۴	مغرب
۱۷۶۸۰۱۵	اموال خاصہ
۱۴۳۵۰۱۹۰۴ دینار	میزان

اس جبایت کی نسبت عصر عباسی اول کی مقدار جبایت سے اس جبایت کی میزان جو ۱۴،۵ ملین دینار سے بھی زائد ہے۔ اگر انہیں درھموں میں تحویل کیا جائے تو قرن اول کے قریب قریب پہنچ جائے گی۔ مگر دونوں کی حالتوں میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ اس وقت آمدنی میں سے خرچ ہونے کے بعد کثیر رقم بچ جاتی جو خزانے میں جمع کروادی جاتی تھی اور اس

زمانے میں اخراجات پورے ہی نہیں ہوتے تھے(۲۰۴)۔عنوان السیر سے حکومت عباسیہ کے مصارف کا بیان جو علی بن عیسیٰ کے وقت میں ہوتے تھے(۲۰۵)۔

مصارف(۲۰۶)

۳۱۵۴۲۶۱/۲	حرمین اوران کے راستوں کے مصارف
۴۹۱۴۵۶	سرحدوں کے مصارف
۵۶۵۶۹	تمام ملکوں کے قاضیوں کے رواتب(تنخواہیں)
۳۴۴۳۹	قلمرو کے تمام شہروں میں عدالتہائے حسبہ اور مظالم کے افسروں کی تنخواہیں
۷۹۴۰۲	ملازمان محکمہ ڈاک اور پرچہ نویس کی تنخواہیں
۹۷۷۲۹۲۱/۲	میزان
	آمدنی سے خرچ ۲۰۸۹۸۹۴ دینار بڑھ گیا تھا(۲)۔

عباسیوں کی حالت یہ تھی کہ اگران میں سے کسی عاقل اور دوراندیش خلیفہ نے کفایت شعاری کر کے کچھ روپیہ جمع کیا تو اس کے جانشین نے وہ تمام اندوختہ فضول خرچی میں اڑا ڈالا۔ چنانچہ ان کی بابت مشہور ہے کہ منجملہ ان کے ایک یہ مثل بھی ہے کہ

سفاح، منصور، مہدی، ہادی اور رشید نے جس قدر روپیہ جمع کیا تھا۔ وہ ۲۰۳ھ تا ۲۰۸ھ پانچ برسوں میں امین نے خرچ کر ڈالا۔ پھر مامون معتصم اور واثق کا اندوختہ متوکل نے ۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ تک خرچ کرڈالا۔

اس کے بعد منتصر، مستعین، معتز، مہتدی، معتضد اور مکتفی نے جس قدر دولت ذخیرہ کی تھی وہ ۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ کے عرصہ میں مقتدر نے کھڑوں میں اڑادی۔

مقتدر یہ سب خرچ کرنے کے بعد اس بات پر مجبور ہوا کہ ملازمت کے لیے فوج اور غلاموں کو راضی اور ہموار کرنے کی غرض سے اپنی اراضیاں فرش فروش اور سونے چاندی کے ظروف فروخت کرڈالے(۱)۔ ۳۶۱ھ میں خلیفہ مطیع اللہ کے ایام میں بیت المال کے خالی ہونے کی یہ حالت تھی کہ بغداد میں ہنگامہ فرو کرنے کے لیے فوج کو مامور کیا گیا تو سپاہیوں کو دینے کے واسطے ۲۰۰۰۰ درہم خلیفہ نے اپنے پہننے کے کپڑے اور گھر کا اثاثہ بیچ ڈالا(۲۰۷)۔ ۳۲۲ھ میں خلیفہ راضی باللہ کے عہد سے خلفاء کے ہاتھ سے حکومت کی باگ نکل چکی تھی اور صرف ان کے نام کا خطبہ اور سکہ رائج رہ گیا تھا(۲۰۸)۔

۲۔ جزیہ

خراج کے بعد عباسی ریاست کی آمدنی کا دوسرا بڑا ذریعہ جزیہ تھا(۲۰۹)۔

لفظ"جزیہ" "جزا" (بدلہ، معاوضہ) سے مشتق ہے اور یہ امن دینے کی جزاء ہے(۲۱۰) جزیہ وصول کرنے کا حکم قرآن پاک میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ "(۲۱۱)

"(جو اہل کتاب اللہ پر ایمان نہ لائیں اس کی اور اس کے رسول کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہ سمجھیں، دین حق کے پیرو نہ ہوں۔ ان سے یہاں تک قتال کرو کہ ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرنے لگیں")

غیر مسلم لوگ جو کہ اسلام کے عقیدہ و اصول کو مانتے ہوئے اس کے اقتدار اعلیٰ کے تحت رہنا منظور کر لیتے ہیں وہ خراج اور جزیہ کے بہت ہی معمولی ٹیکس ادا کرنے کے بعد ہر قسم کے ٹیکسوں سے سبکدوش ہو جاتے ہیں اور پھر تمام اقتصادی امور میں مسلم وغیر مسلم کے درمیان مساوات کا اعلان ہو جاتا ہے اور اسلامی قانون کی رو سے جان، مال، آبرو اور دنیوی ترقیات میں دونوں کے درمیان فاتح و مفتوح کا کوئی فرق باقی نہیں رہتا(۲۱۲)۔

عہد عباسی کے ابتدائی دور میں فتوحات کا سلسلہ وسیع تھا۔ لہٰذا بے شمار غیر مسلم اسلامی حکومت کے قبضہ قدرت میں تھے۔ جن پر اسلامی شریعت کی رو سے جزیہ کا معمولی سا ٹیکس عائد کیا گیا تھا۔ یہ ٹیکس فی کس پر قائم کیا جاتا تھا۔ صرف آزاد بالغ مردوں سے لیا جاتا تھا۔ بوڑھے، بچے، عورتوں اور معذوروں سے نہیں لیا جاتا تھا۔ (مجنوں، غلام، مخنث سے بھی نہیں)۔ کفر کی حالت میں لیا جاتا تھا۔ اسلام لانے پر ساقط ہو جاتا(۲۱۳)۔

اہل عجم کے لیے حکم

اہل عجم میں سے اہل کتاب، مشرکین، بت پرستوں اور آتش پرستوں سے (صرف مردوں سے) جزیہ قبول کرنے کا حکم ہے۔(۲۱۴)

اہل عرب کے لیے حکم

جبکہ اہل عرب میں اہل کتاب سے جزیہ لیا جاتا تھا۔ مشرکین عرب کو دعوت اسلام دی جاتی یا پھر جنگ کی جاتی(۲۱۵)۔

چونکہ ان کے لیے قتل کا حکم خداوندی ہے:

"مشرکین کو جہاں کہیں بھی تم پاؤ قتل کر ڈالو"(۲۱۶)۔

مشرکین عرب میں سے جو اہل کتاب نہ ہوں اس کے لیے آپ ﷺ اور خلفاء کے آثار کے مطابق دو ہی صورتیں قابل قبول ہیں۔ یا تو وہ اسلام قبول کر لیتے یا انہیں قتل کر دیا جاتا۔ لیکن عجمیوں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ خواہ وہ اہل کتاب

بھی نہ ہوں، چنانچہ مسلمانوں میں عرب وعجم کے بارے میں یہی دو فیصلے نافذ رہے (۲۱۷)۔

جزیہ کی شرح

امام ابوحنیفہؒ کے مطابق جزیہ کی مقدار کچھ اس طرح سے تھی :

الف:- دولت مندوں سے ۴۸ درہم سالانہ (۴ درہم ماہانہ)

ب:- متوسط طبقہ سے ۲۴ درہم سالانہ (۲ درہم ماہانہ)

ج:- فقیروں سے ۱۲ درہم سالانہ (ایک درہم ماہانہ)

آپ کی طرف سے کم از مقدار یہ مقرر ہے زیادہ سے زیادہ مجتہد فیہ ہے (۲۱۸)۔

مختلف ادوار میں جزیہ کی وصولی و کیفیت

عباسی حکومت کے ابتدائی دور میں "جزیہ" آمدنی کا ایک اہم جزو تھا (۲۱۹)۔ صرف فارس سے ہی سرکاری خزانے کو ایک کروڑ اسی لاکھ درہم سے زیادہ سالانہ آمدنی ہو جاتی تھی (۲۲۰)۔

یہاں تک کہ شاہ روم بھی جزیہ ادا کرتا تھا۔ ۱۵۵ھ میں سلطنت روما سے جزیہ کی ادائیگی کی شرط پر صلح کی گئی تھی۔ جس پر سختی سے علمدرآمد ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ شاہ روم نے جزیہ دینے سے انکار کر دیا جس کے جواب میں خلیفہ ہارون الرشید نے اس پر چڑھائی کر دی۔

آخر کار اسے جزیہ کی ادائیگی میں ہی اپنی عافیت نظر آئی۔ چنانچہ ۱۹۰ھ میں بادشاہ روم نقفور نے اپنا، اپنے ولی عہد، رؤساء اور اپنے علاقے کے باشندوں کا جزیہ ہارون الرشید کی خدمت میں پچاس ہزار دینار بھیجا۔ اس میں خود بادشاہ کا ذاتی جزیہ چار دینار اور اس کے ولی عہد بیٹے استبراق کا دو دینار تھا (۲۲۱)۔

جزیہ کی وصولی میں رعایت

آرمینیہ سے جزیہ کی وصولی میں نرمی

آرمینیہ کے بطریق اپنے اپنے علاقوں پر قائم رہے اور اپنے علاقے کی خود حفاظت کرتے تھے۔ جب کوئی عامل جزیہ لینے سرحدی علاقے سے آتا تو اسے ٹٹولتے۔ اگر وہ سخت ہوتا تو جزیہ دے دیتے ورنہ نہ دیتے۔ مامون کے دور میں خالد بن یزید یہاں کا والی ہوا تو وہ تحفے تحائف لے کر لوگوں کے جزیہ میں کمی بیشی کرتا رہا۔ آخر میں آرمینیہ پر ایسے عمال مقرر ہوئے جو وہی خراج وصول کرتے جتنا لوگ آسانی سے دے دیتے (۲۲۲)۔

بیت ماما (فلسطین) کے جزیہ میں تخفیف

۲۴۶ھ میں ان جاگیروں (فلسطین) میں سے ایک گاؤں جسے بیت ماما کہتے ہیں جو ضلع نابلس میں واقع تھا کے باشندوں نے جو کہ سامری تھے اپنی غربت کی شکایت کی اور کہا کہ ہم پانچ دینار خراج دینے سے عاجز ہیں۔ اس پر متوکل نے حکم دیا کہ ان سے تین تین دینار لیے جائیں (۲۲۳)۔ بعد کے ادوار میں عباسی سلطنت کی ایک غالب اکثریت اسلام لا چکی تھی

اس لیے جزیہ سے اتنی رقم نہ ملتی تھی جتنی پہلے ادوار میں ملا کرتی تھی۔ جیسا کہ ۲۰۴ھ میں بغداد سے صرف دو لاکھ درہم جزیہ کے وصول ہوتے (۲۲۴)۔ لیکن پھر بھی ایک بڑا ذریعہ آمدن تھا۔ ایسی ریاست کے دور دراز کے علاقے اسلام نہ لائے تھے اور ان پر جزیہ عائد تھا۔ بغداد اور دوسرے شہروں میں یہودیوں اور آرامیوں کی کافی تعداد موجود تھی۔ عراق میں بنو تغلب قبیلہ کے عیسائی بھی معقول تعداد میں آباد تھے (۲۲۵)۔ لیکن تیسری صدی ہجری کے وسط میں جزیہ کی آمدنی کافی ختم ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ بغداد کا جزیہ صرف ایک لاکھ تیس ہزار رہ گیا تھا (۲۲۶)۔

عصر حاضر میں جزیہ

یہ ایک شرعی ٹیکس تھا لہٰذا اس کی اہمیت مسلمہ تھی۔ اسلامی ریاستوں میں یہ باقاعدگی سے نافذ العمل تھا۔ جبکہ عصر حاضر میں یہ ٹیکس ختم کر دیا گیا ہے۔ اب غیر مسلموں کو بھی اسلامی ریاست میں تقریباً وہی حقوق حاصل ہیں جو عام مسلم شہری کو حاصل ہیں۔ اب ذمی عام مسلمانوں کی طرح ہر قسم کا ٹیکس ادا کرتے ہیں اور ملکی امور میں بھی بلا تخصیص بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ تاہم ابھی بھی انہیں دوسرے درجے کے شہری کی حیثیت حاصل ہے۔ ملکی اسمبلیوں میں نمائندگی کے لیے ان کی علیٰحدہ سے نشستیں مخصوص ہیں تاکہ یہ اپنے حقوق کا تحفظ اور مسائل با آسانی حل کر سکیں۔ جبکہ ملازمتوں یا دوسرے ملکی امور میں یہ بلا تخصیص حصہ لیتے ہیں۔ لیکن بعض انتظامی اور حساس اداروں میں انہیں متعین نہیں کیا جاتا انہیں مذہبی، معاشی، معاشرتی، طبی، تعلیمی، اور دیگر ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔

عہد عباسی کی طرح ان کے لباس و ہیئت پر ایسی کوئی پابندی نہیں جس سے مسلم اور غیر مسلم میں تمیز ہو سکے۔ البتہ اگر یہ خود اپنا تشخص برقرار رکھنے کے لیے ایسا کرنا چاہتے ہوں تو اس کی انہیں مکمل آزادی حاصل ہے۔

3-زکوٰۃ

حکومت عباسی کے بیت المال کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ زکوٰۃ تھا (۲۲۷)۔ اسے صدقہ بھی کہتے ہیں۔ ان دونوں کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے صرف لفظوں کا فرق ہے (۲۲۸)۔ یہ بھی ایک شرعی ٹیکس ہے جس کی ادائیگی ہر صاحب نصاب پر فرض تھی۔

فرضیت زکوٰۃ

بیت المال کے اس ذریعہ آمدنی کو اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر فرض قرار دیا ہے اور بار بار قرآن مجید میں اس کی ادائیگی کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ:

وَاَقِيمُوْ الصَّلٰوةَ وَاٰتُوالزَّكٰوةَ (۲۲۹)

(نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو)۔

اور اس فرضیت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ:

"كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ لاَاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ" (۲۳۰)

(تاکہ دولت تمہارے مالداروں میں ہی گردش نہ کرتی رہے)۔

یعنی یہ وہ محصول ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے تمام اصحاب نصاب پر فرض ہے۔

جدید معاشیات میں سماجی فلاح کا تصور بہت نیا ہے۔لیکن اسلام نے پہلے ہی دن سے فلاحی اور خدمتی ریاست کا تصور پیش کیا اور زکوۃ کی شکل میں معاشرے کے کمزور اور مجبور انسانوں کی ضروریات کی فراہمی کی ضمانت دی ہے۔زکوۃ جہاں حُب مال کو کم کرتی ہے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور مال قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرتی ہے وہاں معاشی نقطہ نظر سے یہ سماجی فلاح کی ایک ہمہ گیر سکیم ہے۔جس کے ذریعے سے ملک وملت کے غریب اور نادار افراد کی مدد کی جاتی ہے اور انہیں زندگی کی جدوجہد میں برابر کی شرکت کے لائق بنایا جاتا ہے۔اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ جو دولت کوئی شخص کماتا ہے وہ صرف اس کی محنتوں کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ اس میں فطرت کی بے شمار قوتیں شریک کار ہوتی ہیں اور پورا معاشرہ بھی ہزاروں طریقوں سے معاون ومددگار رہتا ہے۔اس لیے مال میں اس شخص کے علاوہ دوسروں کا حق بھی ہوتا ہے۔لہٰذا اہل ثروت کی ذمہ داری ہے کہ معاشی دوڑ میں جو پیچھے رہ جائے اسے سہارا دیں اور آگے بڑھائیں (۲۳۱)۔

مال زکوۃ

زکوۃ اس مال پر واجب ہوتی ہے جو خود بڑھتا ہو یا کام کر کے بڑھایا جاتا ہوتا کہ ادائیگی زکوۃ سے صاحب مال کا مال پاک ہوجائے اور ضروریات مندوں کی حاجت روائی ہو (۲۳۲)۔

اس مال کی دو اقسام ہیں (۲۳۳)۔

اموال ظاہرہ

یعنی وہ مال جسے چھپانا ناممکن ہو، مثلاً مویشی وغیرہ۔ان کی زکوۃ ہر حال میں بیت المال میں جمع کروانے کا حکم ہے۔

اموال باطنہ

وہ مال جس کا چھپایا جانا ممکن ہو مثلاً سونا، چاندی، تجارتی مال اور نقد رقم وغیرہ، اس کے لیے حکم ہے کہ خود تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

دیوان الصدقات کا قیام

عہد عباسی میں زکوۃ کا ایک مستقل اور جداگانہ دفتر ہوتا تھا۔ جسے دیوان الصدقات کہا جاتا تھا۔ اس کا مرکزی دفتر دارالخلافہ میں ہوتا تھا۔جس کی شاخیں تمام صوبوں اور شہروں میں ہوتی تھیں اور ہر ایک شہر میں زکوۃ وصول کرنے کے لیے تحصیلدار مقرر تھے (۲۳۴)۔صرف اہل عرب سے بصرہ آنے والے صدقات کی رقم چھ لاکھ درہم تھی (۲۳۵)۔

اموال ظاہرہ جن کی زکوۃ لی جاتی تھی ان میں مویشی یعنی بھیڑ، بکریاں، گائے، بھینس اور اونٹ وغیرہ شامل تھے جیسا کہ قانون زکوۃ ہے انکا نصاب اور شرح شریعت میں مقرر ہے (۲۳۶)۔

اموال باطنیہ میں سونا، چاندی، نقد رقم اور تجارتی مال وغیرہ جمع کروائی جاتی تھی۔تاہم لوگوں کو اجازت تھی کہ سونا چاندی اور دیگر پوشیدہ مالوں کو ظاہر کیے بغیر ان کی زکوۃ تشخیص کر کے خود ہی مستحقین میں تقسیم کر دیں وہ بیت المال میں جمع

کروانے کے پابند نہ تھے۔ الماوردی نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے(۲۳۸)۔

مصارف زکوٰۃ

زکوٰۃ کے مصارف قرآن پاک نے خود متعین کر دیئے ہیں جس کے تحت:

> ''زکوٰۃ کی رقم فقراء، مساکین، عملہ زکوٰۃ، نومسلموں، غلاموں کو آزاد کرانے، قرض داروں کا قرض چکانے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے اور مسافروں کی دستگیری کے لیے خرچ کی جاتی ہے''(۲۳۹)

یہ بات کسی بھی باوثوق ذریعہ سے ثابت نہیں ہوئی کہ آیا زکوٰۃ کے مصارف کی مدآت وہی تھیں جو شریعت میں مقرر تھیں یا ان سے مختلف تھیں۔ حکومت عباسی کے چند میزانیوں میں بھی اس کا ذکر تفصیلاً نہ وصولی میں ہے اور نہ ہی خرچ میں۔ بس چند جگہوں میں صدقات کی وصولی لکھ دی ہے۔ جبکہ صدقات سے مراد زمینوں کی پیداوار یعنی عشر بھی مراد ہے۔ یہی حال جزیہ ومکوس کا بھی ہے(۲۴۰)۔ تاہم اس ٹیکس کے شرعی ہونے، اسلامی حکومت کے وجود اور خلفاء کی ٹیکسز کی وصولی میں دلچسپی جیسے عناصر سے یقین کیا جاسکتا ہے کہ اس کی وصول باقاعدہ اور منظم ہوتی ہوگی۔

اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ شریعت کے مطابق جانوروں کی صورت میں دی جاتی تھی جبکہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ درہم و دینار کی شکل میں دی جاتی تھی، عصر حاضر میں بھی یہی طریقہ کار ہے، اموال باطنہ کے لیے مروج کرنسی استعمال کی جاتی ہے۔ جبکہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کبھی دیکھنے یا سننے میں نہیں آئی۔ پاکستان میں مروجہ اوزان کے مطابق سونے کا نصاب ۸۷.۴۸ گرام یعنی ساڑھے سات تولے ہوتا ہے اور چاندی کا نصاب ۶۱۲.۳۲ گرام یعنی ساڑھے باون تولے چاندی ہے(۲۴۱)۔

4- عُشر

عشر بطور شرعی ٹیکس لاگو تھا۔ جس سے مراد زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔ یعنی عشر پیداوار کے اس مقررہ حصہ کا نام ہے جو زکوٰۃ کی طرح زمین کی پیداوار پر واجب ہے اور پیداوار سے ہی لیا جاتا ہے(۲۴۲)۔ لغت کے اعتبار سے عشر کے معنی دسواں حصہ (۱/۱۰) ہے۔ چونکہ اس کی شرح بالعموم کل پیداوار کا عشر (۱/۱۰) اور بعض صورتوں میں نصف عشر (۱/۲۰) مقرر ہے۔ اس لیے زکوٰۃ کی اس قسم پر عشر کا اطلاق ہوتا ہے۔

عشر کی فرضیت قرآن کی روشنی

ارشاد باری ہے:

> ''اے ایمان والو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لیے زمین سے نکالتے ہیں ان میں سے (راہ خدا) میں خرچ کرو''(۲۴۳)۔

ابو بکر جصاص کے بقول یہاں زکوٰۃ مراد ہے اور یہ حکم زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ پر لاگو ہے۔ سورۃ الانعام میں ارشاد ہوتا ہے:

"جب یہ چیزیں پھل لائیں تو ان کے پھل میں سے پھل کھاؤ اور جس دن پھل توڑو اور کھیتی کاٹو تو خدا کا حق بھی اس میں سے ادا کرو" (۲۴۴)۔

حدیث کی روشنی میں

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ :

"آپ ﷺ نے فرمایا جس زمین کو چشمے یا بارش کا پانی سیراب کرے یا وہ زمین خود بخود سیراب ہو اس میں دسواں حصہ ہے اور جسے کنویں (وغیرہ) سے پانی دیا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے" (۲۴۵)۔

عشری زمین (۲۴۶)

ایسی زمین عشری کہلاتی تھی جن کے باشندے:-

1:- مسلمان ہو جائیں ان کی زراعتی زمین۔

2:- مجاہدین اور غانمین کے حصے میں آئی ہوئی زمین۔

3:- وہ افتادہ زمین جو کسی مسلمان نے آباد کی ہو۔

4:- کسی لاوارث ذمی کی مسلمانوں کے قبضہ میں آئی ہوئی زمین۔

5:- اور عرب کی زمین

1- شرح عشر (۱/۱۰) دسواں حصہ نہری زمین پر

۱/۱۰ عشر ان زمینوں کی پیداوار سے لیا جاتا تھا جو نہر یا دریا سے سیراب کی جاتی تھیں۔ یعنی جن کے لیے زیادہ تردد نہیں کرنا پڑتا تھا۔

2- شرح عشر (۱/۲۰) چاہی زمین پر

ایسی زمینیں یا کھیت جنہیں سیراب کرنے کے لیے محنت درکار ہوتی اور کنوئیں، رہٹ وغیرہ سے انہیں سیراب کرنا پڑتا تو ان سے پیداوار کا بیسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ اسلام کے ابتدائی معاشی نظام میں نہروں کے پانی پر موجود نظام کے مطابق ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ لہٰذا عام کتب فقہ میں نہری زمین کی پیداوار پر بھی دسواں حصہ بطور عشر لیا جاتا تھا۔ اس لیے ابوداؤد کی روایت میں جو "فی السماء والعیون والانہار" (جو بارش، چشموں اور نہروں سے سیراب ہو اس کا دسواں حصہ لیا جائے گا) آیا ہے۔ اس سے وہ نہریں اور ندی نالے مراد ہیں جن کے پانی پر محصول نہیں لیا جاتا تھا۔

لیکن موجودہ دور میں نہریں اور چاہی زمینیں ایک ہی حکم میں آتی ہیں (۲۴۷)۔ کیونکہ عصر حاضر میں نہری پانی عہد عباسی کی طرح مفت دستیاب نہیں ہے بلکہ اس پر ایک مقررہ رقم ادا کرنا پڑتی ہے۔

عشر کا نصاب

امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام زفرؒ کے مطابق کھیتوں کی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں۔ بلکہ ہر پیداوار چاہے قلیل ہو یا کثیر اس پر عشر واجب ہے(۲۴۸)۔جبکہ:

> ''امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی رائے میں پیداوار ۵ وسق تک ہو جائے تو عشر واجب ہو جاتا ہے(۲۴۹) بخاری کی ایک حدیث اس کی تائید کرتی ہے(۲۵۰)اور آج تک اس پر عمل ہوتا رہا ہے''(۲۵۱)۔

عصر حاضر میں پاکستان کے قوانین زکوۃ وعشر کے ماہرین کی رپورٹ کے مطابق ۵ وسق ۹۴۸ کلو گرام کے برابر ہیں(۲۵۲)۔جبکہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اپنی کتاب ''فقۃ الزکوٰۃ'' میں بغدادی رطل کے مطابق اناج وغیرہ میں عشر کا نصاب ۶۵۲.۸ کلو گرام تقریباً ۶۵۳ کلو گرام بیان کیا ہے(۲۵۳)۔مختلف اناج مثلاً گندم، جو، چنا، دھان وغیرہ کو ملا کر ایک نصاب بنایا جا سکتا ہے(۲۵۴)۔

عشر میں معافی اور پھر دوبارہ وصولی

عشر بھی خراج کی طرح چند وجوہات کی وجہ سے معاف ہو جاتا تھا۔جیسا کہ علاقہ ''ثغر'' میں بہت سی زمینیں عشر میں معافی کی وجہ سے ''معافی کی زمینیں'' کہلاتی تھیں۔لیکن متوکل کے عہد میں چونکہ عشر کی آمدنی بہت کم رہ گئی تھی اس لیے اس نے ۲۴۳ھ میں یہ رعایت ختم کر کے تمام معافیاں باطل قرار دے دیں اور دوبارہ عشر لینا شروع کر دیا(۲۵۵)۔

5- عُشور (چنگی)

عشور ایک ٹیکس (چنگی) تھا جو تاجروں سے اس وقت وصول کیا جاتا تھا جب وہ اسلامی ریاست کی حدود میں بغرض تجارت مال لے کر داخل ہوتے۔اس کی ابتداء حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہو چکی تھی(۲۵۶)۔

عُشور کی شرح (۲۵۷)

مسلمان تاجروں سے مال کا چالیسواں حصہ (۴۰/۱)

ذمی تاجروں سے مال کا بیسواں حصہ (۲۰/۱)

حربی تاجروں سے مال کا دسواں حصہ (۱۰/۱)

عشور کا نصاب

۲۰۰ درہم یا اس سے زائد مال پر وصول کیا جاتا۔اس سے کم پر عشور (ٹیکس) لاگو نہیں ہوتا تھا۔اس طرح ۲۰ مثقال سونے کے مساوی مال پر عشور لیا جاتا اس سے کم پر نہیں۔

مدت

سال میں ایک مرتبہ لیا جاتا تھا۔ چاہے وہ اس مال کو لے کر سال میں کئی بار گزرے (۲۵۸)۔

حربی کے لیے خصوصی حکم مدت

حربی کے لیے مدت مختلف تھی۔ یعنی اگر کوئی حربی ایک بار بغرض تجارت دارالسلام میں داخل ہوتا اور عشور ادا کر دیتا لیکن پھر دارالحرب چلا جاتا اور ایک ماہ کے بعد واپس آ جاتا اور اس کے پاس ۲۰۰ درہم یا ۲۰ مثقال کے بقدر مال ہوتا تو اس سے چنگی دوبارہ وصول کی جاتی۔ اس لیے کہ دارالحرب میں داخل ہوتے ہی دارالسلام کے قوانین اس پر سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ البتہ مال نصاب سے کم ہو تو پھر عشور نہیں لیا جاتا تھا (۲۵۹)۔

عاشروں کی بدعنوانیاں

المقدسی کے مطابق حربی تاجروں کی آمدورفت اتنی زیادہ تھی کہ ایک ہی تاجر سے بعض اوقات دو یا تین تین بار بھی محصول وصول کیا جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ آمدنی اسی تجارتی محصول سے ہوتی تھی۔ لیکن یہ ساری آمدنی خلیفہ تک نہیں پہنچ پاتی تھی۔ بلکہ اس کا صرف تیسرا حصہ بیت المال میں جمع ہوتا تھا۔ حالانکہ ایک بوری گیہوں پر نصف دینار محصول لیا جاتا تھا۔ اگر ساری رقم قومی خزانہ میں جمع ہوتی تو اس کا کوئی شمار نہ ہوتا (۲۶۰)۔

مختلف اشیاء پر لیا جانے والا محصول (۲۶۱)

جدہ کے مقام پر:

ایک بوری گندم پر ۱/۲ (آدھا) دینار لیا جاتا تھا۔

دبیقی تھان پر دو (۲) دینار

شطوی کپڑے کے تھان پر تین (۳) دینار

سوف (اون) کے کپڑے پر دو (۲) دینار

زعفران کی ایک ٹوکری پر ایک (۱) دینار لیا جاتا تھا۔

اشیائے مکوس میں کپڑا، زمینی پیداوار، صنعتی اشیاء فروخت کے لیے لائے گئے غلام اور لونڈیاں وغیرہ شامل تھیں۔

یمن سے وصول ہونے والا عشور

یمن میں صرف عشور (چنگی) کی چھ لاکھ دینار آمدن تھی اور یہ یمن سے زیادہ سے زیادہ حاصل ہونے والا محصول تھا (۲۶۲)۔

حرام چیزوں پر کسٹم

عہد عباسی میں تجارت کی وسعت کے ساتھ ساتھ مختلف فقہی مسائل بھی سامنے آتے رہے۔ جیسا کہ کسٹم ڈیوٹی کے سلسلہ میں ایک سوال پیدا ہوا کہ دارالحرب کے باشندے یا ذمی جو زیادہ تر غیر مسلم تھے حرام چیزوں مثلاً سور اور شراب کا کاروبار

کرتے تھے۔ کیا ان اموال پر بھی عشور لیا جائے گا؟ اور بیت المال میں جمع کروایا جائے گا؟

اس کے جواب میں امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ:

> ”جب ذمی لوگ شراب یا سور لے کر آئیں تو ان کی قیمت وہ خود ذمی ہی لگائیں اور قیمت کے حساب سے بیسواں حصہ وصول کیا جائے۔ اسی طرح اگر دارالحرب کے باشندے شراب یا سور لے کر گزریں تو ان کی قیمت کا حساب لگا کر ان سے دسواں حصہ (عشور) وصول کیا جائے گا“ (۲۶۳)۔

اس حکم سے ظاہر ہوتا ہے کہ حرام چیزوں پر بھی ”ٹیکس“ لیا جاتا تھا۔

عشور کے لیے شرائط

1:- مال تجارت پر عشور لگتا تھا مال مضاربت پر نہیں (مضارب لیکر نہ گزرے)۔

2:- غلام، لونڈی (مکاتب) کے مال پر عشور لاگو نہیں۔

3:- ۲۰۰ درہم یا ۲۰ مثقال سے کم مال پر عشور نہیں۔

4:- تجارت کے پھلوں انگور، کھجور اور مزید تازہ پھلوں پر عشور لاگو ہوتا تھا۔

5:- مختلف دفعات کے مال کی قیمت ۱۰۰۰ درہم سے بھی زیادہ ہو تو چنگی نہیں۔

6:- مسلمان تاجروں پر چنگی کی نوعیت زکوٰۃ کی ہوتی تھی۔

7:- اور ذمی حربی پر خراج کی (۲۶۴)۔

۵۵۵ ھ میں مستنجد باللہ نے یہ ٹیکس اور دیگر ٹیکس ختم کر دیے (۲۶۵) جیسا کہ پاکستان میں بھی جون ۱۹۹۹ء میں چنگی اور ضلع ٹیکس ختم کر دیے گئے ہیں۔ جس پر یہ ٹیکس گزار حکومت کے شکر گزار ہیں اور ملازمین اسے معاشی قتل کہہ رہے ہیں (۲۶۶)۔

6- کراء الارض

یہ سرکاری زمینوں کا ٹیکس تھا جو اجرت پر کاشت کروائی جاتی تھیں۔ ایسی زمینوں سے عشر یا خراج نہیں لیا جاتا تھا صرف کراء الارض ہی لیا جاتا تھا (۲۶۷)۔ یہ زمینیں تین طرح سے سرکاری حیثیت اختیار کرتی تھیں۔

1-لاوارث زمینیں

یعنی ایسی زمینیں جن کا کوئی وارث نہیں ہوتا تھا۔ وہ بیت المال میں داخل کر لی جاتی تھیں اور پھر اجرت دے کر کاشت کروائی جاتی تھیں (۲۶۸)۔

2-مسلمانوں کے لیے وقف زمینیں

ایسی زمینیں جو لشکر کشی کے بعد حاصل ہوئی ہوں اور پھر انہیں مفاد عامہ کے لیے وقف کر دیا جاتا تھا۔ انہیں بھی اجرت پر

کاشت کروایا جاتا تھا(۲۶۹)۔

3-موات زمینیں

وہ زمینیں جو کسی کی ملکیت نہیں ہوتی تھیں اور نہ ہی وہ بستی کی کسی ضرورت کو پورا کرتی تھیں۔ ایسی زمینیں بھی حکومت کراء الارض پر کاشت کروالیتی تھی(۲۷۰)۔

7-مال غنیمت

حکومت عباسی کا ایک ذریعہ آمدن مال غنیمت بھی تھا(۲۷۱)۔ یہ مال غنیمت حکومت کی ملکیت ہوتا۔ اس میں سے فوجیوں وغیرہ کا حصہ بوجہ حکمت ختم کر دیا گیا تھا اور حکومت اس کو استعمال میں لانے کی مجاز تھی۔ غنائم میں وہ تمام چیزیں شامل ہوتی تھیں جو مسلمان بلاد مشرکین کو فتح کر کے اور جنگ و جہاد کے ذریعے حاصل کرتے تھے۔ خواہ وہ نقدی کی صورت میں ہوتیں یا اراضی کی صورت میں یا ساز و سامان ہوتا یا کوئی بھی اور چیز۔

شرعی نقطہ نگاہ سے مال غنیمت سے مراد وہ ساز و سامان اسلحہ اور مویشی ہیں جو مسلمان اہل شرک کی فوجوں سے حاصل کریں(۲۷۲)۔ دراصل مال غنیمت ایک اتفاقی آمدنی یا لوٹ ہے جو میدان جنگ میں بزور حاصل ہوتی ہے۔ فقہاء نے اس کی چار قسمیں بیان کی ہیں(۲۷۳)۔

(1) اسری (2) سبی (3) اموال (4) اراضی

1-اسریٰ

''وہ لڑنے والے کفار مرد جنکو مسلمان زندہ گرفتار کر لیں''(۲۷۴)۔

ان جنگی قیدیوں کا قتل کرنا، غلام بنانا، فدیہ پر چھوڑنا یا احسان کرتے ہوئے چھوڑنا خلیفہ کے اختیار پر منحصر ہوتا تھا(۲۷۵)۔ عہد عباسی میں انہیں مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں چھوڑا جاتا تھا(۲۷۶)۔ جو بچ جاتے یعنی بقایا رہ جاتے انہیں فروخت کر دیا جاتا(۲۷۷) یا پھر غلام بنا کر رکھ لیے جاتے(۲۷۸)۔

2-سبی

سبی سے مراد اسیر عورتیں اور نابالغ بچے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کی ممانعت کی ہے(۲۷۹)۔

انہیں لونڈی اور غلام بنالیا جاتا تھا اور پھر فدیہ یا تبادلہ میں چھوڑا جاتا تھا(۲۸۰)

3-اموال

مال منقولہ عام غنیموں کے حکم میں ہیں(۲۸۱)۔

بعض اوقات اتنا مال غنیمت آجاتا کہ ارزانی ہو جاتی تھی۔ مثلاً ۱۶۵ھ میں روم پر ہارون نے جب چڑھائی کی تو اتنا مال غنیمت ہاتھ آیا کہ ملک میں ارزانی ہو گئی۔ ایک گھوڑا ایک درہم میں اور خچر دس درہم سے بھی کم میں ملنے لگا۔ زرہ ایک

درہم سے بھی کم اور بیس تلواریں ایک درہم میں ملنے لگیں۔ اسی طرح خلیفہ معتصم نے عموریہ کی فتح کے بعد مال غنیمت کو پانچ دن تک فروخت کیا۔ باقی ماندہ جلا کر واپس آ گئے۔ جبکہ ۱۷۸ھ میں ابراہیم نے جب کابل فتح کیا تھا تو بے شمار مال غنیمت ملا۔ سات کروڑ درہم وصول ہوئے۔ جن میں چار کروڑ خراج کے تھے(۲۸۲)۔

4-اراضی

غنیمت میں تین طرح کی زمینیں آتی تھیں(۲۸۳)۔

1:- جبراً قہراً قبضہ میں آئیں اور کفار کو قتل، قید یا جلاوطن کر دیا جائے۔

2:- لڑے بنا کفار کے بھاگ جانے کی وجہ سے ہاتھ آئے(فئی)

3:- مصالحت کے ساتھ شرائط کے ساتھ قبضہ کریں اور زمین دشمنوں کے پاس ہی رہنے دی جائے اور اس کا خراج ادا کرتے رہیں۔

اس کی مزید دو اقسام ہیں:-

(ا) اگر شرط یہ ہو کہ زمین کفار کے قبضہ میں ہی رہنے دی جائے تو کفار اس کا خراج ادا کریں گے۔ یہ زمین کا کرایہ ہوگا۔ اگر کفار مسلمان ہو جائیں یا زمین مسلمانوں کے پاس چلی جائے تو بھی خراج ہی لیا جائے گا۔

(ب) اگر شرط یہ ہو کہ زمین کفار کی ملکیت ہے۔ لہٰذا انہی کے پاس رہنے دی جائے۔ حکومت خراج لیتی جائے۔ یہ جزیہ سمجھا جائے گا۔ جب کفار مسلمان ہو جائیں تو یہ ساقط ہو جائے گا۔ رہن اور بیع کی جا سکتی ہے۔ کسی مسلمان کو منتقل ہو جائے تو خراج نہیں لیا جائے گا۔

لڑے بنا زمین چھوڑ کر بھاگ جائیں؟

اس پر دائمی خراج بطور اجرت لیا جائے گا جو مسلمانوں کی مصالح کے لیے ہوگا۔ اس کی بیع جائز نہ ہو گی۔

مصالحت کے ساتھ قابض رہیں؟

مصالحت اس شرط پر ہو جائے کہ زمین مشرکین کی ہی ملکیت رہے گی اور وہ خراج ادا کریں گے۔

اس کی دو قسمیں ہیں

(الف) بوقت مصالحت زمین کی ملکیت ہمیں دے دیں۔

1:- یہ زمین مسلمانوں پر وقف ہو گی۔

2:- اس کا خراج بطور اجرت ہوگا۔

3:- مسلمان ہو جائیں تو ساقط نہ ہوگا۔

4:- اس کی بیع نہ ہو سکے گی۔

5:- جب تک صلح کے پابند رہیں گے زمین کے حقدار رہیں گے۔

6:- ان سے چھین کر دوسروں کے حوالہ نہ کی جائے گی خواہ وہ

7:- مسلمان رہیں یا مشرک

8:- اگر وہاں رہ کر متوطن ذمی بنا چاہیں تو اس زمین کے خراج کی وجہ سے جزیہ ساقط نہ ہوگا۔

(ب) اس کی ملکیت اپنے لیے رکھیں اور خراج دینے پر صلح کر لیں۔

1:- یہ خراج بحکم جزیہ ہوگا۔

2:- اسلام لانے سے ساقط ہو جائے گا۔

3:- آپس میں بیع کرنے سے (ذمی اور ذمی) زمین خراجی رہے گی

4:- اور مسلمانوں سے بیع کرنے سے خراج ساقط ہوگا۔

مال غنیمت کا خمس

شرعی نقطہ نگاہ سے مال غنیمت کا خمس (پانچواں حصہ ۱/۵) بیت المال کا حق ہے تا کہ انہیں ان مصارف پر استعمال کیا جائے جو حق تعالی نے مقرر کر دیئے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

> "جان لو کہ مال غنیمت کے طور پر جب تم کوئی چیز حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے، رسول کے لیے، ذوی القربی، یتیم، مسکین اور مسافر کے لیے ہے"(۲۸۴)۔

اسلام کے ابتدائی ایام میں رسول اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور حضرت عمرؓ کے دور تک یہ تقسیم جاری رہی۔ لیکن بعد میں صحابہ کرام کے مشورہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کو ختم کر دیا گیا(۲۸۵) اور چونکہ فوج بھی باقاعدہ تنخواہ یافتہ ہو گئی تھی اس لیے مال غنیمت سارا مسلمانوں کی بھلائی کے لیے وقف ہو گیا(۲۸۶)۔

عہد عباسی میں بھی غالباً مال غنیمت صرف مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس کا کہیں ثبوت نہیں ملا۔ البتہ امن کے دور میں مجاہدین کے کہنے پر جہاد سے واپسی پر مال مجاہدین میں تقسیم کیا گیا جو کہ فی کس چھ چھ دینار آئے۔ جو کہ اس وقت ایک بڑی رقم تھی(۲۸۷)۔

اسی طرح معتصم نے جب ۲۲۳ھ میں عموریہ فتح کیا تو سارا مال غنیمت جمع کیا جو لایا جا سکا ساتھ لے آیا باقی جلا ڈالا۔ انسانی قتل عام کیا۔ جو بچے انہیں غلام بنا لیا۔ رقم میں ایک لاکھ سولہ ہزار دینار ملے۔ جو اس نے فوج میں تقسیم کر دیئے۔ فوج کی تعداد اسی ہزار تھی اس نے چوالیس ہزار دینار خود سے ڈال کر فوج کو دیئے(۲۸۸)۔

فوج کی تعداد	=	۸۰ ہزار
موجود رقم	=	۱۱۶۰۰۰ دینار
مزید درکار رقم	=	۴۴۰۰۰ دینار

اس طرح چوالیس ہزار دینار خود سے ڈال کر فوج میں تقسیم کیے گئے۔

مال غنیمت کی وسیع پیمانے پر اور شرعی تقسیم حقیقت میں عہد نبویؐ اور خلفائے راشدین کے دور میں ہی نظر آتی ہے۔

اموال غنیمت فوج میں تقسیم نہ کرنے کی حکمت عملی

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں صحابہ کرام کے مشورہ سے ہی مال غنیمت میں آئی ہوئی زمین کو خمس میں تقسیم نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ بتائی کہ اگر ان علاقوں کو مجاہدین میں تقسیم کر دیں گے تو سرحدی علاقوں کوفہ، بصرہ، شام، یمن، وغیرہ میں دفاعی صورت میں چھاؤنیوں میں فوج کے اخراجات کہاں سے پورے ہونگے۔ جبکہ وہاں فوج رکھنا ضروری ہے، اس لیے انہوں نے جب مال غنیمت میں کہیں زمین پائی تو اسے انہیں کے پاس رہنے دی اور ان سے خراج لینا منظور کیا(۲۸۹)۔
اسی طرح عہد عباسی میں بھی چونکہ فوج کو باقاعدہ تنخواہ، انعامات، صلہ جات، عطایا اور بخشش وغیرہ اکثر اوقات دی جاتی تھی اس لیے غنیمت میں سے باقاعدہ حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ اس طرح تمام مال غنیمت جن میں زمینیں بھی شامل تھیں حکومت کے پاس ہی رہتا تھا جن سے حکومت کو خراج حاصل ہوتا تھا(۲۹۰) جیسا کہ آج کل پاکستان اور دیگر مسلم ممالک میں بھی چونکہ فوج کی تنخواہ اور بھرپور مراعات وسہولیات میسر ہوتی ہیں اس لیے مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا جاتا۔ ویسے بھی عصر حاضر میں بارود کی جنگ ہوتی ہے جس میں سب کچھ تباہ ہو جاتا ہے۔ البتہ کبھی کبھار فوجی ساز وسامان اور زمین وغیرہ قبضہ میں آجاتی ہے۔

8- خمس

(1)- معاون کا خمس (5/1) (پانچواں حصہ)

زمین کے وہ حصے جن میں اللہ تعالیٰ نے دھاتیں، جواہر اور دوسری قسم کی اشیاء پیدا کی ہیں کانیں یا معاون کہلاتے ہیں(۲۹۱)۔ ان میں سے کچھ ظاہری اور کھلے طور پر نظر آنے والی پیداوار ہوتی ہے۔ مثلاً سنگ مرمر، نمک، تارکول وغیرہ، اور کچھ پوشیدہ پیداوار ہوتی ہے جو زمین کی تہہ کے اندر پوشیدہ ہوتی ہے جس کو نکالنے کے لیے جان جوکھوں میں ڈالنا پڑتی ہے۔ مثلاً سونا، چاندی، جواہرات، تانبا، فیروزہ اور دیگر دھاتیں وغیرہ(۲۹۲)۔
خوش قسمتی سے سلطنت عباسی ان معادن سے مالا مال تھی۔ پورے ملک میں ایسے علاقے موجود تھے جو ان نعمتوں سے بہرور تھے(۲۹۳)۔

اہم معدنیات اور ان کے علاقہ جات

سونا(۲۹۴)

ماوراء النہر، دخان، بحر فارس کے مقام عیذاب میں بتم، ایلاق، فرغانہ

چاندی(۲۹۵)

خراسان کے باذغیس، جبل الفضہ، پنجہیر کے مقام پر، ماوراء النہر، دخان، بتم، ایلاق، فرغانہ

سیسہ(۲۹۶)

بلاد فارس میں جو مة ہزد کے مقام پر، ایلاق

لوہا(۲۹۷)

ماوراء النہر، ایلاق

نوشادر(۲۹۸)

بتم

جواہرات(۲۹۹)

عدن، یمن

عباسی عہد کو خدا کی طرف سے ودیعت کیے گئے ذخائر سے جہاں خلق خدا انفرادی طور پر خود روزگار حاصل کرتی تھی وہاں اس سے سب کا مشترکہ بیت المال بھی خمس کی صورت میں رقم حاصل کر کے انہی کی فلاح پر خرچ کرتا تھا۔ لہٰذا ان تمام باطنی معدنیات کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ بجہ کی سونے اور جواہرات کی کانوں سے پانچواں حصہ لیا جاتا تھا(۳۰۰)۔ اسی طرح نیشاپور کی فیروزہ کی کانوں سے چوتھی صدی ہجری میں سات لاکھ اٹھاون ہزار سات سو بیس (۷۵۸۷۲۰) درہم حاصل کیے جاتے تھے(۳۰۱) اور فارس کے بوشنج کے معدنی ذخائر سے نواسی ہزار ایک سو چون (۸۹۱۵۴) درہم بطور خمس بیت المال میں جمع ہوتے تھے(۳۰۲)۔

فقہاء اس خمس کو بھی صدقات میں شمار کرتے ہیں اور اس کے مصارف بھی صدقات والے شرعی مصارف ہی جائز سمجھتے ہیں(۳۰۳)۔

2-صیدالبحر (سمندر اور دریاؤں کی پیداوار کا حاصل)

وہ چیزیں جو سمندر کی گہرائی سے نکلتی ہیں(۳۰۴)۔

ہارون الرشید نے امام ابو یوسف کے مشورہ سے اس کے محصول کو باقاعدہ بنایا(۳۰۵)۔

لوگوں کا ذریعہ معاش تھا۔ بلکہ ان چیزوں کی بہت وسیع پیمانے پر تجارت ہوتی تھی۔ حکومت اس میں سے پانچواں حصہ (خمس) وصول کرتی تھی۔

مراکز

1:- شمالی افریقہ کے سواحل پر دریا کے اندر مونگوں کی کانیں تھیں اور یہ اتنے زیادہ ہوتے تھے کہ ایک ہی جگہ سے پچاس یا اس سے زائد ڈونگیاں بھر لی جاتی تھیں اور ایک ڈونگی میں بیس رطل مونگے سماتے تھے(۳۰۶)

2:- عدن اور مخا کے ساحلوں پر عود، مشک اور عنبر پایا جاتا تھا(۳۰۷)۔

3-رکاز

لغوی معنی کے اعتبار سے رکاز کا مطلب ''دفینہ'' ہوتا ہے لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ :

''رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ رکاز وہ سونا اور چاندی ہے جو اللہ تعالیٰ نے خلقی طور پر زمین کے اندر ودیعت کر دیا ہے (۳۰۸)۔

امام ماوردی ''الاحکام السلطانیہ'' میں فرماتے ہیں کہ :

''رکاز وہ مال ہے جو زمانہ جاہلیت کا مضروب ہو اور کسی بیکار زمین یا راستے میں مدفون ہو۔ یہ مال پانے والے کی ملک ہے۔ اس میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا ہے جو مصارف زکوۃ میں خرچ کیا جائے (۳۰۹)''

ان دونوں مفاہیم سے ظاہر ہے کہ رکاز سے مراد چھپی ہوئی چیز ہے جو اسے پائے اس کا پانچواں حصہ بیت المال کو ادا کرے۔ عباسی عہد میں بھی کانوں میں سے پائی گئی چیزوں کا خمس ادا کیا جاتا تھا اور دفینوں کا بھی۔

9-اعشار السفن البحر (جہازوں کا محصول)

یہ ایک اہم ٹیکس تھا۔ جس سے بہت زیادہ آمدنی بیت المال میں شامل ہوتی تھی۔ ۲۳۲ھ میں واثق نے یہ محصول معاف کر دیا تھا (۳۱۰)۔ یہ ٹیکس ان جہازوں پر لیا جاتا تھا جو بعض سرحدی مقاموں سے گزرتے تھے۔

ٹیکس کی شرح فیصد

جہازوں کا مجموعی بار کردہ مال میں سے دسواں حصہ نقد یا اصل جنس کی صورت میں لیتے تھے۔

اصل جنس کی وصولی

یمن کے عامل اس ٹیکس کو ان جہازوں سے وصول کرتے تھے جو ہندوستان سے آتے ہوئے ان سواحل سے گزرتے تھے۔ ان جہازوں پر طرح طرح کی خوشبودار لکڑیاں مثلاً عود، صندل، مشک کافور، عنبر اور دار چینی وغیرہ ہوتی تھیں۔ اسی لیے عمال یمن ان جہازوں کا ٹیکس اصل جنس کی صورت میں لیا کرتے تھے (۳۱۱)۔

10- مستغلات (بلدیاتی ٹیکس)

مستغلات سے مراد وہ آمدنی ہے جو سرکاری زمینوں (نزول) پر بنائے جانے والے بازار، مکانوں اور پن چکیوں سے وصول کی جاتی تھی اور ان کے بنانے والے اشخاص سرکار کو زمین کا معمولی سا کرایہ دیا کرتے تھے۔ مثلاً فتوح البلدان میں ہے کہ :

''منصور نے الکرخ کی جگہ مجمع الاسواق (چوک) بنوایا اور تاجروں نے اس کے حکم سے دکانیں بنائیں جن کی زمین کا ان سے غلہ لیا جاتا تھا''۔

اسی طرح فارس میں عمارتوں، بازاروں اور منڈیوں کے اس ٹیکس سے ۲۶۴ھ میں ایک کروڑ انیس لاکھ درہم سالانہ وصول ہوتے تھے (۳۱۲)۔

بغداد کی سالانہ آمدنی مستغلات

اس مد سے سالانہ بہت زیادہ آمدنی ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ صرف بغداد کے ایسے بازاروں، مکانوں، پن چکیوں اور ٹکسال کی توفیروں کی مجموعی آمدنی ۱۵۰۰،۰۰۰ درہم سالانہ ہوتی تھی۔

سامرہ کی سالانہ آمدنی مستغلات

اسی طرح سامرہ اور اس کے بازاروں کے غلات اور مستغلات ۱۰،۰۰۰،۰۰۰ درہم سالانہ تک پہنچ گئے تھے۔

مستغلات کی وصولی میں رعایت ونرمی

حکومت ٹیکس لینے میں بہت سختی نہیں کرتی تھی بلکہ اگر مناسب وجہ ہوتی تو اس میں کمی یا پھر معاف کر دیتی تھی۔ جیسا کہ رشید نے کفربیا (گاؤں) بنوایا۔ مامون کے دور میں وہاں کے لوگوں نے اس غلہ (ٹیکس) کی شکایت کی جو ان کی منازل (گھر) پر مقرر تھا۔ اس نے یہ (غلہ) ٹیکس ساقط کر دیا (۳۱۳)۔

11- تاوان جنگ

عباسی سلطنت کی طاقت وقوت کی ہیبت کی وجہ سے اس وقت کی بڑی بڑی حکومتیں بھی اُس کو میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ کرتی تھیں اور اگر کبھی کوئی حکومت اس طرح کی حماقت کر لیتی تو اسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا تھا۔ جیسا کہ شاہ روم نقفور سے ہرقلہ کی تباہی کے بعد ہارون الرشید نے اس شرط پر صلح کی کہ وہ اس تباہ شدہ شہر کو دوبارہ تعمیر کرنے کی کوشش نہ کرے گا اور تین لاکھ دینار بطور تاوان جنگ عباسی حکومت کو ادا کرے گا (۳۱۴)۔

12- ضرائب ونوائب (ہنگامی ٹیکس)

بعض اوقات ایسے ٹیکس لگا دیئے جاتے تھے جن کا پہلے وجود نہ ہوتا تھا۔ یعنی وہ مقررہ اور عام رائج ٹیکس نہ ہوتے بلکہ ہنگامی طور پر کبھی کبھار بوقت ضرورت ایسے ٹیکس لاگو کر دیئے جاتے تھے مثلاً:

کوفہ میں خندق کی تعمیر کے لیے عائد شدہ ٹیکس

۱۵۵ھ میں منصور نے کوفہ و بصرہ کے گرد خندق اور فصیل بنانے کا فیصلہ کیا اور اخراجات کے لیے اہل شہر سے رقم اکٹھی کی۔ اس نے پہلے فی کس پانچ درہم عائد کئے۔ جب تمام آبادی کی تعداد معلوم ہوگئی تو چالیس درہم اخراجات کے حساب کے مطابق عائد کر دیئے اور انہی پیسوں سے فصیل اور خندق بنائی گئی اس واقعہ پر ایک شاعر نے دل کی بھڑاس اس طرح نکالی کہ:

بالقومی مالقینامن امیر المؤمینا
قسم الخمسة وجیانا الابعینا

(ترجمہ : امیر المؤمنین نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے کہ پانچ درہم عائد کئے اور چالیس چالیس وصول کیے)(۳۱۵)۔

حاجیوں سے ٹیکس

۳۲۷ھ میں ابو علی عمر بن یحییٰ نے اپنے دوست قرمطی کو لکھا کہ حاجیوں کا راستہ کھول دے اور ہر حاجی سے فی شتر پانچ دینار محصول لے کر حج کی اجازت دے دے۔ یہ پہلا حج ہے جس میں حاجیوں سے ٹیکس وصول کیا گیا۔(۳۱۶)

13-اموال فاضلہ

بیت المال کی مقررہ آمدنی کی مدات کے علاوہ جو متفرق ذرائع سے اس میں آمدنی جمع ہوتی اسے اموال فاضلہ کہا جاتا تھا۔ یہ ذرائع حسب ذیل ہوتے تھے۔

1-لاوارث مال (لقطہ)

ایسا مال جس کا طویل عرصہ تک کوئی مالک یا دعوے دار نہ ہوتا وہ بیت المال کی ملکیت تصور کیا جاتا تھا(۳۱۷)۔

2-لاوارث زمینیں (ترکے)

لاوارث مال کی طرح لاوارث زمین، کھیت، باغات، درخت وغیرہ کا بھی اگر کوئی مالک یا وارث نہ ہوتا تو وہ بھی بیت المال کا حق ہوتا(۳۱۸)۔

3-بازیافتہ اموال مسروقہ

چوروں وغیرہ سے جو مال، ساز و سامان اسلحہ اور نقدی وغیرہ برآمد ہوتی وہ اس شہر کے والی کے پاس جمع کروادی جاتی تھی اور کوشش کی جاتی تھی کہ اصل مالک مل جائے۔ جب عرصہ دراز تک مالک نہ ملتا تو اکثر ایسا ہوتا کہ والی ہی مال ہضم کر جاتے لیکن امام ابو یوسفؒ نے ہارون الرشید کو کہا کہ والیوں سے یہ مال لے کر فروخت کیا جائے اور رقم بیت المال میں جمع کروادی جائے(۳۱۹)۔

4- کمند بازوں، ٹھگوں کا لوٹا ہوا مال

ان سے جو لوٹا ہوا مال برآمد ہوتا اس کے لیے بھی وہی حکم تھا کہ جو بازیافتہ مسروقہ مال کا تھا(۳۲۰)۔

5-بازیافتہ مفرور غلام اور لونڈیاں

ہر ملک میں بہت سے مفرور غلام اور لونڈیاں پائی جاتی تھی۔ انہیں قید میں رکھا جاتا تھا۔ اگر طویل عرصہ تک ان کا کوئی آقا یا مالک نہ آتا تو ان کا رجسٹروں وغیرہ میں اندراج کر کے فروخت کر دیا جاتا اور رقم بیت المال میں جمع کروادی جاتی

تھی(۳۲۱)۔

6-مصادرات (قرقی و جرمانے)

بیت المال کا ایک ذریعہ آمدن قرقی اور جرمانے بھی تھا۔ یعنی جب سرکاری ملازم یا حکومت کا کارندہ خیانت بددیانتی یا کوئی جرم کرتا تو سزا کے طور پر اس کا مال اسباب و جائیداد ضبط کر لی جاتی اور اسے وسیع پیانے پر جرمانے کیے جاتے۔ بعض اوقات خلفاء اپنی ناراضگی کا عتاب بھی قرقی و جرمانوں کی صورتوں میں نازل کرتے۔ یہ تمام مال واسباب اور رقم وغیرہ بیت المال میں جمع کر دی جاتی تھی جہاں سے اسے مختلف مقاصد کے لیے خرچ کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ خلیفہ منصور نے خالد برمک کو تیس لاکھ جرمانہ کیا اور اسے تین دن کی مہلت دی بصورت دیگر قتل کا حکم دے دیا۔ جبکہ وہ ستائیس لاکھ جمع کروا سکا تین لاکھ موصل کے حالات میں ابتری پیدا ہونے کی وجہ سے معاف کر دیئے گئے (۳۲۲) اس کے علاوہ تمام مال و دولت اور عراق کی تمام جاگیروں پر قبضہ کر لیا(۳۲۳)۔

والی بصرہ محمد بن سلیمان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ بہت خائن اور بددیانت انسان ہے اور روزانہ ایک لاکھ درہم مختلف حیلوں سے کما لیتا ہے(۳۲۴)۔ ۱۷۳ھ میں اس کی وفات ہوئی تو ہارون الرشید نے اس کے تمام مال واسباب پر قبضہ کر لیا جن میں گھوڑے، اونٹ دیگر چوپائے، غلہ، قالین، عطریات، جواہرات اور دیگر تمام گھر کا سامان شامل ہے۔ یہ تمام اشیاء بیت المال میں متعلقہ شعبہ میں جمع کروا دی گئیں۔ اس کے علاوہ نقد رقم جو کہ چھ کروڑ درہم وہ خلیفہ نے اپنے ندیموں اور مصاحبوں میں چیکوں کی صورت میں بانٹ دی اور غیر منقولہ جائیداد جو اھواز میں تھی وہ اپنے صرف خاص کے لیے رکھ لی(۳۲۵)۔

۱۹۴ھ میں والی خراسان علی بن عیسی کو لوگوں کی شکایت پر معزول کیا گیا تو اس کے گھر کا مال اسباب ہر قیمتی چیز سوائے کاٹھ کباڑ کے قرق کر لی گئی یہاں تک کہ اس کے گھر کی عورتوں سے تمام زیوارت تک اتروا لیے گئے۔ ایک معمولی انگوٹھی یا پازیب جس کی قیمت دس درہم تک بھی ہوتی تھی وہ بھی نہ چھوڑی۔ سب سرکاری خزانے میں جمع کروا دی گئی۔ ایک اندازے کے مطابق تمام ضبط شدہ جائیداد کی مالیت آٹھ کروڑ تھی (۳۲۶)۔

۲۲۰ھ میں واثق باللہ نے اپنے اہلکاروں کو قید کر دیا اور ان کے ذمہ بہت سا روپیہ عائد کیا جو انتہائی سختی سے کوڑے مار مار کر وصول کیا گیا(۳۲۷) مثلاً۔

1:- احمد بن اسرائیل کو روزانہ دس کوڑے مارے جاتے اس طرح ایک ہزار کوڑے مارے گئے اور اسی ہزار دینار وصول کیئے۔

2:- سلیمان بن وہب ایتاخ کے میر منشی سے چار لاکھ دینار۔

3:- حسن بن وہب سے چودہ ہزار دینار۔

4:- احمد بن الخصیب اور اس کے ماتحت اہلکاروں سے دس لاکھ دینار۔

5:- ابراہیم بن رباح اور اس کے ماتحت منشیوں سے ایک لاکھ دینار۔

6:- نجاح سے ساٹھ ہزار دینار۔

7:- اور ابوالوزیر سے ایک لاکھ چالیس ہزار دینار وصول کیے۔
عاملوں کو ان کی خدمت کے نذرانے میں جو انہوں نے وصول کیا ہوا تھا وہ ان رقموں کے علاوہ وصول کیا گیا۔

عہد متوکل میں قرقی و جرمانے

۲۳۳ھ میں متوکل نے اپنے اہلکاروں پر ان کی بدعنوانیوں وغیرہ کے سلسلہ میں معصادرات قائم کی۔ درج ذیل مختلف لوگوں سے قرقی اور جرمانے اس طرح وصول کیے (۳۲۸)۔

وزیر ابن زیات سے

اس کے گھر کا سارا سامان، سواریاں، جانور، لونڈیاں، غلام اور تمام جائیداد قرق کی۔

عمر بن فرج سے

اس سے ۹۹ ہزار دینار قالین وغیرہ سولہ اونٹوں پر لاد کر چالیس ہزار دینار کے جواہرات اور پچاس اونٹوں پر گھر کا دیگر مال اسباب اور فرش وغیرہ لاد کر لایا گیا۔ ۱۰۰ لونڈیاں بھی قرق کی گئیں۔

عمر بن فرج کے بھائی محمد بن فرج سے

ڈیڑھ لاکھ دینار۔

ابراہیم بن جنید نصرانی سے

اس نے سرکاری مال سے ستر ہزار دینار غبن کیا جو اسے مار مار کر نکلوایا۔

ابوالوزیر سے

ابوالوزیر سے تقریباً ساٹھ ہزار دینار، درہم کے کئی توڑے، زیور، مصر کے سامان میں سے ۶۲ جامدان، بہت سے قالین اور بتیس غلام خیانت کے باعث قرق کیا۔
اس کے علاوہ اس کے رشتہ داروں سے ستر ہزار دینار وصول کیے اور تمام جائیدادیں قرق کر لیں۔
۲۴۴ھ میں متوکل نے بختیشوع طبیب سے ناراض ہو کر اس کا سارا مال و اسباب ضبط کر لیا۔ جن میں ۴ ہزار طلائی تاروں کے پاجامے، املاک، لکڑی، کوئلہ، شراب اور دیگر خزانے وغیرہ شامل تھے (۳۲۹)۔
الغرض جو لوگ سرکاری روپیہ میں خیانت کرتے۔ غبن ہوتا یا رشوت یا نذرانے کی صورت میں جو بھی وصول کرتے وہ اکثر خلفاء ان سے نکلوا کر واپس عوامی خزانے میں جمع کروا دیتے۔ یا کبھی کبھار خزانے میں ہونے سے پہلے ہی خود جہاں مناسب سمجھتے خرچ کر دیتے (۳۳۰)۔

□♦□♦□

باب سوم

حواشی و مآخذ

(۱) عہد عباسی میں خراج کے موضوع پر کئی تصانیف منظر عام پر آئیں۔ جن میں سے چند ایک کے نام الفہرست اور دوسرے ماخذوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلی تصنیف کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے جو کہ کتابوں کی تفصیل کے ساتھ ساتھ بیان کر دیا ہے۔ مزید یہ کہ تمام کتابیں عصر حاضر میں ناپید ہیں۔ صرف امام ابو یوسفؒ، یحیٰی بن آدم اور ابن قدامہ بن جعفر کی کتابیں موجود ہیں۔ بلکہ ابن قدامہ بن جعفر کی کتاب کا کچھ حصہ ہی محفوظ ہے زیادہ تر تلف ہو چکا ہے۔

درج ذیل فہرست کتاب الخراج کے عنوان سے لکھی جانے والی کتابوں کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس موضوع پر کتنی اہمیت دی گئی۔ کچھ کتابیں مختلف خلفاء کی درخواست پر لکھی گئیں جیسا کہ خلیفہ مہدی، خلیفہ ہارون الرشید اور المعتدی وغیرہ کی درخواست پر۔

یہ تفصیل "الفہرست" سے مرتب کی گئی ہے لیکن اس میں صرف پندرہ کتابوں کا ذکر ہے۔ مزید تفصیل کتاب الخراج (امام ابو یوسف) کے مترجم جناب نجات اللہ صدیقی کی کتاب اسلام کا نظام محاصل کے مقدمہ سے لی گئی ہے۔ جس کے بارے میں مترجم (۱) خود فرماتے ہیں کہ:

"خراج کے موضوع پر تاریخ میں متعدد کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ جبکہ حاجی خلیفہ نے صرف پانچ (۲) اور ابن الندیم نے الفہرست میں (۳) پندرہ کا ذکر کیا ہے۔ ان ناموں کو جو الفہرست کے علاوہ ملتے ہیں ڈاکٹر اے بن شمس (۴) نے یحیٰی بن آدم القرشی کی کتاب الخراج کے انگریزی ترجمہ کے مقدمہ میں یکجا کر دیا ہے۔ انہوں نے معجم البلدان (یاقوت) الفخری اور تاریخ الطبری وغیرہ ماخذ سے مزید ناموں کی یہ فہرست اسی مقدمہ سے نقل کی ہے"۔

(۱) نجات اللہ صدیقی، مقدمہ، اسلام کا نظام محاصل، چراغ راہ کراچی، ۱۹۶۶ء

(۲) حاجی خلیفہ، کشف الظنون، مطبعۃ العالم ۱۳۱۱ھ، ۲: ۷۵

(۳) اے، بن شمس، اسلامک ٹیکسیشن، لیڈن، ۱۹۵۸ء، ۳-۶

(۴) الفخری،، ۱۳۴، الفہرست، ۸۹، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۸۸، ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۱۷

خراج کے موضوع پر مختلف تصانیف

(1) کتاب الخراج: معاویہ بن عبید اللہ بن یسار الاشعری (م ۱۷۰ھ/۷۸۶ء)

خراج کے موضوع پر پہلی تصنیف

عہد: تیسرے عباسی خلیفہ المہدی کا وزیر تھا۔ اس کتاب کا ذکر "الفہرست" میں نہیں ملتا۔ لیکن معجم الادباء (جلد ۶ ص ۱۱) اور طبری میں ملتا ہے۔

(2) کتاب الخراج: قاضی ابو یوسف یعقوب ابن ابراہیم

عہد: ہارون الرشید کے عہد میں اس کی فرمائش پر لکھی گئی۔

ترتیب: زمانی ترتیب کے لحاظ سے یہ دوسرے نمبر پر آتی ہے۔

(3) الفہرست میں ایک عالم خصوبیہ کا بھی ذکر ہے۔ جس نے خراج کے موضوع پر سب سے پہلی تالیف کی ہے۔ ڈاکٹر اے بن شمس کی رائے ہے کہ مصنف کا نام غلط درج ہو گیا ہے اور یہ دراصل معاویہ بن عبداللہ کی کتاب کا ذکر ہے۔

(4) کتاب الخراج: یحییٰ بن آدم القرشی (م ۲۰۳ھ/۸۱۸ء)

عہد: مامون الرشید کے زمانے میں مرتب کی گئی۔

(5) ابوعلی حسین بن زیاد اللولوئی (م ۲۰۴ھ/۸۱۹ء)

امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد تھے۔ ان سے بھی ایک کتاب الخراج منسوب کی جاتی ہے۔

(6) ابوعثمان عمرو بن بحر بن محبوب الجاحظ (م ۲۵۵ھ/۸۶۹ء)

کتاب: رسالۃ ابی النجم بالخراج

(7) قاضی احمد بن عمر الشیبانی الخصاف (م ۲۶۱ھ/۸۷۵ء) مشہور فقیہ اور قاضی

کتاب: کتاب الخراج للمہتدی

عہد: عباسی خلیفہ المہتدی کے حکم پر مرتب کی۔

(8) ابوالعباس احمد بن محمد بن سلیمان بن بشر الکاتب (م ۲۷۰ھ/۸۸۴ء)

کتاب: کتاب الخراج الکبیر

(9) بوالعباس احمد بن محمد بن عبدالکریم (م ۲۷۰ھ/۸۸۳ء)

کتاب: الخراج

ڈاکٹر اے بن شمس کا خیال ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر نمبر ۸ میں کیا گیا ہے۔

(10) ابوسلیمان داؤد بن علی بن داؤد بن خلف الاصبہانی (م ۲۷۰ھ/۸۸۴ء)

کتاب: کتاب الخراج

یہ ظاہری مکتبہ فکر کے امام تھے۔

(11) ابن قدامہ بن جعفر بن قدامہ بن زید (م ۳۳۷ھ/۹۴۸ء)

کتاب: کتاب الخراج وصنعۃ الکتابت

(12) ابوالقاسم عبیداللہ بن احمد بن کلواذانی

کتاب: کتاب الخراج (دو نسخے تھے۔ ۳۲۶ھ اور ۳۳۶ھ میں شائع ہوئے)

عہد: عباسی خلیفہ المقتدر (۲۹۲ھ/۹۰۴ء تا ۳۲۰ھ/۹۳۲ء) کا وزیر اور دیوان سواد کا مہتمم تھا۔

(13) ابوالحسن علی بن حسن المعروف بابن الماشطہ

کتاب: کتاب الخراج

عہد: المقتدر عباسی خلیفہ

(14) ابوالحسن علی بن واصف الکاتب

کتاب: کتاب الافصاح والتثقیف فی الخراج ورسومہ

(15) عبدالرحمٰن بن عیسیٰ (وزیر خلیفہ المتقی)

کتاب: اہل الخراج، ایک اور کتاب الخراج لکھنی شروع کی گئی مگر مکمل نہ ہو سکی۔

عہد: خلیفہ المتقی (۳۲۹ھ/۹۴۱ تا ۳۳۳ھ/۹۶۶ء

(16) اسحٰق بن یحییٰ بن سریج النصرانی الکاتب (ابن مریم کا معاصر) نے دو کتابیں لکھیں:

۱۔ کتاب الخراج الکبیر، (دو جلدیں اور ایک ہزار صفحات)

۲۔ کتاب الخراج الصغیر (۱۰۰ صفحات)

(17) نصر بن موسیٰ الرازی الحنفی

کتاب الخراج

(18) عبداللہ بن عمر مارم ابوالقاسم

کتاب الخراج

(19) محمد بن احمد بن علی بن خیار الکاتب

کتاب الخراج

(20) علی بن احمد بن بسطام

یاقوت نے انہیں صاحب الخراج لکھا ہے۔

(21) ابونصر محمد بن مسعود العیاشی (شیعہ عالم)

کتاب: کتاالجزیہ والخراج

(22) ابوسعید اصمعی

کتاب الخراج

ان کے علاوہ فقہ کی ہر جامع کتاب میں خراج کے موضوع پر مواد ملتا ہے۔ لیکن اب ان تمام کتابوں میں سے صرف ابو یوسفؒ، یحییٰ بن آدم، اور ابن قدامہ بن جعفر کی کتابیں رہ گئی ہیں۔

(۲) خلیفہ ہارون الرشید کے سوالات جن کے جوابات امام ابو یوسفؒ سے مانگے تھے۔

تقسیم غنائم کے بارے میں:-

(1) جب دشمن سے مال غنیمت حاصل ہو تو کس طرح تقسیم کیا جائے؟

(2) فئے اور خراج کا معاملہ کیسے کیا جائے؟

(3) علاقہ سواد کا بندوبست کیسے کیا جائے؟

(4) یہاں کے باشندوں سے خراج اور فئی کا شرائط پر معاہدہ کیا گیا تھا؟ اور

(5) حضرت عمر بن الخطابؓ نے اس سلسلہ میں ان پر کیا شرحیں عائد کی تھیں؟

(6) کیا سواد کے بعض علاقے قانون صلح کے تحت آتے ہیں؟

(7) صلح کے تحت آنے والے علاقوں اور بزور قوت مفتوح ہونے والے علاقوں کے علیحدہ علیحدہ احکام کیا ہیں؟

(8) شام اور الجزیرہ کا بندوبست کا کیا طریقہ کار ہے؟

(9) عہد فاروقیؓ میں صحابہؓ کے وظائف کیسے مقرر کیے گئے تھے؟

(10) سواد کے لیے مجوزہ محاصل کیا ہوں؟

(11) مجوزہ محاصل؟

(12) حکومت کی دی ہوئی جاگیروں کے محاصل کیا ہوں؟

(13) عراق کی جاگیروں کی نوعیت کیا ہے؟

(14) محاصل زمین؟

(15) عرب کی زمینیں؟

(16) بصرہ وخراسان کی زمینیں؟

(17) جاگیریں اوران کے محاصل؟

(18) دوسرے علاقوں کا حکم

(19) اہل حرب میں سے جو لوگ اپنی جان اور زمینوں کے مالک رہتے ہوئے اسلام لائے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(20) احیاء موات کا احکام کیا ہیں؟

(21) عجم کی زمینیں

(22) عشری اور خراجی زمینوں کیپہچان کیا ہے؟

(23) سمندر سے نکلنے والے عنبر اور زیور بنانے والی چیزوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(24) شہد، اخروٹ، بادام اور اس قسم کی دوسری اشیاء کا کیا حکم ہے؟

(25) نجران کا بندوبست؟

(26) نجران اور باشندگان نجران کے بارے میں کیا حکم ہے۔ علاقہ نجران کے بارے میں کیا پالیسی اختیار کی گئی۔ جو شرائط ان کے ساتھ طے کی گئی تھیں ان کے باوجود ان لوگوں کو وہاں سے کیسے نکال دیا گیا اور یہ کہ اس کا سبب کیا تھا؟

(27) اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ، بکری اور گھوڑوں پر واجب ہونے والے صدقات کیا ہیں اور جن لوگوں پر ان میں سے مختلف قسم کے جانوروں کا صدقہ واجب ہو ان سے صدقہ کی وصولی کن قاعدوں کے مطابق عمل میں لائی جائے؟

امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے کہا جاتا ہے کہ:

"تم زمین سے پیدا ہونے والے مختلف قسم کے غلوں اور کھجوروں، انگوروں اور دوسرے پھل دار درختوں کی پیداواروں کے سلسلہ میں اہل خراج سے اپنی مقرر کردہ نسبتوں کے مطابق بٹائی کا معاملہ کرنے کا طریقہ کیوں تجویز کرتے ہو۔ کیا وجہ ہے کہ تم ان سے اسی معین مالیہ پر معاملہ کرنے کو پسند نہیں کرتے جو حضرت عمرؓ نے ان کی زمینوں اور کھجور اور دوسرے درختوں پر عائد کیا تھا۔ جبکہ لوگ اس طریقے سے راضی

بھی تھے اور ان محاصل کو برداشت بھی کرتے تھے"۔

اس کے بعد وہ اس سوال کا جواب دیتے ہیں

(28) زیرِ آب جھاڑیوں اور پانی کے گڑھوں کے اندر پائی جانے والی مچھلیوں کی فروخت کی بابت کیا حکم ہے؟

(29) پرتی زمینوں کو نصف یا تہائی پیداوار پر مزارعت کے طور پر (کاشتکار کو) دینا کیسا ہے؟

(30) دجلہ اور فرات میں پانی کے ایک طرف ہٹ جانے کے سبب قطعات خشک ہو کر نمودار ہو جاتے ہیں؟

(31) کسی والی یا امیر کی کھدوائی نہر، یا دوسری ایسی نہروں کے بارے میں دریافت کیا ہے جن کے کنارے مٹی سے اٹ کر عام لوگوں کی سڑک بند کر دینے کا باعث بن گئے ہوں اور اب ان لوگوں کے گھروں کو بھی نقصان پہنچ رہا ہو۔ ان کے سبب لوگوں کو اپنے گھروں میں ڈھلوان راستہ سے گزر کر یا دوڑتے ہوئے داخل ہونا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

(32) دجلہ یا فرات کے کنارے کسی قطعہ زمین کا مالک اگر اپنی زمین پر گھاٹ تعمیر کر لے تاکہ پانی پینے والے وہاں سے پانی لیں اور یہ ان سے اس کی اجرت وصول کرے تو ایسا کرنا کیا ہوگا؟

اہل ذمہ اور ان سے متعلق مسائل:۔

(33) بنو تغلب پر جو محصول عائد کیا گیا ہے۔ اس کی شرح زکوٰۃ کی شرح سے دگنی کی گئی ہے۔ ان کو جزیہ کیوں معاف کیا گیا ہے؟ اور یہ کہ جزیہ وخراج، صدقات، عشور اور پوشاک کے ضمن میں سارے اہل ذمہ کے سلسلے میں ہماری پالیسی کیا ہونی چاہیے؟

(34) جزیہ جن لوگوں پر واجب ہے؟

(35) جب مسلمانوں نے مختلف ممالک فتح کیے تو شہروں اور مرکزی مقامات پر ذمیوں کے گرجا گھر اور بیلے کیوں باقی رہنے دیے گئے۔ انہیں معدوم کیوں نہیں کیا گیا اور یہ کہ انہیں اپنے تہوار کے موقع پر صلیب لے کر چلنے کیا اجازت کیوں کر حاصل رہی؟

شرعی حدود و تعزیرات:۔

(36) شرپسند، فاسق اور چور اگر جرم میں ماخوذ ہوں اور قید کیے جائیں تو کیا نہیں قید کی حالت میں روزینہ صدقہ کی مد سے دیا جائے گا یا دوسری مدات سے؟ اور یہ کہ ایسے لوگوں کے بارے میں ہماری پالیسی کیا ہونی چاہیے؟

(37) مرکزی شہروں کے والیوں کو اپنے علاقوں میں پکڑے جانے والے چوروں سے جو مال (سونا) ساز و سامان اسلحہ ملتا ہے ان کے بارے میں کیا احکامات ہیں؟

(38) بصرہ کے قاضی کے پاس بہت سی اراضی ہے جن میں باغات، کھجور کے درخت اور کھیت شامل ہیں۔ ان کی سالانہ آمدنی بہت زیادہ ہے۔ قاضی اور اس کے مقرر کردہ ایجنٹ مل کر اسے کھا رہے ہیں۔

(39) ان زمینوں کا کوئی دعویدار نہیں اور نہ ہی قاضی نے مجھے (خلیفہ) اطلاع دی ہے۔ اس کے بارے میں کیا کرنا چاہیے؟

(40) قاضیوں اور عمال حکومت کو مشاہرے کس مد سے دیے جائیں؟

(41) اہل شرک سے جنگ کرنے سے پہلے اسلام کی دعوت دی جائے گی یا بغیر دعوت کے جنگ کی جا سکے گی؟ دعوت دینے، جنگ کرنے اور بچوں کو غلام بنانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اہل قبلہ میں سے باغی لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(42) اہل قبلہ مخالفت پر آمادہ ہو کر لڑائی کرنے آئیں تو ان سے جنگ کرنے کا طریقہ کیا ہوگا اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ جو سامان لائے ہوں گے اس کے بارے میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا؟

کتاب الخراج کی اہمیت

امام ابو یوسف نے مندرجہ بالا تمام سوالوں کے جوابات کتاب الخراج میں دیئے ہیں اس کتاب کے خاتمہ پر خلیفہ ہارون الرشید کو اس کتاب پر عمل پیرا ہونے کی نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''آپ نے جن باتوں کے قلمبند کرنے کا حکم دیا تھا ان کو میں نے کافی تفصیل سے مرتب کر دیا ہے۔ آپ ان کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ ان میں غور و فکر کریں اور ان کو بار بار پڑھیں تا کہ آپ کے ذہن نشین ہو جائے۔ آپ کی خاطر میں نے اس سلسلہ میں کافی محنت کی ہے اور آپ کی اور تمام مسلمانوں کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ کیونکہ اللہ کی خوشنودی، اس کے ثواب کے حصول اور اس کی سزا کا خوف ہر آن میرے سامنے رہا ہے۔ اس تحریر پر اگر آپ نے عمل کیا تو مجھے توقع ہے کہ اللہ آپ کے خراج میں اضافہ کرے گا۔ بغیر اس کے کہ کسی مسلمانوں یا معاہدہ پر ظلم کی نوبت آئے اور اللہ تعالیٰ آپ کی رعایا کی حالت بہتر کر دے گا۔ رعایا کی فلاح و بہبود دراصل اسی میں ہے کہ حدود اللہ نافذ کی جائیں۔ ان پر نہ تو حکومت کی طرف سے کسی طرح کا ظلم ہونے پائے اور نہ وہ حقوق کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے باہم ظلم کریں۔ میں نے آپ کے لیے کچھ احادیث بھی لکھ دی ہیں جن میں ان امور کو عملی جامہ پہنانے پر ابھارا گیا ہے۔ جن کی بابت آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا تھا اور جن پر آپ انشاء اللہ عمل کرنے کا بھی عزم رکھتے ہیں۔ اللہ آپ کو ایسے طرز عمل کی توفیق دے جس کے نتیجہ میں وہ آپ سے راضی ہو اور آپ کے ذریعہ اور آپ کے ہاتھوں میں اصلاح عمل میں لے آوے''۔

(کتاب الخراج ۵، ۱۸، ۲۳، ۲۸، ۲۹، ۳۲، ۴۷، ۵۱، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۲، ۶۶، ۶۹، ۷۱، ۷۶، ۸۴، ۸۷، ۸۸، ۹۱، ۹۸، ۱۰۵، ۱۲۰، ۱۳۸، ۱۴۹، ۱۸۳، ۱۸۳-، ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۹۱، ۲۱۴)

کتاب الخراج کے اثرات

کتاب الخراج (امام ابو یوسفؒ) پر خلیفہ ہارون الرشید نے عمل کیا یا نہیں اس کے بارے میں کوئی واضح شہادت نہیں ملتی جیسا کہ نجات اللہ صدیقی کا بیان ہے کہ:

''خود ہارون الرشید نے ان تجاویز کو کہاں تک نافذ کیا اس کی تحقیق دشوار ہے''۔(1)

اور مناظر احسن گیلانی کی رائے یہ ہے کہ:

''یہ کتاب قاضی ابو یوسف کی کوئی ذاتی کتاب نہیں بلکہ خلیفہ ہارون الرشید نے جو دستور حکومت اپنے لیے ان سے لکھوایا تھا یہ وہ کتاب ہے۔ لہٰذا اس کتاب میں جو لکھا گیا ہے کم از کم خلفاء بنی عباس تک تو مسلم تھا اور حکومت میں اس کی حیثیت قانون کی تھی''۔(2)

(1) نجات اللہ صدیقی، مقدمہ، اسلام کا نظام محاصل، ۹۱

(2) سید مناظر احسن گیلانی، اسلامی معاشیات، ۲۸۳

Danlale کا بیان ہے کہ یہاں خراج جیسا کہ امام ابو یوسف کی کتاب سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے مخصوص معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی زمین کا محصول۔

"Danlale Dennelter, Converslan and Poll Tax in early Islam, Hare-word · University Press, 1950,8.

(۳) اسلام کا نظام محاصل،٦٠

(۴) غفاری، نور محمد، پروفیسر، اسلام کا نظام مالیات، مکتبہ نعمانیہ، ڈیرہ اسماعیل خاں،۴۰

(۵) ایضاً۴۱

(۶) تہذیب وتمدن اسلامی،۱۹۰

(۷) نشوار المحاضرہ،۸:۵۰

(۸) المسالک والممالک (اصطخری)،۹۷

(۹) مقدمہ (ابن خلدون)،۲۸۰۔۲۸۱

(۱۰) کتاب الخراج (امام ابو یوسف ودیگر مصنفین کی کتب بہ عنوان کتاب الخراج)، المسالک والممالک،۹۵، الاحکام السلطانیہ (الماوردی) ص۸۰۔۸۱، الاحکام السلطانیہ (ابویعلی)،۱۳۹، فتوح البلدان،۲:۳۳۸

(۱۱) تاریخ الطبری،۷:۲۵۷، ۶:۱۹۸، المسالک و الممالک (اصطخری)،۹۵، کتاب الاموال، روایت،۷۲، المسالک والممالک (خرداذبہ)،۲۵

(۱۲) تاریخ الطبری،۷:۲۰۱، الاحکام السلطانیہ، (الماوردی) ،۱۱۳، المسالک والممالک (خرداذبہ)، ۶۱، المسالک والممالک (اصطخری) ص ۹۵۔۹۷

(۱۳) کتاب الخراج، (امام ابو یوسف)،۵۱، المسالک والممالک (اصطخری)۹۵۔۹۷

(۱۴) ایضاً،۱۳۵، ایضاً کتاب الاموال، روایت:۱۶۴۵، احسن التقاسیم،۱۰۴۔۱۰۵، المسالک والممالک (خرداذبہ)،۱۳۳

(۱۵) المسالک والممالک (اصطخری)، ص۹۵، کتاب الخراج (امام ابو یوسف)،۶۴

(۱۶) تاریخ الطبری،۶:۲۷۴، ۳۳۳، ۳۸۰، ۴۶۳، المسالک والممالک ا(اصطخری)،۹۵۔۹۷

(۱۷) ایضاً

(۱۸) احکام السلطانیہ (الماوردی)،۱۹۷۔۱۹۸، اصطخری، ابن خرداذبہ، المقدسی اور الیعقوبی وغیرہ کی کتب کی روایات کے مطابق، تاریخ المسعودی، ۱:۳۱۳، کتاب الخراج، (ابن قدامہ)،۱۹۰

(۱۹) کتاب الخراج (امام ابو یوسف)،۲۲، ۲۳، احکام السلطانیہ (الماوردی)،۱۲۰

(۲۰) کتاب الخراج، (امام ابو یوسف) ،۷۰، ابن خرداذبہ،۶۱، ایضاً،۲۲۔۲۳

(۲۱) تاریخ الطبری،۷:۳۲۷

المسالک والممالک (اصطخری)۹۵۔۹۷

(۲۲) فتوح البلدان،۱: ۱۹۷،۲: ۳۶۱،المسالک والممالک(اصطخری)،۹۵

(۲۳) المسالک والممالک(اصطخری)،۹۵۔۹۷

(۲۴) کتاب الخراج (امام ابو یوسف)،۱۸۳،۱۸۵

(۲۵) ایضاً،۱۳۳،صورت الارض،۲۱۴

(۲۶) تاریخ الطبری،۸: ۹۹

(۲۷) ایضاً،۶: ۲۹۸،فتوح البلدان،۳: ۳۵۳،تاریخ الخلفاء (ایسوطی)،۳۶۳

(۲۸) کتاب الخراج،۱۸۲۔۱۸۵

(۲۹) ایضاً،۱۸۵

(۳۰) ایضاً،۱۸۳۔۱۸۵

(۳۱) تاریخ الطبری،۶: ۳۰۲،۳۳۶،۳۳۷،۵۱۲،۵۱۸،۷: ۳۱۹،۳۳۵،۳۳۷،۳۳۸،کتاب الوزراء،۲۳۵،تاریخ الحکماء،۱۰۳۔۱۰۴

(۳۲) Bestable,Public Finance, Mecmalan Company 1917,3:261.

(۳۳) Dalton, Principles of Public Finance, London, 1940, Ed ii.3.

(۳۴) اسلام کا نظام مالیات (نور محمد غفاری)،۱۸

اسلام کا قانون محاصل،(نور محمد غفاری)،۱۸

(۳۵) قرضاوی یوسف، اسلام کے معاشی نظریے، الائیڈ بک کمپنی، کراچی، مئی ۱۹۸۴ء، ۵۸۵

(۳۶) جیسا کہ مختلف تاریخی حوالوں سے ثابت ہے کہ غیر مسلم جزیہ وخراج دیتے تھے۔ مسلم زکوۃ وعشر جبکہ عشور دونوں ہی ادا کرتے تھے۔

(۳۷) Public Finance, 5:33

(۳۸) Ibid

(۳۹) اسلام کا نظام مالیات،(نور محمد غفاری)،۱۹

اسلام کے معاشی نظریے،۵۸۷

(۴۰) تاریخ الطبری،۷: ۳۵۷،اسلام کا اقتصادی نظام،۱۸۷

(۴۱) Public Finance, 5:33.

(۴۲) اسلام کے معاشی نظریے،۵۸۷،اسلام کا نظام مالیات،(نور محمد غفاری)،۱۹

(۴۳) اسلام کا قانون محاصل،۳۴،اسلام کا نظام مالیات (نور محمد غفاری)،۲۸

(۴۴) اسلام کا قانون محاصل،۳۴۔۴۰

اسلام کا نظام مالیات،(نور محمد غفاری)،۲۸۔۳۴

(۴۵) اسلام کا قانون محاصل،۳۵

(۴۶) القرآن الحکیم،سورۃ البقرہ،۲: ۴۳،سورۃ الحشر،۵۹: ۲۶۷،سورۃ التوبہ،۹: ۵،۱۸

(۴۷) القرآن الحکیم، سورۃ البقرہ، ۲:۲۶۷، الانعام،:۴، کتاب الخراج، (امام ابو یوسف)، ص ۵۱

(۴۸) انفاق فی سبیل اللہ، العفو، وقف، ٹرسٹ وغیرہ کا قیام۔

(۴۹) القرآن الحکیم، سورۃ التوبہ، ۹:۲۹

اسلام کا اقتصادی نظام، ۱۸۷

(۵۰) القرآن الحکیم، سورۃ التوبہ ۹:۶۰

(۵۱) اسلام کا قانون محاصل، ۳۵

(۵۲) القرآن الحکیم، سورۃ الحشر، ۵۹:۷

(۵۳) الصحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر ۱

(۵۴) اسلام کا نظام مالیات، ۳۸

(۵۵) تاریخ الطبری ۷:۲۸۴۔

کتاب الخراج، (امام ابو یوسف، ۵۲،

الاحکام السلطانیہ، (الماوردی)، ۱۷۶،

الاحکام السلطانیہ، (ابو یعلی)، ۱۳۹،

(۵۶) ایضاً، الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۱۳۸، المسالک والممالک (اصطخری)، ۹۵،

(۵۷) اسلام کا نظام مالیات، ۳۸،

(۵۸) کتاب الخراج، (امام ابو یوسف)، ۱۰۹،

(۵۹) ایضاً

(۶۰) کتاب الخراج (امام ابو یوسف)، ۵۴،

الاحکام السلطانیہ، (الماوردی)، ۱۱۷،

اسلام کے معاشی نظریے، ۲:۶۶۴

(۶۱) ایضاً

(۶۲) کتاب الخراج (امام ابو یوسف)، ۱۳۳، کتاب الاموال، ۳۹، الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۱۳۲-۱۳۴

(۶۳) اسلام کا نظام مالیات، ۳۹-۴۰

(۶۴) تفسیر مظہری، آیت الصدقات

(۶۵) اسلام کا نظام مالیات، ۳۶، ۳۷

(۶۶) ایضاً

(۶۷) کتاب الاموال، روایت ۱۸۲، ۹۳، احکام السلطانیہ (الماوردی)، ۱۳۶، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

انہ قفی ان الخراج بالضمان

آپ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ خراج (یعنی آمدنی اور پیداوار) ضمانت کے عوض ہیں۔

(۶۸) کتاب الاموال، روایت ۱۸۲، ۹۱
(۶۹) ایضاً، روایت ۱۷۵، ۸۸۔۸۹
(۷۰) یحییٰ بن آدم، القرشی، کتاب الخراج، مکتبۃ العلمیہ لاہور ۱۳۱۵ھ، ۱۸
کتاب الخراج (امام ابو یوسفؒ) ۲۳
القرآن الحکیم، سورۃ الحشر، ۵۹:۷
(۷۱) کتاب الاموال، روایت ۱۸۳، ۹۴۔۹۵
(۷۲) کتاب الخراج (اما ابو یوسفؒ)، ۲۳، احکام السلطانیہ (الماوردی)، ۱۹۳
(۷۳) کتاب الخراج، (امام ابو یوسفؒ) ۲۹
ایضاً، (یحییٰ بن آدم)، ۱۸۔۱۹، احکام السلطانیہ، (الماوردی)، ۱۴۶۔۱۴۷
(۷۴) کتاب الخراج (یحییٰ بن آدم)، ۱۸،
(۷۵) ایضاً، ۱۹،
(۷۶) کتاب الخراج، (امام ابو یوسفؒ) ۲۹
(۷۷) ایضاً، ۲۶
(۷۸) ایضاً، ۵۲
(۷۹) ایضاً
(۸۰) الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۱۴۸،
(۸۱) ایضاً المسالک والممالک (اصطخری)، ۹۵،
(۸۲) ایضاً
(۸۳) فتوح البلدان، ۲: ۳۳۸
(۸۴) المسالک والممالک (اصطخری)، ۹۵، الاحکام السلطانیہ، (الماوردی)، ۸۰، ۸۱، ۱۷۴،
(۸۵) ایضاً، ۹۵،
(۸۶) ایضاً، ایضاً، ۱۴۸،
(۸۷) نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر، اسلام کا نظام محاصل، ناشر چراغ راہ کراچی، ۱۹۶۶ء ص ۲۶
الاحکام السلطانیہ، (ابویعلی)، ۱۴۹،
(۸۸) الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۸۰، ۸۱، ۱۷۴
تاریخ التمدن الاسلامی، ۱: ۲۸۴
(۸۹) فتوح البلدان، ۲: ۳۳۸، الاحکام السلطانیہ، (ابویعلی)، ۱۴۹،

(۹۰) الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۱۴۷۔۱۸۱

اصطخری، ۹۵

(۹۱) فتوح البلدان، (البلاذری)، مترجم ابوالخیر مودودی، ۱: ۳۸۹

اسلام کا نظام محاصل، مقدمہ، نجات اللہ صدیقی، صفحہ نمبر ۴۲۔۴۴ کے مطابق نظام مقاسم کی تعریف اور نظام مساحۃ کی خرابی بیان کرتے ہوئے جناب نجات اللہ صدیقی (ترجمہ کتاب الخرزج از امام ابویوسف) فرماتے ہیں کہ:

''نظام مساحۃ میں جب غلہ نسبتاً سستا ہوتا ہے تو کاشتکاروں کو فائدہ ہوتا ہے کیونکہ وہ تھوڑا فروخت کر کے خراج ادا کر دیتے ہیں۔ لیکن سرکاری خزانہ کی وہ آمدنی جو متعین اور نقد رقم کی شکل میں ہوتی ہے اپنی قوت خرید کے اعتبار سے کم ہو جاتی ہے۔ یہ بات حکومت کو خراج کی شرحیں بڑھانے کی طرف مائل کرتی ہے۔ جو کہ عوام کے لیے ناقابل قبول ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جب غلہ ستا ہوتا ہے تو متعین رقم کاشتکاروں کو گراں گزرتی ہے ـــــــ جبکہ نظام مقاسم میں قیمتوں کے اتار چڑھاؤ اور پیداوار کی کمی بیشی کا اثر کاشت کاروں اور سرکاری خزانہ دونوں پر یکساں پڑتا ہے اور ان تبدیلیوں سے دونوں کے مفاد میں کوئی ٹکراؤ پیدا نہیں ہوتا۔ نہ آئے دن خراج کی شرحیں تبدیل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے''۔

(۹۲) الاحکام السلطانیہ (الماوردی) صفحہ ۸۰، ۸۱ کے مطابق حضرت عمرؓ نے اہل سواد اور اطراف مشرق ومغرب کے باشندوں پر خراج مساحۃ لاگو کیا ہوا تھا۔ درہم ودینار قیصر وکسریٰ کے وزن پر مضروب تھے لہٰذا یہی سکے خراج میں دیئے جاتے تھے۔ سکوں کی کمی بیشی کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ مگر بعد میں لوگ ''طبریہ'' جس کا وزن چار دانق تھا خراج میں ادا کرتے تھے۔ مگر ''وافی'' جس کا وزن مثقال کے برابر تھا وہ نہ دیتے۔ جب زیاد عراق کا حاکم ہوا تو اس نے اب تک جو خراج میں طبریہ کی ادائیگی سے جو کمی ہو چکی تھی اس کا مطالبہ شروع کر دیا۔ بنوامیہ کے عمال اس کی ادائیگی کے لیے ظلم وتشدد کرنے لگے۔ جب عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوئے تو انہوں نے وزنوں کا معائنہ کر کے درہم کا وزن ساڑھے پانچ مثقال اور دینار کا وزن وہی رکھا۔ ان کے بعد حجاج نے پھر وہی پرانی کسور کا مطالبہ شروع کر دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پھر ساقط کر دیا۔ ان کے بعد کے خلفاء پھر لینے لگے۔ بالآخر منصور نے خراج مساحۃ قائم کیا۔ یہ ان علاقوں پر قائم کیا گیا جہاں گیہوں اور ''جو'' زیادہ ہوتے تھے جبکہ دوسرے غلوں اور کھجور اور دوسرے درختوں کا خراج مساحۃ رہنے دیا۔ یہ خراج مساحۃ مہدی کے دور تک جاری رہا۔ جس سے سالانہ ۱۲ لاکھ درہم (بقول اردو ترجمہ) اور ایک کروڑ بیس لاکھ بقول جرجی زیدان) خراج آتا تھا۔ ۲۵۵ھ میں مہتدی نے اسے ظلم سمجھتے ہوئے ساقط کر دیا۔

(۹۳) الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۱۷۶

(۹۴) ایضاً

(۹۵) الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۱۷۶

(۹۶) ایضاً، ۱۷۶، احکام السلطانیہ (ابویعلی)، ۱۴۹، فتوح البلدان، ۲: ۳۲۸

(۹۷) تاریخ الطبری، ۷: ۲۸۵

(۹۸) ایضاً

(۹۹) تاریخ الطبری، ۷: ۲۸۴۔۲۸۵

(۱۰۰) کتاب الخراج (امام ابو یوسف)، ۵۰

(۱۰۱) شفیع محمد، اسلام کا نظام اراضی، دارالاشاعت، کراچی، ۸۵

(۱۰۲) ایضاً

(۱۰۳) ضیاء الدین الریس محمد، الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ مطبوعہ قاہرہ، ۴۲۱

(۱۰۴) تاریخ التمدن الاسلامی، ۲۸۹

(۱۰۵) ایضاً، ۲۸۴

(۱۰۶) تاریخ ابن خلدون، ۴۸۵

(۱۰۷) کتاب الخراج، (امام ابو یوسف)، ۱۰۵، الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۱۷۶

(۱۰۸) تاریخ ابن خلدون، ۵۳۹، تاریخ ابن الکثیر، ۱۰: ۲۵۵

(۱۰۹) ایضاً، ۱: ۵۳۹، ایضاً

(۱۱۰) المسالک والممالک (خرداذبہ)، ۵۷

(۱۱۱) الکندی ابو عمر محمد بن یوسف، کتاب الولاۃ وکتب بالقضاۃ Corliet,J.R.A.A.1861 ص ۱۳۷، ۱۶۳، ۱۳۷، ۱۸۰، ۱۹۰، ۱۹۸، ۲۰۲

(۱۱۲) تاریخ التمدن الاسلامی، ۲۸۰

(۱۱۳) المسالک والممالک (اصطخری)، ص ۹۵

(۱۱۴) تاریخ التمدن الاسلامی، ۲۸۰

(۱۱۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، فارس، ۳۹

(۱۱۶) تاریخ بغداد (الخطیب)، ۱: ۱۱، معجم البلدان، سواد

(۱۱۷) ایضاً، ۱: ۱۲

(۱۱۸) الفخری، ص ۱۶۲

مامون نے سواد کا خراج ۲/۱ کی بجائے ۵/۱ مقرر کیا تھا۔ مامون کے عہد سے پہلے مضافات عراق (سواد) سے پیداوار کا ۲/۱ لیا جاتا تھا مامون نے ۵/۱ مقرر کیا۔

(۱۱۹) الاحکام السلطانیہ، (الماوردی)، ۱۷۵

(۱۲۰) تاریخ الطبری، ۶: ۵۳۶

(۱۲۱) ایضاً، ۷: ۲۸۵

(۱۲۲) فتوح البلدان، ۲: ۳۹۷، مختصر کتاب البلدان، ۲۸۲

(۱۲۳) ایضاً، ۲: ۳۹۳

(۱۲۴) ایضاً، ۱: ۱۷۳

(۱۲۵) ایضاً

(۱۲۶) تاریخ ابن خلدون، ۴۹۲

(۱۲۷) تاریخ الطبری، ۷:۲۸۵

(۱۲۸) کتاب الوزراء، ۲۶۸

(۱۲۹) تاریخ المسعودی، ۳:۳۰۰

(۱۳۰) تاریخ ابن خلدون، ۵۴۳

(۱۳۱) تاریخ الطبری، ۶:۴۵۹

(۱۳۲) تاریخ الطبری، ۶:۴۵۹۔۴۶۰

(۱۳۳) ایضاً، ۷:۲۱۳

(۱۳۴) ایضاً

(۱۳۵) تاریخ الطبری، ۶:۵۳۶

(۱۳۶) ایضاً، ۶: ۳۱۳، ۵۳۶، فتوح البلدان، ۱:۱۷۳

(۱۳۷) تاریخ الطبری، ۶:۴۳۶، ۲:۲۵۷، تاریخ ابن خلدون، ۴۹۲، ۵۲۳

(۱۳۸) ایضاً، ۶: ۳۸۳، فتوح البلدان، ۱:۱۸۷، ۲:۳۹۷

(۱۳۹) ایضاً، المستطرف، ۱:۱۰۸

(۱۴۰) کتاب الخراج (امام ابو یوسف)، ۱۰۹

(۱۴۱) المستطرف، ۱:۱۰۸

(۱۴۲) تاریخ الطبری، ۷:۳۵۷

(۱۴۳) کتاب الخراج، ۱۰۷، کتاب الوزراء، ۱۴۲۔۱۴۳، تجارب الامم، ۱:۱۸۰

(۱۴۴) کتاب الخراج، (امام ابو یوسف)، ۱۰۷

(۱۴۵) کتاب الوزراء، ۱۴۲۔۱۴۳

(۱۴۶) کتاب الخراج، ۱۰۸

(۱۴۷) ایضاً، ۱۰۹

(۱۴۸) ایضاً

(۱۴۹) ایضاً، ۱۰۷

(۱۵۰) ایضاً

(۱۵۱) ایضاً، ۱۰۶۔۱۰۷

(۱۵۲) مختصر تاریخ البلدان، ۲۸۲، المسالک والممالک (اصطخری)، ۹۸، فتوح البلدان، ۲:۴۵۶، تاریخ التمدن الاسلامی، ۱۰۵

(۱۵۳) ایضاً

مختصر کتاب البلدانص۲۸۲

(۱۵۴) المسالک والممالک، (اصطخری)، ص۹۷

(۱۵۵) مختصر کتاب البلدان،۲۸۲

(۱۵۶) کتاب الخراج، (قدامہ)، ۲۳۱،

(۱۵۷) الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۸۰، ۸۱

(۱۵۸) کتاب البلدان،۲۳۲

(۱۵۹) الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۸۰

(۱۶۰) تاریخ الطبری، :۳۳۲

(۱۶۱) کتاب البلدان،۲۳۲

(۱۶۲) گندم ناپنے کا پیمانہ، کتاب الخراج (امام ابو یوسفؒ)، ۵۳

(۱۶۳) فتوح البلدان، ۳۰۱، کتاب الوزراء، ا: ۲۸۲

(۱۶۴) الخطط، ۹۹، ۱۰۳

(۱۶۵) المسالک والممالک (خرداذبہ) ۹۴

(۱۶۶) الخطط، ا: ۸۰

(۱۶۷) ایضاً ا: ۸۱

(۱۶۸) کتاب الوزراء، ۲۸۱_۲۸۸

(۱۶۹) کر کے بارے میں درج ذیل بیانات ملتے ہیں:

ا۔ الفخری، ۱۹۹ میں ہے کہ:

ایک کر ۴۰ اردب یعنی چھ گدھوں کے بوجھ کے برابر ہوتا ہے۔

۲۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام میں مترجم مسلمانوں کی سیاسی تاریخ، مترجم علیم الدین صدیقی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۵۹ء ص ۵۵۴، کے مطابق

ایک کر برابر ہے ۴۰ اردب، ایک اردب = ۳۰ صاع، ایک صاع = ۲۳۴ تولہ

۳۔ قدامہ بن جعفر، کتاب الخراج، مترجم ابو الخیر مودودی، دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکاری عالی حیدر آباد دکن کے مطابق:

کر ایک پیمانہ ہے جو اہل عراق کی تول سے ۴۰ قفیز کا اور اہل مصر کی تول سے چالیس اردب کا (جبکہ ایک اردب برابر ہے ۲۴ صاع = ۱۲۸ پونڈ کے) ہوتا ہے۔

(۱۷۰) کتاب الوزراء، ۲۸۸

(۱۷۱) ایضاً ۲۸۳_۲۸۴

(۱۷۲) اس دور میں من تھا۔ لیکن یہ پتہ نہیں چل سکا کہ کتنے وزن کا ہوتا تھا۔

(۱۷۳) کتاب الوزراء، ۲۸۴

(۱۷۴) کتاب الخراج، (قدامہ)، ۲۳۷_۲۴۰

(۱۷۵) تاریخ التمدن الاسلامی، ۴۷

(۱۷۶) کتاب الخراج، (قدامہ)، ص ۲۳۷

(۱۷۷) ایضاً، ۲۴۰

(۱۷۸) تاریخ التمدن الاسلامی، ۲: ۴۹

(۱۷۹) تاریخ اسلام (حسن ابراہیم حسن)، ص ۵۵۴، تاریخ التمدن الاسلامی، ۲: ۴۹

(۱۸۰) کتاب الخراج (قدامہ)، ۲۴۰، تاریخ تمدن اسلام، ۲: ۴۹

(۱۸۱) ایضاً، ۴۹، ایضاً

(۱۸۲) تاریخ التمدن الاسلامی، ۲: ۴۹

(۱۸۳) ایضاً

(۱۸۴) ایضاً، ۲: ۵۰_۵۱

(۱۸۵) ایضاً، ۲: ۵۱

(۱۸۶) کتاب الخراج، (قدامہ)، ۲۴۹_۲۵۱

(۱۸۷) تاریخ الطبری، ۲: ۵۲، ۵۳

(۱۸۸) احسن التقاسیم، ۶۴

(۱۸۹) تاریخ التمدن الاسلامی، ۲: ۵۲_۵۳

(۱۹۰) Gibbon, Edward, The History of the Roman Empier, 1,110

(۱۹۱) ایک سکہ، کتاب الخراج، (قدامہ)، ۲۵۲

(۱۹۲) کتاب الوزراء، ۲۸۱_۲۸۲

(۱۹۳) ایضاً

(۱۹۴) کتاب الوزراء، ۲۸۱_۲۸۸، المسالک والممالک (قدامہ)، ۲۴۳

(۱۹۵) ایضاً، ۲۸۱

(۱۹۶) ایضاً، ۲۸۴

(۱۹۷) کتاب الوزراء، ۲۸۱_۲۸۸

(۱۹۸) تاریخ الطبری، ۶: ۳۴۲

(۱۹۹) تاریخ المسعودی، ۴: ۳۰، ۳۶۳

(۲۰۰) تاریخ التمدن الاسلامی، ۲: ۹۱_۹۳

(۲۰۱) ایضاً، ۲: ۹۳_۹۵

(۲۰۲) ایضا،۲: ۹۵، ۹۷

(۲۰۳) ایضاً،۲: ۹۸

(۲۰۴) تاریخ التمدن الاسلامی،۲: ۹۹

(۲۰۵) ایضاً

(۲۰۶) ایضاً

(۲۰۷) تاریخ الطبری، ص ۱۴۴، تاریخ التمدن الاسلامی،۲: ۹۹

(۲۰۸) الفخری، ۲۰۹، ایضاً

(۲۰۹) تاریخ الطبری، ۷: ۳۵۷

کتاب الخراج (امام ابو یوسف) الاحکام السلطانیہ (الماوردی) اور اسی طرح دوسری کتب میں جزیہ کی تعریف اور اس کے احکامات وغیرہ درج ہیں۔ یعنی کن سے، کس حالت میں، اور کتنی مقدار میں لیا جائے؟ سب درج ہے۔ لیکن تاریخ الطبری، تاریخ المسعودی اور اس طرح کے بنیادی ماخذوں میں جزیہ کی کہیں وضاحت نہیں کی گئی کہ کن لوگوں سے کتنا اور کس حالت میں جزیہ قبول کیا جاتا تھا۔ البتہ شاہ روم کے بارے میں تاریخ طبری میں درج ہے کہ وہ جزیہ اور تاوان ادا کرتا تھا۔ تاہم ثانوی ماخذوں میں مثلاً تاریخ عرب (موسیو سیدیو) ہارون الرشید (عبدالجبار الجومرد) اور دیگر کتب وغیرہ میں جزیہ کی وصولی کی وہی صورت لکھی ہوئی ہے جو بنیادی مآخذ میں احکامات ہیں یعنی یہ کہ اس دور میں جزیہ

۱۔ آزاد اور بالغ لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا۔

۲۔ مقدار جزیہ مالدار سے ۴۸ درہم، متوسط سے ۲۴ اور فقراء سے ۱۲ درہم وصول کیے جاتے تھے۔

جبکہ اصل ماخذ میں وضاحت نہیں کی گئی کہ اس شرح سے وصول کیا جاتا تھا۔

(۲۱۰) الاحکام السلطانیہ، (الماوردی) ۱۴۲،

(۲۱۱) القرآن الحکیم، سورۃ التوبہ، ۹: ۲۹

(۲۱۲) اسلام کا اقتصادی نظام، ۱۸۷

(۲۱۳) کتاب الخراج، (امام ابو یوسفؒ) ۱۲۳، کتاب الاموال، ۳۹، الاحکام السلطانیہ ۱۴۲۔۱۴۳

(۲۱۴) کتاب الخراج (امام ابو یوسفؒ)، ۶۷

(۲۱۵) الفہرست، ۴۵۹۔۴۶۰

(۲۱۶) القرآن الحکیم، سورۃ التوبہ، ۹: ۵

(۲۱۷) کتاب الاموال، ۴۷

(۲۱۸) کتاب الخراج، ۱۲۲

(۲۱۹) کتاب الاموال، ۳۷۔۳۸، روایت نمبر ۷۲

(۲۲۰) جزیہ فارس: جزیے سے سرکاری خزانے کو ایک کروڑ اسی لاکھ درہم آمدنی ہوتی تھی۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لفظ فارس، ۳۹

(۲۲۱) تاریخ الطبری، ۶: ۲۹۸

(۲۲۲) ایضاً ۶: ۵۰۱

(۲۲۳) ایضاً، ۸: ۹۹

(۲۲۴) کتاب الخراج، (قدامہ) ۲۵۱

(۲۲۵) ایضاً، (یحییٰ بن آدم)، ۴۷، کتاب الاموال، ۳۷-۳۸، روایت نمبر ۲۷

(۲۲۶) المسالک والممالک، (خرداذبہ)، ۱۲۵

(۲۲۷) تاریخ الطبری، ۷: ۲۰۱

(۲۲۸) احکام السلطانیہ، (الماوردی)، ۱۱۳

(۲۲۹) القرآن الحکیم، سورۃ البقرہ، ۲: ۴۳

(۲۳۰) القرآن الحکیم، سورۃ الحشر، ۵۹: ۷

(۲۳۱) خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۱۹۸۶ء، ۴۶۰-۴۶۱

(۲۳۲) احکام السلطانیہ، (الماوردی)، ۱۱۳

(۲۳۳) ایضاً

(۲۳۴) تاریخ الطبری، ۶: ۲۳۰، ہارون الرشید (عبدالجبار الجودمرد)، ص ۵۷۳

(۲۳۵) المسالک والممالک، (ابن خرداذبہ)، ۶۱

(۲۳۶) کتب فقہ اور دیگر کتب میں تفصیلات درج ہیں مثلاً الہدایہ، کتاب الخراج، احکام السلطانیہ وغیرہ

(۲۳۷) تاریخ الطبری، ۷: ۲۰۱، الاحکام السلطانیہ ۱۱۳

(۲۳۸) الاحکام السلطانیہ ۱۱۳

(۲۳۹) القرآن الحکیم، سورۃ التوبہ، ۹: ۶۰

(۲۴۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بیت المال ۵: ۲۰۶

(۲۴۱) اسلام کا نظام مالیات، (نور محمد غفاری)، ۶۱

(۲۴۲) کتاب الخراج، (امام ابو یوسف)، ۵۱

(۲۴۳) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ ۲: ۲۶۷

(۲۴۴) القرآن الحکیم، سورۃ الانعام، ۶: ۱۴۱

(۲۴۵) صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ، کتاب الخراج، ۵۴

(۲۴۶) کتاب الخراج، (امام ابو یوسف)، ۶۹

(۲۴۷) اسلام کا اقتصادی نظام، ۱۱۷

(۲۴۸) احکام السلطانیہ، (الماوردی)، ۱۱۷، ۵ وسق = ۶۰ صاع، ایک صاع = عراق رطل

(۲۴۹) ایضاً

(۲۵۰) بخاری الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، موطا، کتاب الزکوٰۃ

(۲۵۱) اسلام کے معاشی نظریے، ۲: ۶۶۴

(۲۵۲) ادارہ مطبوعات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۰ء خلاصہ قانون زکوٰۃ وعشر

(۲۵۳) فقہ الزکوٰۃ، (یوسف القرضاوی)، ۱: ۳۰

(۲۵۴) الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۱۱۸

(۲۵۵) فتوح البلدان، ۱: ۲۰۲

(۲۵۶) کتاب الخراج، (امام ابو یوسف)، ۱۳۵، کتاب الاموال، روایت نمبر ۱۶۳۵

(۲۵۷)

(۲۵۸) کتاب الخراج، (امام ابو یوسف)، ۱۳۳، ایضاً، ۱۶۵۷

(۲۵۹) ایضاً

(۲۶۰) احسن التقاسیم، ۱۰۴۔۱۰۵

(۲۶۱) ایضاً، ۱۰۴

(۲۶۲) المسالک والممالک (خرداذبہ)، ۱۳۳

(۲۶۳) کتاب الخراج، (امام ابو یوسف)، ۱۳۳

(۲۶۴) ایضاً، ۱۳۳

(۲۶۵) الفخری، ۲۳۱

(۲۶۶) جنگ روزنامہ نوائے وقت، دیگر پاکستانی اخبارات، جون ۱۹۹۹ء، صحافت روزنامہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۹ء

(۲۶۷) ردالمختار، باب عشر والخراج، والجزیہ، ۲: ۱۷۹

الاحکام السلطانیہ، (الماوردی)، ۱۹۱۔۱۹۲

المسالک والممالک، (اصطخری)، ۹۶

(۲۶۸)

(۲۶۹) ایضاً

(۲۷۰) کتاب الخرج، (ابو یوسف)، ۶۴

(۲۷۱) تاریخ الطبری، ۶: ۳۸۰، ۲۶۳، ۷: ۲۷۴، ۳۳۳، فتوح البلدان، ص ۴۳۱، الاحکام السلطانیہ، (الماوردی)، ۱۳۷۔۱۳۸

(۲۷۲) کتاب الخراج، (امام ابو یوسف)، ۱۸۱، احکام السلطانیہ، (الماوردی)، ۱۳۷

(۲۷۳) احکام السلطانیہ، (الماوردی)، ۱۳۷۔۱۳۸

(۲۷۴) ایضاً، ۱۳۷

(۲۷۵) ایضاً

(۲۷۶) تاریخ الطبری، ۷: ۲۷۴، ۳۳۳

(۲۷۷) ایضاً، ۷: ۲۷۴، ۳۳۳

(۲۷۸) فتوح البلدان، ۴۳۱

(۲۷۹) الاحکام السلطانیہ، (الماوردی) ص ۱۲۷

(۲۸۰) تاریخ الطبری، ۶: ۱۴۳، ۳۲۴، ۳۳۲، ۳۳۳

(۲۸۱) الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۱۲۷

(۲۸۲) تاریخ الطبری، ۶: ۲۸۰، ۴۶۳، ۷: ۲۷۴

(۲۸۳) الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۱۲۷_۱۳۸

(۲۸۴) القرآن الحکیم، سورۃ انفال، ۸: ۴۱

(۲۸۵) کتاب الخراج، (امام ابو یوسف)، ۱۹۰

(۲۸۶) تاریخ الطبری، ۷: ۲۴، ۹۲

(۲۸۷) ایضاً، ۷: ۱۱۴

(۲۸۸) کتاب البلدان، (الیعقوبی)، ۲۷۶

(۲۸۹) کتاب الخراج، (امام ابو یوسف) ۲۴_۲۶

(۲۹۰) تاریخ الطبری، ۷: ۱۱۴، ودیگر کئی مقامات ودیگر تاریخ کتب میں

(۲۹۱) احکام السلطانیہ (الماوردی) ۱۹۷_۱۹۸

(۲۹۲) ایضاً

(۲۹۳) المسالک والممالک، (اصطخری)، ص ۱۵۲، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۶۱، ودیگر کئی مقامات، کتاب الخراج، (قدامہ)، ۷۷، ۱۸۷

(۲۹۴) ایضاً ۳۴، ۱۵۲، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۷

(۲۹۵) ایضاً ۱۵۲، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۸۴، ۱۸۵

(۲۹۶) ایضاً، ۷۷، ۱۸۷

(۲۹۷) المسالک والممالک، (اصطخری)، ۱۶۱، ۱۸۷

(۲۹۸) ایضاً ۱۶۲، ۱۸۴

(۲۹۹) ایضاً، ۲۶

(۳۰۰) تاریخ المسعودی، ۱: ۳۱۳، کتاب الخراج، (قدامہ) ۱۹۰

(۳۰۱) احسن التقاسیم، ۳۴۱

(۳۰۲) المسالک والممالک، (خرداذبہ) ۳۶

(۳۰۳) ایضاً

(۳۰۴) الہدایہ،کتاب الزکوۃ،باب المعادن ورکاز،۱: ۱۸۳

(۳۰۵) کتاب الخراج،(امام ابو یوسف)،۷۰

(۳۰۶) صورت الارض،۵۱

(۳۰۷) المسالک والممالک،(خرداذبہ)،۶۱،احسن التقاسیم،۱۰۱

(۳۰۸) کتاب الخراج،(امام ابو یوسف)،۲۲۔۲۳

(۳۰۹) احکام السلطانیہ(الماوردی)،۱۳۰

(۳۱۰) تاریخ الطبری،۷،۲۹: ۳۳۷

(۳۱۱) تاریخ التمدن الاسلامی،۲: ۲۹۰

(۳۱۲) فتوح البلدان،۱: ۹۷

(۳۱۳) ایضاً

(۳۱۴) تاریخ الطبری،۸: ۹۹

(۳۱۵) ایضاً،۲: ۲۹۸،فتوح البلدان،۳: ۳۵۳،تاریخ ابو الفدا،۳: ۹۰۸

(۳۱۶) تاریخ الخلفاء،۳۶۳

(۳۱۷) کتاب الخراج،(ابو یوسف)،۱۸۳

(۳۱۸) ایضاً،۱۸۵

(۳۱۹) ایضاً،۱۸۲۔۱۸۳

(۳۲۰) ایضاً،۱۸۳

(۳۲۱) ایضاً،۱۸۴

(۳۲۲) تاریخ الطبری،۶: ۳۰۲

(۳۲۳) کتاب الوزراء،۲۳۵

(۳۲۴) تاریخ المسعودی،۳: ۳۲۸

(۳۲۵) تاریخ الطبری،۶: ۳۳۶۔۳۳۷

(۳۲۶) تاریخ الطبری،۶: ۵۱۲،۵۱۸

(۳۲۷) ایضاً،۷: ۳۱۹

(۳۲۸) تاریخ الطبری،،۷: ۳۳۵،۳۳۷،۳۳۸

(۳۲۹) تاریخ الحکماء،۱۰۳۔۱۰۴

(۳۳۰) تاریخ الطبری،۶: ۳۳۷

□♦□♦□

باب چہارم

باب چہارم

تقسیمِ دولت

خلافت عباسیہ کی صرف پالیسی

عہد عباسی کے ابتدائی خلفاء نے تقسیم دولت میں خاصا محتاط انداز اپنایا جیسا کہ خلیفہ منصور اس تقسیم اور خرچ میں اتنا محتاط تھا کہ ”جہاں ضروری ہوتا وہاں اتنا خرچ کرتا کہ لوگ کہنے لگتے کہ تمام انسانوں میں صرف یہی شخص سخی وفیاض ہے اور جہاں ضروری نہ ہوتا وہاں بعد بعض اوقات اتنی کفایت شعاری کرتا کہ کہا جانے لگتا کہ تمام انسانوں میں یہ شخص سب سے بڑا کنجوس ہے(۱)“، بلکہ ایسی کفایت شعاری اور محتاط انداز خرچ سے ان کو ”ابوالدوانیق“ کہا جانے لگا۔ یعنی ”کنجوس“(۲)

خلیفہ منصور کی اسی دوراندیشی سے اس دور میں اتنا مال ودولت جمع ہو گیا کہ نہ تو اس سے پہلے کسی خلیفہ کے دور میں جمع ہوا تھا اور نہ بعد میں کسی خلیفہ کے دور میں جمع ہو سکا۔ اس کی مقدار چھیانوے کروڑ درہم تھی۔ حالانکہ یہ عہد عباسی کا ابتدائی دور تھا(۳)۔

اسی طرح دوسرے خلفاء بھی آمد وخرچ میں توازن رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ جتنا زیادہ اور تسلسل سے ملک کے گوشے گوشے سے بیت المال میں مختلف مدات سے مال جمع ہوتا تھا اسی طرح اس کی تقسیم بھی مسلسل جاری رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ عہد عباسی تاریخ اسلام کا زرین دور کہلایا اور اس نے ایک جدید تمدن کو جنم دیا۔

لیکن یہ بات واضح نہیں ہو سکی کہ آیا شرعی محاصل شرعی احکامات کے تحت ہی استعمال ہوتے تھے یا نہیں؟

چونکہ ”تشخیص“ محاصل کے اصول کی بنیاد تحصیل محاصل کے وہ طریقے تھے جو امت مسلمہ کے ابتدائی زمانے میں رائج تھے اس لیے نظری طور پر کبھی یہ اصول تسلیم نہیں کیا گیا کہ مالیے کی تمام کی تمام رقم بلا امتیاز ہر قسم کے اخراجات پر خرچ کی جا سکتی ہے(۴)۔

مثلاً اسی نظریے کی رو سے زکوٰۃ جو ایک خالص اسلامی ٹیکس تھا، صرف قرآن مجید کی بیان کردہ مدات پر، جیسے خیرات، جہاد، مسلمانوں غلاموں کو آزاد کرانے اور مساکین اور مسافروں کو سہولتیں بہم پہنچانے پر خرچ ہونی چاہیے۔ لیکن اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اس تفریق یا امتیاز کو عملاً کس حد تک قائم رکھا جاتا تھا اور ایسے حالات میں کہ ملک وملت نازک صورت حال سے دوچار ہوتی تو ان کو قائم رکھنے کی کیا صورت ہوتی تھی(۵)۔ اسی طرح عشر، اور خمس کے بارے میں بھی خاموشی ہے۔

آمدنی کے جن ذرائع کے متعلق یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ شریعت یا قانون کے احکام کے مطابق خرچ کیے جاتے تھے وہ ”اوقاف“ اور ”حبوس“ وغیرہ تھے۔ جن کی حیثیت عطیات کی تھی۔ گو ان مدات کا تعلق خزانہ عامرہ کے محاصل سے نہ تھا لیکن حکومت ان پر کڑی نگرانی رکھتی تھی اور اس سلسلے میں قاضی کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں تاکہ ان کا غلط یا بے جا استعمال نہ ہو(٦)۔

اسی طرح مفتوحہ زمینیں فاتحین میں تقسیم نہیں کی جاتی تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ یہ اصول حضرت عمرؓ نے جاری کیا تھا۔ آپ نے ان زمینوں سے خراج وصول کر کے انہیں سارے مسلمانوں میں تقسیم کرنے کا جو فیصلہ کیا وہ اسلامی معاشرہ

کے مفاد میں تھا۔ اس خراج سے سرحدوں کی حفاظت کا بندوبست کیا جاتا تھا۔ جہاد کے اخراجات فوجیوں اور تنخواہ دار محافظوں کی تنخواہیں دی جاتی تھیں اور مفاد عامہ پر خرچ کیا جاتا تھا(۷)۔ دیگر ٹیکسز اور ذرائع آمدن بیت المال میں جمع ہوتے تھے اور وہیں سے مختلف مدآت پر خرچ کیے جاتے تھے مثلاً

1:- سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کی ادائیگی

2:- رفاہی اور فلاحی امور کے اخراجات

3:- خلیفہ، شاہی خاندان اور ان سے متعلقہ امور کے اخراجات

4:- عوام کی بنیادی ضروریات کی فراہمی پر اٹھنے والے اخراجات

5:- انعام و کرام، عطایا، ھدایا مختلف وظائف اور گزارہ الاونس وغیرہ کی ادائیگی جیسے امور کے اخراجات

6:- شہروں، محلات، بازاروں، نہروں، فنونِ لطیفہ اور دیگر تعمیرات کے اخراجات وغیرہ

رعایا کی بنیادی ضرورتیں (خلیفہ منصور کی نظر میں)

خلیفہ منصور کا کہنا تھا کی رعایا کی تین ضرورتیں اور حاجتیں اگر پوری کر دی جائیں تو پھر انہیں سربراہ مملکت کی براہ راست ضرورت نہیں رہتی۔ وہ ضرورتیں یہ ہیں: (۸)

1:- قاضی اور منصف کا تقرر، تا کہ ان کے جھگڑے نمٹائے جا سکیں۔

2:- پرامن راستے، تا کہ دن رات سفر کر سکیں۔

3:- محفوظ سرحدیں، تا کہ دشمن سے بچ سکیں۔

ان کے علاوہ ابو جعفر منصور کے خیال میں سلطنت کے چار ستون وہ چار اشخاص ہوتے ہیں جن کے بغیر سلطنت مضبوط نہیں رہ سکتی۔ ان کی مثال تخت کے چار پایوں کی ہے کہ جب تک وہ چار پائے عمدہ سیدھے اور مضبوط نہ ہوں تخت مضبوط نہیں رہ سکتا کیونکہ اگر ایک پایہ بھی خراب ہو تو تخت کمزور رہ جائے گا۔ وہ ستون یہ ہیں: (۹)

1:- قاضی ------ ایسا ہو جس پر اللہ کے حق میں کسی لعنت و ملامت کا اثر نہ ہو۔

2:- کوتوال ------ ایسا ہو جو قوی کے مقابلے میں ضعیف کے حق میں انصاف کرے۔

3:- افسر مال ------ جو پوری مال گزاری وصول کرے مگر رعایا پر ظلم نہ کرے۔

4:- افسر ڈاک ------ جو ان سب اعمال کی کارکردگی کی صحیح اور درست خبریں خلیفہ کو بھیجتا رہے۔

خلیفہ منصور سمیت عباسی خلفاء نے اس نظریہ کو صرف نظریہ ہی کی حد تک نہیں رہنے دیا بلکہ اسے پوری طرح نافذ کر کے دکھا دیا۔ انہوں نے ہمیشہ عوام کی فلاح و بہبود کی خبر رکھی اور انہیں زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کرنے کا اہتمام کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ عوام کو وہ تمام بنیادی سہولیات حاصل تھیں، جو ایک متمدن معاشرہ میں حاصل ہو سکتی ہیں۔ مثلاً

عوام کو میسر سہولیات

رہائش

عباسی حکومت نے وسیع پیمانے پر شہر اور بستیاں آباد کیں۔ جن میں ہر طرح کی ضروریات کو پورا کرنے کا بندوبست کیا گیا۔ ان میں بازار اور منڈیاں قائم کی گئیں اور ان تک پہنچنے کے لیے سڑکوں اور شاہراہوں کا جال بچھا دیا(۱۰)۔

خوراک

خوراک کے لیے زراعت اور صنعت وحرفت کو فروغ دیا۔ روزگار کے مواقع فراہم کیے گئے۔ آبپاشی و آب رسانی کے لیے نہریں، کنویں، تالاب اور حوض بنائے گئے، چشموں کو تصرف میں لایا گیا(۱۱)۔

صحت

صحت کے لیے اطباء اور حکماء کا انتظام کیا گیا ہسپتال کھولے گئے جہاں عوام کی سہولیات کا خیال رکھا گیا اور مستند طبیب و حکیم مقرر کیے۔(۱۲)

تعلیم

تعلیم کے لیے مراکز قائم کیے مسجدیں بنوائیں۔ مختلف علوم کی کتابیں منگوا کر عربی میں ترجمہ کروایا گیا، فقہ، حدیث، تاریخ، تفسیر سب پر بہت کام ہوا۔ تعلیم مفت اور عام کی گئی (۱۳)۔

انصاف

انصاف کے حصول کے لیے عدالتیں قائم کی گئی تھیں۔ جن میں قاضی مقرر تھے۔ جو عوام کو انصاف مہیا کرتے تھے۔ بلکہ بعد کے زمانے میں تو فقہ کے چاروں مکاتب فکر کے قاضی مقرر کیے جاتے تھے۔ تاکہ ہر کسی کو اس کے مسلک کے مطابق انصاف مہیا کیا جا سکے(۱۴)۔ الغرض زندگی کے تمام شعبوں پر توجہ دی گئی جس سے خوشحالی و ترقی کو فروغ ملا۔

ان تمام شعبہ جات کے تمام اخراجات بیت المال عامہ برداشت کرتا تھا۔ مرکزی سطح پر جو اصلاحات کی جاتیں ان کے اخراجات مرکزی بیت المال سے پورے کیے جاتے تھے اور صوبائی سطح پر اخراجات صوبائی بیت المال پورے کرتے تھے۔ اسی طرح بیت المال کے مختلف شعبہ جات اپنے اپنے دائرہ کار میں مصروف عمل رہتے تھے۔

پرامن راستے

راستے پرامن تھے۔ شاہراہوں پر حفاظتی انتظامات کیے جاتے تھے۔ جن سے تجارتی قافلے اور مسافر امن و سکون سے اپنا سفر جاری رکھتے تھے(۱۵)۔

بہترین دفاعی نظام

دشمن سے حفاظت کے لیے دفاع کا نظام مستحکم بنایا گیا۔ باقاعدہ تنخواہ دار فوج رکھی گئی۔ جہاد باقاعدگی سے کیا جاتا تھا۔ جس سے دشمن مرعوب رہتے (۱۶)۔

ڈاک کا نظام

ڈاک کے نظام کو منظم اور بہتر بنایا گیا۔

خلافت کے مالیاتی ادارے

بیت المال

یہ سلطنت کا سب سے بڑا مالیاتی ادارہ تھا۔ جہاں تمام آمدنی جمع کر دی جاتی تھی۔ پھر یہیں سے تمام اخراجات کے لیے رقم حاصل کی جاتی تھی۔ یہاں بہت زیادہ عملہ ہوتا تھا۔ جنہیں "کتاب" اور "حساب" کہا جاتا تھا(۱۷)۔ اس عملہ کی خدمات مختلف شاخوں میں منقسم تھیں۔ مثلاً خراج، ضیاع اور ضبط شدہ جائیدادوں کے اعداد وشمار کے لئے شعبہ جات وغیرہ جن پر مختلف عملہ معمور تھا(۱۸)۔ یہاں اعداد وشمار کے لئے دیوانی رسم الخط استعمال ہوتا تھا جس کے تحت رسم الخط حروف اور بعض مخصوص علامتوں کا مجموعہ تھا۔ جو اعداد کے ناموں کو مختصر کر کے بنایا گیا تھا۔ جو آج بھی بعض ممالک میں عربی اعداد کی بجائے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً دس کے لیے عشر استعمال ہوتا ہے۔ عشر = دس (۱۹)۔

خلافت کے انحطاط کے دور میں "بیت المال" کی بجائے "مخزن" کی اصطلاح استعمال ہونے لگی تھی۔ کیونکہ اس میں تحائف، عطایا، طراز وغیرہ کی قیمتی پیداواریں اور جنس کی صورت میں ادائیگیاں جمع ہوتی تھیں۔ نام کی تبدیلی سے ظاہر ہوتا ہے کہ نقدی کی صورت میں وصولی کم ہوگئی تھی اور اجناس کی صورت میں وصولی بڑھ گئی تھی (۲۰)۔

اس بیت المال کے مختلف شعبے تھے جن کے ذمہ مختلف مدآت پر خرچ کرنا ہوتا تھا۔ ہر شعبہ مخصوص مقاصد اخراجات کے لیے قائم کیا گیا تھا مثلاً

بیت المال عام، یا خزانہ عامرہ

بیت المال کا وہ حصہ جو پوری سلطنت کے مختلف قسم کے مالیاتی اخراجات پورے کرتا تھا۔ ان میں ہر قسم کے وظائف و تنخواہیں اور حکومت کے دیگر انتظام والصرام کے اخراجات شامل ہوتے تھے۔ مثلاً مسلح افواج، عدلیہ، انتظامیہ، تعلیم، صحت اور دیگر سرکاری ملازمین کی ماہانہ تنخواہیں اسی شعبہ سے ادا کی جاتی تھیں۔ اسی طرح نئے شہر اور بستیوں کی تعمیر، نہریں، ندی نالے، کنویں، حوض، تالاب، پلوں اور دیگر رفاہی اداروں کے اخراجات اسی شعبہ کے ذمہ تھے(۲۱)۔

بیت المال خاص

خلفاء کے خصوصی اور ذاتی اخراجات "بیت المال خاص" سے پورے کیے جاتے تھے۔ خلیفہ کے اہل وعیال عزیزوں، رشتہ داروں، عملہ کے لوگوں، ملازموں، محلوں، خلیفہ کے حاشیہ نشینوں، خدام اور باندیوں کے اخراجات بھی اسی خزانہ سے حاصل کیے جاتے تھے۔ لوگوں کو عطایا اور ہدایا بھی یہاں سے دیئے جاتے تھے۔ اس بیت المال خاص کی مختلف کاموں کے لیے مختلف چھوٹی چھوٹی شاخیں تھی۔ جو خلیفہ کی ضروریات پوری کرتی تھیں۔ حسابات بڑی باقاعدگی اور نظم وترتیب سے رکھے جاتے تھے۔ ہر شاخ کا ایک محاسب (اکاؤنٹنٹ) ہوتا تھا(۲۲)۔

خلیفہ یا سلطان کے شخصی خزانے "بیت المال خاص" اور خزانہ عامرہ یا بیت المسلمین یا صرف "بیت المال" میں یہ امتیاز بہت سخت نہ تھا کیونکہ شخصی خزانے میں خلیفہ کی ذاتی جائیدادوں سے وصول ہونے والی رقموں کے علاوہ بعض عمومی محاصل بھی داخل کر دیئے جاتے تھے۔ مثلاً جرمانے، ضبطیاں اور انفرادی محاصل اور وہ محاصل جو جنوبی ایران کے بعض صوبوں سے وصول ہوتے تھے۔ یہ بات اول تو اس لیے کی جاتی تھی کہ ضروریات دربار اور کارہائے خیر کے لیے جو خلیفہ یا اس کے جانشینوں کو سرانجام دینے ہوتے تھے رقم کی ضرورت ہوتی تھی۔ خلیفہ کی حیثیت خواہ کچھ بھی ہو عملاً اس کا ذاتی یا خاصہ کا

روپیہ خزانہ عامرہ کے لیے ایک طرح کے محفوظ سرمائے کا کام دیتا تھا۔ جس میں پیشگیاں نکال لی جاتی تھیں خواہ بعد میں وہ ادا کی جائیں یا نہ کی جائیں (۲۳)۔

بیت المال السّرور

داد وہش اور تحائف دینے کے لیے ایک خاص شعبہ "بیت المال السّرور" کے نام سے تھا۔ یہاں سے ہر اس شخص کو نوازا جاتا تھا جو فنی یا ادبی حیثیت سے کوئی خاص مقام رکھتا تھا۔ یعنی شعراء، ادباء، راوی، نیز گویے، موسیقار، مسخرے، دوست اور وہ لوگ جو خلیفہ کی مجلس خاص میں حاضر رہتے تھے (۲۴)۔

بیت المظالم

بیت المظالم کے نام سے بھی بیت المال میں ایک محکمہ بنایا گیا تھا جس میں تمام ضبط شدہ مال اور جرمانے وغیرہ جمع کیے جاتے تھے۔ گورنر اور وزراء کے اعمال کا سختی سے محاسبہ کیا جاتا یا جرمانہ کیا جاتا تھا۔ ان سے جو برآمد کیا جاتا، جرمانہ کیا جاتا یا مال ضبط کر لیا جاتا تو یہ سب بیت المظالم میں جمع کر دیا جاتا تھا۔ پھر یہ رقم انعام و اکرام، ہدایہ، وظائف اور دیگر رفاہی امور پر خرچ کی جاتی تھی (۲۵)۔

اس کے علاوہ بعض اوقات انعامات دینے کے لیے "ضبط شدہ متروکہ مال بیت المال" میں جمع ہونے سے پہلے ہی استعمال کر لیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ۱۷۳ھ میں ہارون الرشید نے محمد بن سلیمان گورنر کے چھ کروڑ درہم جب ضبط کیے تو انہیں اپنے ندیموں گویوں، مصاحبوں وغیرہ میں تقسیم کر دیا اور سرکاری خزانہ میں ایک درہم بھی داخل نہ کیا گیا (۲۶)۔

صوبائی نظام

ہر صوبہ کا ایک علیحدہ نظام تھا جس کا ڈھانچہ مرکزی حکومت کے نظام کے مطابق ہوتا تھا۔ صوبے اپنی ساری آمدنی مرکز کو نہیں بھیجتے تھے۔ بلکہ مقامی ضروریات پر خرچ کرنے کے بعد جو رقم بچ جاتی وہ مرکز کو بھیج دیتے تھے۔ بلکہ بچی ہوئی رقم جب بہت زیادہ جمع ہو جاتی پھر بھیجتے ساتھ ساتھ نہیں بھیجتے تھے اور جب ریاست کو کوئی فوری ضرورت پیش آ جاتی تو "عامل" ہنڈیاں بھی دیتا اور رقوم موصولہ کی ادائیگی کا ضامن ہوتا اور "دیوان" ان ہنڈیوں کی بنیاد پر اپنے قرض خواہوں سے تصفیہ کر لیتا تھا (۲۷)۔

صوبائی خود مختاری کا نقصان

صوبائی مالی انتظام کی مکمل آزادی ان اسباب میں سے ایک ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ خود مختار حکومتیں مختلف علاقوں میں کیونکر بغیر کسی دقت اور پیچیدگی کے اپنے آپ کو مضبوط بنیادوں پر قائم و استوار کر لیتی تھیں (۲۸)۔

رفاہِ عامہ کے لیے عمال کو خلافت کی طرف سے عطیات و فنڈز کی فراہمی

رفاہ عامہ کے لیے عامل کو رقم دی جاتی تھی۔ جو ہزاروں اور لاکھوں میں ہوتی تھی اور خلیفہ متعلقہ عمال کے رفاہ عامہ پر لگی رقم یا کاموں کو دیکھ کر اسے مزید رقم عطا کرتے۔ جو اس میں نااہلی دکھاتا اسے کم رقم دی جاتی۔ جیسا کہ منصور نے ایک مرتبہ محمد بن سلیمان کو بیس ہزار درہم اور جعفر اس کے بھائی کو دس ہزار درہم دیے۔ جعفر نے شکایت کی کہ محمد مجھ سے چھوٹا ہے لیکن رقم زیادہ دی گئی ہے۔ منصور نے جواب دیا کہ اس کے رفاہ عامہ کے کام مجھے نظر آتے ہیں۔ تمہارے اس جیسے نہیں اس لیے (۲۹)۔

اسی طرح درج ذیل چند واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عاملین کو حکومت کی طرف سے سرکاری و دیگر امور کے لیے جو رقم فراہم کی جاتی تھی وہ خلیفہ یا متعلقہ افسر کی صوابدید پر منحصر ہوتی تھی۔ جو جس کو جتنی مناسب سمجھتا عطا کر دیتا تھا مثلاً:

1:- ''ابراہیم بن جبرئیل عامل بجستان (۱۷۸ھ) بیان کرتا ہے جب میں نے اپنے علاقے کی آمدنی فضل بن یحییٰ کو بھیجی تو اس نے سب مجھے عطا کر دی نیز اس کے علاوہ پانچ لاکھ درہم اپنے پاس سے مزید بھیجے (۳۰)۔

2:- ابراہیم کو کابل کی فتح میں بے شمار مال غنیمت ملا اور سات کروڑ درہم وصول ہوئے۔ اس کے علاوہ چار کروڑ درہم خراج کے بھی ملے۔ جب یہ فضل بن یحییٰ کو دیئے گئے تو اس نے ابراہیم کو ہی عطا کر دیئے (۳۱)۔

3:- ۲۱۳ھ میں مامون نے اپنے بھائی ابو اسحاق کو شام اور مصر کا اور اپنے بیٹے عباس کو جزیرہ سرحدی علاقے کا والی مقرر کیا تو ان دونوں اور عبداللہ بن طاہر کو پانچ پانچ لاکھ دینار نقد دیئے۔ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کسی ایک ہی دن میں اتنی بڑی رقم خرچ نہیں کی تھی (۳۲)۔

4:- علی بن ہشام والی جبال کو مامون نے بڑی بڑی رقمیں صلے اور انعام میں دی۔ جس کی مقدار پانچ کروڑ درہم سے زیادہ ہے (۳۳)۔

5:- داؤد بن عیسیٰ کو مکہ و مدینہ کا والی بناتے وقت پانچ لاکھ درہم بطور مدد دیئے (۳۴)۔

مسلمانوں کے مال سے ''ذاتی استعمال'' کی ممانعت

اسلام میں مسلمانوں کے مال سے ذاتی فائدہ اٹھانے کی ممانعت ہے:

''اگر انعامات دینے میں مسلمانوں کی کوئی مصلحت نہ ہو صرف معطی (عطا دینے والے) کا نفع ہو تو خود اس کے ذاتی مال سے دینا ہوگا''۔ (۳۵)

حضرت عمرؓ کی ایک مثال:-

ایک دن ایک اعرابی حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کچھ اشعار پڑھے سوالاً جواباً اس طرح گفتگو ہوئی کہ اعرابی کہنے لگا کہ آپ ضرور میری مالی مدد فرائیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ اگر میں ایسا نہ کروں تو کیا ہوگا؟

اعرابی ۔۔۔۔ اے ابو حفص میں چلا جاؤں گا۔

حضرت عمرؓ ۔۔۔۔ اگر چلا جائے گا تو کیا ہوگا؟

اعرابی ۔۔۔۔ جس دن باز پرس ہوگی اور ہر شخص جنت یا دوزخ میں جائے گا تو تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا۔

حضرت عمرؓ بہت روئے اور ملازم سے کہا کہ میرا کرتا اسے دے دو اور ساتھ ہی فرمایا:

''میں یہ اس دن کے خوف سے دیتا ہوں۔ اس کے شعروں کی وجہ سے نہیں۔ خدا کی قسم میں اس کرتہ سے زیادہ کا مالک نہیں ہوں''۔

چونکہ اس کی منفعت ان کی ذات تک محدود تھی مصالح سے تعلق نہ تھا اس لیے آپ نے اپنے ہی مال سے عطا فرمایا، مسلمانوں کے مال سے نہیں دیا (۳۶)۔

جب کہ عہد عباسی میں ''درہم اور دینار'' انعام و اکرام اور دیگر اخراجات میں پانی کی طرح بہائے جاتے تھے اور یہ یقیناً عوام ہی کا پیسہ ہوتا تھا۔ درباریوں، امراء، ادباء، شعراء اور خواص کو عطایا و ہدایا اور جاگیریں دینے سے سوائے اس کے کہ

خلفاء کی ذاتی منفعت حاصل ہوتی تھی عوام کی کیا بھلائی تھی۔ اور جس شخص کو یہ عطیات دیئے جاتے تھے وہ یقیناً عوام میں اثر ورسوخ والا ہوتا تھا۔ جس سے خلفاء کا کوئی نہ کوئی مفاد وابستہ ہوتا تھا۔ مثلاً شعراء، مسخروں اور درباریوں کو منہ بند رکھنے کے لیے اور رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے انعامات وصلہ جات دیئے جاتے تھے۔ اس طرح حق بیعت کے نام پر جو رقم بیت المال سے خرچ ہوتی تھی وہ بھی عوام کی تھی جبکہ فائدہ خلیفہ کی درازیٔ خلافت کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا۔ تاہم خلیفہ منصور کے بعد ہی زیادہ تر بیت المال کو خلفاء کے ذاتی مفاد کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ کیونکہ خلیفہ سرکاری روپیہ کو اپنی ذات پر نہ خود خرچ کرنا پسند کرتا تھا اور نہ ہی کسی اور کو اس کی اجازت دیتا تھا۔ جیسا کہ اپنے ولی عہد بیٹے مہدی کو وصیت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

> ''سرکاری مال گزاری میں سے اپنے لئے کبھی کچھ نہ لینا کیونکہ جو کچھ میں تمہارے لیے چھوڑ جاؤں گا اس کے ہوتے ہوئے تم کو اس کی حاجت ہی نہ پڑے گی۔ عزیز واقرباء کو انعام وصلہ دینے سے گریز کرنا۔ سرکاری روپیہ میں نہ اسراف کرنا، نہ اپنوں پر خرچ کرنا، معاش میں اضافہ کرنا، رعایا کا خیال کرنا، رفاہ عامہ کے انتظام کرنا، ان کی تکالیف کو دور کرنا، سلطنت کی آمدنی میں اضافہ کرنا، اور اسے جمع رکھنا، کبھی فضول خرچی نہ کرنا، جس قدر ممکن ہو سپاہی، جانور اور فوج مستعد رکھنا، سرحدوں پر کافی اسلحہ اور فوج تیار رکھنا، راستے مامون رکھنا'' (۳۷)۔

تاہم وسیع ترین سلطنت عباسی کی بے پناہ دولت کا استعمال کن اصولوں کے تحت اور کیسے کیا جاتا تھا؟ اس کا خاکہ کچھ اس طرح سے ہے:

اخراجاتِ مملکت

1:- دفاعی اخراجات

عصر حاضر کی طرح عہد عباسی میں بھی قومی آمدنی کا زیادہ تر حصہ دفاع پر خرچ کیا جاتا تھا۔ اس کے لیے باقاعدہ طور پر ایک محکمہ قائم تھا جو دیوان الجند کہلاتا تھا (۳۸)۔ یہ محکمہ فوج، اس کے اخراجات اور اس سے متعلقہ تمام امور کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ عباسی خلفاء جہاد کے بہت شوقین تھے وہ سارا سال جہاد کی مہم کے لیے منصوبہ بندی کرتے رہتے تھے اور خلیفہ ہارون الرشید کا تو معمول تھا کہ وہ ایک سال حج کرتا اور ایک سال جہاد کرتا (۳۹)۔ خلیفہ معتصم تک جہاد باقاعدگی سے ہوتا رہا۔ اس کے بعد جہاں دیگر معاملات خلافت میں فرق آیا وہاں جہاد میں بھی کمی واقع ہوئی (۴۰)۔

جہاد خشکی اور بحری دونوں راستوں سے کیا جاتا تھا اور اس کے علاوہ موسم گرما اور سرما کے حساب سے معرکہ آرائی ہوتی تھی۔

دفاعی محاذ دو طرح کے تھے۔ ایک تو ملکی سرحدوں کی حفاظت کے لیے جہاد کیا جاتا تھا۔ دوسرے محاذ پر خلیفہ کے اقتدار یعنی خلافت کی حفاظت کی جاتی تھی۔

دراصل جہاد کے علاوہ خلفاء کو ملکی معاملات اور خلافت کے قیام ودوام کے لیے بھی فوج کا مرہون منت رہنا پڑتا تھا۔ خلفاء کو ہمیشہ خلافت کی حفاظت کرنا پڑتی تھی۔ جس کے لیے آئے دن مخالفین خوارج، علویوں اور باغیوں کی سرکوبی کے لیے محاذ آرائی جاری رہتی تھی اور خلافت کے دیگر دعوے داروں سے خلافت کو بچانا ہوتا تھا۔ اس مقصد کے لیے باقاعدہ

تنخواہ دار فوج کے علاوہ دیگر رضا کار بھی خدمت سرانجام دیتے تھے۔ ۱۵۴ھ میں عباسیوں کے پاس مستقل طور پر پچاس ہزار سپاہی تھے جو بیت المقدس میں خوارج کی سرکوبی کے لیے بھیجے گئے ان کی تیاری پر منصور نے چھ کروڑ تیس لاکھ درہم خرچ کیے۔

عہد عباسی میں بھی فوج کو ویسی ہی اہمیت حاصل تھی۔ جیسا کہ آج کے دور میں ہے۔ آج ملکی خانہ جنگی، انارکی خلفشار کے دور میں فوج حکومت کا تختہ الٹ کر خود اقتدار سنبھال لیتی ہے۔ جیسا کہ پاکستان، بنگلہ دیش، عراق اور دیگر ممالک میں ہوتا رہا ہے۔ لیکن عہد عباسی میں فوج خود اقتدار سنبھالنے کی بجائے بغاوت کر دیتی تھی (۴۱) جس سے ایک خلیفہ کو اتار کر کسی دوسرے کو خلیفہ بنا دیا جاتا تھا۔ اسی لیے فوج کو قابو اور اپنی حمایت میں رکھنے کے لیے خلفاء کو انعام و کرام اور دیگر مراعات پر بے انتہا رقم خرچ کرنا پڑتی تھی۔ لہٰذا خلافت کی بڑھتی ہوئی مالی مشکلات عظیم اقتصادی حادثے کا نتیجہ نہیں ہوتی تھی۔ اس کی وجہ مقابلتہً ضروری اخراجات اور خاص کر فوجی اخراجات میں اضافہ تھا۔ جنہیں صوبائی اخراجات کی کمی کے تناسب کے لحاظ سے کم کرنا ناممکن تھا (۴۲)۔

عام طور پر ایک پیادہ سپاہی کی تنخواہ تقریباً ایک ہزار درہم سالانہ تھی۔ سوار کی اس سے دو چند تھی۔ یوں گویا پچاس ہزار فوجیوں کی صرف تنخواہ ہی ساڑھے سات کروڑ درہم سالانہ بنتی تھی۔ اس رقم میں فوجی افسروں کے غیر معمولی مشاہرے، عطا و انعامات، فوج کو ساز و سامان سے مسلح رکھنے اور کھانے پینے اور قلعہ بندی کے مصارف بھی شامل کر لیں تو اخراجات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ تیسری صدی ہجری / نویں صدی عیسوی کے وسط میں افواج کا خرچ بیس کروڑ درہم تھا۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس وقت شہری اخراجات کے لیے اس رقم کا صرف نصف بچتا ہوگا۔ (ان میں وہ محاصل شامل نہیں جن کا خراج کے میزانیے میں ذکر نہیں ملتا۔) یہ خرچ کتنا تھا اس کا پتہ چلانا مشکل ہے اگرچہ ہمیں حکومت اور عدلیہ، انتظامیہ وغیرہ کے مشاہروں کا کچھ علم ہے (۴۳)۔

لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ جدید ٹیکنالوجی اور ایٹم بم کے دور میں دفاعی اخراجات اور ۱۴ سو سال پہلے کے دور کے دفاعی اخراجات میں اپنے اپنے دور کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ دونوں ادوار میں اسے ترجیح حاصل ہے۔

بری اور بحری جہاد کے اخراجات

عباسی سلطنت کی سرحدیں بری اور بحری دونوں جانب سے دشمن ممالک سے ملی ہوئی تھیں۔ جہاں ان سے معرکے ہوتے تھے۔ یہ سرحدی مقامات ثغور کہلاتے تھے مثلاً ثغور الشامیہ، ثغور الجزریہ، ثغور البحریہ ثغور البکریہ وغیرہ (۴۴)

سرحدی انتظامات

ان سرحدوں کی حفاظت کے لیے باقاعدہ تنخواہ دار اور رضا کار فوج موجود رہتی تھی۔ اس کے علاوہ قلعوں، دروں اور تنگناؤں کی حفاظت بھی فوج کرتی تھی۔ خبر رسانی، جاسوسی اور چوکی پہرہ جیسے انتظامات بھی باقاعدہ کیے جاتے تھے۔ سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے لیے قلعے تعمیر کیے جاتے تھے (۴۵)۔

سرحدی انتظامات کے اخراجات

ان تمام سرحدی انتظامات و حفاظتی امور پر اٹھنے والے اخراجات انہی علاقوں کے خراج وغیرہ سے پورے کیے جاتے تھے۔ اگر یہ کم پڑتے تو پھر حکومت یہ اخراجات پورے کرتی تھی (۴۶)۔

بری جہاد کے اخراجات

بری جہاد میں سوار اور پیادے شامل ہوتے تھے۔ اس جہاد میں مورچہ بندی، خندق اور منجنیقوں (آتش بازی، گرم تیل اور

پتھر پھینکنے والا آلہ) کا استعمال کیا جاتا تھا۔ تلوار اور نیزہ سے دوبدو جنگ ہوتی تھی (۴۷)۔

ثغور الشامیہ کے اخراجات

ثغور الشامیہ کا خراج تقریباً ایک لاکھ دینار تھا اور یہ سارا اس سرحدی علاقہ کے انتظامات پر خرچ کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ گرما اور سرما کے جہادوں کا خرچ دو سے تین لاکھ دینار سالانہ تھا (۴۸)۔

ثغور الجزریہ (۴۹)

یہاں بہت سے قلعے تھے اور ان پر مامور عملہ کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ اس سرحدی حلقے کے انتظامات پر ۴۰ ہزار دینار خرچ ہوتے تھے اور باقاعدہ و بے قاعدہ فوج پر کم از کم ۲۰،۰۰۰ ،۱ اور زیادہ سے زیادہ ۳۰،۰۰۰ ،۱ دینار یعنی تقریباً دو لاکھ دینار خرچ ہوتا تھا اور جنگوں کے اخراجات ان کے علاوہ تھے۔ جیسی جنگ ہوتی ویسا ہی خرچ ہوتا تھا۔

ثغور الجزریہ کا خراج و اخراجات

اس کا خراج ۷۰ ہزار دینار تھا جو اسی پر خرچ ہو جاتا تھا۔

ثغور البکریہ (۵۰)

اس علاقہ کا سالانہ خراج ۱۳ لاکھ درہم تھا۔ جبکہ اخراجات کے لیے ۱۳ لاکھ درہم کے علاوہ ۱۷ لاکھ درہم مزید درکار ہوتے تھے۔ اس طرح اس سرحدی مقام کا کل خرچ ۳۰ لاکھ درہم تھا۔ کش اور کندک جیسے سرحدی علاقوں جو مسلمانوں کے مطیع و فرماں بردار تھے۔ ان سے بھی اکثر مقابلہ ہوتا رہتا تھا (۵۱)۔

☆ بحری جہاد (ثغور البحریہ)

ساحلی سرحدی مقامات ثغور البحریہ کہلاتے تھے۔ بحری جہاد میں جہازوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ ثغور الشامیہ کی بحری جنگوں میں شام و مصر کے ۸۰ سے ۱۰۰ تک جہاز حصہ لیتے تھے۔ جب یہ جہاز سمندر کی طرف روانہ ہوتے تو مصر اور شام کے علیحدہ علیحدہ جہاز و فوجی لکھ لیے جاتے تھے اور ان کے لیے ضروری سامان (رسد) قبرص میں جمع رہتا تھا۔ ان شامی و مصری جنگی جہازوں کا خرچ جنگ کے دنوں میں ایک لاکھ دینار ہوتا تھا (۵۲)۔

جہازوں کے مجموعہ کو اسطول کہا جاتا تھا اور خشکی میں لشکروں کے مجموعہ کو معسکر کہتے تھے (۵۳) اور ایسی جنگی کشتیاں جن سے دریا میں ہی دوسری جنگی کشتیوں پر آگ برسائی جاتی تھی حراقہ کہلاتی تھیں (۵۴)۔

مختلف موقعوں پر جہاد کے فرائض

۱۶۵ھ میں ہارون نے جب روم پر چڑھائی کی تو اس کے ساتھ پچانوے ہزار سات سو ترانوے فوجی تھے اور ان کے اخراجات کے لیے "ایک لاکھ چورانوے ہزار چار سو پچاس دینار" اور دو کروڑ دس لاکھ چودہ ہزار آٹھ سو درہم تھے (۵۵)۔

ہرقلہ پر چڑھائی

۱۹۰ھ میں فتح ہرقلہ کے موقع پر ہارون کے ساتھ ایک لاکھ پینتیس ہزار (۱،۳۵،۰۰۰) باقاعدہ تنخواہ یافتہ فوج تھی۔ اس کے

علاوہ رضا کار اور دوسرے وہ لوگ تھے جن کا نام دیوان میں درج نہ تھا(۵۶)۔

عموریہ کی فتح

معتصم باللہ عموریہ پر ۹۰،۰۰۰ سپاہ لے کر حملہ آور ہوا۔

عباسیہ فوج کا قیام

۱۷۸ھ میں فضل بن یحییٰ نے خراسان میں خالص عجمیوں کی فوج تیار کی جس کا نام عباسیہ رکھا اس کی تعداد پانچ لاکھ تھی۔ اس میں بیس ہزار بغداد آئے باقی خراسان میں ہی رہے(۵۷)۔

معرکۂ زاب

مسند خلافت سنبھالتے ہی ابوالعباس کو مروان کی سرکوبی کے لیے معرکہ زاب پیش آیا۔ جس میں اس کی فوج کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ جب یہ جنگ جیت لی گئی تو ہر فوجی کی تنخواہ اسی درہم ماہانہ مقرر کر دی گئی اور جنگ جیتنے کے انعام کے طور پر ہر فوجی کو پانچ سو درہم دیئے گئے۔ اس طرح ساٹھ لاکھ رقم خرچ ہوئی(۵۸)۔

کل فوج	رقم فی فوجی	کل رقم جو خرچ ہوئی
۱۲،۰۰۰	۵۰۰	۶۰۰۰،۰۰۰ درہم

موسم گرما اور موسم سرما میں جہاد

جہاد موسم سرما اور موسم گرما دونوں میں کیا جاتا تھا۔

موسم گرما کا جہاد

موسم گرما کا جہاد سخت ہوتا تھا۔ جو الربیعیہ کہلاتا تھا اور اس کا آغاز دس مئی (آیار) سے ہوتا تھا اور ۱۰ جون (حزیران) تک یہ سرحدوں پر رہتے۔ اس دوران ان کے سپاہ کے جانوروں کے لیے بلاد روم میں چارہ کی بہتات ہوتی تھی۔ پھر وہ جون کے بقیہ ۲۰ دن اور جولائی (تموز) کے پانچ دن کل ۲۵ دن آرام کرتے۔ یہاں تک کہ جانور پھر توانا ہو جاتے اور لوگ الصائفہ کے لیے جمع ہو جاتے اور ۱۰ جولائی کو جنگ کے لیے نکل کھڑے ہوتے اور ۶۰ دن وہاں ٹھہرتے۔(۵۹)

الشواتی یعنی موسم سرما کا جہاد

اگر سرما میں جہاد ناگزیر ہوتا تو صرف ۲۰ دن تک جہاد کیا جاتا۔ جس میں بہت دور تک نہ جاتے تھے بلکہ اتنی مسافت پر جاتے جس سے سامان ضرورت اپنے گھوڑوں پر لاد کر لے جا سکتے تھے جو بیس دن کے لیے کافی ہوتا۔ یہ "حرب سباط" کہلاتی اور فروری کے آخر میں شروع ہوتی اور مارچ تک قیام کرتے(۶۰)۔

خواتین کا جہاد میں حصہ

جہاد میں صرف مرد ہی برسرپیکار نہیں ہوتے تھے بلکہ عورتیں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔ جیسا کہ ۱۳۹ھ میں صالح بن

علی کی بہنیں "ام عیسیٰ" اور "لبابہ" بھی رومیوں کے خلاف جہاد میں شریک ہوئیں (۶۱)۔

فوجی چھاؤنیوں کا قیام

عصر حاضر کی طرح پورے ملک میں فوج کے لیے علیحدہ چھاؤنیاں بنائی جاتی تھیں۔ جیسا کہ بغداد کی تعمیر کے بعد شہر کے گرد فوجیوں کے لیے سفیدہ زمین تقسیم کی اور خراسان کے ہر شہر کی نفری کے لیے الگ الگ کوٹہ مقرر کیا۔ پھر سب کو وہاں مکان تعمیر کرنے میں مدد دی (۶۲)۔ اسی طرح رشید نے مہدی کی خلافت میں حصن منصور تعمیر کیا اور اس میں محافظ فوج رکھی (۶۳)۔ سامرہ کی تعمیر بھی چھاؤنی کے طور پر ہوئی تھی (۶۴)۔ اس کے علاوہ شہروں کی حفاظت کے لیے بے شمار قلعے تعمیر کیے جاتے تھے۔

سپہ سالار کے اخراجات

خلفاء مخالفین کی سرکوبی کے لیے فوج کو مراعات دینے پر مجبور تھے۔ فوج سے کام لینے کے لیے ہر وقت اس کی مدد اور خوشامد ضروری ہوگئی تھی۔ ۲۱۸ھ میں معتصم کے دور میں بابک خرمی جو ایک نئے مذہب کی دعوت دیتا تھا۔ اس کی سرکوبی کے لیے افشین سپہ سالار کو ۲۲۰ھ میں بے شمار انعام و اکرام دے کر بھیجنا پڑا (۶۵)۔ جب تک افشین بابک کے مقابلے میں رہا تو معاش کی مراعات اور دوسرے اخراجات کے علاوہ اگر وہ مقابلہ پر ہوتا تو دس ہزار درہم یومیہ اور اگر اپنی فرودگاہ پر مقیم ہوتا تو پانچ ہزار یومیہ کے حساب سے لیتا تھا۔ اس کے علاوہ معتصم نے افشین کو تاج پہنایا اور جواہرات اور دو کروڑ درہم انعام میں دیئے۔ جس میں ایک کروڑ درہم اس کا انعام اور ایک کروڑ اس کی فوج کا انعام تھا (۶۶)۔

پھر اس کی کمک کے لیے ایک سردار بغا کبیر کو بہت سا خزانہ دے کر روانہ کیا گیا۔ پھر سردار جعفر کو بھی خزانہ اور کمک دے کر بھیجا گیا۔ آخر میں تین کروڑ درہم ایتاخ کو فوجی اخراجات کے دے کر بھیجا گیا۔

سپہ سالار افشین لالچی اور دھوکہ باز

لیکن جب افشین فتح یاب ہوا تو پتہ چلا کہ وہ تمام لوٹا ہوا مال، ہدایا اور انعام و اکرام اپنے شہر الشروسنہ میں بھیج دیتا تھا۔ بلکہ اس نے صرف مال کے لالچ میں اپنے آپ کو مسلم ظاہر کیا ہوا تھا ورنہ وہ اپنے اصل دین آتش پرستی پر قائم تھا۔

فوجی سپاہی کی تنخواہ

خلافت عباسی میں ابو العباس کے فوج کے سپاہی کی تنخواہ اسی درھم ماہوار (یعنی ۹۶۰ درہم سالانہ) تھی (۶۷)۔ بعد میں تنخواہ میں کمی بیشی ہوتی رہی۔ لیکن محسوس ہوتا تھا کہ ۸۰ درہموں سے زیادہ کبھی نہ ہوتی تھی۔ اس لیے کہ امین کے دور میں بھی امین نے طاہر کے ساتھ جنگ کے وقت فوج کی تنخواہ ۸۰ درہم ہی دی اور جن کی اس سے کم تھی اس کی ۸۰ درہم کردی گئی (۶۸)۔

ہارون الرشید کے عہد میں ایک سپاہی کی تنخواہ ۶۰ درہم (ساٹھ درھم) ماہوار اور ۷۲۰ درھم سالانہ تھی)

مامون کے عہد میں تنخواہ کی شرح میں مزید کمی ہوئی اور یہ کم ہو کر ۲۰ درہم ماہوار رہ گئی۔

امین و مامون کے عہد میں ۸۰ درہم (اسی درھم) بھی سپاہی کی تنخواہ تھی۔ اس کے علاوہ انعام و اکرام کا لالچ بھی دیتے رہتے تھے

(۶۹)۔
عہد امین و مامون میں ۸۰ درہم اور اس سے کم بھی سپاہیوں کی تنخواہ تھی اور افسروں کی دو گنا تھی (۷۰)۔
۲۵۲ ھ میں ترک، مغربی اور شاکریہ فوج کی ایک سال کی تنخواہ دس ارب دینار تھی۔ جو ساری سلطنت کی دو سال کی آمدنی تھی (۷۱)۔

فوج کی سرکشی و بغاوت

فوج اکثر سرکشی اور بغاوت پر اتر آتی تھی۔ وجہ اکثر تنخواہوں کا بروقت نہ ملنا ہوتی تھی (۷۲)۔ مثلاً ''منصور کے عہد'' میں آرمینیہ کے والی نے منصور کو فوج کی بغاوت کی اطلاع دی اور اسی طرح ''مامون کے عہد'' کی فوج کی طرف سے بھی اطلاع آئی کہ فوج نے سرکشی اور بغاوت کی ہے اور خزانوں کو توڑ کر مال پر قبضہ کر لیا ہے (۷۳)۔
دونوں طرف سے ایک ہی طرح کا مضمون تھا اور ایک ہی طریقہ واردات بھی۔ لہٰذا دونوں طرف ایک ہی قسم کا جواب خلفاء کی طرف سے دیا گیا کہ:

''اگر تم لوگ انصاف سے کام لیتے اور انہیں اُن کا معاش ادا کر دیتے تو ایسا کبھی نہ ہوتا''۔

منصور نے کہا کہ اگر تم طاقتور ہوتے تو خزانہ کبھی نہ لٹتا۔ لہٰذا تم کو معزول کیا جاتا ہے (۷۴)۔
اسی طرح ۲۵۳ ھ میں ترکی، فرغانہ اور اشروسنہ والے سپاہیوں نے ہڑتال کر دی کہ ان کی چار مہینے سے بقایا تنخواہ دی جائے تو ''بغا''، ''وصیف'' اور ''سیما الشرابی'' یہ تین جنرل انہیں رام کرنے کی کوشش کرنے ان کے سامنے گئے۔ وصیف نے بدزبانی کی اور سپاہیوں سے کہا:

''کیا آفت برپا کر رکھی ہے۔ ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے۔ لو خاک لے جاؤ''۔

اس بات کو سنتے ہی سپاہیوں نے اسے فوراً قتل کر دیا (۷۵)۔

فوج کے لالچی اور بے وفا ہونے کے ذمہ دار خلفاء تھے

عہد عباسی کی فوج لالچی اور بے وفا تھی۔ اندرونی شورشوں میں جہاں سے رقم ملتی اسی طرف ہو جاتے تھے۔ اس لیے فوج کو اپنا وفا شعار رکھنے کے لیے خلفاء کو بہت رقم خرچ کرنا پڑتی تھی۔ کبھی یہ رقم انعامات اور عطایا کی صورت میں دی جاتی اور کبھی یکمشت۔ مہینوں کی تنخواہ کی صورت میں (۷۶)۔
منصور خرچ و عطایا میں بہت محتاط تھا۔ ایک مرتبہ منصور کے سامنے فوجی عطایا کا ذکر ہو رہا تھا کہ اس کے سامنے پرویز کی نصیحت جو اس نے بیٹے کو کی تھی بیان کی گئی کہ

''اپنے لشکر کو اتنا نہ دو کہ تم سے بے نیاز ہو جائیں اور نہ اتنا کم دو کہ وہ تم سے متنفر ہو جائیں۔ امیدیں زیادہ دلاؤ اور دو کم''۔

منصور کو یہ بات پسند آئی کہ ''امیدیں زیادہ دلاؤ اور دو کم'' وہ کہنے لگا کہ اسی لیے کہتے ہیں کہ ''کتے کو ذرا بھوکا رکھو تا کہ وہ

تمہارے ساتھ لگا رہے"۔
یہ سن کر ایک شخص نے اٹھ کر جواب دیا کہ:

"امیر المؤمنین یہ بات درست ہے! مگر اس میں ایک خطرہ یہ ہے کہ کوئی دوسرا اس کتے کو روٹی دکھا دے تو وہ کتا آپ کو چھوڑ کر اس کے پیچھے لگ جائے گا" (۷۷)۔

فوج کی بے وفائی اور لالچی ہونے کا یہ عالم تھا کہ جب ابو جعفر منصور نے ابو مسلم خراسانی کو قتل کیا تو اس کی حامی فوجی تلواریں نکال کر میدان میں آگئے۔ ابو جعفر نے ایک ہزار تھیلیاں تیار کیں اور ہر تھیلی میں تین تین ہزار درہم رکھوائے پھر سپاہیوں کے سامنے یہ ایک ہزار تھیلیاں اور ابو مسلم کا سر پھینک دیا اور عیسیٰ بن علی نے ساتھ ہی کہا:

"اے اہل خراسان ابو مسلم بھی امیر المؤمنین کا دوسرے غلاموں کی طرح ایک غلام تھا۔ وہ اس سے ناراض ہوئے اور قتل کر دیا۔ لہٰذا طیش میں مت آؤ امیر المؤمنین تمہاری امیدیں پوری کریں گے"۔

یہ سن کر ہر ایک سپاہی گھوڑے سے اترا تھیلی اٹھائی اور چل پڑا۔

"ابو مسلم کا سر وہیں پڑا رہ گیا" (۷۸)۔

تاریخ الطبری میں لکھا ہے کہ:

"ابو مسلم کی فوج کو انعام و اکرام دے کر رام کر لیا گیا"۔(۷۹)

دراصل خلفاء نے خود ہی فوج کو لالچی اور حریص بنا دیا تھا۔ انہیں خدمت کے صلہ میں تنخواہ کے علاوہ انعام و اکرام بھی دیتے۔ یہاں تک کہ میدان جنگ میں بھی جب خلیفہ کو خطرہ پیدا ہو جاتا کہ فوج سست پڑ رہی ہے تو باآواز بلند یہ اعلان کرا دیتا کہ جو ایک قیدی گرفتار کر کے لائے گا اسے دس دینار ملیں گے اور جو کوئی سر کاٹ کر لائے گا اسے پانچ دینار دیئے جائیں۔ جیسا کہ ۳۲۰ھ میں خلیفہ مقتدر نے بھی ایسا ہی کیا تھا اور بنو امیہ میں خلیفہ مروان نے معرکہ زاب میں فوج کے آگے سونے چاندی کے ڈھیر لگا دیئے تھے (۸۰)۔

۱۹۶۔۱۹۷ھ میں اسی طرح جب امین اور مامون کی خانہ جنگی میں طاہر کے ہاتھوں امین کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو اس نے فوج کو رام خوش اور وفادار رکھنے کے لیے اپنے تمام خزانے لٹا دیئے۔ محلات کا مال و اسباب فروخت کر کے فوج میں تقسیم کر دیا۔ یہاں تک کہ سونے چاندی کے برتن تڑوا کر ان کے درہم و دینار مضروب کروائے اور فوج میں تقسیم کر دیئے۔ امین نے مضافات سے بھی لوگوں کو بھرتی کیا جو صحت مند اور خوبصورت ملتا اسے فوج میں بھرتی کر لیا جاتا اور افسر بنا دیا جاتا۔ ساتھ ہی ہر ایک کو خلعت پانچ سو درہم اور ایک غالیہ کی شیشی دی جاتی۔ لیکن امین نے ان کے ماتحتوں کو نظر انداز کر دیا جس کی خبر طاہر کو ملی۔ طاہر نے اس فوج کو لالچ و طمع دے کر اپنی طرف کر لیا۔ امین کی فوج کے کئی سپاہی اور سپہ سالار بھی طاہر سے جا ملے۔ طاہر نے ان کے سپاہیوں کو ۸۰ درہم تنخواہ ماہوار کی اور امیر زادوں کی تنخواہ دوگنی کر دی گئی اور سپاہیوں کو نقد انعام و اکرام بھی دیا۔ ساتھ ہی چودہ ماہ کی تنخواہ ایک دم ادا کر دی گئی۔ بلکہ طاہر کے پاس رقم ختم ہوگئی تو امین کا سپہ سالار سعید بن ملک جو طاہر سے آملا تھا اس سے بیس ہزار درہم ادھار لے کر فوج میں تقسیم کیئے۔ اس خانہ جنگی میں

آوارہ گرد، اچکے، مفلس، ننگے، مجرم، قیدی، اوباش اور بازاری لوگوں نے بھی حصہ لیا(۸۱)۔ بغداد تباہ ہو گیا۔ مکانات گرا دیے گئے۔ بستیاں جلا دی گئیں۔ اموال لوٹ لیے گئے اور بہت مہنگائی ہو گئی تھی۔ اس صورت حال پر قابو پانے کے لیے بہت اخراجات کرنے پڑے(۸۲)۔

2- ''حق البیعت''

خلفاء کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی خلافت کے عہدہ پر فائز ہوتا اور لوگوں سے بیعت لیتا تو فوجوں کو انعامات اور تحفے تحائف اور یکمشت تنخواہ دے کر رضا مند و مطیع بنایا جاتا۔ اس انعام و عطایا کا نام حق البیعت رکھ دیا گیا تھا(۸۳)۔ جیسا کہ ابو العباس نے مروان سے لڑنے والی فوج کو فی سپاہی ۵۰۰ درہم انعام دیا اور ماہانہ ۸۰ درہم تنخواہ مقرر کر دی(۸۴)۔ اسی طرح امین نے فوج کو دو سال کی تنخواہ انعام کے طور پر دی اس کے علاوہ اپنے خاص آدمیوں کو بھی دو سال کی معاش یکمشت دے دی(۸۵)۔ جبکہ اس نے خود صرف ۴ سال ۸ ماہ ۵ دن حکومت کی(۸۶)۔

مامون نے جب ''حضرت امام علی رضا'' کے لیے بیعت لینے کا ارادہ کیا تو فوج کو ایک مہینہ کی تنخواہ اس وعدہ پر دینی چاہی کہ باقی رقم آمدنی آجانے پر دی جائے گی۔ لیکن انہوں نے یہ بات نہ مانی۔ اگر وہ فوراً تمام رقم دے دیتا تو جس کے لیے چاہے بیعت لے لیتا۔

دواؤد بن عیسیٰ گورنر حجاز کو مامون نے پانچ لاکھ درہم بطور انعام دیے کہ اس نے مکہ اور مدینہ میں اس کی بیعت کی حفاظت کی تھی(۸۷)۔ اسی طرح جب مامون نے رشید کی وفات کے بعد امین اور اپنے لیے بیعت لی تو مرو میں تمام فوج کو ایک سال کی تنخواہ عطیہ میں دی اور لوگوں میں مال تقسیم کیا(۸۸)۔

''ولی عہدی'' سے علیٰحدہ کرنے کے لیے خرچ

نہ صرف یہ کہ خلیفہ کو خود خلیفہ بنتے وقت فوج اور حاشیہ نشینوں کو حق البیعت کے نام سے رشوت دینا پڑتی تھی بلکہ اپنے بعد آنے والے خلیفہ (ولی عہد) کا چناؤ اپنی مرضی سے کرنا پڑتا تھا۔ خلیفہ پہلے سے مقررہ ولی عہد کو اس عہدہ سے ہٹا دیتا یا اسے ڈرا دھمکا کر اپنے بیٹے بھائی وغیرہ کو مقرر کر دیتا اور تلافی اور رشوت کے طور پر بھاری رقوم ادا کرتا تھا مثلاً:

مہدی کا ولی عہد سے علیحدگی پر معاوضہ کا حصول

مہدی نے ولی عہدی سے علیحدگی اختیار کرنے پر منصور سے ایک کروڑ دس لاکھ درہم وصول کیے۔ ایک کروڑ اپنے لیے، تین لاکھ بیٹوں کے لیے سات لاکھ بیوی کے لیے۔ منصور نے اس کے علاوہ عیسیٰ اور موسیٰ کو بارہ لاکھ درہم کی خلعت عطا کی(۸۹)۔

ہارون الرشید کو پیش کش

خلیفہ ہادی نے اپنے بھائی ہارون الرشید کو ولی عہد سے معزول کرنے کے لیے ۱۷۰ھ میں ایک ملین دینار (۱۰ لاکھ) اور مملکت عباسیہ کے نصف خراج کی پیش کش کی(۹۰)۔

مامون کی ولی عہدی سے برطرفی پر اخراجات

۱۹۴ھ میں جب امین نے مامون کو ولی عہدی سے برطرف کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کے معتمد خاص یحییٰ بن سلیم نے مشورہ دیا کہ فوج اور سپہ سالاروں کو انعامات دے کر اپنا ہم خیال بنائیں اور مامون کے معتمد کو مال اور حکومت کی ترغیب دیں (۹۱)۔

بیعت ولی عہد کے لیے اخراجات

امین کی بیعت کے لیے جبکہ امین ابھی صرف ۵ سال کا تھا فضل بن یحییٰ نے خراسان میں بہت سا روپیہ تقسیم کیا اور فوج کو متواتر کئی تنخواہیں دیں اس لیے انہوں نے بیعت کر لی (۹۲)۔

3- زرِ فدیہ (۹۳)

بیت المال کے اخراجات میں سے ایک خرچ فدیہ کی ادائیگی بھی تھی۔ یعنی جو مسلمان دشمن کی قید میں آجاتے انہیں رقم دے کر چھڑوا لیا جاتا۔ پہلے یہ دستور تھا کہ جتنے قیدی مسلمان چھڑوانے ہوتے اتنے دشمن کے قیدی معاوضہ میں انہیں دے دیئے جاتے۔ لیکن زرفدیہ کی ابتداء منصور کے دور میں ۱۳۹ھ میں ہوئی۔ جب اس نے رومیوں سے اپنے قیدی رقم دے کر چھڑوائے۔

اس کے بعد ۱۸۱ھ میں ہارون الرشید نے بھی رومیوں سے زرفدیہ پر قیدی چھڑوائے۔ بعد میں پھر قیدی کے بدلے قیدی کا تبادلہ ہوتا رہا اور کبھی زرفدیہ پر رہائی دلائی جاتی۔

پھر ۱۸۹ھ، ۱۹۱ھ (میں دوبار) اور ۲۳۱ھ و ۲۳۵ھ) وغیرہ میں زرفدیہ کی ادائیگی پر مسلمان قیدی رہا ہوئے۔

۲۳۱ھ میں واثق باللہ نے ''تعصب'' سے کام لیا اور صرف ان قیدیوں کو چھڑوایا جو ''خلق قرآن'' کا عقیدہ رکھتے تھے اور انہیں فی کس فی دینار بھی دیا۔ باقی مسلمانوں کو نہ چھڑوایا۔

4- معاوضہ جات / تنخواہیں (۹۴)

سرکاری ملازمین کی تنخواہیں

سرکاری ملازمین میں خلیفہ، ولی عہد، وزیر، گورنر، والی، قاضی، محتسب، کاتب، حاجب، شرطے، فوج، خراج کی وصولی پر اور دیگر سرکاری محصولات کی وصولی پر مامور عملہ، کوتوال شہر، صاحب البرید (پرچہ نویس) مرکزی و صوبائی سرکاری محکمہ جات کے ملازمین، شاہی معمولات پر مامور عملہ، خلیفہ کی ذاتی فوج، قبروں پر مامور عملہ، جاسوس (خواتین و مرد) ٹکسال کے ملازم وغیرہ شامل تھے۔ ان سب کو تنخواہیں سرکاری خزانے بیت المال سے دی جاتی تھیں۔ بیت المال میں مختلف شعبہ جات تھے جو متعلقہ عملہ کو تنخواہیں تقسیم کرتے تھے۔

وزراء کی تنخواہ

وزارت کا عہدہ عباسی عہد میں قائم کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے یہ کسی اسلامی حکومت میں قائم نہیں تھا۔ ابتدائی وزیر برامکہ سے ہوئے جو خود مختار تھے۔ لہٰذا ان کی تنخواہیں معلوم نہیں ہوسکیں۔ معتضد کے گوشوارے میں وزیر کی تنخواہ ایک دن کی ۳۳ دینار یا ہزار دینار ماہوار تھی (۹۵)۔ ان وزراء کا عہدہ آج کل کے وزیر اعظم کے برابر ہوتا تھا۔

قاضی کی تنخواہ

خلیفہ منصور ورشید کے زمانے میں قاضی کی تنخواہ تیس دینار تھی (۹۶) اور مامون کے عہد میں چار ہزار درہم ماہوار تک ہو گئی تھی۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ علماء و فقہاء اور آئمہ کرام عہدہ قضاء قبول کرنا پسند نہ فرماتے تھے (۹۷)۔ یہاں تک کہ امام ابو حنیفہؒ عام سرکاری عہدہ بھی قبول نہ فرماتے تھے (۹۸)۔ اس کی وجہ حکومت کی عدالتی نظام میں مداخلت اور اس کی پالیسیوں سے اختلاف تھا۔ جیسا کہ عصر حاضر میں بھی حکومتوں کا کردار یہ ہے اور خصوصاً پاکستان میں تو بہت زیادہ ہے۔

قاضی کے عملہ کی تنخواہ

منصور کے عہد میں قاضی کے کاتب کی تنخواہ ۲۰ سے ۴۰ درہم یومیہ کے درمیان ہوتی تھی اور ایک قاضی کے پاس بیک وقت دو دو کاتب بھی ہوتے تھے جیسا کہ قاضی بصرہ کے پاس تھے (۹۹)۔

۳۶۳ھ میں مطیع کے دور میں قاضی کے عملہ کی تنخواہ اس طرح تھی کہ:

کاتب کو تین سو درہم ماہوار

حاجب کو ایک سو پچاس درہم ماہوار

تعمیل احکام کرانے والے کو سو درہم ماہوار

خزانچی کو سات سو درہم ماہور ملتے تھے (۱۰۰)۔

گورنر کی تنخواہ

تنخواہوں کی مقدار علاقوں کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتی تھیں۔ کیونکہ کبھی کوئی شخص صرف ایک چھوٹے سے صوبے کا گورنر ہوتا تھا یا کبھی چند صوبوں کا ایک ساتھ حاکم مقرر ہو جاتا تھا۔ اس لیے علاقہ کی وسعت اور اہمیت اور خلیفہ کی خوشنودی کے اعتبار سے بھی تنخواہ مقرر ہوتی تھی۔ جیسا کہ خلیفہ مامون نے فضل بن سہل کو اقلیم مشرق کا گورنر مقرر کیا جس کی حدود طولاً ہمدان کے پہاڑوں سے تبت تک اور عرضاً دریائے فارس سے بحر دیلم (قزوین) تک پھیلتی چلی گئی تھیں اور اس میں عراق کے اس طرف کے تمام مشرقی ممالک ہندوستان کے حدود تک داخل تھے اور اس کی تنخواہ تیس لاکھ درہم سالانہ تھی (۱۰۱)۔

عاملوں کی تنخواہیں

بڑے بڑے عاملوں کے تحت چھوٹے چھوٹے عامل ہوتے تھے۔ جن کو حکومت کے صوبے کے بڑے بڑے شہروں میں مقرر کیا جاتا تھا۔ ان عاملوں کی تنخواہیں محدود تھیں۔ جو تیس درہم ماہوار سے زائد نہ تھی (۱۰۲)۔

موصل کے ایک عامل کی تنخواہ دوسو درہم تھی۔ رشید نے ان ضلعوں کے لیے چھ چھ سو درہم کی شرح مقرر کی تھی (۱۰۳)۔

سپہ سالار کی تنخواہ

معتصم کے عہد میں سپہ سالار افشین تھا۔ بابک خرمی کی سرکوبی کے لیے اسے بے شمار انعام واکرام ومراعات دی گئیں۔ ان کے علاوہ اگر وہ مقابلہ پر ہوتا تو دس ہزار درہم یومیہ لیتا اگر اپنی فردگاہ پر ہوتا تو پانچ ہزار درہم روزانہ کے لیتا تھا (۱۰۴)۔

فوج کے سپاہی کی تنخواہ

خلیفہ ابوالعباس کے عہد میں فوج کے سپاہی کی تنخواہ اسی (۸۰) درہم ماہوار (یعنی ۹۶۰ درہم سالانہ) تھی (۱۰۵)۔ جبکہ ہارون الرشید کے عہد میں ۶۰ درہم ماہوار اور ۷۲۰ درہم سالانہ ہوگئی تھی۔ لیکن مامون کے دور میں یہ تنخواہ ۲۰ درہم ماہوار کر دی گئی۔ بعد میں ۸۰ درہم کر دی گئی (۱۰۶) اور انعام واکرام کے نام پر اکثر اوقات رقم دیتے رہتے تھے (۱۰۷)۔ افسروں کی تنخواہ البتہ دوگنا تھی۔ عباسی عروج کے آخری ایام میں یعنی ۲۵۲ھ میں صرف ترک مغربی فوج اور شاکرہ فوج کی ایک سال کی تنخواہ دس ارب دینار تھی۔ پیادہ اور سوار سپاہی کی تنخواہ میں فرق ہوتا تھا۔ پیادہ کی تنخواہ اگر ۸۰ درہم ہوتی تھی تو سوار کی ۱۶۰ درہم ہوتی تھی (۱۰۸)۔

مترجمین کی تنخواہ

روم سے کتابیں منگوا کر ترجمہ کروائی جاتی تھیں۔ ان کتابوں میں فلسفہ، ہندسہ، موسیقی اور طب کی نادر قیمتی کتب شامل تھیں۔ منوشاکر کے بیٹے محمد "احمد" حسن روم جا کر کتابیں لاتے۔ انہیں لانے میں بہت سا روپیہ خرچ کیا جاتا تھا۔ پھر مترجموں کی ایک جماعت مقرر کی ہوئی تھی۔ جس میں حنین بن اسحاق جیش بن حسن اور ثابت بن قرہ وغیرہ تھے۔ انہیں ترجمہ اور اس میں مشغولیت کے سلسلے میں پانچ سو دینار ماہانہ دیتے تھے (۱۰۹)۔ خلیفہ مامون حنین کے ترجمے کا ہم وزن سونا حنین کو دیتا تھا (۱۱۰)۔ ہارون الرشید نے ہر اس عالم کو بیت الحکمہ میں جگہ دی جس نے تحقیق کا کام یا ترجمہ کرنے کی زحمت گوارا کی۔ ہر مہینے ان لوگوں کو اتنا سونا دیتا کہ یہ اس کی بدولت محلوں میں رہتے اور ہر قسم کا عیش وآرام پاتے (۱۱۱)۔

منشیوں کی تنخواہ

منصور کے دور میں منشیوں اور معدیوں کی تنخواہ تین سو درہم ماہانہ تھی۔ مامون کے عہد تک تنخواہ کی یہی کیفیت رہی پھر فضل بن سہل نے اس میں اضافہ کیا عباسی عہد کی ابتداء میں اور اموی دور میں بھی منشیوں کی تنخواہ تین سو درہم سے کم تھی (۱۱۲)۔ عام کلرک یا منشی کی تنخواہ ۱۰ درہم ماہانہ تھی (۱۱۳)

خوش نویس کی تنخواہ

خوش نویس کو چھ دینار ماہانہ تنخواہ دی جاتی تھی (۱۱۴)

منجم کی تنخواہ

منجم کی تنخواہ دس دینار ماہوار تھی۔

مختلف درباریوں کی تنخواہیں بھی مقرر تھیں (۱۱۵)۔

موذن کی تنخواہ

مصر میں موذن کی تنخواہ مقرر تھی۔ جیسا کہ ابوسلیمان موذن سلطان سے تنخواہ لیتا تھا (۱۱۶)

خلیفہ کی ذاتی فوج کو تنخواہ کے علاوہ اضافی تنخواہ (بونس)

۱۶۰ھ میں خلیفہ مہدی نے قیام مدینہ کے دوران پانچ سو انصاری اپنی ذات کی حفاظت کے لیے بھرتی کیے تاکہ یہ عراق میں ان کی حفاظت کریں اور بوقت ضرورت فوج خاصہ کا کام دیں۔ انہیں ان کی مقررہ تنخوا کے علاوہ مزید اضافی تنخواہ دی گئی (۱۱۷)

مامون کی قبر کی حفاظت پر مامور عملہ کی تنخواہ

۲۱۸ھ میں مامون کو طرسوس میں رشید کے خادم خاقان کے گھر میں دفن کیا اور حفاظت کے لیے اہل طرطوس وغیرہ کے سو آدمی قبر پر متعین کر دیئے اور ان میں سے ہر شخص کی تنخواہ نوے درہم مقرر کی (۱۱۸)

5- تعمیرات

عہد عباسی نے ایک نئے تمدن کو جنم دیا۔ نئے نئے شہر بسائے، بستیاں آباد کیں، کوچہ و بازار قائم کیے اور خوبصورت پر شکوہ محلات و عمارات نے عباسی ذوق و شوق کی خوب نمائندگی کی۔ زمانہ عروج کے تقریباً ہر خلیفہ نے کوئی نہ کوئی نیا شہر یا بستی ضرور بسائی۔ اس عمل سے جہاں رہائش و قیام کی سہولیات اور طرز بود و باش میں جدت پیدا ہوئی وہاں عوام کو روزگار بھی ملا۔ یعنی عباسیوں کے شوق تعمیرات نے عوام کو روزگار میں مصروف رکھا۔ جس سے ملکی معاشی حالت کے مضبوط ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

خلفاء، وزراء، امراء وغیرہ کے میلوں پھیلے ہوئے محلات اور ان کی تزئین و آرائش افسانوی باتیں لگتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب واقعتاً موجود تھا اور ملکی دولت کے وسیع استعمال کا منہ بولتا ثبوت بھی۔

منصوبہ بندی

کسی بھی تعمیر سے پہلے باقاعدہ منصوبہ بندی کی جاتی تھی۔ باقاعدہ طور پر نقشہ بنوایا جاتا پھر اخراجات کا تخمینہ لگوایا جاتا اور ضرورت کے ہر پہلو کو مدنظر رکھ کر تعمیر شروع کی جاتی (۱۱۹)۔ خلفاء اور وزراء خود تعمیراتی کام کی نگرانی کرتے اور خلیفہ منصور تو انجینئر اور عمارت بنانے کے ذمہ دار افراد کا خود محاسبہ کرتا اور کسی کو چند درہم بھی غبن کرنے کا موقعہ نہ دیتا۔ اگر کوئی ایسا کرتا تو سزا دینے کے ساتھ ساتھ رقم بھی نکلوا لیتا (۱۲۰)۔

سب سے پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس نے ۱۳۴ھ میں دریائے فرات کے کنارے الانبار شہر کے قریب الہاشمیہ شہر کی بنیادیں اٹھا کر عباسی تعمیرات کے سلسلہ کا افتتاح کیا۔ اس کے بعد دنیا کے مشہور و معروف شہر بغداد کی تعمیر منصور کے

ہاتھوں ہوئی۔ جن میں خلفاء اور وزراء امراء کے پرشکوہ محلات کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔ اس کے بعد تعمیرات تسلسل سے جاری رہیں۔ جن میں شہر، بستیاں، بازار، محلات اور قلعے شامل تھے۔ ان پر ملکی دولت کا کثیر حصہ صرف کیا جاتا تھا۔ ان تعمیرات پر اخراجات کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ بغداد کی تعمیر پر ابتدائی سستے دور میں چالیس لاکھ آٹھ سو تینتیس درہم خرچ کیے گئے تھے(۱۲۱)۔ جبکہ عروج کے دور آخر میں متوکل کے صرف قصر عروس پر تین کروڑ درہم خرچ ہوئے۔ اسی طرح خلفاء دل کھول کر تمدن کو جلا بخشتے تھے۔

شہروں کی تعمیر

1-الہاشمیہ کی تعمیر (سلسلہ تعمیرات کا پہلا شاہکار)

۱۳۴ھ میں پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس نے کوفہ کے نواح میں ایک شہر تعمیر کرایا اور اس کا نام مدینۃ الہاشمیہ رکھا۔ یہ عباسیوں کی سب سے پہلی تعمیر تھی (۱۲۲)۔ اس کے بعد ابو جعفر منصور نے بھی کوفہ اور حیرہ کے درمیان الہاشمیہ تعمیر کروایا(۱۲۳)۔

2-مدینۃ المصیصہ کی آبادکاری ۱۳۹ھ

۱۳۹ھ میں منصور نے مدینۃ المصیصہ کو آباد کرنے کا حکم دیا۔ جب ۱۴۰ھ میں اس کی فصیل بن گئی تو یہاں اس کے باشندوں کو لا کر آباد کیا گیا اور اس کا نام المعمورہ(Almamore) رکھا۔ یہاں ایک ہزار آدمیوں کی تنخواہیں مقرر کیں اور اہل الخصوص (لکڑی کے مکانات تھے جو المصیصہ شہر کے باہر بنانے گئے تھے) کو جو ایرانیوں، صقالہ اور الانباط ونصاریٰ پر مشتمل تھے اور جنہیں مروان نے آباد کیا تھا یہاں منتقل کر دیا(۱۲۴)۔

انہیں ان کے (گھر) کے عوض گزوں کے حساب سے شہر میں زمینیں دیں۔ سابقہ گھر مسمار کر دیئے اور نئے گھروں کی تعمیر میں ان کی مدد کی اور تنخواہ دار سپاہیوں کو یہاں جاگیریں اور گھر دیئے۔

3-دارالخلافہ بغداد کی تعمیر

۱۴۵ھ میں دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے کوفہ کے باشندوں کے خوف اور راوندیہ جماعت سے بچاؤ کے لیے دارالخلافہ کی تبدیلی کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے بغداد شہر آباد کیا گیا۔ یہ دنیا کا خوبصورت اور طلسماتی شہر ٹھہرا۔ اس کی تعمیر پر انتہائی صلاحیتوں کو استعمال کیا گیا۔ جو کہ ۱۴۶ھ میں مکمل ہوا۔ اس شہر کو گولائی میں بنایا گیا۔ شہر کو چار حصوں میں تقسیم کر کے چار دروازے بنائے گئے۔ دو فصیلیں بنوائیں اندرونی فصیل بیرونی فصیل سے زیادہ بلند رکھی گئی۔ شہر کے درمیان اپنا محل تعمیر کروایا اس کے پاس جامع مسجد بنائی۔ جو اینٹیں استعمال کی گئیں ان کا طول وعرض ایک ایک گز تھا اور وزن ایک سو سولہ رطل تھا۔ سڑکوں کی چوڑائی چالیس گز تھی۔ اس شہر میں فوجیوں، کاتبوں، وزراء اور دیگر ملازمین اور لوگوں کے لیے مکانات تعمیر کرائے(۱۲۵)۔ پانی کا انتظام، حمام، تعلیمی ادارے، ہسپتال، بازار، سرائیں اور تمام حکومتی دفاتر قائم کیے(۱۲۶)۔ الجاحظ بغداد کی انتہائی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"اس جیسا شہر میں نے کہیں نہیں دیکھا"۔
لہٰذا اس نے بغداد کا نام "الزوراء" یعنی "قابل دید" رکھا (۱۲۷) اور یاقوت حموی لکھتا ہے کہ:
"دارالسلام ایک جنت ہے اس لیے اس کا نام بغداد رکھا گیا" (۱۲۸)۔

اخراجات تعمیر بغداد

عیسیٰ ابن منصور کے مطابق بغداد کی تعمیر پر چالیس لاکھ آٹھ سو تینتیس درہم خرچ کیے گئے (۱۲۹)۔

مستری (راج) اور مزدور کی یومیہ اجرت (۱۳۰)

مستری (راج) کو روزانہ ایک قیراط چاندی اور مزدور کو دو حبات یا تین حبات ملتے تھے۔

روزانہ کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد

روزانہ پچاس ہزار مزدور کام کرتے تھے (۱۳۱)۔

4-رصافہ شہر کی تعمیر

۱۵۱ھ میں منصور نے اپنے بیٹے مہدی کے لیے مدینۃ السلام کے مشرق میں شہر رصافہ تعمیر کروایا۔ اس کی حیثیت فوجی چھاؤنی کی سی تھی۔ منصور نے اس کے گرد ایک خندق کھدوائی اور نہر مہدی کا پانی اس میں آنے لگا۔ ۱۵۹ھ میں اس کی تکمیل ہوئی (۱۳۲)۔ یہاں بہت سی جائیدادیں اور زمینیں وقف کر دی گئیں۔ خلفاء کے خاندان کے افراد کے شاندار مقبرے تعمیر کیے گئے۔ یہاں بے شمار قالین اور فرنیچر مہیا کیا گیا (۱۳۳)۔ یہ شہر بہت پھیل گیا تھا اس کا سوق الثلاثۃ عصر حاضر کی شارع سموال تک پھیل گیا تھا (۱۳۴)۔

5-رافقہ شہر کی تعمیر

۱۵۵ھ میں منصور نے اہل رقہ کی مخالفت کے باوجود رافقہ شہر تعمیر کیا اور اس کی ترکیب و ترتیب بغداد کی طرز پر ہی رکھی۔ جتنے دروازے، محلے، چوک، سڑکیں بغداد میں تھیں اتنی ہی یہاں قائم کیں۔ فصیل اور خندق بھی بنوائی (۱۳۵)۔ رافقہ اور رقہ کے درمیان اپنے محلات تعمیر کیے اور بازاروں وغیرہ کو وسیع کیا یہاں اہل خراسان سے فوجی متعین کیے (۱۳۶)۔

6-المہدیہ کی تعمیر

۱۵۸ھ میں مہدی نے منصور کی خلافت میں تعمیر کروایا (۱۳۷)۔

7-العباسیہ (ا) کی تعمیر

منصور کے دور میں عمر بن حفص بن عثمان "ہزار مرد" نے افریقیہ میں ایک شہر تعمیر کروایا اور اس کا نام العباسیہ رکھا (۱۳۸)۔

8-مدینہ سیسر کی تعمیر

مہدی کے حکم پر اس کے آزاد کردہ غلام سلیمان بن قراط نے مدینہ سیسر بنایا اور اسے قلعہ بند کیا اور لوگوں کو اس میں

بسایا(۱۳۹)۔

9-مدینۃ الموسیٰ کی تعمیر

موسیٰ الہادی نے رے کی قریب مدینۃ الموسیٰ تعمیر کرایا اور ایک زمین خریدی جسے رستماباز کہتے تھے۔ اسے شہر کی بھلائی کے لیے وقف کر دیا اور اپنے آزاد کردہ غلام عمر والروی کو اس کا نگران مقرر کیا(۱۴۰)۔

10-طرطوس کی تعمیر

۱۷۰ ۔۱۷۱ ھ میں رشید کے حکم سے ایک ترک غلام ابو سلیم فرج کے ذریعے طرسوس آباد کیا گیا اور لوگوں کو اس میں بسایا(۱۴۱)۔

11-شالوس شہر کی تعمیر

دیلم کی سرحد پر شالوس شہر مامون کے ایام میں آباد کیا گیا تھا۔ اس کا سارا خرچ مامون نے کیا۔ پانچ لاکھ درہم خرچ آیا۔ یہاں فوج کو رکھا گیا(۱۴۲)۔

12-سیسہ تل عین کی تعمیر

۱۹۳/۱۹۴ ھ میں اس شہر کی تعمیر خلیفہ متوکل کے دور میں ہوئی بعد میں رومیوں نے اسے تباہ کر دیا(۱۴۳)۔

13-طوانہ کی تعمیر

۲۱۸ ھ میں مامون کے حکم پر اس کے بیٹے عباس نے روم کے علاقے میں طوانہ کے مقام پر طوانہ کے شہر کی تعمیر کی۔ ایک میل مربع اسے بنایا۔ تین فرسنگ (۱۸ کلومیٹر) طویل فصیل بنائی۔ اس کے چار دروازے رکھے اور ہر دروازے پر ایک ایک قلعہ بنایا(۱۴۴)۔

14-السامرہ (شہر قاطول) کی تعمیر

معتصم کو حربیہ والوں اور فوج سے خطرہ لاحق تھا کہ یہ کسی وقت بھی معتصم اور اس کے غلاموں کو ختم کر دیں گے۔ لہٰذا معتصم نے ابو الوزیر احمد بن خالد کو ایک نئے شہر کی تعمیر کا حکم دیا۔ تاکہ بوقت ضرورت وہ اس کی جائے پناہ بن سکے(۱۴۵)۔

یاقوت کے بیان کے مطابق:-

> ''ترک فوج جن کی تعداد ستر ہزار تھی اس کے رش کی وجہ سے اہل بغداد نے معتصم کو مجبور کیا کہ وہ انہیں بغداد سے نکالے۔ لہٰذا معتصم کو ان ترک سپاہیوں کے لیے سامرہ تعمیر کرنا پڑا(۱۴۶)۔''

ابو الوزیر نے سامرہ کو دیر والے نصاریٰ سے پانچ سو درہم میں خریدا اور بستا الخاقانی کی زمین پانچ ہزار درہم میں خریدی اور چند موضعے خریدے(۱۴۷)۔ ۲۲۱ ھ میں ہی معتصم نے سر من رای کے وزیر یہ مقام پر ''محل'' کی بنیاد رکھی ترکوں کو بھی مخصوص جاگیریں دیں اور ان کو فراغنہ اور اشروسنہ وغیرہ کے پڑوس میں خراسان کے شہروں میں ان کے شہروں کے قرب

کی نسبت سے بسایا۔ اشناس ترکی اور اس کے ترک ساتھیوں کو کرخ سامرا میں جاگیریں دیں اور فراغنہ کو عمری اور جسر کے مقام پر آباد کیا۔ نقشے بنائے جاگیروں، جگہوں اور راستوں کو بنایا۔ ہر صنعت کا الگ الگ بازار بنایا۔ تاجروں کے بازار بنائے۔ آبادی یہاں بڑھ گئی۔ دجلہ سے پانی لایا گیا۔ پانی کے چشمے تلاش کیے گئے (۱۴۸)۔ تعمیر کے بعد اس کا نام مسرور من رای رکھا ''جس کا مطلب تھا جس نے دیکھا خوش ہو گیا'' (۱۴۹)۔ اس شہر میں وہ غار بھی تھی جس کے بارے میں امامیہ کا عقیدہ ہے کہ ان کا امام اس غار سے برآمد ہو گا (۱۵۰)۔

ہارون کی قاطول (سامرا) آباد کرنے کی ناکام کوشش

ہارون کا خادم سرور بیان کرتا ہے کہ:

> ''قاطول شہر کی تعمیر ہارون نے بھی اس وقت شروع کی تھی جب اسے معتصم کی طرح اپنی فوج سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ لیکن جب اہل شام نے شام میں بغاوت کر دی تو رشید رقہ چلے گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ اس وجہ سے شہر قاطول ناتمام رہ گیا'' (۱۵۰)۔

15- ہندوستان میں شہر بیضا کی تعمیر (۲۲۱ھ)

خلیفہ معتصم کے زمانے میں (۲۲۱ھ) عمران بن موسیٰ برمکی جب امیر سندھ بنا تو اس نے بیضا نامی شہر آباد کیا۔ یہ شہر فوجی چھاؤنی کی سی حیثیت رکھتا تھا (۱۵۱)۔

16- جعفریہ کی تعمیر

۲۴۵ھ میں متوکل نے جدید شہر جعفریہ تعمیر کیا سپہ سالار لشکر اور آراکین حکومت کو یہاں آباد کیا۔ ۲۰ لاکھ دینار خرچ کیے۔ اس شہر میں نہر جاری کی۔ اس کے کئی نام تھے۔ متوکلیہ، ماحوزہ وغیرہ (۱۵۲)۔ اس کی تعمیر کے بعد کھیل تماشے والے جمع ہو گئے۔ انہیں بیس لاکھ درہم دیئے گئے۔ اس میں محل تعمیر کرایا جس کا نام لولوہ رکھا کہ اس کی بلندی جیسی کسی کی بلندی نہ تھی (۱۵۳)۔

متوکل یہاں ۹ مہینے ۳ دن رہنے کے بعد قتل دیا گیا۔ لہٰذا منتصر نے اسے منحوس خیال کرتے ہوئے اس کی تمام عمارتیں گرا دیں۔ تمام بازار و محلات ویران ہو گئے (۱۵۴)۔

17- العباسیہ (2) کی تعمیر

ابراہم بن اغلب نے قیروان کی قریب عباسیہ نامی شہر آباد کیا اور اپنے اہل وعیال معتقدین اور حشم وخدام کے ہمراہ اس میں سکونت اختیار کی۔ اس نے تقریباً پانچ ہزار غلام خرید کر آزاد کیے اور یہاں آباد کیے (۱۵۵)۔

18- العباسیہ (3) کی تعمیر

۲۲۹ھ میں محمد بن الاغلب بن ابراہیم بن اغلب نے تاہرت کے قریب ایک شہر آباد کیا اور اس کا نام العباسیہ رکھا (۱۵۶)۔

افلح بن عبدالوہاب الاباخی نے اندلس کے اموی فرمانروا سے ایک لاکھ لے کر اس شہر کو برباد کیا۔(۱۵۷)

شہروں کے لیے حفاظتی اقدامات

فصیلیں

تمام شہروں کے ارد وگرد حفاظت کے لیے مضبوط فصیلیں بنائی جاتی تھیں۔ جن میں بڑے بڑے دروازے لگائے جاتے تھے(۱۵۸)۔

خندقیں

حفاظت کے لیے شہر کے اردگرد خندقیں بھی کھودی جاتی تھیں۔ جنھیں بعض اوقات پانی سے بھر دیا جاتا تھا(۱۵۹)۔

سرنگیں

محلات وغیرہ میں سرنگیں بھی کھودی جاتی تھیں تاکہ بوقت ضرورت کام آسکیں جیسا کہ خلیفہ منصور نے محل کے اندر دو میل لمبی سرنگ کھدوائی تھی۔ خلیفہ معتضد نے بھی قصر تاج اور قصر ثریا کے درمیان دو میل لمبی سرنگ بنوائی تھی(۱۶۰)۔

شہروں کی آبادکاری کے لیے دیئے گئے پلاٹ (قطعیات)

جب بھی کوئی نیا شہر یا محلات تعمیر کیے جاتے تو وہاں دوسرے لوگوں کو بھی حیثیت اور مرتبے کی مطابق آباد کیا جاتا اور رہائشی سہولیات بہم پہنچائی جاتیں۔ جیسا کہ ۱۷۱ھ میں رشید نے طرسوس آباد کرنے کا حکم دیا۔ تو فرج بن سلیم الخادم نے ایک نہر سے دوسری نہر کے درمیان کی پیائش کی جس میں بیس بیس گز مربع کے چار ہزار قطعات نکلے۔ وہ سب اہل طرطوس کو جاگیر میں دیئے گئے(۱۶۱)۔

عصر حاضر میں بھی آبادکاری کا عمل اسی طرح ہوتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ یہ پلاٹ قیمتاً دیئے جاتے ہیں جن کی قیمت کم ہوتی ہے۔

اسی طرح ۱۸۰ھ میں ہارون الرشید نے حیرہ میں قیام کے لیے اپنے مکانات بنوائے اور اپنے ساتھیوں کو بھی زمین کے قطعات گھروں کی تعمیر کے لیے مفت دے دیئے(۱۶۲)۔

گھروں کی تعمیر کے لیے دیئے گئے پلاٹ (قطعیات) منصور کے عہد میں (۱۶۳)

منصور نے مہلہل بن صفوان دیئے (اصلی نام یحییٰ) کو شہر میں قطیعہ دیا۔ اس طرح عمارہ بن حمزہ کو بھی ایک قطیعہ دیا۔ بشیر بن میمون کے باپ میمون کو ناحیہ باب الشام میں بستان القس کے پاس ایک قطیعہ دیا اور اپنے آزاد کردہ غلام کو دار یقطین میں ایک قطیعہ دیا۔ ام عبیدہ کو بھی ایک قطیعہ دیا۔ طاقات ام عبیدہ اس کی طرف منسوب ہے (یہ قصر خلافت کی دایہ اور لونڈی تھی)۔ منصور نے منیرہ کو بھی ایک جائیداد دی (یہ بھی لونڈی تھی) اور ریشانہ کو قطیعہ دیا۔

محلات کی تعمیر

خلفاء وزراء کے بے شمار محلات تھے۔ جو تعمیر کا نادر نمونہ ہوتے تھے۔ ان محلات پر اٹھنے والے اخراجات لاکھوں اور کروڑوں درہموں و دیناروں میں ہوتے تھے۔(۱۶۴) ان محلات کے اندر تک نہریں جاتی تھیں۔ عصر حاضر کے طلسماتی دور میں بھی ان کی تزئین و آرائش کا انداز عقل دنگ کر دیتا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں تو پردے اور قالین ہی ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ حیران کن زیبائشی اشیاء بھی موجود تھیں۔ جن میں پانچ بحری بحرے تھے(۱۶۵)۔ اور مقتدر کا طلسماتی درخت جو سونے اور چاندی سے بنایا گیا تھا اور جس پر بے شمار شاخیں اور شاخوں پر سونے اور چاندی کی بنی ہوئی چڑیاں اور نرم و نازک لہلہاتے پتے عجیب سماں پیش کرتے تھے۔ اسی طرح اور بہت سی نادر اشیاء موجود تھیں(۱۶۶)۔ جن پر محلات کی تعمیر کے علاوہ ان گنت رقم خرچ ہوتی تھی۔ چند تعمیرات کی تفصیل اس طرح ہے:

قصرِ خلد کی تعمیر

۱۵۷ھ میں منصور نے دجلہ کے کنارے اپنا قلعہ قصر خلد بنایا۔ اس کی خوبصوتی اور اس کے گرد دلکش مناظر کی وجہ سے اسے جنت الخلد کہا جاتا تھا(۱۶۷)۔ یہ محل اس نے اپنے پیسوں سے بنوایا تھا۔ عیسیٰ بن علی نے بھی دجلہ کے کنارے ایک خوبصورت محل تعمیر کروایا تھا(۱۶۸)۔

قصر القرار کی تعمیر

ملکہ زبیدہ نے قصر الخلد کے قریب ایک اور شاندار محل تعمیر کروایا جو قصر القرار کہلاتا تھا(۱۶۹)۔

محلِ مامون کی توسیع

خلیفہ مامون نے بغداد میں اپنا قصر دوبارہ درست کیا اور اس میں ایک گھڑ دوڑ کا میدان، چڑیا گھر اور خاص جاں نثاروں کے مکانات بنائے۔ پھر یہ محل الحسن بن سہل کو عطا کر دیا۔ جو آئندہ قصر الحسنی کے نام سے مشہور ہوا اور اس نے یہ محل اپنی بیٹی بوران کو جہیز میں دے دیا(۱۷۰)۔

خیزرانیہ کے محلات

خیزرانیہ میں امین کے محلات و مکانات تھے جن کی چھتیں سونے کی تھیں(۱۷۱)۔

خلیفہ معتصم کے محلات

خلیفہ معتصم نے بہت سے محلات تعمیر کروائے تھے۔ جن میں بیٹھنے کی وسیع جگہیں، باغات، تالاب اور میدان وغیرہ تھے۔ اس کی تمام عمارات بہت شاندار تھیں(۱۷۲)۔

واثق کے ہارونی محل کی تعمیر

خلیفہ واثق نے دریائے دجلہ کے کنارے مشہور و معروف محل بنوایا جسے ہارونی محل کہا جاتا تھا۔ یہ ایک خوبصورت محل تھا

جس کے دائیں بائیں مہمانوں کے بیٹھنے کے لیے جگہیں خصوصی طور پر بنوائی گئیں (۱۷۳)۔

خلیفہ متوکل کی تعمیرات (۱۷۴)

عمارت حمیری

متوکل نے سامرہ میں نصر کے نعمانی بادشاہ کی معروف عمارت حمیری کمین اور اروقہ کو نئے سرے سے تعمیر کروایا جو کہ جنگی نمونہ پر بنائی گئی تھی۔ اس پر چالیس لاکھ درہم خرچ ہوئے تھے (۱۷۴)

اس کے علاوہ متوکل نے سامرا میں اور بھی عظیم الشان عمارتیں تعمیر کروائیں جن کے نام اور اخراجات اس طرح سے تھے:

۱	قصر عروس پر اخراجات	تین کروڑ درھم
۲	قصر مختار پر اخراجات	پچاس لاکھ درہم
۳	قصر الوحید پر اخراجات	بیس لاکھ درہم
۴	قصر جعفری پر اخراجات	ایک کروڑ درہم
۵	قصر غریب پر اخراجات	ایک کروڑ درہم
۶	قصر الشید ان پر اخراجات	ایک کروڑ درہم
۷	قصر البرج پر اخراجات	ایک کروڑ درہم
۸	قصر الصبح پر اخراجات	۵۰ لاکھ درہم
۹	قصر الملیح پر اخراجات	۵۰ لاکھ درہم
۱۰	قصر بستان الناخیہ پر اخراجات	ایک کروڑ درہم
۱۱	قصر المتل پر اخراجات	۵۰ لاکھ درہم
۱۲	قصر الجوسق پر اخراجات	پانچ لاکھ درہم
۱۳	بتر رکوان المعتز پر اخراجات	دو کروڑ درہم
۱۴	القلائد پر اخراجات	۵۰ ہزار دینار
۱۵	اس میں جو عمارتیں بنائی گئیں ان پر اخراجات	ایک لاکھ دینار
۱۶	الفردنی دجلہ پر اخراجات	۱۰ لاکھ درہم
۱۷	الماحوزہ پر اخراجات	۵ کروڑ درہم
۱۸	البہو پر اخراجات	اڑھائی کروڑ درہم
۱۹	اللؤلؤ پر اخراجات	۵۰ لاکھ درہم
۲۰	جامع مسجد پر اخراجات	ڈیڑھ کروڑ درہم

وزراء و دیگر اراکین سلطنت کے محلات کی تعمیر

قصرالتین و دیگر محلات کی تعمیر

یحییٰ بن خالد نے شاندار محل تعمیر کروایا اور ازراہ انکساری اس کا نام قصرالتین رکھا۔ جبکہ فضل بن یحییٰ نے بھی دو محل تعمیر کروائے اس کے علاوہ ان کے بے شمار محلات تھے (۱۷۵)۔

قصرالابیض کی تعمیر

ابراہیم بن اغلب نے قیروان کے مغرب میں قصرالابیض تعمیر کروایا (۱۷۶)۔

قصرِ جعفر کی تعمیر

جعفر بن یحییٰ نے رصافہ کے کچھ فاصلے پر دجلہ کے مشرقی کنارے پر قصر جعفر تعمیر کروایا جو پہلے تمام محلات سے خوبصورتی میں بڑھ کر تھا۔ اس پر بیس لاکھ درہم خرچ آیا۔ محل میں تمام قالین شاہی خزانے سے ڈلوائے گئے (۱۷۷)۔ جعفر کے قتل کے بعد مامون کو یہ محل دیا گیا جو مامونی محل کہلایا۔ مامون نے اس میں کئی اضافے کئے۔ خالی جگہوں پر دوستوں ساتھیوں اور خدام خاص کے لیے کئی مکان بنوائے۔ پولو کے لیے عمدہ میدان بنوایا۔ ایک چڑیا گھر بنوایا۔ جس میں تمام جانور رکھے گئے تھے اور ایک نہر، نہر معلّٰی کے اندر سے کھدوائی جو محل کے گوشے گوشے کو سیراب کرتی تھی (۱۷۸)۔

عہدِ انحطاط کی چند تعمیرات

قصرِ تاج اور قصرِ ثریا کی تعمیر

معتضد نے تاج نامی محل تعمیر کرایا۔ لیکن یہ ابھی مکمل نہ ہوا تھا کہ اس کی فضا گرد آلود ہونے کی وجہ سے اسے چھوڑ کر دو میل دور ایک اور ثریا نامی محل تعمیر کروایا۔ قصر ثریا اور قصر حسنی کے درمیان معتضد نے اتنی عمارتیں بنوائیں کہ دونوں کا سلسلہ باہم مل گیا۔ مزید یہ کہ دونوں محلات کو ایک سرنگ سے ملا دیا گیا۔ جس کے ذریعے معتضد کی لونڈیاں، باندیاں، اور بیگمات قصر حسنی سے قصر ثریا میں جاتی تھیں (۱۷۹)۔ تاج کو بعد میں مکتفی نے مکمل کیا اور اس کے اردگرد کئی اور عمارتیں بنوائیں (۱۸۰)۔

المقتدر کا طلسماتی محل (۱۸۱)

المقتدر نے دارالشجرہ نامی محل تعمیر کرایا اس کی بارہ دری میں پانچ سو گھوڑے کھڑے ہو سکتے تھے۔ اس طرح دوسرے حصے میں بھی پانچ سو گھوڑے ٹھہر سکتے تھے۔ بارہ دری کے بعد وحشی جانوروں کے لیے جگہ تھی۔ آگے چار ہاتھیوں کے قیام کے لیے مکان تھے۔ ان کے آگے ایک سو درندوں کے جنگلے تھے۔ اس سے آگے ایک بہت بڑا باغ پھیلا ہوا تھا۔ جس کے وسط میں ایک محل نما بارہ دری تھی۔ یہ بارہ دری ایک حوض پر محیط تھی جو تیس گز لمبا اور بیس گز چوڑا تھا۔ سارا حوض ایک ایسی دھات سے بنا ہوا تھا جس پر قلعی کی گئی تھی۔ حوض کے اندر چار انتہائی خوبصورت کشتیاں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ اس باغ

سے گزر کر اصل محل کی عمارت تھی۔ اس محل کے اندر ایک گول حوض کے درمیان چاندی سونے کا ایک مصنوعی درخت بنایا گیا تھا جس کی اٹھارہ ٹہنیاں تھیں ہر ٹہنی کی بہت سی شاخیں تھیں۔ ان شاخوں پر مصنوعی پرندے اور چڑیاں بٹھائی گئی تھیں۔ یہ پرندے اور چڑیاں سونے اور چاندی کی بنی ہوئی تھیں۔ پتے بھی سونے اور چاندی کے تھے یہ اتنے نرم و نازک پتے تھے کہ ہوا چلنے سے جب ہلتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے اصلی ہوں۔ اس حوض کے دائیں بائیں پندرہ پندرہ سواروں کے مجسمے نصب تھے جو ہاتھوں میں نیزے تھامے ہوئے تھے۔

قصرِ فردوس (۱۸۲)

دارالشجرہ کے بالکل سامنے قصر فردوس بنایا گیا تھا اس میں تن سوگز لمبی بارہ دری تھی جس کے دونوں طرف کی دیواروں پر دس ہزار مختلف ہتھیار سجائے گئے تھے۔ قصر فردوس میں مزید تیئس کے قریب محلات تھے۔ جو ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے دجلہ کے کنارے تک پہنچ گئے تھے۔ تاج آخری محل تھا۔ جہاں مقتدر عموماً دربار کرتا تھا۔ مقتدر کے ان محلات کے دروازوں پر اڑتیس ہزار ریشمی پردے لٹکے رہتے تھے۔ جن میں ساڑھے بارہ ہزار دیباج کے تھے۔ جس پر سنہری بیل بوٹے بنائے گئے تھے۔ ان محلات میں بائیس ہزار قالین بچھائے گئے تھے۔

6- تعلیمی اخراجات

عہد عباسی میں تعلیمی مد پر خطیر رقم خرچ کی جاتی تھی۔ خلفاء علم کے شیداء تھے۔ اکثر خلفاء خود مصنف تھے۔ شعروادب سے تو تقریباً تمام خلفاء شغف رکھتے تھے اور خود بھی شاعری کرتے تھے (۱۸۳)۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد زریں میں علم نے نئی جہتیں اختیار کیں اور دنیا کو مختلف علوم سے روشناس کرایا (۱۸۴)۔ دینی اور دنیاوی علوم کے مراکز قائم کیے۔ جن میں مساجد، مدارس، مکاتب کے ساتھ ساتھ سائنسی تجربات کے لیے رصدگاہیں اور تحقیقی مراکز قائم کیے (۱۸۵) موسیو سیدیو عہد عباسی کی تعلیمی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

> "عہد عباسی میں بہت سے مدرسے اور کتب خانے قائم تھے یہاں سے ہر شخص علم حاصل کر سکتا تھا۔ تعلیم مفت تھی۔ جیسا کہ ایک مدرسہ میں جہاں غریب و امیر کی تفریق کے بغیر چھ ہزار طالب علم زیور تعلیم سے آراستہ ہو رہے تھے اور اس کا سالانہ خرچ پندرہ ہزار دینار تھا۔ جو خلفاء کی زیر سرپرستی قائم تھا" (۱۸۶)۔

منجم قیافہ شناس وغیرہ باقاعدہ درباری ملازم تھے جنہیں بیش بہا انعامات عطا کیے جاتے تھے (۱۸۷)۔

متوکل کے زمانہ تک عام علمی مدارس قائم نہیں ہوئے تھے اس کے بعد قائم کیے گئے تھے۔ امام ذھبی کی رائے یہ ہے کہ:

"سب سے پہلے نظام الملک نے مدارس قائم کیے۔ چنانچہ اس نے بغداد، نیشاپور، ھرات، اصبہان، بصرہ، مرو، طبرستان، آمل اور موصل میں ایک ایک مدرسہ (Shool) قائم کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے عراق اور خراسان کے ہر شہر میں ایک ایک مدرسہ قائم کیا" (۱۸۸)۔

بیت الحکمہ کا قیام

بیت الحکمہ کے نام سے باقاعدہ ایک ادارہ قائم تھا جہاں تمام یونانی اور قبطی علوم کو عربی زبان میں منتقل کیا جاتا تھا(۱۸۹) اور ان علوم پر تحقیق و تجربات کے ساتھ ساتھ انہیں جدید علوم کے ساتھ منطبق کیا جاتا تھا۔ یہاں باقاعدہ تنخواہ یافتہ ملازم رکھے جاتے تھے(۱۹۰)۔ جنہیں خصوصی انعامات کے علاوہ ماہانہ تنخواہ بھی دی جاتی تھی(۱۹۱)۔ فارسی علوم بھی عربی میں منتقل کیے جاتے تھے(۱۹۲)

کتب کی درآمدات پر اخراجات

دوسرے علوم کے تراجم کے لیے کتب منگوانے کے لیے خلفاء بہت رقم خرچ کرتے تھے۔ علماء اور مترجمین خود جا کر روم وغیرہ سے کتابیں منتخب کر کے لاتے۔ جن میں فلسفہ، ہندسہ، موسیقی اور طب کی نادر کتب شامل ہوتیں تھیں۔ ہارون و مامون نے جہاں جہاں سے جو کتاب جس قیمت پر دستیاب ہو سکی منگوا کر اس کا ترجمہ کروایا(۱۹۳)۔

ترجمہ کی گئی کتاب کی قدر و قیمت

ترجمہ شدہ کتاب طلائی سکہ میں تولی جاتی تھی(۱۹۴)۔ لہٰذا ترجمہ کرنے والے گندہ کاغذ پر لکھتے تھے تاکہ کتاب کا وزن بڑھ جائے اور بڑی رقم حاصل ہو۔ مترجمین کی یہ کارروائی اس حیثیت سے مفید ثابت ہوئی کہ صدیوں تک یہ قلمی کتابیں محفوظ رہیں اور اب بھی یورپ کے بعض کتب خانوں میں ان کے اوراق موجود ہیں(۱۹۵)۔

مترجمین اور دیگر عملہ کی تنخواہ ہیں۔

مترجمین کو بہت سی مراعات حاصل تھیں۔ ان کی معاشی حالت اتنی اچھی ہوتی تھی کہ یہ محلوں میں رہتے تھے ان میں سے اکثر مترجمین کی ماہانہ تنخواہ پانچ سو دینار تک ادا کی جاتی تھی(۱۹۶)۔ اسی طرح منشی کو دس درہم (۱۹۷) خوش نویس کو چھ دینار اور منجم کو دس دینار ماہانہ تنخواہ دی جاتی تھی(۱۹۸)۔

علماء کی معاشی مدد (وظائف)

خلفاء نے فقہاء، ادباء اور علماء کے وظائف مقرر کیے ہوئے تھے۔ اسی طرح صوبوں میں عاملوں نے بھی وظائف مقرر کیے ہوئے تھے۔ ابو عبید القاسم بن سلام کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے عبداللہ بن طاہر نے انہیں معاشی فکروں سے آزاد کرنے کے لیے ماہانہ دو ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا ہوا تھا۔ اس کے بعد طاہر بن عبداللہ بن طاہر نے اس وظیفہ کو دگنا کر دیا۔ ابو عبیدؒ کی وفات کے بعد یہ وظیفہ ان کی اولاد کو ملتا رہا(۱۹۹)۔

7- دیگر رفاہی کام اور اخراجات

خلافت عباسیہ کی سب سے ممتاز اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک رفاہی خلافت و ریاست تھی۔ خلفاء کو اپنے عوام کی فلاح و بہبود کا ہمیشہ خیال رہتا تھا اور اس کے لیے وہ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ عوام کو بنیادی

سہولتیں حاصل تھیں اور رفاہ عامہ کی بڑی کثرت وفراوانی تھی۔ رفاہ عامہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جس کا جال ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک نہ بچھا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ اتنی وسیع وعریض سلطنت میں رفاہ عامہ کا اتنا عمدہ اور مکمل وبھرپور انتظام واہتمام کرنا خلافت عباسیہ ہی کا خاصہ تھا۔ عربی زبان میں کہا جاتا ہے کہ "الناس علی دین ملوکھم" (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر چلتے ہیں) جب حکمرانوں کو عوام کی بہتری وخیر خواہی کا اس قدر خیال تھا تو ان کی بیویاں بھی ان سے کسی طرح پیچھے نہ تھیں۔ وہ بھی ذاتی دلچسپی لے کر رفاہی کاموں کا اہتمام کیا کرتی تھیں۔

ان کے علاوہ وزراء اور دوسرے اعلیٰ مناصب پر فائز لوگ بھی اپنی ذاتی دلچسپی اور خیر وفلاح کی محبت کی وجہ سے بادشاہوں اور حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے بھی رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ خلافت عباسیہ کا ہر ذمہ دار شخص جذبہ خدمت رعایا سے معمور اور اس کام میں مستغرق ومصروف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت عباسیہ ایک حقیقی اور سچی رفاہی اور فلاح اسلامی ریاست بن گئی تھی۔ اہم رفاہی شعبوں کی کچھ تفصیل اس طرح سے ہے:

آب رسانی وآبپاشی کی سہولیات

پانی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس کی فراہمی عباسی دور میں بڑی منظم اور جامع تھی۔ کوئی بھی بستی یا شہر آباد کرنے سے پہلے پانی پہنچانے کے انتظامات کا جائزہ لیا جاتا تھا(۲۰۰)۔ یہ پانی پینے اور دیگر ضروریات کے علاوہ زراعت کی ترقی اور بہتری کے لیے بھی اہم تھا۔ پینے کے لیے جو نہریں کھودی جاتی تھیں انہیں اکثر اوپر سے چونے اور اینٹوں سے ڈھک دیا جاتا تھا اور یہ نہریں مختلف محلوں اور علاقوں سے شاخ در شاخ گزرتی تھیں۔ جس سے ہر کوئی فائدہ اٹھاتا تھا(۲۰۱)۔ اسی طرح زراعت کے لیے بھی نہروں کا جال بچھا دیا گیا تھا۔

نہروں کے علاوہ تالاب، کنویں اور حوض بھی جگہ جگہ بنائے گئے تھے۔ بستیوں اور علاقوں کے علاوہ شاہراہوں پر بھی مسافروں کی سہولیات کے لیے تالاب کنویں اور حوض موجود تھے(۲۰۲) جیسا کہ ہارون الرشید نے منیٰ، عرفات اور مدینہ کے علاوہ مکہ کے راستے میں بھی کنویں کھدوائے (۲۰۳) اور تالاب وحوض بنوائے تھے(۲۰۴)۔ انہی اصلاحات کی وجہ سے ہارون الرشید کے زمانے کو لوگ "دلہن کا زمانہ" کہتے تھے(۲۰۵)۔

ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ نے بھی مکہ میں حوض، تالاب اور کنویں بنوائے تھے۔ اس کے علاوہ حجاز میں عین المشاش نامی چشمہ کھدوایا جسے دشوار گزار پہاڑوں اور میدانوں سے گزار کر ۱۲ میل کے فاصلے پر مکہ لے کر آئی۔ اس کام پر تقریباً ایک کروڑ سات لاکھ دینار خرچ ہوئے(۲۰۶)۔ دجلہ کے کنارے نہر زبیدہ کھدوائی(۲۰۷)۔

خلیفہ ابو العباس منصور اور مہدی نے بھی آب رسانی کے لیے تمام انتظامات کیے(۲۰۸) بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ان کے کاموں کو ہی ہارون الرشید اور بعد کے خلفاء نے آگے بڑھایا اور ان میں ترقی وتوسیع کی۔

پلوں کی تعمیر

نہروں پر پلوں کی تعمیر

چونکہ ملک میں نہروں کا ایک وسیع سلسلہ تھا اس لیے ان پر پلوں کی تعمیر ضروری تھی۔ لہٰذا ہر نہر پر مختلف دریاؤں کو عبور کرنے کے لیے بھی پل تعمیر کیے گئے تھے۔ کہیں کہیں تو کشتیوں کے پل بھی بنائے گئے تھے اور اکثر مقامات پر پختہ پل تھے۔ جنہیں قنطرہ کہا جاتا تھا۔ یہ عموماً محراب دار ہوتے تھے۔ جیسا کہ منصور نے بغداد میں الصراۃ نہر پر پل تعمیر کروایا تھا(۲۰۹)اس کے علاوہ خلیفہ منصور نے عوام کی سہولت و آسانی کے لیے بغداد میں مزید کئی مخصوص قسم کے پل تعمیر کروائے۔(۲۱۰)

خلیفہ کے لیے پل (۲۱۱)

منصور نے ایک پل اپنے لیے اور شاہی خاندان وغیرہ کے لیے بنوایا۔ تا کہ عوام کو شاہی سواری کی آمد پر پریشانی نہ ہو اور حفاظتی اقدامات بھی آسانی سے ہو سکیں۔ جبکہ عصر حاضر میں تو جہاں سے کسی صدر یا اعلیٰ عہدیدار نے گزرنا ہوتا ہے ہاں وقتی طور پر عام ٹریفک بند کر دی جاتی ہے۔ جس سے نہ صرف ٹریفک کے نظام میں خلل واقع ہوتا ہے بلکہ بہت سے لوگ بروقت اپنے مقررہ مقام تک نہیں پہنچ سکتے اور بہت سے مریض طبی امداد نہ ملنے کی وجہ سے راستے میں ہی جان دے دیتے ہیں۔

غلاموں کے لیے پل (۲۱۲)

اسی طرح ایک پل خصوصی طور پر غلاموں کے لیے بنوایا گیا تھا

عام لوگوں کے لیے پل (۲۱۳)

ایک پل عام لوگوں کی آمدورفت کے لیے تھا۔ اس طرح پلوں کی تخصیص سے ٹریفک کا نظام بہت منظم اور افراتفری سے بے نیاز ہوتا تھا۔

عورتوں اور مردوں کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ پل

بعض نہروں پر عورتوں اور مردوں کے گزرنے کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ پل بنائے گئے تھے (۲۱۴)

یک طرفہ ٹریفک کا انتظام

اکثر مقامات پر ایسے پل تھے جن پر صرف ایک ہی سمت میں جایا جاتا تھا۔ یعنی آنے اور جانے کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ پل تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی عصر حاضر کی طرح یک طرفہ ٹریفک (گزرگاہ) کا نظام موجود تھا(۲۱۵)۔

پلوں کی حفاظت

پلوں کی حفاظت کے لیے پلوں پر پہرے دار مقرر کیے جاتے تھے اور ان کے اخراجات حکومت برداشت کرتی

تھی (۲۱۶)۔

شاہراہیں، سڑکیں

کسی بھی ملک کی ترقی و فلاح میں شاہراہیں اور سڑکیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ کیونکہ انہی کے ذریعے دیہاتوں اور شہروں کو یکجا کیا جاتا ہے اور یہی دور دراز قائم شدہ فلاحی و رفاہی مراکز تک پہنچنے کا جلد اور آسان ذریعہ ہوتی ہیں۔ ان کے ذریعے مہینوں اور دنوں کے راستوں کو چند گھنٹوں میں طے کیا جاتا ہے اور ایک علاقے کی پیداوار دوسرے علاقے میں آسانی سے پہنچائی جاتی ہے جس سے کسی پیداوار سے محروم علاقہ استفادہ کرسکتا ہے۔ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے مال ملک کے گوشے گوشے سے منڈیوں اور بازاروں تک پہنچا کر لوگوں کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ لہٰذا شاہراہیں ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں۔

مملکت عباسی میں بھی سڑکوں، شاہراہوں کا نہروں کی طرح ایک جال بچھا ہوا تھا (۲۱۷)۔ جس نے ملکی معیشت کو مضبوط تر بنانے میں مدد کی۔ گلی محلوں سے لے کر دوسرے شہروں اور صوبوں تک کو ان شاہراہوں کے ذریعے ملا دیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بغداد کی منڈیوں میں شاید ہی ایسی کوئی چیز ہوگی جو ملک کے کسی شہروں میں موجود ہو اور بغداد میں نہ ہو۔ تمام بے موسمی پھل بغداد میں موجود ہوتے تھے۔ جس سے ہر خاص و عام اپنی حیثیت کے مطابق فائدہ اٹھاتا تھا۔ یہی حال ملک کے دوسرے شہروں کا تھا۔

چند بڑی بڑی شاہراہیں

پورے ملک کو چھوٹی بڑی شاہراہوں سے ملا دیا گیا تھا اور سارے شہروں کا رابطہ دارالخلافہ بغداد اور مذہبی اہمیت کے حامل شہر، مکہ سے قائم تھا۔ بغداد، مدینہ، بصرہ، مصر، دمشق، یمامہ، صنعاء، خولان اور عمان کو بڑی بڑی شاہراہوں کے ذریعے مکہ سے ملا دیا گیا تھا (۲۱۸)۔

اسی طرح بغداد کا رابطہ مشرق میں واسط سے بصرہ، سوق الاھواز، شیراز، السیر جان، بجستان، اصبہان، تنک اور حلوان سے ہمذان نہاوند، الایغارین، الکرخ، اصبہان تک تھا (۲۱۹)۔

اسی طرح ہمذان سے رے، نیشاپور، مرو، آمل، بخارا، سمرقند، فرغانہ، بلخ وغیرہ تک راستے جاتے تھے۔ (۲۲۰) مغرب میں بغداد سے موصل، نصیبین، ارزن، آمد، الرقہ، سنجار اور مرعش تک محفوظ شاہراہیں قائم تھیں (۲۲۱)۔ ان علاقوں میں جہاں جہاں دریا یا نہریں آتی تھیں وہاں انہیں عبور کرنے کے لیے کشتیوں کا انتظام موجود ہوتا تھا۔ جنہیں عبور کرنے کے بعد پھر سڑکیں شروع ہو جاتی تھیں (۲۲۲)۔

سرائیں اور راستوں پر سنگ ہائے میل کی تنصیب

مسافروں کی سہولت کے لیے شاہراہوں اور راستوں میں سراؤں کا انتظام کیا گیا تھا۔ جگہ جگہ یہ سرائیں میسر تھیں (۲۲۳)۔ ان سراؤں کو مسافروں کے لیے وقف کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ملکہ زبیدہ نے شامی سرحد اور طرطوس میں فی سبیل اللہ سرائیں بنوا کر انہیں وقف کر دیا تھا (۲۲۴)۔

ان کے علاوہ خلیفہ ابوالعباس اور خلیفہ مہدی نے شہروں کے درمیان فاصلوں کی نشاندی کرتے ہوئے ہر میل پر سنگ میل نصب کروائے (۲۲۵)۔ یعنی وہ کام جو آج مسافروں کو منزل کے دور یا نزدیک ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے عباسی عہد میں ہو چکا تھا۔

ڈاک چوکیوں / پولیس چوکیوں کا قیام

لوگوں، مسافروں اور قافلوں کی حفاظت کے لیے ان شاہراہوں پر ڈاک چوکیاں / پولیس چوکیاں قائم تھیں۔ جو انہیں مختلف حوادث اور رہزنوں ڈاکوؤں سے بچانے میں مدد کرتی تھیں (۲۲۶)۔ خلیفہ مہدی نے یمن سے مکہ اور مکہ سے بغداد تک ڈاک چوکیاں قائم کیں (۲۲۷)۔ یمن کی ڈاک چوکیاں ۹۳۰ تھیں (۲۲۸)۔

عوام کے لیے سواری کے جانوروں کو باندھنے کی جگہ

حکومت کی طرف سے عوام کے لیے ایسی جگہوں کا انتظام کیا جاتا تھا جہاں وہ اپنے سواری کے جانور باندھ کر خود کام وغیرہ کرنے جا سکتے تھے اور اکثر جگہوں پر ایسی جگہوں کے ساتھ ہی گھوڑوں وغیرہ کے سم بنانے والوں کی دکانیں بھی ہوتی تھیں۔ جیسا کہ کناستہ میں عام لوگوں کے لیے گھوڑے باندھنے والے میدان کے ساتھ نخاسی الدواب (سم بنانے والے) کا علاقہ تھا (۲۲۹)۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ عصر حاضر میں کار پارکنگ کے پاس ہی ٹائروں کے پنکچر لگانے اور ہوا بھرنے والوں کی دکانیں اور اکثر ورکشاپس ہوتی ہیں۔

8- ہسپتال اور ڈسپنسریوں کا قیام

صحت عامہ کی خاطر شہروں میں شفا خانے اور ڈسپنسریاں قائم تھیں۔ جہاں لوگوں کو مفت علاج کی سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں۔ ہر بڑے شہر میں ایک ہسپتال ہوتا تھا۔ بعض ہسپتالوں میں طبی کتب خانے بھی ہوتے تھے اور کئی ایک میں طب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ بغداد میں مطب شروع کرنے سے پہلے ایک امتحان پاس کرنا پڑتا تھا (۲۳۰)۔

صحت عامہ کے پیش نظر باغات، پارک، سبزہ زار، پر فضا باغیچے، جن میں سرسبز شاداب درخت اور ہری بھری بیلیں تھیں جہاں لوگ صبح و شام سیر و تفریح کرتے (۲۳۱)۔

9- مساجد کی تعمیر

مذہبی امور کی انجام دہی کے لیے ملک میں جگہ جگہ مساجد تعمیر کی گئیں۔ خلفاء وزراء اور دیگر اراکین سلطنت و امراء وغیرہ مساجد کی تعمیر میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ یہاں تک کہ شاہی خواتین بھی ان کی تعمیر میں پیش پیش تھیں۔ ملکہ زبیدہ نے قطیعتہ ام جعفر میں ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی تھی (۲۳۲)۔

10-عباسی خلفاء کے ذاتی اخراجات

خلفاء کے ذاتی اخراجات میں خلفاء اور ان کے اہل خانہ کی خوراک، رہائش، تعیشات، طبیب، حاجب اور باڈی گارڈز وغیرہ پر اٹھنے والا خرچ شامل ہے۔ تمام خلفاء بہت شان وشوکت اور جاہ وجلال سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ان پر عجمی رنگ غالب تھا۔ وہ بھی قیصر وکسریٰ کا طریقہ اپنے ہوئے تھے۔ خوراک، لباس، دربار، رہن سہن، غرض کسی بھی پہلو سے دیکھیں ان میں شاہانہ کروفر اور بادشاہی رنگ نمایاں تھا۔ وہ اسلامی سادگی جو خلفاء راشدین میں موجود تھی اس کا معمولی سا شائبہ بھی ان میں نہ پایا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان خلفاء کے اپنے اخراجات عصر حاضر کے سربراہوں کی طرح بے شمار تھے اور ملکی دولت کا ایک کثیر حصہ صرف انہی کے لیے مخصوص تھا۔ عصر حاضر اور خصوصاً پاکستان میں اور عہد عباسی میں فرق صرف اتنا ہے کہ سربراہ مملکت اور دیگر وزراء کے اخراجات عوام کے خون پسینے کی کمائی سے وصول شدہ ٹیکسوں سے پورے کیے جاتے ہیں جبکہ عوام بنیادی ضروریات تک سے محروم چلے آتے ہیں۔ جن کا اظہار وہ آئے دن ہڑتالیں اور تالہ بندیاں کر کے کرتی ہیں۔ ان میں ملک کے ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر اور دیگر اساتذہ سے لے کر عام تاجر، صارف اور کلرک تک شامل ہوتے ہیں اور اہلیان حکومت پر تعیش اور شاہانہ زندگی گزارتے ہیں۔ جبکہ عہد عباسی میں عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ ایسا نہیں تھا کہ وہ چیخ اٹھیں۔ بلکہ اتنی وسیع مملکت کا انتظام وانصرام صرف خراج کی رقم سے ہی پورا ہو جاتا تھا (۲۳۳)۔

جیسا کہ خلیفہ منصور ولی عہد مہدی کو بتاتا ہے کہ:

> ''اگر آئندہ دس سالوں تک بھی خراج کی رقم نہ آئے تو بھی جمع شدہ رقم تمام ملکی امور کے لیے کافی ہوگی''۔

تاہم خلیفہ منصور بہت محتاط انداز سے خرچ کرتا تھا۔ اس کی وفات کے وقت بیت المال میں چھ کروڑ درہم اور چودہ کروڑ دینار موجود تھے (۲۳۴)۔ جبکہ خود اس پر تین لاکھ درہم سے کچھ زیادہ قرض تھا جو اس نے اپنے بیٹے مہدی کو اتارنے کے لیے کہا اور اس بات کا اظہار کیا کہ وہ پسند نہیں کرتا کہ اپنی ذات پر بیت المال کا پیسہ خرچ کرے۔ یہی وجہ تھی اس کا محل بھی اس کے ذاتی پیسوں سے بنایا گیا تھا (۲۳۵)۔

خلیفہ منصور کے بعد خلفاء نے ملکی دولت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ ان کے اہل خانہ کی تعداد سینکڑوں اور ہزاروں میں ہوتی تھی۔ جن میں لونڈیاں اور غلام شامل ہوتے تھے۔ جیسا کہ خلیفہ ہارون الرشید کی دو ہزار لونڈیاں تھیں۔ جن کی قیمت ہزاروں لاکھوں میں تھی۔ بلکہ ایک لونڈی کی قیمت تو ایک لاکھ دینار تھی (۲۳۶)۔ خلیفہ معتصم کی ۸ ہزار اور کچھ کے نزدیک اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) غلام اور آٹھ ہزار لونڈیاں تھیں اور ۸ محلات تھے اور خلیفہ مقتدر باللہ کے صرف سوڈانی غلام ۴۰۰۰ تھے اور گیارہ سو ہیجڑے تھے (۲۳۷)۔

اس تعداد سے ان پر اٹھنے والے اخراجات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ صرف ایک خلیفہ کی آٹھ ہزار لونڈیاں (غلاموں وغیرہ کو اگر شامل نہ کیا جائے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ملکی امور میں حصہ بٹاتے ہوں لیکن لونڈیاں تو بے کار ہی بیٹھی ہوتی تھیں) کے کھانے، رہنے اور آرائش وزیبائش پر کس قدر خرچ ہوتا ہوگا۔ تاہم عباسی بیت المال میں اتنی سکت تھی کہ

وہ ان تمام کا بوجھ بخوبی اٹھالیتا تھا۔لہٰذا ان اخراجات کا ہلکا سا خاکہ یہ ہے:

خلفاء کے باورچی خانہ کا خرچ

خلفاء کے دسترخوانوں کا خرچ بہت زیادہ ہوتا تھا۔اکثر خلفاء کھانے پر بہت سے لوگوں کو بھی شریک کرلیا کرتے تھے۔

خلیفہ مامون کے دسترخوان کا خرچ

مامون کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا یومیہ خرچ چھ ہزار درہم تھا۔جس میں سے زیادہ تر باورچی خانہ کے اخراجات تھے۔(۲۳۸)۔معتصم کے بارے میں ابراہیم بن عباس کہتے ہیں کہ:

''یہی پہلا شخص ہے کہ جس کے باورچی خانہ کا خرچ دن دگنا رات چگنا ہوتا گیا۔حتیٰ کہ ایک ہزار دینار روزانہ خرچ ہوگیا(۲۳۹)''۔

عہدِ انحطاط میں خلفاء کے دسترخوان کا خرچ

عہد انحطاط میں بھی خلفاء ہر روز اپنے دسترخوان پر دس ہزار درہم روزانہ خرچ کرتے تھے(۲۴۰)۔

دسترخوان کے اخراجات کی حد مقرر کرنا

خلیفہ المہدی نے اس اسراف کو بند کیا اور دسترخوان اور گزارہ کے لیے روزانہ ایک سو درہم مقرر کیے(۲۴۱)

سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال

خلفاء کھانے پینے کے لیے سونے چاندی کے برتن استعمال کرتے تھے۔خلیفہ امین نے فوج کو معاش دینے کے لیے جب کچھ نہ رہا تو ان برتنوں کو تڑوایا اور درہم دینار ڈھلوائے(۲۴۲)۔لیکن مہدی نے اس فعل کو ناپسند کیا کہ سونے کے ظروف استعمال کیے جائیں۔لہٰذا اس نے تمام برتنوں کو خزانے سے نکلوایا اور تڑوا کر درہم و دینار مضروب کروائے(۲۴۳)۔

جواہرات کا استعمال

خلفاء جواہرات کے شیدا تھے۔ان کے پاس بے شمار جواہرات تھے۔خلفاء کی دلچسپی اور سرپرستی سے ہی عہد عباسی میں جواہرات کی تجارت بہت پھیل گئی تھی اور جوہریوں کی امارت اور دولت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔خلیفہ ہارون الرشید کی انگوٹھی ایک لاکھ کی تھی اور اس میں یاقوتی نگینہ تین لاکھ دینار کا تھا(۲۴۴)

خلفاء کے لباس کے اخراجات

خلفاء اچھے،عمدہ اور قیمتی لباس پسند کرتے تھے۔ان کا کپڑا عمدہ،شاندار اور نایاب ہوتا تھا(۲۴۵)۔بلکہ کچھ کپڑوں کو تو خلفاء صرف اپنے لیے مخصوص کر لیتے تھے اور عوام ان سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔یہ کپڑے خلفاء کے لیے مخصوص کارخانوں میں بنتے جنہیں الطراز کہتے تھے(۲۴۶)۔بعض خلفاء تو اک بار جو کپڑا پہن لیتے دوسری بار نہ پہنتے تھے۔حالانکہ یہ کپڑا بہت نایاب ہوتا تھا۔مثلاً خلیفہ مہدی،ہادی،رشید،معتصم اور واثق ایک بار جو قمیض استعمال کرتے دوسری بار

کبھی نہیں پہنتے تھے۔ جبکہ ابتدائی خلفاء ابوالعباس، منصور اور مامون کئی بار دھلا ہوا لباس بھی استعمال کر لیتے تھے(۲۴۷)۔

خوشبو کا استعمال

خلفاء مختلف قسم کی خوشبو لگانا بھی پسند کرتے تھے۔ لیکن ابوالعباس، منصور اور مامون خوشبو استعمال کرنے کے بعد جب تک کپڑے سے خوشبو ختم نہ ہو جاتی دوبارہ نہیں لگاتے تھے(۲۴۸)۔

خس کا استعمال

منصور پہلے خلیفہ تھے جنہوں نے موسم گرما میں خس کا استعمال شروع کیا ورنہ خس کے استعمال سے پہلے وہ ایرانیوں کی طرح روزانہ کمرہ لپواتے تھے اور اسی میں دوپہر گزارتے تھے(۲۴۹)۔

نمدے کا فرش اور برف اور استعمال

جب تک خس کا استعمال معلوم نہ ہوا تھا خلیفہ مہدی نمدے کا فرش استعمال کرتا تھا۔ یہ تحفہ طبرستان سے آیا تھا اس نے اس کا بستر بنایا لیا۔ برف اور گھاس اس کے گرد لگائی جاتی تھی۔ اس طرح گرمی کا موسم گزرا جاتا تھا(۲۵۰)۔

خلفاء کی سواری کی تزئین و آرائش

خلفاء کی سواری کے لیے چاندی کے ہلکے زیورات، پیٹیوں، تلوار کے پرتلوں، کاٹھیوں اور لگاموں کا استعمال کرتے تھے(۲۵۱)۔ معتصم جس گھوڑے پر چوگان کھیلتا اس پر سونے کا زین اور دیگر سامان مزین ہوتا تھا(۲۵۲)۔ اور خود بھی کام کی ہوئی صدری، سونے کا پٹکہ اور سرخ جوتا پہن کر چوگان کھیلتا تھا بلکہ ساتھ کھیلنے والوں کو بھی ایسا ہی لباب زیب تن کر کے کھیلنے کے لیے مجبور کرتا(۲۵۳)۔ خلیفہ المعتز نے سواری کے لیے سونے کے زیوارات تلواروں کے پرتلوں اور کاٹھیوں کا استعمال کیا۔ لوگوں نے بھی ان کی تقلید کی(۲۵۴)۔

ہارون الرشید کی شادی کے اخراجات

عباسیوں نے شادی کی محفلوں کی طرف غیر معمولی اہتمام سے کام لیا تھا۔ دور اول کے عباسی خلفاء نے شادی کے موقعوں پر بے حد فضول خرچی سے کام لیا تھا۔ خلیفہ مہدی نے زبیدہ سے اپنے بیٹے ہارون کی شادی کے موقع پر جو وسیع پیمانے پر ولیمہ کیا تھا اس کی مثال مسلمانوں میں پہلے موجود نہ تھی۔ مہدی نے حسب مراتب لوگوں کو سونے کے برتن دیئے تھے جو درہموں سے بھرے ہوئے تھے اور چاندی کے برتن دیئے تو جو دیناروں مشک اور عنبر سے بھرے ہوئے تھے اور زبیدہ کو اتنے زیورات اور جواہرات چڑھائے تھے کہ وہ ان جواہرات کے بوجھ کی وجہ سے قدم نہ اٹھا سکتی تھی۔

شابشتی کا بیان ہے کہ:

> ''ہارون کی شادی پر مہدی نے تیرہ لاکھ اٹھاسی ہزار دینار خرچ کیے تھے۔ اس کے علاوہ دیناروں کی ایک بڑی مقدار ہارون نے اپنے پاس سے صرف کی تھی(۲۵۵)۔

ہارون الرشید کا روزانہ کا صدقہ

ہارون الرشید روزانہ ایک ہزار درہم صدقہ میں دیا کرتا تھا(۲۵۶)۔

☆ خلیفہ امین کی تعیشات

امین کا تخت (محاصرہ کی حالت میں)

خلیفہ امین کا ایک تخت ۱۰×۱۰ کا عود وصندل کا تھا۔ وہ ایک گنبد تھا جس کے اندر کئی قسم کا ریشم و دیباج لگا ہوا تھا جو سرخ سنہری تاروں سے بنا ہوا تھا(۲۵۷)۔

امین کے جام وسبو

نبیذ پینے کے لیے امین اور اس کے مصاحبوں کے نگینے دار شیشے کے پیالے مقرر تھے(۲۵۸)۔

محل میں مچھلیوں کے لیے تالاب

امین کے محل کے وسط میں بہت بڑا تالاب تھا جس کے پانی کا راستہ دجلہ تک جاتا تھا اور اس گزرگاہ میں ایک لوہے کی کھڑکی تھی۔ اس تالاب میں اس نے ایک خاص مچھلی "مقرطہ" شکار کر کے رکھی ہوئی تھی۔ جس کے کانوں میں دو چھلے پہنائے ہوئے تھے جن میں دو موتی بھی تھے بعض کہتے ہیں کہ یہ یاقوت تھے(۲۵۹)۔

☆ خلیفہ امین کے محلات

خلیفہ نے مقام خیزرانیہ میں بہت سے محلات اور نشاط گاہیں تعمیر کروائیں تھیں جن پر ۲۰،۰۰۰،۰۰۰ درہم خرچ ہوئے تھے(۲۶۰)۔ اس نے پانچ بجرے بنوا کر دریائے دجلہ میں ڈلوائے ہوئے تھے ان پانچ بجروں کی شکل ایک شیر کی طرح دوسرا ہاتھی، تیسرا عقاب، چوتھا سانپ اور پانچویں کی گھوڑے کی طرح کی تھی۔ ان بجروں پر خلیفہ سیر کیا کرتا تھا۔ ان کی تیاری پر بہت دولت صرف ہوئی تھی۔ خلیفہ امین بے شمار سونے چاندی کے برتن استعمال کرتا تھا اور سو سو لونڈیاں کو ناچ گانے کے لیے بیک وقت بلاتا تھا۔ لونڈیوں کی ایک افسر (داروغہ) خاتون ہوتی تھی(۲۶۱)۔

خلیفہ مامون کا سسر کو شادی کا تحفہ

مامون نے اپنی شادی پر اپنے سسر حسن بن سہیل کو فارس کی آمدنی سے ایک کروڑ درہم نقد شادی کے موقع پر دیئے اور صلح کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا(۲۶۲)۔ خلیفہ مامون نے اپنے ندیموں پر کافور کی ڈلیاں برسائیں جن میں سے ہر ایک ڈلی کی قیمت تین ہزار درہم تھی(۲۶۳)۔

خلیفہ نامون روزانہ اپنے خاص لوگوں پر ۴۰۰۰ ہزار درہم خرچ کیا کرتا تھا(۲۶۴)۔

خلیفہ مامون کی گرفتاری کے لیے "خاص" چاندی کی ہتھکڑی و بیڑی

۱۹۵ھ میں خلیفہ امین اور مامون کی خانہ جنگی میں امین کی طرف سے مامون کی سرکوبی کے لیے علی بن عیسیٰ ماہان کو خراسان

روانہ کرتے وقت ملکہ زبیدہ (امین کی ماں) نے اسے ایک چاندی کی ہتھکڑی و بیڑی دی اور کہا کہ:

''محبت و شفقت میں مامون اور امین کو برابر سمجھتی ہوں اگر تجھ کو فتح ہو تو عزت و احترام سے اس ہتھکڑی اور بیڑی میں مامون کو قید کر لانا۔ کسی قسم کی بے ادبی نہ کرنا'' (۲۶۵)۔

ملکہ زبیدہ کی اختراعات واخراجات

ملکہ زبیدہ پہلی خاتون ہیں جس نے چاندی آبنوس اور صندل کے گنبد بنوائے اور ان کی کنڈیاں سونے اور چاندی سے بنوائیں۔ جن پر نقش و نگار ہوتا تھا اور اس پر سمور، دیباج اور سرخ، سبز، پیلا اور نیلا، ریشم چڑھا ہوتا تھا۔

ملکہ کے جوتوں میں جواہر اور موتی جڑے ہوئے تھے۔ عنبر کی موم بتی استعمال کرتیں۔ لونڈیوں کو خاص قسم کا پہناوا پہنایا اور خاص تربیت دے کر انہیں ''غلامیات'' کا نام دیا۔ لوگوں نے بھی ملکہ کی تقلید کی (۲۶۶)۔

خلیفہ کے حاشیہ والوں کی تنخواہیں

خلیفہ کے حاشیہ والوں سے مراد وہ لوگ تھے جو خلیفہ کی ذاتی اور شخصی خدمت پر مامور تھے۔ مثلاً طبیب، حاجب اور باڈی گارڈز وغیرہ۔ ان لوگوں کو بیت المال خاص سے تنخواہیں دی جاتی تھیں اور کبھی کبھار کچھ وظائف خزانہ عامرہ سے بھی دیئے جاتے۔ جیسا کہ ہارون الرشید کے طبیب جبریل بن بختیشوع کی سالانہ مراعات اس طبیب کے منشی کے قلم سے لکھے ہوئے ملے ہیں۔ جو اس نے ترتیب وار لکھی تھیں (۲۶۷) مثلاً:

شاہی طبیب جبریل بن بختیشوع کی سالانہ مراعات

ہارون الرشید کے طبیب جبریل کی ماہوار تنخواہ دس ہزار درہم تھی (۲۶۸)۔ جو کہ خزانہ عامرہ سے دی جاتی تھی۔ مزید تفصیل اس طرح ہے:

خزانہ عامرہ سے (۲۶۹)

سالانہ تنخواہ	=	۱۲۰،۰۰۰ درہم
دیگر سامان	=	۶۰۰۰۰ درہم
میزان	=	۱۸۰۰۰۰ درہم سالانہ

بیت المال خاص سے (۲۷۰)

نقد راتب (تنخواہ)	=	۵۰،۰۰۰
ہر محرم میں کپڑے دیئے جاتے جن کی مالیت	=	۵۰،۰۰۰ درہم
نصاریٰ کی عید کے موقع پر	=	۵۰،۰۰۰ درہم
عید شعانین پر کپڑے دیئے جاتے جن کی مالیت	=	۱۰،۰۰۰ درہم

عیدالفطر پر نقد رقم	=	۵۰،۰۰۰ درہم
عیدالفطر پر کپڑے جن کی مالیت	=	۱۰،۰۰۰ درہم
خلیفہ ہارون الرشید کی فصد کھونے پر جو ہر سال دو بار کھولی جاتی تھی	=	۱۰۰،۰۰۰ درہم
خلیفہ کی دوا لینے پر جو ہر سال دو بار لی جاتی تھی	=	۱۰۰،۰۰۰ درہم
میزان		۴۲۰،۰۰۰ درہم

ہارون الرشید کے مصاحبوں اور رشتہ داروں سے نقد کپڑوں اور خوشبویات کی صورت میں وصولی (۲۷۱)

عیسیٰ بن جعفر سے	=	۵۰،۰۰۰ درہم
زبیدہ ام جعفر سے	=	۵۰،۰۰۰ درہم
شہزادی عباسہ (بہن ہارون سے)	=	۵۰،۰۰۰ درہم
ابراہیم بن عثمان سے	=	۳۰،۰۰۰ درہم
فضل بن الربیع سے	=	۵۰،۰۰۰ درہم
فاطمہ خاتون ام محمد سے	=	۷۰،۰۰۰ درہم
کپڑے خوشبویات اور سواری کے جانوروں کی مالیت	=	۴۰۰،۰۰ درہم
میزان	=	۷۰۰،۰۰۰

البرامکہ سے وصولی (۲۷۲)

یحییٰ بن خالد کی جانب سے	=	۶۰۰،۰۰۰
جعفر بن یحییٰ کی جانب سے	=	۱۲،۰۰،۰۰۰ درہم
فضل بن یحییٰ کی جانب سے	=	۶۰۰،۰۰۰ درہم
اس کے علاقوں کی آمدنی	=	۸۰۰،۰۰۰ درہم
جاگیروں سے بچت	=	۷۰۰،۰۰۰ درہم
میزان	=	۳۹۰۰،۰۰۰ درہم

ہارون الرشید کے عہد میں جبریل کا بختیشوع بن جورجیس بھی شاہی طبیب رہا بلکہ اسے بے شمار مال و دولت عطا کیا گیا اور اسے رئیس الاطباء بنا دیا گیا (۲۷۳)۔ پھر بختیشوع بن جبریل بن بختیشوع طبیب ابن طبیب بن طبیب واثق اور متوکل کا طبیب رہا۔ متوکل نے اسے بے شمار مال و دولت وخلعت سے نوازا (۲۷۴)۔ اس کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ جب متوکل نے

بختیشوع کا مال ومتاع ضبط کیا تو اس میں صرف چار ہزار ایسے پاجامے برآمد ہوئے جو آرمینیہ کے ابریشم سے بنے ہوئے تھے(۲۷۵)۔

خلیفہ ہارون الرشید کے حفاظتی عملہ کی تنخواہ

خلیفہ ہارون الرشید کے باڈی گارڈز کی تنخواہ تین لاکھ درہم سالانہ تھی(۲۷۶)۔

خلیفہ کے حاجب اور پولیس کمشنر کی تنخواہ

حاجب کی سالانہ آمدنی دس لاکھ درہم اور پولیس کمشنر کی پانچ لاکھ درہم سالانہ تھی(۲۷۷)۔

خلیفہ مامون کو سرمہ لگانے والے ملازم کی تنخواہ

بغداد کا ایک سرمہ ساز روزانہ صبح نماز کے بعد خلیفہ مامون کی آنکھیں دھوتا اور پھر ان میں سرمہ لگاتا تھا۔خواب نیم روز کے بعد پھر یہی فرض ادا کرتا تھا(۲۷۸)۔

خلیفہ معتصم کے اخراجات

خلیفہ معتصم نے ترکہ میں ۸۰ ہزار اونٹ، ۸۰ ہزار گھوڑے، ۸۰ ہزار خچر اور ۸۰ ہزار دیگر مویشی چھوڑے۔ان کے علاوہ ۸۰ ہزار خیمے، ۸ ہزار غلام کچھ کہتے ہیں ۱۸ ہزار اور ۸ ہزار لونڈیاں اور ۸ محلات تھے(۲۷۹)۔ان تمام مویشیوں، غلاموں اور لونڈیوں کے روزانہ اخراجات کی زیادتی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ان کے علاوہ دیگر شاہی خاندان، حفاظتی عملہ، طبیب اور حاجب اور دوسرے اخراجات پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔اسی طرح خلیفہ مقتدر باللہ کے بے شمار مویشی اور غلام تھے۔صرف سوڈان کے غلاموں کی تعداد ۷۰۰۰ تھی۔ان کے علاوہ ۱۱۰۰ ہیجڑے، صقلبی رلی اور کالے تھے(۲۸۰)۔

اختراعات

خلیفہ واثق نے ایک فوارہ بنوایا تھا جو ہر وقت چلتا رہتا تھا اور کبھی بند نہیں ہوتا تھا(۲۸۱)۔

خلفاء کے محلات میں موجود سٹور / گودام

خلفاء کے محلات میں خلفاء کی ضروریات کے باقاعدہ سٹور یعنی گودام ہوتے تھے۔خلفاء ان گوداموں کو چیک کرنے خود آتے تھے۔یعنی تمام ضروریات کا جائزہ لیتے تھے۔اس کے علاوہ ہر گودام کا ایک نگران ہوتا تھا۔جو متعلقہ اشیاء کی نگرانی اور ان کی تفصیلات اور حساب رکھنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ہر محل میں ایک کتب خانہ بھی ہوتا تھا۔جس کا ایک نگران مقرر تھا۔ اس کے علاوہ درج ذیل سٹور ہوتے تھے:(۲۸۲)۔

1:- ہتھیاروں کا سٹور

2:- ذرہ بکتر کا سٹور

3:- گھوڑوں کی زین کا سٹور

4:- قالین کا سٹور

5:- لباس کا سٹور

6:- خوراک کا سٹور

7:- گرم مصالحے کا سٹور

8:- خیمے کا سٹور

9:- جواہرات کا سٹور

10:- اور خوشبوؤں کے بڑے بڑے سٹور

ولی عہدی کے عہدے سے ہٹانے کے لیے اخراجات (۲۸۳)

خلیفہ مہدی نے خلیفہ بننے کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہدی سے علیحدہ کرنے کے لیے سختی اور تشدد کے علاوہ ایک کروڑ درہم دیئے اور بعض مؤرخین کے مطابق دو کروڑ درہم دیئے۔ اس کے علاوہ زاب اور کسکر میں جاگیریں بھی دیں۔

ایک ولی عہد کو ہٹا کر دوسرے کو مقرر کرنے پر کفارہ کی ادائیگی

چونکہ لوگوں نے بیعت کا عہد کیا ہوا تھا اور عیسیٰ نے بھی قسمیں اٹھائی ہوئی تھیں لہٰذا ان قسموں اور عہد کو توڑنے کا کفارہ دس کروڑ درہم بھی مہدی نے ادا کیا۔

خلافت کی حفاظت کے لیے رقم کا کثرت سے استعمال

اس دور میں کثرت سے خلافت کے دعویدار پیدا ہوتے رہے جن کا فتنہ فرو کرنے کے کے لئے ملک کے مختلف گروہوں کا رقم کے ذریعے راضی رکھنا یا جنگ کر کے ان کی شوکت کا مٹانا ضروری تھا۔ مگر پہلی شکل رقم کے افراط ہونے کی حالت میں سہل الحصول اور نتیجہ خیز ہو سکتی تھی۔ خصوصاً رشید اور مامون کے زمانے میں تو دولت کی انتہا نہیں ملتی۔ لہٰذا اگر ان کو حکومت کی حفاظت اور مفسدان کا منہ بند کرنے کے لیے بے تکلف روپیہ خرچ کرتے دیکھیں تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ انہوں نے اس بارے میں حد سے تجاوز کیا تھا اور دولت کے نمائشی ٹھاٹھوں فضول خرچیوں اور عیش پسندیوں میں بھی بہت سی رقم اڑا دی۔ حق البیعت کے نام پر بہت رقم خرچ کی جاتی اور ولی عہد کے اکھاڑ پچھاڑ میں بھی بے دریغ رقم خرچ کی جاتی تھی (۲۸۴)۔

خلفاء کی بیگمات کی ثروت اور حکومت میں عمل دخل

رشید کی ماں "خیزران" ہادی کے زمانے میں تمام سیاہ و سفید کی مالک تھی۔ وزیر یحییٰ بالکل اسی کے حکم کا بندہ تھا۔ مجال کیا تھی کہ اس کے اشارے کے خلاف کچھ کر سکے۔ اس کے اقتدار کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اپنی ذات خاص کے لیے بکثرت دولت جمع کر لی۔ یہاں تک کہ اس کی ذاتی جائیداد کی سالانہ آمدنی سولہ کروڑ درہم (۱۶۰۰۰۰۰۰۰) سے زائد تک پہنچ گئی تھی۔ جو ان دنوں عباسی مملکت کے نصف خراج کے برابر تھی۔

خیزران تو ایک عالمہ اور سمجھدار خاتون تھی۔ اس نے مال جمع کرنے کی تدبیریں سوچیں اور ثروت عباسیہ کے عہد عروج میں

دولت فراہم کی تو کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ لیکن حیرت تو یہ ہے کہ انحطاط کے زمانے میں جبکہ بیت المال بالکل خالی تھا ان دنوں میں خلفاء کی مائیں روپیہ جمع کرنے سے نہیں چوکیں، چنانچہ خلیفہ معتز کی ماں ''قبیحہ'' کے محل میں دہلیزوں وغیرہ کے اندر دفن کیے ہوئے ۲۰۰۰،۰۰۰ دینار اور جواہرات اور تحفوں کی اتنی مقدار برآمد ہوئی کہ جن کی قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ مثلاً بیش بہا زمرد، ایک مکوک، بڑے بڑے آبدار موتی نصف مکوک یا قوت سرخ ایک کیلجہ، ان جواہرات کی قیمت ۲۰۰۰۰۰۰ دینار تخمینہ کی گئی تھی اور باوجود اتنی دولت پاس رکھنے کے لیے اس نے ۵۰۰۰۰ دینار کے لیے اپنے بیٹے کو قتل ہو جانے دیا۔

اسی طرح عراق اور اس کے سوا دوسرے اسلامی ممالک کے خلفاء اور سلاطین کی ماؤں کا حال قیاس کیا جا سکتا ہے۔ وہ سب اثر و اقتدار رکھتی تھیں اور فوجی سپہ سالاروں اور ارکان دولت کے ساتھ ساز باز کر کے سلطنت کے کاروبار میں ہاتھ ڈالتی تھیں۔ جیسا کہ ۲۴۹ھ میں خلیفہ مستعین عباسی نے کیا تھا کہ اس نے اپنی والدہ اور اتامش اور شاہک خادم کو بیت المال کا مختار کل بنا دیا تھا۔ جو انکا دل چاہتا وہ کر گزرتے تھے۔ لہٰذا اطراف مملکت سے جس قدر مالی آمدنی آیا کرتی تھی اس کا بڑا حصہ ان تینوں کے قبضے میں جاتا تھا (۲۸۵)۔

خلیفہ ہارون الرشید کا کفن

خلیفہ ہارون الرشید نے جب ''آخری وقت'' قریب محسوس کیا تو ملازم مسرور کو توشہ خانہ میں سب سے قیمتی تھان کفن کے لیے لانے کے لیے کہا۔ مسرور دو اعلیٰ درجہ کے تھان سرخ و سبز لے کر آیا۔ ایک جس کی قیمت دوسرے سے تھوڑی زیادہ تھی اسے کفن کے لیے منتخب کر لیا گیا (۲۸۶)۔

خلیفہ ہارون کا تاسف وملال

خلیفہ ہارون الرشید نے آخری وقت اپنے لیے خود قیمتی ترین کفن پسند کیا اور قبر اپنے سامنے کھدوائی۔ قبر دیکھ کر کہا:

''ما اغنى عنى ماليه، هلك عنى سلطانيه''

''نہ کفایت کیا مجھ کو میرے مال نے، جاتی رہی مجھ سے میری سلطنت'' (۲۶۷)

ترکے

1-ابو العباس سفاح کا ترکہ

صرف پارچہ جات ترکہ میں تھے۔ جن میں نو جبے، چار قمیصیں، پانچ پاجامے، چار عبائیں اور تین ململ کے عمامے تھے۔ اس کے سوا نقد رقم کوئی نہیں تھی (۲۸۸)۔

2-ابو جعفر منصور کا ترکہ

چھ کروڑ درہم اور چودہ کروڑ دینار اپنے پیچھے چھوڑے (۲۸۹)۔

3-ہارون کا ترکہ

۹ کروڑ سے زیادہ درہم بیت المال میں تھے (۲۹۰)۔

4- معتصم باللہ کا ترکہ

معتصم باللہ نے بیت المال میں آٹھ ہزار دینار اور آٹھ ہزار درہم چھوڑے (۲۹۱)۔

5-متوکل کا ترکہ

چودہ کروڑ دینار اور سات کروڑ درہم (۲۹۲)۔

6-المعتضد باللہ کا ترکہ

نو لاکھ دینار چالیس لاکھ درہم، بارہ ہزار چوپائے، خچر، گھوڑے، گدھے اور اونٹ چھوڑے (۲۹۳)۔

''داد و دہش'' و ''تقسیمِ وظائف پالیسی''

عباسی خلفاء کے ہاں باشتثنائے چند اکثر یہ اصول کارفرما تھا کہ کوئی بھی '' مفاد داد و دہش''، عطاو بخشش اور احسان و نوازش کے ذریعے حاصل کیا جائے۔ کسی کی ہمدردیاں اور میلان رجحان کو حاصل کرنا ہو تو درہم و دینار کا سہارا لیا جائے۔ کسی کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا ہے تو اس پر اپنی نوازشوں کی بارش کر دی جائے۔ ٹھیک اسی طرح اگر کسی سے کسی بھی ضرر اور نقصان کا اندیشہ ہو تو اس کی آنکھوں کو دولت کی چمک سے خیرہ کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت عباسیہ کا ہر اہم آدمی، جو کسی بھی وجہ سے اہمیت کا حامل تھا اسے ہمیشہ (عباسی) خلفاء اور ان کے وزراء نے اپنی بے پناہ داد و دہش سے نوازا۔ شاعروں کو دراہم کے تھیلے دے کر انہیں اپنی شان میں قصیدے لکھنے اور اپنی مذمت کرنے سے روک دیا گیا۔ شاعر اس زمانے میں بھی عوام پر اپنا بہت اثر ورسوخ رکھتے تھے اور ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ و اشعار زبان زد خاص و عام ہو جایا کرتے تھے۔ اسی طرح خطیبوں پر بھی یہی حربہ آزمایا جاتا اور ان سے ان کا سارا زور خطابت خرید لیا جاتا تھا۔

اس کے باوجود خلفاء اور برمکی وزراء (۲۹۴) اپنی سخاوت اور دریا دلی میں بے مثال تھے۔ ہدیۃً (۲۹۵) دراہم و دینار بارش کی طرح برساتے تھے۔ ہر چھوٹی بڑی بات پر انعام و کرام کے بہانے خزانوں کے منہ کھول دیتے۔ یہاں تک کہ جسے خلیفہ یا وزیر سے ملاقات کا شرف حاصل ہو جاتا اسے مالا مال کر دیا جاتا۔ کبھی کسی کی دلجوئی کے بہانے اور کبھی علمی لیاقت کے اعتراف میں ہدیے دیئے جاتے تھے۔ کبھی درہم و دینار دے۔ دادرسی و تالیف قلوب ہو رہی ہوتی اور کبھی کسی کی معاشی مدد کے طور پر تجوریوں کے منہ کھول دیئے جاتے۔ الغرض عہد عباسی میں دولت کی تقسیم کا ایک اصول ''ہر مکتبہ فکر کی اس سے حوصلہ افزائی اور معاشی مدد کرنا بھی ہوتا تھا''۔

تقریباً تمام خلفاء ہی سخاوت میں یکتا تھے۔ یہاں تک کہ عباسی خلیفہ ابو العباس کا لقب ہی ابو العباس سفاح تھا جس کے

معنی سخی کے بھی ہیں اور خونریز کے بھی (۲۹۶)۔ وہ دونوں معاملات میں یکتا تھا۔ سخاوت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اور مال بخشنے والا تھا اس کے کارندے بھی اس کی پیروی کرتے تھے (۲۹۷)۔ اور خونریزی میں بھی اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔

منصور محتاط انداز سے رقم جمع وخرچ کرتا تھا (۲۹۸)۔ یہاں تک کہ کنجوس یعنی ابوالدوانیق کہلانے لگا۔ مہدی بڑا سخی تھا۔ چلتے وقت دیناروں اور درہموں کے توڑے ساتھ رکھتا تھا۔ رستے میں حاجت روائی کرتا جاتا تھا (۲۹۹)۔ خلیفہ مہدی کے وزیر یعقوب نے مہدی کو اس اسراف سے روکا۔ مہدی نے جواب دیا کہ ''اسراف اہل شرف ہی کو سجتا ہے۔ اگر اسراف نہ ہو تو تنگ دست اور کشادہ دست میں کیا پہچان ہوتی'' (۳۰۰)۔ جبکہ منصور نے مہدی کو نصیحت کرتے وقت کہا تھا کہ ''اسراف سے پرہیز کرنا لیکن مجھے امید ہے تم اسراف کرو گے'' (۳۰۱)۔

ہارون روزانہ ایک ہزار درہم اپنے ذاتی مال میں سے صدقہ دیتا تھا۔ جب حج پر جاتا تو ۱۰۰ فقہاء اور ان کی اولاد اس کے ہمراہ جاتی تھی۔ جس سال خود حج نہ کرتا ۳۰۰ آدمیوں کو اپنے خرچ پر حج کراتا تھا۔ تمام مصارف برداشت کرتا اور عمدہ لباس عطا کرتا (۳۰۲)۔ جب ہارون کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو اس نے ایک ہی روز بہت سے اموال، جاگیریں اور مکانات لوگوں میں تقسیم کر دیئے (۳۰۳)۔ معتصم کی سخاوت کے بارے میں ابن ابی داؤد کہتے ہیں کہ ''اس نے میرے ذریعے صدقہ وخیرات میں ایک کروڑ روپے خرچ کیے'' (۳۰۴)۔

خلفاء اور وزراء کی ''انعام وکرام'' و ''ہدایا وعطایا'' دینے کی پالیسی

1-شرفِ باریابی کا صلہ (خلیفہ کی طرف سے)

یعنی جو شخص بھی خلیفہ یا وزیر وغیرہ سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہو جاتا اسے ان کی طرف سے کچھ نہ کچھ بطور ہدیہ دیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ رقہ کے قیام کے دوران ایک زاہد کی خلیفہ رشید سے ملاقات ہوئی۔ زاہد نے رشید سے کہا کہ ''اللہ سے ڈرتے رہا کرو'' اس کے بعد ہارون سے اس کے کافی سوال وجواب ہوئے۔ آخر میں ہارون نے اسے بیس ہزار درہم دینا چاہے۔ لیکن اس نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ ''اسے ان کی ضرورت نہیں ہے''۔

رشید نے جواب دیا:

> ''ہم نے آپ کو یہ مال اس لیے نہیں دیا کہ آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ بلکہ ہماری عادت ہے کہ دوست ہو یا دشمن جس شخص کو خلیفہ سے باتیں کرنے کا شرف حاصل ہو جاتا ہے اسے وہ ضرور کچھ عطا کرتے ہیں۔ ہمارے اس صلہ میں سے جس قدر چاہیں لے لیں اور جہاں چاہیں خرچ کریں''۔

اس زاہد نے اس سے دو ہزار درہم لے لیے اور ان کو دربانوں اور حاضرین میں تقسیم کر دیا (۳۰۵)۔

ع کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

انعاماتِ باریابی (وزراء کی طرف سے)

یہی حال وزراء کا تھا۔ مثلاً ۱۷۸ھ میں فضل بن یحییٰ خراسان سے عراق آیا تو اس کے استقبال کو تمام بنو ہاشم ملکی اور فوجی عہدہ دار، اہل قلم اور اشراف وعمائد آئے ہوئے تھے۔ لہٰذا ان سب کو دس دس اور پانچ پانچ لاکھ درہم دیئے گئے (۳۰۶)۔

2- خلفاء کو خوش کرنے کا صلہ

اگر کوئی خلیفہ کو خوش کرنے کا باعث بنتا تو اسے انعام وکرام سے نوازا جاتا۔ سفاح کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ پردے کے پیچھے بیٹھا کرتا تھا۔ وہیں سے مغنی ومطرب وندیموں کو سنتا تھا۔ اس کے ندیموں اور مطربوں میں سے کوئی شخص بھی انعام وکرام اور پوشاک حاصل کیے بغیر نہ جاتا۔ خلیفہ خود کہتا تھا کہ:

"ہمیں جلد سرور نہیں آتا اور جو ہمیں خوش کر دے اس کا بدلہ مؤخر نہیں ہوتا" (۳۰۷)۔

ایک مرتبہ بنوامیہ کا ایک آدمی خلیفہ ہارون رشید کے راستے میں کھڑا تھا۔ اس نے خلیفہ کو روک کر چار اشعار سنائے۔ رشید کو پسند آئے۔ اس نے ہر شعر کے عوض ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا اور کہا اگر تو ہمیں زیادہ شعر سناتا تو ہم تجھے اور زیادہ دیتے" (۳۰۸)۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک دن اسحاق بن ابراہیم موصلی کو ابوالعتاہیہ کے چند اشعار سنانے پر خوش ہو کر ایک لاکھ درہم انعام دیا (۳۰۹)۔

خلفاء کا سخاوت کرنے کے لیے کسی وجہ کا ہونا ضروری نہ ہوتا بلکہ وہ جہاں جاتے ابر باراں کی طرح برستے جاتے تھے۔ ۱۸۶ھ میں جب خلیفہ ہارون حج کرنے گیا تو اس کے دونوں بیٹے امین و مامون بھی ساتھ تھے۔ ان تینوں نے اہل مدینہ کو عطیے دیئے۔ پہلے ہارون نے دیئے پھر امین نے اور بعد میں مامون نے۔ اسی طرح مکہ میں بھی اہل مکہ کو عطایا دیئے گئے۔ اس طرح کل رقم دس لاکھ پچاس ہزار دینار خرچ ہوئی (۳۱۰)۔

3- مہمان نوازی کا صلہ

ایک دن خلیفہ مہدی اپنے غلام عمرو بن ربیع کے ساتھ سیر کو نکلا۔ وہ اپنی فوج سے الگ ہو گیا اور لوگ شکار کرنے لگے۔ مہدی کو بہت بھوک لگی۔ آخر تلاش کے بعد ایک سبزہ والی زمین کا مالک ملا۔ اس سے کھانے کو طلب کیا گیا اس شخص کو پتہ نہیں تھا کہ خلیفۂ وقت ہے۔ اس نے اجنبی سمجھتے ہوئے کھانا دیا جس میں جو کی چپاتیاں، ریشا، سبزی، کھجور، پیاز، گندنا اور زیتون کا تیل شامل تھا۔ خلیفہ مہدی نے جاتے وقت اسے تین تھیلیاں درہم عنایت کیں (۳۱۱)۔

ایک مرتبہ پھر شکار کھیلتے ہوئے بھوک نے ستایا تو مہدی ایک بدو کے خیمے میں چلا گیا۔ اس سے کھانے کو طلب کیا۔ اس نے بھوبھل کی روٹی دودھ اور شراب (نبیذ) کے تین جام پیش کیے۔ جب بدو کو پتہ چلا کہ یہ امیر المؤمنین ہیں تو بہت ڈرا۔ لیکن خلیفہ نے اسے بہت سا مال، لباس وغیرہ انعام میں دیئے۔ اس کا وظیفہ مقرر کیا اور اسے اپنے خواصوں میں شامل کر لیا (۳۱۲)۔

4- علمی لیاقت کا اعتراف

خلفاء شعراء وغیرہ میں مقابلے کرواتے رہتے تھے۔ جن میں فی البدیع اشعار، اشعار کی درستگی اور عمدہ کلام وغیرہ سنتے تھے۔

اسی طرح موسیٰ الہادی نے ایک مرتبہ تلوار صمصامہ اور دیناروں کا ٹوکرا سامنے رکھا اور شعراء کو تلوار پر شعر کہنے کی دعوت دی۔ ان میں سے ابن یامین بصری کے شعر پسند کیے گئے۔ اسے وہ ٹوکرا اور تلوار انعام میں دے دی گئی (۳۱۳)۔ مازنی نے واثق کی رائے کے مطابق شعر کا تلفظ درست کیا تو اسے پانچ سو درہم دیئے گئے (۳۱۴)۔

5-صلہ وفاداری وحکمت وتدبر

خلفاء جہاں اپنے مخالفین کا بے دریغ قتل کرتے تھے وہاں اپنے وفاداروں کی قدر افزائی بھی انعام و کرام کی صورت میں کرتے تھے۔ ہارون الرشید کو اس کے طبیب جبریل نے ایک بار کھانا شروع کرتے ہی کھانا کھانے سے روک دیا۔ اسے شک ہوا کہ اس میں زہر ہے۔ لیکن اس نے اظہار نہیں کیا۔ کھانا اپنے گھر منگوایا۔ اسے ٹیسٹ کیا تو ثابت ہوا کہ اس میں زہر تھا۔ جب خلیفہ کو پتہ چلا تو اس وفاداری پر اسے پانچ ہزار درہم انعام دیئے گئے (۳۱۵)۔

6-مؤلفۃ القلوب

لوگوں کو اسلام قبول کروانے پر بے دریغ خرچ کیا جاتا۔ جو اسلام قبول کر لیتا حکومت اس کے اخراجات کی کفیل ہو جاتی۔ جو قبول نہ کرتا اس کی جان خطرے میں رہتی۔ مامون اپنے عمال خراسان کو لکھا کرتا تھا کہ ماوراءالنہر والوں میں سے جو ایمان نہ لائیں اور اطاعت قبول نہ کریں ان پر حملے کرو۔ جو لوگ اطاعت قبول کر لیتے ان کے نام دیوان میں درج کر کے وظیفے مقرر کر دیئے جاتے۔ وہاں کے باشندے یا شہزادے جو اس کے پاس حاضر ہوتے ان کی عزت افزائی کرتا انعام اور وظیفوں سے نوازتا۔ المعتصم نے بھی یہی روش اختیار کی (۳۱۶)۔

7-بغرضِ تلافی، دادرسی ودلجوئی

خلفاء جہاں دولت انعام و کرام میں لٹانے کے سلسلے میں ثانی نہیں رکھتے تھے وہاں سزا دینے میں بھی اپنے پرائے کی تمیز نہیں کرتے تھے۔ لیکن سزا کے بعد اس کی تلافی کرنا بھی ان کی شان استغنا میں شامل تھا جیسا کہ خلیفہ مہدی نے ابوالعتاہیہ شاعر کو ایک حد کے کوڑے لگوائے۔ پھر بعد میں اسے پچاس ہزار درہم دیئے۔ ابوالعتاہیہ نے یہ رقم دروازے پر موجود آدمیوں میں تقسیم کر دی۔ مہدی نے سرزنش کی اور دوبارہ پچاس ہزار درہم بھجوائے اور قسم دی کہ اب نہ تقسیم کرنا (۳۱۷)۔

8-دادرسی

اسی طرح منصور کے پاس ایک قیدی کو لایا گیا اس نے کہا وہ عرصہ چار سال سے قید میں ہے اور جرم یہ ہے کہ وہ ہمذان کا ایک شہری ہے اور ایک کروڑ درہم کی جاگیر کا مالک ہے۔ وہاں کا والی چاہتا تھا کہ یہ جاگیر اس سے چھین لے۔ جب اس نے انکار کیا تو اسے قید کر دیا اور منصور کو لکھ دیا کہ وہ آپ کا نافرمان ہے۔ منصور نے اسے قید سے آزاد کر دیا جاگیر واپس کی اور کہا کہ جب تک تو اور ہم زندہ ہیں یہ جاگیر خراج سمیت تمہاری ہے اور ساتھ ہی اسے شہر ہمذان کا والی مقرر کر دیا۔ اور جس والی نے اسے قید کیا تھا اسے خود ہی سزا دینے کا اختیار دے دیا۔ شیخ نے کہا میں جاگیر کو قبول کرتا ہوں اور والی بننے کا اہل نہیں ہوں اور آپ کے والی کو میں نے معاف کیا۔ منصور نے اسے بہت سامال ومتاع دے کر رخصت کیا اور اسے

اپنا خاص دوست بناتے ہوئے اکثر صلاح ومشورہ لیتا تھا(۳۱۸)۔

9-رائے عامہ ہموار رکھنے کے لیے شعراء کو انعام وکرام

عصر حاضر میں جو کردار صحافی، کالم نویس، شعراء اور ادباء ادا کرتے ہیں عہد عباسی میں وہ شعراء سرانجام دیتے تھے۔ ان کے اشعار زبان زد عام ہو جاتے تھے۔ جس سے کسی کے بارے میں اچھی یا بری رائے قائم ہو جاتی تھی۔ اسی لیے امراء اور رؤساء کے ساتھ ساتھ خلفاء اور حکومتی ارکان بھی محتاط ہوتے تھے اور شاعروں کو ناراض نہیں ہونے دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شعراء کا خاص اثر ورسوخ تھا۔ لہٰذا جہاں انعام وکرام سے انکا منہ بند رکھنے کی کوشش کی جاتی وہاں ان کے انہی اشعار کی وجہ سے بڑے سے بڑا کام آسانی سے ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ ابراہیم بن مہدی نے خلافت کے لیے کوشش کی تو خوشحال تاجروں سے قرض لیا۔ اس نے عبدالملک تاجر سے ۱۰ ہزار دینار قرض لیا اور کہا جب میرے پاس پیسے آئیں گے تو لوٹا دوں گا۔ لیکن ابراہیم بن مہدی اپنی کوشش میں یعنی خلافت کے حصول میں کامیاب نہ ہوا۔ تو اس نے قرض بھی واپس نہ کیا۔ لہٰذا قرض خواہ کے بیٹے نے اس کے خلاف کچھ اشعار کہے اور خلیفہ مامون کو سنانے کی دھمکی دی۔ ابراہیم ڈر گیا لہٰذا اس نے آدھی رقم کی ادائیگی کر دی اور بقایا آدھی دینے کا وعدہ کیا جو بعد میں پورا کر دیا(۳۱۹)۔ اسی طرح ایک مرتبہ مدینہ کا ایک وفد منصور سے ملا ان میں سے محمد بن حزم کی اولاد میں سے ایک نوجوان نے منصور سے کہا کہ احوص نے ہمارے متعلق اشعار کہے تھے۔ محض اس کی وجہ سے ساٹھ سال تک ہم اپنی جائیداد سے محروم ہیں۔ منصور نے اشعار سنانے کو کہا۔ اشعار یہ تھے۔

لا تا دین لحزمی رائیت به
فقراً و ان القی الحزمی فن النار
الناخسین بحروان یزی خشب
والداِخلین علیٰ عثمان فی الدار

ترجمہ:-

”کسی حزمی کو جو ضرورت مند ہو ہرگز پناہ نہ دینا۔ چاہے وہ آگ میں ڈالا گیا ہو۔
انہوں نے ذی خشب کی لڑائی میں مروان کو بہت ایذا پہنچائی تھی اور یہی عثمانؓ پر ان
کے مکان میں چڑھ آئے تھے“۔

یہ اشعار قصیدہ کے ہیں۔ جو احوص نے ولید بن عبدالملک کی شان میں کہے تھے۔ جب آل حزم کا ذکر قصیدے میں آیا ولید نے کہا کہ تم نے آل حزم کا جرم یاد دلا دیا ہے۔ لہٰذا اس نے ان کی تمام املاک ضبط کر لیں۔ منصور نے کہا ان اشعار کی وجہ سے تم املاک سے محروم ہوئے اب ان اشعار کی وجہ سے تم کو فائدہ ہوگا۔ پھر اسے بیس ہزار درہم اور املاک کی واپسی کا عمال کو حکم دیا اور کہا کہ ان کی سالانہ آمدنی کا بقایا بنی امیہ کی املاک سے وصول کر کے آل حزم میں قانون وراثت اسلامی کے مطابق درجہ بدرجہ تقسیم کر دیا جائے۔ مرنے والے کے وارثوں کو حصہ دیا جائے(۳۲۰)۔

10-خویش پروری

خلفاء خویش پروری میں پیش پیش تھے۔ جس کی وجہ خاندان والوں کو خلافت کی حمایت اور معاشی خوشحالی دینا مقصود ہوتا تھا۔ وہ انہیں جاگیریں اور منصب دیتے کہ خوشحال زندگی بسر کریں اور ان کے مددگار بنے رہیں۔ منصور نے اپنے ہر ایک چچا کو دس لاکھ درہم بیت لمال سے ایک دن میں دیئے اور اہل بیت پر ایک کروڑ درہم ایک ہی دن میں خرچ کیے۔ منصور اس رسم کا بانی تھی (۳۲۱)۔ خلفاء کے رشتہ دار وظائف، جاگیریں اور عطیات وصول کرتے۔ خاص طور پر ان کے بیٹے بیش بہا وظائف اور عطیات لیتے تھے۔

11-معاشی حالت کو سنوارنے کے لیے

خلفاء، وزراء کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ جنہیں انعام و اکرام وعطایا وہدایا سے نوازتے ہیں ان کی حالت اور مقام معاشرے میں بلند ہو۔ اس سلسلہ میں وہ ہر ممکن مدد کرتے تھے۔ لیکن جہاں انہیں محسوس ہوتا کہ ان کے مصاحب کا سماجی مقام ان کی مدد کے باوجود کمزور رہے تو وہ اس کی مدد اور معاونت سے ہاتھ کھینچ لیتے اور سمجھ لیتے کہ یہ شخص ایسا ہے کہ جس سے ناشکری کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے شخص کو دینا یا نہ دینا برابر ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے جو المسعودی جاحظ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:

> ''ایک روز جعفر بن یحییٰ ایک ہزار دینار کے ساتھ بمع اپنے خادم کے اصمعی کے پاس گیا۔ اصمعی نے جعفر کو بہت ہنسانے کی کوشش کی لیکن جعفر نہ ہنسا اور اپنے ایک ہزار دینار کے ساتھ واپس آ گیا۔ انس بن ابی شیخ نے جعفر سے کہا کہ آج آپ نے کیا کیا نہ تو آپ جعفر کی کسی بھی ہنسانے والی بات پر ہنسے اور نہ ہی آپ نے اسے وہ دینار دیئے جو آپ اس کے لیے لے کر گئے تھے۔ حالانکہ آپ کا دستور نہیں ہے کہ ایک دفعہ جو بیت المال سے مال نکل آئے آپ اسے دوبارہ اس میں واپس کر دیں''۔
>
> جعفر نے جواب دیا:
>
> ''پہلے بھی ہمارے اموال سے ایک لاکھ درہم اس کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ پھر بھی میں نے اس کی جگہ کو ٹوٹا پھوٹا اور اس کی چادر کو بوسیدہ اور اس کی نشست کو میلا کچیلا پایا ہے حالانکہ میں لسان حق کو اس کی زبان سے بولتے دیکھتا ہوں اور نعمت کا اظہار اس کی مدح وہجو سے زیادہ قابل تعریف اور قابل ہجو ہوتا ہے۔ پس جب اس کے ہاں نعمت کا اظہار ہوتا ہی نہیں اور نہ نعمت اس کی شکر گزاری کرتی ہے تو میں اسے کس لیے دوں؟'' (۳۲۲)

12-وزراء کے لیے دادودہش

خلفاء اپنے وزراء کو خوب مال و دولت عطا کرتے تھے جو کہ صرف دادودہش کے سلسلہ میں ہوتی، تنخواہ اس کے علاوہ ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وزراء عظیم الشان محلات کے مالک ہوتے اور اچھی زندگی گزارتے تھے(۳۲۳)۔

13-شاہی طبیب کو انعام و کرام

خلیفہ ہارون الرشید نے جبریل بن بختیشوع کو ایک کنیز کے کامیاب علاج کرنے پر پانچ لاکھ انعام دیے اور ساتھ شاہی طبیب مقرر کر دیا(۳۲۴)۔ اسی طرح مامون نے بھی جبریل کو کامیاب علاج کرنے پر دس لاکھ درہم انعام دیا اور ساتھ ضبط شدہ مال واپس کر دیا(۳۲۵)۔

14-تعریف و توصیف پر انعام

خلفاء تعریف و توصیف کے دلدادہ تھے۔ جس نے ان کے بارے میں اچھا جملہ کہا اسے انعامات سے مالا مال کر دیا۔ لہٰذا ان کے مصاحب بھی موقع کی تلاش میں رہتے اور حسب موقع اچھے اچھے جملوں کا تبادلہ کرتے اور انعام کے مستحق ٹھہرتے۔ ایک مرتبہ خلیفہ المعتصم نے خاقان سے پوچھا کہ "کیا تم نے میری انگوٹھی سے زیادہ کوئی خوبصورت چیز اس دنیا میں دیکھی ہے" خاقان نے کہا "ہاں دیکھی ہے" جس ہاتھ میں یہ انگوٹھی ہے وہ ہاتھ اس انگوٹھی سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ لہٰذا معتصم نے خوش ہو کر انعام و کرام اور خلعت عطا فرمائی(۳۲۶)۔

15-قصائد پر انعامات خلفاء

i:- درباری شعراء کا کام ہی خلفاء اور وزراء کی تعریف و توصیف کرنا اور مخالفین کی ہجو کرنا تھا۔ جس سے وہ بے شمار انعامات پاتے تھے اور آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے تھے۔ شاعری ان کا ذریعہ روزگار تھی اور اسی شاعری کی بدولت وہ محلات میں رہتے تھے۔ کبھی کبھار وہ ایک ہی قصیدہ پر ایک ہی نشست میں اتنا کچھ پاتے کہ مالا مال ہو جاتے تھے مثلاً:

۱۸۱ھ میں مروان بن ابی حفصہ نے خلیفہ کا قصیدہ لکھا جس کے صلے میں پانچ ہزار دینار اسی مجلس میں عطا کیے گئے۔ اس کے علاوہ لباس اور خلعت فاصرہ سے سرفراز فرمایا۔ دس رومی غلام اور لونڈیاں عطا کیں اور سواری کے لیے گھوڑا بھی دیا(۳۲۷)۔

ii:- اسی طرح باہلہ کے اعرابی شاعر نے اپنے قصیدے کا معاوضہ خلیفہ رشید کے پوچھنے پر سو درہم مانگا۔ مگر رشید نے ایک لاکھ درہم اور سات پارچے دیئے(۳۲۸)۔ خلیفہ مامون نے ابونواس شاعر کو فارس اور احواز کے علاقوں کا ایک سال کا خراج انعام میں دے دیا تھا(۳۲۹)۔ خلیفہ منصور اس معاملہ میں بھی بہت محتاط اور کفایت شعار تھا۔

14- منصور کا شاعر سے انعام ضبط کرنا

ایک دفعہ شاعر موہل بن امیال نے مہدی کے ولی عہدی کے زمانے میں رے کے مقام پر مہدی کی مدح میں چند اشعار سنائے۔ مہدی نے اس کو بیس ہزار درہم انعام دیا۔ منصور کو پتہ چلا تو اس نے اس کو مذمت کا خط لکھا اور کہا کہ یہ شاعر ایک سال بھی تمہارے در پہ پڑا رہتا تو صرف چار ہزار درہم سے زیادہ کا مستحق نہ تھا۔ منصور نے اس شاعر کو بہت مشکل سے تلاش کیا اور اس سے دوبارہ شعر سنے اور کہا ان اشعار پر صرف چار ہزار دیئے جاسکتے ہیں۔ بیس ہزار بہت زیادہ ہیں۔ لہٰذا اس سے ۱۶ ہزار واپس لے لیے۔ مہدی جب خلیفہ بنا تو اس شاعر نے درخواست دی اور یہ واقعہ بیان کیا۔ مہدی نے اسے بیس ہزار درہم واپس کر دیئے (۳۳۰)۔

17- مسخروں اور خواجہ سراؤں کے انعامات وظائف کا تقرر

خلیفہ امین نے خلافت سنبھالتے ہی تمام سلطنت کے مسخروں کو اپنے پاس جمع کیا اور ان کے وظائف مقرر کیے۔ (۳۳۱) جس قدر نقد خزانوں میں اور خود ان کے پاس جواہرات تھے وہ سب خواجہ سراؤں مصاحبوں اور فسانہ گووں کو عطا کر دیئے (۳۳۲)۔ ۲۲۰ھ میں معتصم نے بھی گویوں اور بھانڈوں میں انعام و کرام تقسیم کیے۔ ۱۸۱ھ میں ابن ابی مریم المدنی جو ایک بزلہ سنج ظریف اور ہنسانے والا تھا اور رشید کا مصاحب خاص تھا اسے ایک دن میں ایک لاکھ درہم ہنسنے ہنسانے پر انعام میں دیئے (۳۳۳)۔

18- بغاوت کو روکنے کے لیے بطور رشوت

خلیفہ منصور نے ابو مسلم خراسانی کو جو خلافت عباسیہ کے قیام میں بنیادی ستون تھا قتل کر دیا۔ اسے یہ خیال تھا کہ ابو مسلم کہیں اس کی خلافت کے لیے خطرہ نہ بن جائے۔ چند غلط فہمیوں کی بنا پر اس نے انتہائی قدم اٹھا لیا۔ اب اسے عوام اور فوج جو ابو مسلم کی وفادار تھی اس کی طرف سے بغاوت اور شدید ردعمل کا خطرہ تھا۔ لہٰذا اس نے بغاوت کے لیے ایک جگہ جمع ہوئی فوج کی طرف درہم و دینار کی تھیلیاں پھینکیں لوگ تھیلیاں لے کر وہاں سے واپس پلٹ آئے اور ابو مسلم کا سر جو وہ ساتھ لے کر گئے تھے وہیں میدان میں ہی پڑا رہ گیا (۳۳۴)۔ بعد میں منصور نے ابو مسلم کے رفقاء وغیرہ کو مزید گراں بہا وظائف اور جاگیریں عطا کیں تاکہ وہ اس کی خلافت کے لیے خطرہ نہ بن سکیں۔

19- سیاسی وظائف (خلافت کی حفاظت و دوام کے لیے)

خلفاء کو جن گروہوں یا لوگوں سے خطرہ رہتا تھا وہ ان کا منہ انعام و کرام سے بند رکھتے تھے۔ کیونکہ سلطنت کے اندر ایسے لوگوں کی جماعتیں موجود رہتی تھیں جو اپنے لیے خلافت کے حصول کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ وہ لوگ علوی، سادات، یا خارجی (باغی) کہلاتے تھے۔ ان کے علاوہ ملک میں ایسے حسد کرنے والوں کا بھی ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا جو انتقام کے لیے مواقع کے منتظر رہتے تھے (۳۳۵)۔

حکومت کے خاتمہ کے لیے سازشوں کو کامیاب بنانے کے لیے بھی رقم خرچ کی جاتی تھی جیسا کہ احمد بن نصر، ابو ہارون طالب وغیرہ نے واثق کی حکومت ختم کرنے کے لیے بغداد میں فی کس دینار تقسیم کیے۔ لیکن سازش ان کی اپنی کمزوری و

غلطی کی وجہ سے کامیاب نہ ہوئی (۳۳۶)۔

۱۷۶ھ میں یحییٰ بن عبداللہ کو ہارون الرشید نے تین بار قید کیا اور چار لاکھ دینار دیے (رشید کو خطرہ تھا کہ یحییٰ اس کی خلافت چھیننا چاہتا تھا اور فضل بن یحییٰ نے دیلم کے رئیس کو ایک کروڑ درہم بھجوائے تاکہ وہ یحییٰ بن عبداللہ کو جس نے دیلم میں بغاوت کی اور بہت سے اضلاع اس کے ساتھ ہو گئے تھے اپنے علاقے سے نکال دے (۳۳۷)۔

مستحق افراد اور قیدیوں کے لیے گزارہ الاؤنس کا تقرر

مہدی پہلا خلیفہ عباسی تھا جس نے جذامیوں، کوڑھیوں اور دوسرے محتاجوں، یتیموں، بیواؤں، مفلسوں اور قیدیوں کے روزینے مقرر کیے (۳۳۸)۔ ۱۶۲ھ میں مہدی نے جذامیوں اور قیدیوں کے روزینے مقرر کیے (۳۳۹)۔

جبکہ خلیفہ ہارون کے عہد میں قیدیوں کو پابہ زنجیر کر کے بھیک مانگنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا اور وہ بھیک مانگ کر اپنا گزارہ کرتے تھے۔ غالباً اتنی وسیع و عریض اور امیر و کبیر سلطنت میں ایسا رویہ قیدیوں کے ساتھ صرف سزا کے طور پر روا رکھا جاتا تھا جس کی ممانعت امام ابو یوسفؒ اس طرح کرتے ہیں کہ:

''آپ ان قیدیوں کو اس سے بالکل بے نیاز کر دیجئے کہ وہ زنجیروں میں بندھے ہوئے باہر نکلیں تاکہ لوگ انہیں خیرات دیں۔ یہ بڑی معیوب بات ہے کہ قضائے الٰہی کے سبب جن مسلمانوں سے غلطی یا گناہ سرزد ہو جائے اور وہ قید میں ڈال دیے جائیں۔ وہ پابہ زنجیر خیرات مانگنے کے لیے نکلیں۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ بھوک سے پریشان ہو کر ہی پابہ زنجیر بھیک مانگنے کے لیے نکلتے ہیں کبھی انہیں کھانے کے لیے کچھ مل جاتا ہے اور کبھی نہیں ملتا۔ ابن آدم گناہوں سے پاک نہیں۔ لہٰذا ان پر خصوصی توجہ دیں اور ان کے روزینے مقرر فرمائیں۔ میری رائے میں فی کس دس درہم ماہانہ وظیفہ کافی ہوگا۔ ان کے گرمی کے کپڑوں میں ایک قمیض ایک تہہ بند اور سردی کے کپڑوں میں ایک قمیض اور ایک لبادہ اور عورتوں کے لیے بھی وظیفہ یہی ہو اور کپڑوں میں گرمی کے ایک قمیض، تہہ بند، اور اوڑھنی جبکہ سردی کے لیے قمیض، لبادہ اور اوڑھنی ہونی چاہیے (۳۴۰)

وزراء، گورنر و دیگر امرائے سلطنت کے اخراجات

خلفاء عباسی کی طرح عمائدین سلطنت کے اخراجات کا بھی کوئی حد و حساب نہ تھا۔ بلکہ برامکہ جس نے سترہ سال تک کرسی وزارت سنبھالے رکھی (۳۴۱)۔ وہ تو اخراجات و سخاوت و عطایا میں خلفاء کے متوازی چلتے تھے۔ جتنے لوگ حاجت روائی کے لیے خلفاء کے دربار میں آتے تھے اس سے زیادہ ان کے در پر حاضر ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خلفاء کے دل میں ان کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوئی جو آخرکار ان کی تباہی پر منتج ہوئی۔

گورنر، عمال اور دیگر ارکان سلطنت کی زندگی بھی شاہانہ طرز پر تھی۔ جن کے ''اخراجات''، خلفاء کی طرف سے دی تنخواہیں، جاگیریں اور انعامات و ہدیے پورے کرتے تھے۔

یحییٰ بن خالد برمک کی سخاوت

برمکی خاندان سخاوت میں کوئی ثانی نہیں رکھتا تھا۔ یہ جدھر سے گزرتے جاتے حاجت روائی کرتے جاتے تھے۔ یحییٰ کے راستے میں ایک دکان پر حاجت مند بیٹھا کرتے تھے۔ وہ وہاں سے گزرتا جاتا اور حاجت روائی کرتا جاتا تھا۔ ایک دن وہاں کوئی حاجت مند نہ پایا تو حیران ہوا اور ایک شعر پڑھا جس کے معنی تھے۔

''حاجت مند وہ نہیں ہوتا جو اپنی رات سو کر گزار دے، حاجت مند وہ ہوتا ہے جو
رات پریشانی میں گزارے''(۳۴۲)۔

فضل بن یحییٰ کی سخاوت

فضل راستے سے گزر رہا تھا کہ ایک نوجوان شادی کے لیے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ بہت سے لوگ سوار تھے۔ جب نوجوان نے فضل کو دیکھا تو آ کر فضل کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ اور اپنا تعارف کروایا۔ فضل نے اس کا حق مہر پوچھا۔ نوجوان نے کہا چار ہزار درہم۔ فضل نے اپنے خزانچی سے کہا اس نوجوان کو:

چار ہزار درہم اس کی بیوی کے لیے

چار ہزار مکان کا کرایہ یا قیمت

چار ہزار دعوت ولیمہ کے لیے اور

چار ہزار درہم دوسرے اخراجات کے لیے دے دو(۳۴۳)۔

تلافی

ایک اور موقع پر فضل نے ایک حاجت مند کو انتظار کی زحمت اٹھانے پر اس کا معاوضہ لاکھوں میں ادا کیا۔ حاجت روائی علیحدہ کی۔(۳۴۴)

وزیر حسن بن سہل کا دختر بوران کی شادی پر خرچ

۲۰۹ھ میں مامون کی شادی حسن بن سہل کی بیٹی بوران سے ہوئی۔ حسن نے اس موقع پر اس قدر املاک تقسیم کیں کہ زمانہ جاہلیت اور اسلام میں بھی کسی بادشاہ نے تقسیم نہ کی ہوں گی۔

اس نے ہاشمیوں، جرنیلوں، کاتبوں اور سرکردہ لوگوں میں کستوری کی گولیاں تقسیم کیں۔ جن میں رقعے رکھے ہوئے تھے اور رقعوں پر جاگیروں، لونڈیاں کے نام اور جانوروں کا ذکر تھا۔ جو رقعہ جس کا ہاتھ آتا اس میں جس چیز کا نام ہوتا وہ اس کا مالک بن جاتا اسی طرح دیگر لوگوں میں دراہم، کستوری اور عنبر تقسیم کیا گیا(۳۴۵)۔ اور حسن بن سہل نے مامون کے بیٹھنے کے لیے جو گدی بنائی تھی وہ سونے کے تاروں سے بنی ہوئی تھی(۳۴۶)۔

ملکہ بوران کا مامون کی طرف سے ''مہر''

۲۱۰ھ میں رسم جلوہ میں بوران کی دادی نے ایک ہزار موتی بوران اور مامون پر سے نچھاور کیے(۳۴۷)۔ مامون نے وہ نچھاور

شدہ موتی جمع کروا لیے جن لوگوں نے لوٹے تھے انہیں بعد میں صلہ دینے کا وعدہ کیا اور وہی موتی جو ایک سونے کی طشتری میں تھے ملکہ بوران کی گود میں رکھ دیئے اور کہا کہ یہ تمہارا مہر ہے (۳۴۸)۔شادی کے موقع پر مامون سترہ دن حسن کے مہمان رہے اسی دوران حسن نے روزانہ ان کے تمام مصاحبین کے لیے جملہ ضروریات مہیا کیں اور امراء کو ان کے درجے اور مرتبے کے مطابق خلعت اور صلے عطا کیے۔اس میں اس کے پانچ کروڑ خرچ ہوئے (۳۴۹)۔

شادی کی رات کو عنبر کی ایک اتنی بڑی شمع روشن کی گئی جس کے سنہری توڑے میں چالیس من عنبر تھی۔ مامون نے اس پر اعتراض کیا اور بجھا کر عام شمع روشن کروائی اور کہا کہ یہ اسراف ہے (۳۵۰)۔

ابوالحسن علی بن الحسین کا کاتب بیان کرتا ہے کہ ایک دن حسن بن سہل نے بتایا کہ بوران کی شادی پر حمدونہ بنت عفیف نے اڑھائی کروڑ خرچ کیے۔ام جعفر نے تین کروڑ پچاس لاکھ سے تین کروڑ ستر لاکھ تک خرچ کیے (۳۵۱)۔ام جعفر نے فم صلح کو بوران کی جاگیر میں دے دیا اس طرح یہ جاگیر پھر واپس مامون کو مل گئی (۳۵۲)۔مامون نے فارس کی آمدنی سے ایک کروڑ درہم نقد حسن بن سہل (والد ملکہ بوران) کو دیئے اور صلح کا علاقہ بطور جاگیر دے دیا۔جس نے وہ رقم اسی وقت امراء، عہدیدار اور مصاحبین اور خدام وحشم میں تقسیم کر دی (۳۵۳)۔

برف، موم بتی اور کاغذ کا استعمال (۳۵۴)

وزیر ابن الفرات تین بار وزیر مقرر ہوا۔ یہ جب بھی وزیر مقرر ہوتا برف، موم بتی اور کاغذ بے حد مہنگا ہو جاتا تھا۔ کیونکہ یہ ان چیزوں کا کثرت سے استعمال کرتا تھا۔اس کے گھر کا کوئی آدمی بھی برف کے بغیر پانی نہیں پیتا تھا۔ مغرب کے بعد اس کے گھر جو شخص باہر نکلتا اس کے ہاتھ میں ایک بڑی اور صاف شفاف موم بتی ضرور ہوتی۔ اس کے گھر میں ایک حجرہ ''کاغذ کی کوٹھری'' کے نام سے مشہور تھا۔ جو شخص وہاں جاتا بلا روک ٹوک کاغذ لے آتا۔

بغداد کے گورنر کے دستر خوان کے اخراجات

اسحاق بن ابراہیم مامون، معتصم اور واثق کے زمانے میں بغداد کا گورنر تھا۔ اس کے دستر خوان پر تیس پرندے تیار کیے جاتے تھے۔ میٹھے کھٹے، گرم اور ٹھنڈی چیزوں کا حساب شمار نہیں۔

اس میں سے صرف چیزیں چکھی جاتی تھیں۔ کھانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ اتنا ایک چیز کو چکھا جاتا جتنا کہ ایک پرندہ چونچ میں پکڑتا۔ روٹی ناخنوں سے توڑی جاتی تھی۔

وزراء کا تعیش

جعفر برمکی کے محل میں ایک تالاب تھا جس میں چار ہزار دینار تھے۔ ہر دینار کا وزن ۱۰۱ دینار کے وزن کے برابر تھا۔ ان دیناروں کے دونوں طرف اشعار لکھے ہوئے تھے ایک طرف کے شعر کا مطلب تھا:

''یہ بادشاہوں کی ٹکسال میں ڈھلا ہوا سکہ ہے جس کی پیشانی پر جعفر چمک رہا ہے''۔ دوسری طرف لکھا تھا:

"اس کی مالیت ۱۰۱ دینار ہے جب یہ کسی تنگ دست کو ملے تو اسے خوشحال بنا دیتا ہے(۳۵۵)۔

عبرت انگیز

جعفر برمکی کی خلعت کی قیمت چار لاکھ دینار تھی۔ اسے رشید نے قتل کروا دیا اور اس کی لاش کو جلوا دیا تو اس کے لیے صرف دس قیراط (نصف دینار) کا تیل اور ایندھن استعمال ہوا(۳۵۶)۔

وزراء وعمال کی سخاوت واخراجات

علی بن عیسیٰ کی اپنی جائیداد کی سالانہ آمدنی اسی (۸۰) ہزار دینار سے زائد تھی۔ مگر یہ نصف آمدنی محتاجوں اور ضعیفوں پر خرچ کر دیا تھا(۳۵۷)۔

قصائد پر انعامات (وزراء وعاملین کی طرف سے)

۱۷۸ھ میں فضل بن یحییٰ کو اس کی چھاؤنی میں مروان بن ابی حفصہ نے اس کی مدح میں چند اشعار سنائے تو فضل نے لباس اور خچر کے علاوہ ایک لاکھ درہم اس کی مدح کے صلہ میں دیئے۔ اس کے بعد خراسان اس کے ساتھ گیا اور مروان خود بتاتا ہے کہ اس سفر میں اسے سات لاکھ درہم انعام میں ملے(۳۵۸)۔

۱۷۵ھ میں فضل بن یحییٰ نے ابوعثامہ کو خلعت کے علاوہ ایک لاکھ درہم نقد دیئے(۳۵۹)۔ ۲۱۰ھ میں عبداللہ بن طاہر نے اعرابی شیخ کے قیافہ شناسی اور قصیدہ سے متاثر ہو کر پانچ سو دینار دیئے اور مصاحبوں میں شامل کر لیا(۳۶۰)۔ ۲۱۰ھ میں عبداللہ بن اطہر کو شاعر بطین الحمصی نے راہ چلتے روک کر اپنا قصیدہ سنایا۔ عبداللہ نے پوچھا کتنے اشعار تھے۔ اس نے کہا سات۔ بس اس نے اسی نسبت سے سات ہزار درہم یا سات سو دینار دلوائے(۳۶۱)۔

درباریوں کی سخاوت واخراجات

اسحاق موصلی عباس دربار کا بہت بڑا مغنی تھا۔ اس کا معمول تھا کہ وہ رمضان المبارک کے پورے روزے رکھتا تھا پھر ہر روزہ کے ختم ہونے کے بعد ۱۰۰ دینار بطور صدقہ کے روزانہ دیتا(۳۶۲)۔

کیا وہ حقیقت میں اتنے ہی انعامات دیتے تھے؟

اگر ہم ثروت عباسیہ کی مقدار اور اس رقم کا اندازہ کرنے کے بعد جو مصارف حکومت سے بچ کر خزانہ عامرہ میں جمع ہوا کرتی تھی اور خلفاء یا ان کے قائم مقام وزیروں وغیرہ کو اس کے صرف کرنے کا مطلق اختیار اور شاعروں یا اسی قسم کے اور لوگوں کی اس تاثیر کو دیکھیں جو انہیں خاص مرکز خلافت میں حاصل تھی تو ہم پر ان بڑے بڑے انعامات کو صحیح مان لینا آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہم اپنے زمانے کے مالداروں کو دیکھتے ہیں جن میں سے صرف ایک آدمی کسی تصویر یا کسی آثار قدیمہ کے ٹکڑے کی قیمت میں پچاس ہزار یا ایک لاکھ پونڈ تک خرچ کر ڈالتا ہے حالانکہ ان چیزوں سے کسی نفع یا نقصان کی توقع نہیں ہوتی۔ جبکہ عباسی عہد میں تو رائے عامہ موافق رکھنا سب سے اہم اور ضروری مسئلہ تھا(۳۶۴)۔

کیا خلفاء اپنے خاص مال سے یہ فضول خرچیاں کرتے تھے؟

یہ ایسا سوال ہے جس کے قطعی جواب دینے کے لیے ہمیں کوئی صاف اور صریح قول دستیاب نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ مورخین کا اس بارے میں شکوک اختیار کرنا اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ خلفاء ان عطیوں اور انعامات کو بیت المال سے ہی ادا کرتے تھے۔ اس بارے میں وہ اس لیے قابل ملامت نہیں ہو سکتے کہ مسلمانوں کے نزدیک امام وقت بیت المال کا ولی ہوتا ہے اور جس شکل میں اسے مسلمانوں کی بہتری نظر آتی ہو۔ اس میں اپنے اجتہاد کے مطابق رقم صرف کرنے کا مجاز ہوتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اسے کسی شاعر کو انعام دینے یا کسی اہل علم کو کوئی رقم عطا کرنے میں حکومت کا فائدہ نظر آتا تھا(۳۶۵)۔

لیکن یہ بات طے ہے کہ خلفاء یہ سب بیت المال سے ہی لے کر خرچ کرتے تھے۔ جو ان کا حق نہیں بلکہ عوام کا حق ہوتا تھا۔ اس کے ثبوت میں حضرت ابی سفیان ثوری کا خط پیش کیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابی سفیان ثوری کا خط (بطور ثبوت)

ہارون الرشید نے حضرت ابو سفیان ثوری کو خط لکھا کہ وہ کوفہ سے بغداد اس کے پاس چلے آئیں جہاں اس نے بیت المال کا دروازہ کھولا ہوا ہے اور سب لوگ اس کے پاس آ رہے ہیں اور بڑے گراں قدر عطیات پا رہے ہیں اور اسی طرح کی اور اپنے جود و کرم کی مثالیں لکھی تھیں۔ حضرت سفیان ثوری نے جواباً لکھ بھیجا کہ:

> ''میں نے تم سے رشتہ توڑ لیا ہے اور تم نے اپنے خط میں یہ لکھ کر مجھے اپنے افعال کا گواہ بنا لیا ہے کہ تم نے مسلمانوں کے بیت المال پر دست درازی کر کے اسے ناحق طور پر خرچ اور ناجائز باتوں میں اڑا دیا ہے۔ اس بات پر میں اور میرے بھائی جو خط آنے کے موقع پر موجود تھے گواہ ہیں اور ہم سب قیامت کے دن خداوند پاک کے حضور میں جو حاکم عادل ہے اس بات کی شہادت دیں گے ـــــــ اے ہارون تم نے مسلمانوں کے بیت المال پر ان کی مرضی کے خلاف حملہ کیا ہے۔ کیا تمہارے اس سے مؤلفۃ القلوب اور خدا کی زمین میں اس پر عمل کرنے والے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے مسافر لوگ راضی ہیں؟ کیا قرآن پاک کے اٹھانے والے اور اہل علم (عمل کرنے والے) لوگ اس بات سے خوش ہیں؟ اور کیا یتیم بچے اور بیوہ عورتیں تمہاری اس حرکت سے رضامند ہیں؟ یا تمہاری رعایا کا کوئی حصہ اس بات سے خوش ہو رہا ہے؟''۔

پس یہ بات اور اس کی مثل اور باتیں بھی اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ خلفاء جو کچھ انعام و عطیات دیتے تھے یا شان و شکوہ کے نمائشی سامان کرتے تھے یا جس قدر وہ فضول خرچیاں کرتے تھے وہ سب باتیں بیت المال ہی کے برتے پر ہوتی تھیں(۳۶۶)۔

مسعودی لکھتے ہیں کہ:

''مہتدی کے دور میں سفیان ثوری کو مہتدی نے قاضی بنایا اور ساتھ ہی کہا کہ کسی حکم پر اعتراض نہ کریں۔ آپ نے یہ حکم نامہ دجلہ میں پھینکا اور غائب ہو گئے۔ پھر ہر ملک میں تلاش کیا آپ نہ ملے'' (۳۶۷)۔

بیت المالِ خاص (برائے خلفاء)

اگرچہ خلیفہ مہدی کے ایام میں بیت المال خاصہ کا ذکر ملتا ہے اور بعض ان حوادث کے سیاق و سباق سے خلیفہ کو پیش آئے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جب کسی شاعر وغیرہ کو کسی رقم کے عطا کیے جانے کا حکم دیتے تو ان کی مراد یہی ہوتی تھی کہ وہ رقم مسلمانوں کے بیت المال سے دی جائے اور یہ کہ وزیر اکثر حالتوں میں ایسے اسراف کو ناپسند کرتے تھے اور ان کو پورا کرنے میں خلیفہ کا حکم نافذ نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ایک بار عیسیٰ بن داب جو حجاز والوں میں بڑا زباں داں اور خوش بیان مانا جاتا تھا۔ اسے خلیفہ ہادی کا بہت تقرب حاصل تھا۔ ایک بار خلیفہ نے اس کے واسطے تین ہزار دینار ادا کرنے کا حکم صادر کیا۔ ابن داب نے صبح داروغہ کو حاجب کے پاس بھیجا۔ رقم لینے کے لیے لیکن اس نے کہا کہ صاحب التوقیع (فرمان لکھنے والے) اور دیوان (دفتر خزانہ) کے پاس جاؤ۔ خادم واپس لوٹ گیا۔ ابن داب نے خاموشی اختیار کر لی۔ جب ہادی کو پتہ چلا تو اس نے بیت المال خاصہ کے افسر کو بلایا اور حکم دیا کہ ابھی تین ہزار دینار لا کر فوراً حاضر کرو اور یہ روپیہ ابن داب کو بھجوا دیا۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ نے پہلے وہ رقم خزانہ عامرہ سے دلوانے کی کوشش کی جب خلیفہ کے ذمہ داروں نے وہاں سے نہیں دی تو اپنے خزانہ خاص سے دلوا دی (۳۶۸)۔

عباسی سلطنت کے اخراجاتِ (یومیہ) کا ایک گوشوارہ

(معتضد باللہ کے عہد (۲۷۹ھ) میں روزانہ کے اخراجات (۳۶۹)۔

دینار روزانہ	مدآت
۱۰۰۰	باری دار اور ان کی طرح کے دوسرے لوگ مثلاً دربان جن میں جنابیہ اور بصرہ کے خوبصورت آدمی شامل تھے اور دربار عام کے سپاہی وغیرہ اور حبشی غلاموں کی جماعتیں اور خلیفہ ناصر کے اکثر غلام۔
۱۰۰۰	جن غلاموں کو خلیفہ ناصر نے آزاد کر دیا تھا اور وہ خاصہ کے غلام کہلاتے تھے ان کے روزینے۔
۱۵۰۰	آزاد اور صاحب امتیاز گھوڑ سواروں کے روزینے۔
۶۰۰	مختارین کے روزینے جو کہ تمام فوجوں کے چیدہ بہادر اور تجربہ کار سپاہی تھے۔
۵۰۰	ان کے وظیفے جو خلیفہ ناصر کے عہد میں بھرتی ہوئے تھے۔

۱۱۰	ان لوگوں کے روزینے جن کو حسب ذیل خدمتیں سپرد کی گئی تھیں۔ خواجہ، سرا، خاص درباری قاصد، عرضیوں کے پڑھنے والے، پرچہ نویس، موذن، منجمین، ڈھول بجانے والے، علم بردار، بوق نواز (بگل بجانے والے)، مسخرے، نقارہ نواز اور ان کے علاوہ دوسرے اہل خدمت۔
۵۰	خاص دارالسلام بغداد اور دیگر مقامات کے ملازمین پولیس کے زور ینے۔
۳۰۰	غلاموں اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے تحفوں اور ہدیوں کی قیمتیں۔
۳۳۳	عام اور خاص باورچی کے مصارف حرم اور حشم کی خوراک۔ حبشی غلاموں کی خوراک کے مصارف۔
۱۰۰	خاص اور عام آبداروں کے خرچ، اس کے برتنوں وغیرہ کی قیمت، توشہ خانوں اور خلعتوں اور خوشبویات، حوائج وضو، سلاح خانوں اور فرش فروش وغیرہ کے مصارف۔
۴	شاہی محل، خزانوں، لنگر خانوں، گھروں، حجروں اور شاگرد پیشہ کے مکانات کے قریب کام کرنے والے سقوں کی تنخواہیں۔
۱۶۷	آزاد اور معزز لوگوں کے علاوہ خلیفہ کے خاصہ لوگوں اور ان کے قائم مقاموں اور غلاموں کے روزینے۔
۱۰۰	آبدانہ خانہ عام میں کام کرنے والے اور توشہ خانوں کے ملازمین، زرگروں، درزیوں، علاقہ بندوں، وزن کرنے والوں، لوہاروں، رفوگروں، پوستین سازوں کشیدہ کاروں، ترکھانوں، کاغذیوں، خوشبو سازں، ڈھنڈورچیوں، مددگاروں اور خراطیوں وغیرہ لوگوں کے روزینے۔
۱۰۰	حرم کے مصارف۔
۴۰۰	پانچوں اصطبلوں کے دانہ چارہ کا خرچ۔
۶۶	اونٹوں، گھوڑوں اور دوسری سواری کے جانوروں کے دانوں کی قیمت۔
۳۰	بارچیوں کی تنخواہ۔
۳۰	فرش بچھانے والوں، دودھ دوہنے والوں، اور داروغہ فراشخانہ اور مزدوروں کے روزینے۔
۵	شاہی سواری کے باڈی گارڈ اور حاشیہ بردار اور ڈاک کے گھوڑوں کے سائیس وغیرہ۔

۴۴	مصاحبین اور ارباب نشاط یا ان کے قائم مقام لوگوں کی تنخواہیں۔
۲۳	طبیبوں کی ایک جماعت معہ ان کے شاگردوں کے۔
۷۰	شکاری عملہ باز اور شکرہ والے کتوں کے ڈوریئے اور چیتے باز وغیرہ کی تنخواہیں۔
۱۶	بڑی کشتیوں بجروں اور ہلکی کشتیوں وغیرہ کے ملاحوں کی تنخواہیں۔
۴	مٹی تیل کی قیمت، جو نفط کے شیشوں اور مشعلوں کے لیے آتے تھے اور ان کے کام کرنے والوں کی تنخواہیں۔
۱۵	صدقہ جو کہ ہر صبح کی نماز کے وقت سیاہ کپڑے میں لپیٹ کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر کیا جاتا۔
۳۳	روزینہ یا جیب خرچ متوکل کی اولاد کا۔
۱۶	روزینہ یا جیب خرچ واثق کی اولاد کا۔
۱۶	روزینہ جاجیب خرچ ناصر کی اولاد کا۔
۲۰	بنی ہاشم کے مشائخ اصحاب مراتب اور مسجد کے خطیبوں کے روزینے۔
۳۳	تمام دوسرے بنی ہاشم عباسی اور ابو طالب کے خاندان والوں کے روزینے۔
۳۲	عبداللہ بن سلیمان (وزیر) کا مع پانچ سو دینار (ماہوار)۔اس کے بیٹے قاسم کے لیے عارضی طور پر۔
۱۵۶	اعلیٰ درجہ کے منشیوں، دفتروں کے محرروں، خزانچیوں دربانوں، سپاہیوں اور تمام محکموں کے لوگوں کی تنخواہیں اور رجسٹروں، تھیلوں اور کاغذ کی قیمت سوا محکمہ اعطاء (انعام) کے عملہ کے اور اس کے قائم مقاموں کے جو کمیٹیوں میں مقرر تھے اور ان کے چپڑاسی اور سپاہی اور بیت المال کے خزانچی کیونکہ یہ لوگ اپنے روزینے گرے پڑے مالوں اور جانوروں کو بلا حفاظت چھوڑنے والوں کے اوپر کیے ہوئے جرمانوں کی رقم سے لیتے تھے۔
۱۶	اسحاق بن ابراہیم قاضی اور اس کے خلیفہ یوسف بن یعقوب والد ابی عمر اور ان دونوں کی اولاد اور دس نفر دوسرے فقیہوں کا۔
۳	مسجدوں کے مؤذنوں، تکبیر کہنے والوں، امامت کہنے والوں کے روزینے، روشنی کے لیے تیل، چٹائیاں، بوریئے، پانی، جاڑوں کے موسم میں پردوں کی قیمت، چادروں کی قیمت، مٹی کے ظروف اور ماہ رمضان کی صفائی اور مرمت کے اخراجات۔

۵۰	جیل خانوں کے مصارف اور قیدیوں کی خوراک کا خرچ۔
۱۰	دونوں پلوں کے خرچ جو بغداد میں دریائے دجلہ پر بنائے جاتے تھے اور اس کے واسطے تبدیل کی جانے والی کشتیوں کی قیمت اور پل بنانے والوں کی تنخواہیں۔
۱۵	طبیبوں اور کحالوں اور پاگل خانوں کے محافظوں دربانوں اور روٹی پکانے والوں کی تنخواہیں اور غذا دوا اور شربتوں کی قیمتیں۔
۶۹۷۴ دینار	=میزان

□♦□♦□

باب چہارم

حواشی و مآخذ

(۱) التنبیہ والاشراف، ۳۴۲

(۲) تاریخ الطبری، ۶: ۲۲۸

(۳) التنبیہ والاشراف، ۳۴۱

(۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بیت المال ۵: ۲۰۹

(۵) ایضاً

(۶) ایضاً

(۷) کتاب الخراج (امام ابو یوسف)، ۲۷

(۸) تاریخ الطبری، ۶: ۳۲۸

(۹) ایضاً، ۶: ۳۱۳

(۱۰) کتاب البلدان، ۲۶۴۔۲۶۵، فتوح البلدان، ۱: ۱۹۶، ۲: ۲۵۳، ۳۵۸، تاریخ الطبری، ۶: ۲۶۳، ۲۶۶، ۳۶۹، تاریخ المسعودی، ۳: ۲۷۲

(۱۱) تاریخ الطبری، ۶: ۳۹۵۔۳۹۶، تاریخ المسعودی، ۳: ۳۲۰۔۳۳۲، ۲۷۲، الخطط ۱: ۸۱، مقدمہ، ۳۸۳، المسالک و الممالک (اصطخری) ص ۵۷، کتاب البلدان، ۲۳۸، ۲۵۰، ۲۶۹، احسن التقاسیم، ۷۹

(۱۲) مسلمانوں کا بلدیاتی نظام، ۱۱۰

(۱۳) الفہرست، ۳۵۴، معجم الادباء ج ۶، الفخری، ۲۰۱۔۲۰۶، تاریخ بغداد، ۱۲: ۴۰۴، ۴۰۶

(۱۴) النظم الاسلامیہ، ۳۳۶۔۳۳۷

(۱۵) احسن التقاسیم، ۶۲۔۶۴، کتاب الخراج، (قدامہ)، ۱۸۵

(۱۶) تاریخ الطبری، ۶: ۱۱۲، ۱۱۴، ۲۵۲، ۲۷۳ وغیرہ
کتاب الخراج، (قدامہ)، ۲۵۹

(۱۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بیت المال، ۵: ۲۰۷

(۱۸) ایضاً، ۵: ۲۰۷۔۲۰۸

(۱۹) ایضاً، ۵: ۲۰۷

(۲۰) ایضاً، ۵: ۲۰۸

(۲۱) ایضاً
(۲۲) تاریخ الطبری، ۶: ۴۴۱-۴۴۲

W, Fiscal, Le Bayt, Mal at Khasa actcs due 19 Congres des orientatistes, 1938, 538.

بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بیت المال، ۵: ۲۰۸
(۲۳) ایضاً
(۲۴) تاریخ البغداد (الخطیب)، ۱۴: ۹
(۲۵) تاریخ الطبری، ۶: ۳۲۴، ۵۱۳، خلیفہ منصور، ہارون، مامون، متوکل اور واثق سختی سے عمال کا محاسبہ کرتے تھے۔
(۲۶) ایضاً، ۶: ۴۴۶-۴۴۷، ۷: ۲۱۲
(۲۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بیت المال، ۵: ۲۰۹
(۲۸) ایضاً، و History of the Arabs,332
(۲۹) تاریخ الطبری، ۶: ۳۲۱
(۳۰) ایضاً، ۶: ۴۶۳
(۳۱) ایضاً
(۳۲) ایضاً، ۷: ۱۸۸
(۳۳) ایضاً، ۷: ۱۹۳
(۳۴) ایضاً، ۷: ۷
(۳۵) الاحکام السلطانیہ (الماوردی)، ۱۲۸
(۳۶) ایضاً، ۱۲۹
(۳۷) تاریخ الطبری، ۶: ۳۶۶
(۳۸) کتاب البلدان، ۲۴۰، ۵۰۳، ۲۶۷، کتاب الوزراء، ۱۶۷
(۳۹) تاریخ الطبری
(۴۰) History of the Arabs, 329
(۴۱) لوگ عباسی خلفاء کو ہی مذہبی عقیدہ کے مطابق خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔ اس لیے خود اقتدار حاصل کرنے کی بجائے بنو عباس میں ہی خلفاء کی اکھاڑ پچھاڑ کرتے رہتے تھے۔ جیسا کہ مامون، معتصم اور بعد کے خلفاء کے ساتھ ہوا۔
(۴۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بیت المال، ۵: ۲۰۶
(۴۳) ایضاً، ۵: ۲۰۷

(۴۴) کتاب الخراج، (ابن قدامہ)، ۲۵۲-۲۵۵

(۴۵) ایضاً، ۲۵۳

(۴۶) ایضاً

(۴۷) تاریخ الطبری، ۶: ۳۷۳

(۴۸) کتاب الخراج، (ابن قدامہ)، ۲۵۳

(۴۹) ایضاً، ۲۵۴-۲۵۵

(۵۰) ایضاً، ۲۵۵

(۵۱) تاریخ الطبری، ۶: ۱۱۵

(۵۲) کتاب الخراج، (ابن قدامہ)، ۲۵۵

(۵۳) ایضاً

(۵۴) تاریخ الطبری، ۶: ۳۷۳

(۵۵) ایضاً، ۶: ۳۸۰

(۵۶) ایضاً، ۶: ۵۱۰

(۵۷) ایضاً، ۶: ۱۷۴، ۱۷۸، ۷: ۲۷۳

(۵۸) تاریخ الطبری، ۶: ۹۳-۹۴

گو اس تعداد میں اختلاف ہے۔ لیکن مقابل مروان کی فوج ایک لاکھ بیس ہزار اور اس کے بیٹے کے پاس بیس ہزار موجود تھی۔

(۶۰) کتاب الخراج، (ابن قدامہ)، ۲۵۹

(۶۱) تاریخ الطبری، ۶: ۱۴۴

(۶۲) الاخبار الطوال، ۳۸۰

(۶۳) فتوح البلدان، ۱: ۲۸۲

(۶۴) ایضاً

(۶۵) تاریخ الطبری، ۷: ۲۶۲

(۶۶) ایضاً، ۷: ۲۶۲-۲۶۳

(۶۷) ایضاً، ۶: ۹۰، ۷: ۲۶۳

(۶۸) ایضاً، ۷: ۲۴

(۶۹) ایضاً، ۷: ۱۵

(۷۰) ایضاً، ۶: ۲۴، ۵۶۱، ۷: ۲، ۳۲، ۳۹

(۷۱) ایضاً، ۷: ۲۲، ۴۹، ۵۱۲

(۷۲) ایضاً، ۶: ۳۳۵

(۷۳) الاحکام السلطانیہ، ۸۳

(۷۴) تاریخ الطبری، ۶: ۳۳۵

(۷۵) ایضاً، ۷: ۵۱۴

(۷۶) ایضاً، ۷: ۴۸_۵۰، ۹۲، ۵۶۱

(۷۷) الفخری، ص ۴۱

(۷۸) الاخبار الطوال، ۳۷۹

(۸۰) ایضاً، ۶: ۹۰، الفخری، ۱۰۵، ۱۰۷

(۸۱) ایضاً، ۷: ۴۸_۵۱، ۹۲، تاریخ المسعودی، ۳: ۴۰۹

(۸۲) تاریخ المسعودی، ۳: ۴۰۹

(۸۳) تاریخ الطبری، ۶: ۵۴۴

(۸۴) ایضاً، ۶: ۹۰

(۸۵) ایضاً، ۶: ۵۴۴

(۸۶) ایضاً، ۷: ۹۶، ۱۳۹

(۸۷) تاریخ ابن خلدون، ۳: ۴۹۳

(۸۸) تاریخ الطبری، ۶: ۵۴۹

(۸۹) ایضاً، ۶: ۲۸۳_۲۸۴

(۹۰) ایضاً، ۶: ۴۲۶

(۹۱) ایضاً ۶: ۵۶۱

(۹۲) ایضاً، ۶: ۴۴۸

(۹۳) ایضاً، ۶: ۱۴۴، ۳۲۴، ۳۳۲_۳۳۳

(۹۴) تاریخ الطبری، ۶: ۲۲۸، ۳۳۶، ۷: ۱۱، ۳۲، ۲۱۰ الفہرست، ۳۱۰، ۳۲۹، الفخری، ۳۱۹، تاریخ المسعودی، ۳: ۳۲۰، ۳۲۲، ۳۵۰ فتوح البلدان، ۲: ۴۱۰، تاریخ الخلفاء، ۴۱۰

(۹۵) الفخری، ۳۲۹

(۹۶) تذکرۃ الحفاظ، (الجاحظ)، ۱: ۲۲۰

(۹۷) تاریخ الطبری، ۶: ۲۲۸، تاریخ المسعودی، ۳: ۳۲۰، ۳۲۲، ۳۵۰

(۹۸) ایضاً، ۶: ۲۳۹

(۹۹) کتاب الوزراء، (الجہشیاری)، ۱۱۳۔۱۱۴

(۱۰۰) تاریخ الخلفاء، ۳۰۴

(۱۰۱) تاریخ الطبری، ۷: ۳۲

(۱۰۲) صورت الارض، ص ۳۳۲

(۱۰۳) فتوح البلدان، ۲: ۴۱۰

(۱۰۴) تاریخ الطبری، ۷: ۲۶۲

(۱۰۵) ایضاً، ۶: ۹۰

(۱۰۶) تاریخ الطبری، ۱۵۷

(۱۰۷) تاریخ الطبری، ۶: ۵۶۱، ۷: ۲، ۳۲، ۴۹

(۱۰۸) ایضاً، ۶: ۲۶۹، ۷: ۲۲، ۴۹، ۵۱۲

(۱۰۹) الفہرست، ۳۵۴

(۱۱۰) History of the Arabs, 313

(۱۱۱) الفہرست، ۳۵۴

(۱۱۲) تاریخ الطبری، ۶: ۳۳۶

(۱۱۳) کتاب الوزراء، ۱۳۲

(۱۱۴) الفخری، ۲۰۱

(۱۱۵) ایضاً، ۲۰۶

(۱۱۶) الفہرست، ۳۱۰

(۱۱۷) تاریخ الطبری، ۶: ۳۶۷

(۱۱۸) تاریخ الطبری، ۷: ۲۱۰۔۲۱۱

(۱۱۹) کتاب البلدان، ۲۶۴، ۲۶۵، کتاب الوزراء، ۱۲۳

(۱۲۰) تاریخ الطبری، ۶: ۲۶۵، ۲۶۸، الفخری ۱۱۸

(۱۲۱) ایک روایت: کل اٹھارہ کروڑ درہم خرچ ہوئے۔
تاریخ بغداد (الخطیب)، ۱: ۶۹
دوسری روایت: ایک لاکھ تیئس (۲۳) ہزار فلوس خرچ ہوئے۔
تاریخ بغداد (الخطیب) ۱: ۷۰

(۱۲۲) کتاب البلدان، ۲۳۷
فتوح البلدان، ۲: ۲۵۳، ۲۵۸

(۱۲۳) کتاب البلدان، ۲۳۷

(۱۲۴) فتوح البلدان، ۱: ۱۹۶

(۱۲۵) تاریخ الطبری، ۶: ۲۶۳۔۲۶۶

اینٹوں کی لمبائی چوڑائی = دو ذراع × دو ذراع

اینٹوں کا وزن = ۱۱۷ رطل

(۱۲۶) تاریخ بغداد، ۱: ۱۱۹

(۱۲۷) کتاب التاج، (الجاحظ)، ۷۷

(۱۲۸) معجم البلدان، (یاقوت حموی)، ۴: ۹

(۱۲۹) تاریخ الطبری، ۶: ۲۶۸، الفخری، ۱۱۸، احسن التقاسیم، ۱۲۱

(۱۳۰) ایضاً، ۶: ۲۶۸، الفخری، ۱۱۸

(۱۳۱) تاریخ المسعودی، ۳: ۳۱۸

(۱۳۲) تاریخ الطبری، ۶: ۲۹۲، ابن الاثیر، ۵: ۲۸۶

(۱۳۳) الفخری، ۱۲۷، تاریخ النقود العراقیہ، ۱۲

(۱۳۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، رصافہ، ۴: ۶۴۷

(۱۳۵) تاریخ الطبری، ۶: ۲۹۷، فتوح البلدان، ۱: ۲۱۳، کتاب البلدان، ۲۳۸

(۱۳۶) معجم البلدان، ۴: ۲۰۸۔۲۰۹

(۱۳۷) فتوح البلدان، ۱: ۲۱۰

(۱۳۸) فتوح البلدان، ۱: ۲۷۴

(۱۳۹) ایضاً، ۲: ۳۸۱

(۱۴۰) ایضاً، ۲: ۳۹۶، مختصر کتاب البلدان، ۲۸۲

(۱۴۱) تاریخ الطبری، ۶: ۴۴۴، فتوح البلدان، ۱: ۲۰۰

(۱۴۲) کتاب الاعلاق النفسیہ، (ابن رستہ)، ۱۵۱

(۱۴۳) فتوح البلدان، ۱: ۲۰۱

(۱۴۴) تاریخ الطبری، ۷: ۱۹۵

(۱۴۵) ایضاً، ۷: ۲۳۱۔۲۳۲

(۱۴۶) معجم البلدان، ۵: ۱۴

(۱۴۷) تاریخ الطبری، ۷: ۲۳۱۔۲۳۲

(۱۴۸) تاریخ المسعودی، ۴: ۵۰

(۱۴۹) معجم البلدان، ۵: ۱۳، ۷: ۷۵

(۱۵۰) ابن خلکان، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان دار الثقافتہ، بیروت، لبنان، ۱: ۴۲
تاریخ الطبری، ۷: ۲۳۲ میں طبری نے سامرا کے علاقے کو قاطول لکھا ہے۔ جبکہ ابن خلدون اور دوسری کتب میں شہر کا نام سامرا لکھا ہوا ہے۔ تاہم شہر کا نام اصل میں سر من رائی تھا کثرت استعمال سے سامرا کہلانے لگا۔
تاریخ ابن خلدون ۳: ۱۹۱، ۵۴۷، خلافت عباسی (اول)

(۱۵۰) ابن خلکان، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان دار الثقافتہ، بیروت، لبنان، ۱: ۴۲
تاریخ الطبری، ۷: ۲۳۲ میں طبری نے سامرا کے علاقے کو قاطول لکھا ہے۔ جبکہ ابن خلدون اور دوسری کتب میں شہر کا نام سامرا لکھا ہوا ہے۔ تاہم شہر کا نام اصل میں سر من رائی تھا کثرت استعمال سے سامرا کہلانے لگا۔
تاریخ ابن خلدون ۳: ۱۹۱، ۵۴۷، خلافت عباسی (اول)

(۱۵۱) فتوح البلدان، ۳: ۵۴۵

(۱۵۲) تاریخ ابن خلدون، ۳: ۲۳۰، ۵۲۰، خلافت بنو عباسی (اول)

(۱۵۳) تاریخ الطبری، ۷: ۳۴۵

(۱۵۴) کتاب البلدان، ۲۶۷

(۱۵۵) فتوح البلدان، ۱: ۲۷۷

(۱۵۶) ایضاً

(۱۵۸) تاریخ الطبری، ۶: ۹۵، ۱۱۶

(۱۵۹) ایضاً، ۶: ۲۹۸، فتوح البلدان، ۲: ۳۵۳

(۱۶۰) تاریخ بغداد، ۱: ۹۹

(۱۶۱) فتوح البلدان، ۱۶۱

(۱۶۲) تاریخ الطبری، ۶: ۴۷۰، فتوح البلدان، ۱: ۲۰۱

(۱۶۳) فتوح البلدان، ۲: ۳۶۲

(۱۶۵) کتاب البلدان، ۲۶۴، تاریخ بغداد، (الخطیب)، ۱: ۴۱، ۹۲، معجم البلدان، ۱: ۸۰۷

(۱۶۶) تاریخ البغداد (الخطیب)، ۱: ۱۰۲، ۱۰۴، معجم البلدان، ۴: ۹

(۱۶۷) تاریخ الطبری، ۶: ۳۰۱، النجوم الزاهرہ، ۲: ۳۰
تاریخ النقود العراقیہ، ۱۲، تاریخ بغداد (الخطیب)، ۱: ۷۵

(۱۶۸) تاریخ بغداد، ۱: ۹۲

(۱۶۹) ایضاً، ۱: ۸۷، المستطرف، ۱: ۲۸۹

(۱۷۰) کتاب البلدان، ۲۵۵، تاریخ بغداد (الخطیب) ۱: ۴۱

معجم البلدان،۱: ۸۰۷

(۱۷۱) تاریخ الطبری، ۷: ۶۸

(۱۷۲) کتاب البدن، ۶۴

(۱۷۳) ایضاً

(۱۷۴) معجم البلدان، ۵: ۱۵۔۱۷

(۱۷۵) کتاب الوزراء، ۱۸۹، المستطرف، ۱: ۲۸۹

(۱۷۶) فتوح البلدان، ۲۷۷

(۱۷۷) تاریخ الطبری، ۶: ۴۸۷

(۱۷۸) معجم البلدن، ۱: ۸۰۷

(۱۷۹) تاریخ بغداد (الخطیب)، ۱: ۹۹

(۱۸۰) ایضاً، (کتاب التاج)، ۱: ۹۹

(۱۸۱) ایضاً، ۱: ۱۰۲، معجم البلدان، ۴: ۹

(۱۸۲) ایضاً، ۱: ۱۰۴

(۱۸۳) الفہرست، ۱۷۴۔۱۷۵، (مہدی، مامون، متوکل، معتز وغیرہ)
الفخری، ۲۰۷، (خلیفہ الراضی باللہ کا شعری دیوان مرتب شدہ تھا)۔

(۱۸۴) الفہرست، ۱۷۴۔۲۰۶

(۱۸۵) ایضاً، ۴۱، ۲۱۲، ۳۹۷، ۳۹۹، ۴۰۱۔۴۰۷، ۴۱۰

(۱۸۶) تاریخ عرب (موسیو سیدیو)، ۲۳۵

(۱۸۷) الفہرست، ۲۱۱، ۳۹۷، ۳۹۹، ۴۰۰۔۴۰۷

(۱۸۸) طبقات شافعیہ (سبکی)، ۲: ۱۳۷، بحوالہ احمد امین، ضحیٰ الاسلام، ۱: ۴۹

(۱۸۹) ایضاً، ۲۸۳، ۳۵۳۔۳۵۴

(۱۹۰) ایضاً، ۳۵۴
یاقوت حموی، ابو عبداللہ بن عبداللہ، لقب شہاب الدین، معجم البلدان، مکتبہ عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاہ، بمصر، ج ۶

(۱۹۱) ایضاً

(۱۹۲) الفہرست، ۱۷۹۔۱۸۰، ۳۵۴، ۳۵۶، ۴۱۱

(۱۹۳) الفہرست، ۳۵۴
منو شاکر کے بیٹے محمد احمد حسن روم جا کر خود کتابیں لاتے تھے۔

(۱۹۴) ابن خلکان، وفیات الاعیان او بناء ابناء الزمان، مطبوعہ مصر، ۱۲۷۵ھ، ۱: ۳۰

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، حنین بن اسحاق، ۸: ۷۹۹

(۱۹۵) البرامکہ، ۲۶۴

(۱۹۶) الفہرست، ۳۵۶

(۱۹۸) الفخری، ۲۰۱، ۲۰۶

(۱۹۹) تاریخ بغداد (الخطیب)، ۱۲: ۴۰۴_۴۰۶

(۲۰۰) کتاب البلدان، ۲۶۴_۲۶۵، ۲۶۹

(۲۰۱) ایضاً، ۲۶۹، جیسا کہ بغداد اور میسرا کی نہروں کو اوپر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔

(۲۰۲) کتاب البلدان، ۲۶۹

(۲۰۴) تاریخ المسعودی، ۳: ۳۷۲

(۲۰۵) ایضاً، ۴: ۳۱۶

(۲۰۶) ایضاً، ۴: ۳۱۷_۳۱۸

(۲۰۷) المستطرف، ۱: ۲۷۸۹

(۲۰۸) تاریخ الطبری ۶: ۳۶۹، تاریخ ابن خلدون، ۳: ۴۴۳

(۲۰۹) فتوح البلدان، ۲: ۳۶۳

(۲۱۱) ایضاً، مناقب بغداد (ابن الجوزی)، ۲۰

(۲۱۲) مناقب بغداد (ابن الجوزی)، ۲۰

(۲۱۳) ایضاً

(۲۱۴) تاریخ بغداد (الخطیب)، ۱: ۱۱۶

(۲۱۵) ایضاً

(۲۱۶) کتاب بغداد (ابن طیفور)

(۲۱۷) کتاب الخراج، (ابن قدامہ)، ۱۸۵_۲۲۵

(۲۱۸) ایضاً، ص ۱۸۵_۱۹۳

(۲۱۹) ایضاً، ۱۹۳_۲۰۰

(۲۲۱) ایضاً، ۲۱۴_۲۲۰

(۲۲۲) ایضاً، ۲۰۰_۲۰۹

(۲۲۳) تاریخ الطبری، ۶: ۱۱۶

(۲۲۴) تاریخ المسعودی، ۴: ۳۱۷_۳۱۸

(۲۲۵) تاریخ الطبری، ۶: ۱۱۶، ۳۶۹

(۲۲۶) کتاب الخراج (ابن قدامہ)، ۱۸۵، احسن التقاسیم، ۶۲۔۶۴
(۲۲۷) النجوم الزاھرہ، ۲: ۵۱
(۲۲۸) کتاب المسالک والممالک (ابن خرداذبہ)، ۱۴۴
(۲۲۹) کتاب البلدان، ۲۴۴
(۲۳۰) مشتاق احمد چوہدری، مسلمانوں کا بلدیاتی نظام، پاک عربی علمی فائنڈیشن، ۱۹۸۳ء، ۱۱۰
(۲۳۱) ایضاً
(۲۳۲) المستطرف، ۱: ۲۸۹
(۲۳۳) النجوم الزھرہ، ۲: ۲۵۱
(۲۳۴) التنبیہ، والاشراف، ۳۴۲، تاریخ المسعودی، ۳: ۳۱۸
(۲۳۵) تاریخ الطبری، ۶: ۳۴۲
(۲۳۶) تاریخ الطبری، ۷: ۳۲۰
(۲۳۷) تاریخ البغداد، ۱: ۱۰۰۔۱۰۲، الفخری، ۱۹۲، کے مطابق تعداد گیارہ ہزار تھی
(۲۳۸) الفخری، ۱۷۰
(۲۳۹) تاریخ الخلفاء، ۳۳۷
(۲۴۰) تاریخ المسعودی، ۴: ۱۸۹۔۱۹۰
(۲۴۱) ایضاً
(۲۴۲) تاریخ الطبری، ۷: ۵۰
(۲۴۳) تاریخ المسعودی، ۴: ۱۸۹۔۱۹۰
(۲۴۴) تاریخ الطبری، ۶: ۴۴۳، الفخری، ۱۹۲
(۲۴۵) کتاب التاج، ۲۶۱
(۲۴۶) تاریخ المسعودی، ۴: ۸۴
(۲۴۷) کتاب التاج، ۲۶۰۔۲۶۱
(۲۴۸) ایضاً، ۲۶۲۔۲۶۳
(۲۴۹) تاریخ الطبری، ۶: ۳۲۵
(۲۵۰) ایضاً، ۶: ۴۰۰
(۲۵۱) تاریخ المسعودی، ۴: ۱۸۰
(۲۵۲) تاریخ الطبری، ۷: ۳۱۶
(۲۵۴) تاریخ المسعودی، ۴: ۱۸۰

(۲۵۵) تاریخ الاسلام (حسن ابراہیم حسن)،۲: ۲۵۸۔۲۶۰
(۲۵۶) تاریخ الطبری، ۶: ۵۳۰
(۲۵۷) تاریخ المسعودی، ۳: ۴۰۱
(۲۵۸) ایضاً
(۲۵۹) ایضاً، ۳: ۴۰۳
(۲۶۰) تاریخ الطبری، ۷: ۱۰۲
(۲۶۱) ایضاً، ۷: ۱۰۲، ۱۰۵
(۲۶۲) ایضاً، ۷: ۱۷۹، وفیات الاعیان، ۱: ۲۸۸
(۲۶۳) الصولی، ابی بکر، محمد بن یحییٰ اخبار الراضی باللہ، المتقی للہ، مطبعۃ الصاری، مصر، ۱۹۳۵ء، ۱۹
(۲۶۴) الفخری، ۱۷۰
(۲۶۵) تاریخ الطبری، ۷: ۱۶
(۲۶۶) تاریخ المسعودی، ۴: ۳۱۷۔۳۱۸
(۲۶۷) طبقات الاطباء، ۱: ۱۳۶
(۲۶۸) تاریخ الحکماء، ۱۴۲
(۲۶۹) ایضاً، طبقات الاطباء، ۱: ۱۳۶
(۲۷۰) ایضاً
(۲۷۱) ایضاً
(۲۷۲) ایضاً، ۱۴۳، ایضاً، ۱: ۱۳۷
(۲۷۳) ایضاً، ۱۰۱
(۲۷۴) ایضاً، ۱۰۲
(۲۷۵) ایضاً، ۱۰۳۔۱۰۴
(۲۷۶) طبقات الاطباء، ۱: ۱۳۲
(۲۷۷) ایضاً
(۲۷۸) تاریخ الحکماء، ۱۵۲
(۲۷۹) النجوم الزھرہ، ۲: ۲۵۱
(۲۸۰) تاریخ البغداد، ۱: ۱۰۰۔۱۰۲
(۲۸۱) کتاب البلدان، ۲۶۵
(۲۸۲) الخطط، ۱: ۴۰۸

(مستنصر کے عہد کے مشہور ہیں)

(۲۸۳) تاریخ الطبری،۶:۳۵۷،۳۶۰، تاریخ ابن خلدون،۳: ۳۴۳

(۲۸۴) ایضاً،۶: ۳۵۷،۵۳۹،۷: ۳۴۰

(۲۸۵) تاریخ المسعودی،۳: ۳۴۸

(۲۸۶) تاریخ الطبری،۶: ۵۲۸

(۲۸۷) تاریخ المسعودی،۳: ۳۷۶

(۲۸۸) تاریخ الطبری،۶: ۱۲۱

(۲۸۹) تاریخ المسعودی،۳: ۳۱۸

(۲۹۰) تاریخ الطبری،۶: ۵۴۳

(۲۹۱) التنبیہ والاشراف،۲۵۴۔۲۵۵

(۲۹۲) تاریخ المسعودی،۴: ۱۲۲

(۲۹۳) ایضاً،۴: ۱۲۲

(۲۹۴) کتاب الوزراء،۱۷۸،۱۹۵۔۱۹۷

(۲۹۵) ایضاً

(۲۹۶) تاریخ الطبری،۶: ۸۳، الفخری،۱۰۹، تاریخ ابن الکثیر،۱۰: ۵۰

(۲۹۷) تاریخ المسعودی،۴: ۳۱۴

(۲۹۸) تاریخ الطبری،۶: ۲۲۸،۳۱۸۔۳۲۰

(۲۹۹) تاریخ المسعودی،۴: ۳۱۵

(۳۰۰) کتاب الوزراء،۱۵۹

(۳۰۱) تاریخ الطبری،۶: ۳۴۲۔۳۴۳

(۳۰۲) ایضاً،۶: ۵۳۰

(۳۰۳) تاریخ المسعودی،۳: ۳۷۶

(۳۰۴) تاریخ الطبری،۷: ۳۱۸

(۳۰۵) ایضاً،۶: ۵۳۹

(۳۰۶) ایضاً،۶: ۴۶۴

(۳۰۷) تاریخ المسعودی،۳: ۲۷۹، کتاب التاج،۷۸۔۷۹

(۳۰۸) ایضاً،۳: ۳۷۵

(۳۰۹) معجم الادباء،۲۰

(۳۱۰) تاریخ الطبری، ۶: ۴۸۳
(۳۱۱) تاریخ المسعودی، ۳: ۳۲۱، تاریخ الطبری، ۶: ۳۹۵_۳۹۶
(۳۱۲) ایضاً، ۳: ۳۲۰_۳۲۲
(۳۱۳) ایضاً، ۳: ۳۴۳
(۳۱۴) الفہرست، ۹۱
(۳۱۵) تاریخ المسعودی، ۳: ۳۵۶
(۳۱۶) فتوح البلدان، ۲: ۵۲۸
(۳۱۷) تاریخ المسعودی، ۳: ۳۲۶
(۳۱۸) ایضاً، ۳: ۳۰۰
(۳۱۹) الصولی، اشعار اولاد الخلفاء واخبارھم من کتاب الاوراق، دار المسیرۃ، بیروت، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹، ۲۶
(۳۲۰) تاریخ الطبری، ۶: ۳۲۸
(۳۲۱) ایضاً، ۶: ۲۳۰، ۲۹۲، ۳۲۶
(۳۲۲) تاریخ المسعودی، ۳: ۳۷۹
(۳۲۳) تاریخ الطبری، ۶: ۴۸۷
(۳۲۴) عیون الانباء، طبقات الاطباء، ۱۸۸
(۳۲۵) تاریخ الحکماء، ۱۳۵، ۱۳۲
(۳۲۶) المستطرف، ۱: ۵۹
(۳۲۷) تاریخ الطبری، ۶: ۵۳۰
(۳۲۸) ایضاً، ۶: ۵۳۲
(۳۲۹) وفیات الاعیان، ۱: ۲۸۹
(۳۳۰) تاریخ الطبری، ۶: ۵۱۹
(۳۳۲) ایضاً، ۷: ۲۳۳
(۳۳۳) ایضاً، ۶: ۵۳۴
(۳۳۴) الاخبار الطوال ۳۷۸_۳۷۹
(۳۳۵) تاریخ التمدن الاسلامی، ۲: ۲۳۴
(۳۳۶) تاریخ الطبری، ۷: ۳۲۷
(۳۳۷) تاریخ الطبری، ۶: ۴۵۷، ۶۵۰
(۳۳۸) ایضاً، : ۳۷۳

(۳۳۹) ایضاً

(۳۳۹) ایضاً،۷: ۱۷۹،الفخری،۱۶۷،وفیات الاعیان،۱: ۲۸۸،تاریخ الخلفاء(العمرانی)،۱۰۱-۱۰۲

(۳۴۱) کتاب الوزراء،۲۳۵

(۳۴۲) ایضاً،۱۷۸

(۳۴۳) ایضاً،۱۹۵-۱۹۷

(۳۴۵) تاریخ الطبری،۷: ۱۷۹،تاریخ المسعودی،۴: ۳۰،تاریخ ابن خلدون،۱: ۲۸۷

ابن العمرانی،محمد بن علی بن محمد، انباء فی تاریخ الخلفاء،تحقیق و تقدیم و دراسۃ قاسم السامرائی الدکتور، لیدن،۱۹۷۳ء،ص ۱۰۱

(۳۴۶) الفخری،۱۶۷،تاریخ الخلفاء،(العمرانی)،۱۰۱،وفیات الاعیان،۱: ۲۸۷

(۳۴۶) الفخری،۱۶۷،تاریخ الخلفاء،(العمرانی)،۱۰۱،وفیات الاعیان،۱: ۲۸۷

(۳۴۷) ایضاً،وفیات الاعیان،۱: ۲۸۹

(۳۴۸) تاریخ الطبری،۷: ۱۷۸

(۳۵۰) تاریخ الطبری،۷: ۱۷۸،وفیات الاعیان،۱: ۲۸۹

(۳۵۱) ایضاً،۷: ۱۷۹

(۳۵۲) ایضاً

(۳۵۳) ایضاً،تاریخ الخلفاء،(العمرانی)،۱۰۱

(۳۵۴) الفخری،۱۹۷،وفیات الاعیان،۱: ۲۸۷

(۳۵۵) کتاب الوزراء،۲۴۲

(۳۵۶) الفخری،۱۵۷

(۳۵۷) ایضاً،۱۹۸-۱۹۹

(۳۵۸) تاریخ الطبری،۶: ۴۶۱-۴۶۲

(۳۵۹) ایضاً،۶: ۴۵۱

(۳۶۰) ایضاً،۷: ۱۸۱

(۳۶۱) ایضاً،۷: ۱۸۲-۱۸۳

(۳۶۲) الفہرست،۲۲۸

(۳۶۳) کتاب التاج،۵۱

(۳۶۴) تاریخ التمدن الاسلامی،۲: ۱۱۲

(۳۶۵) ایضاً،۲: ۱۱۳

(۳٦٦) ایضاً،۲: ۱۱۴

(۳٦٧) تاریخ المسعودی،۳: ۳۳۳

(۳٦٨) تاریخ التمدن الاسلامی،۲: ۱۱۳

(۳٦٩) ایضاً،۲: ۵۴۔۵۷

□♦□♦□

باب پنجم

بابِ پنجم

عہدِ عباسی کا ''نظام زر'' (کرنسی)

قدیم زمانے سے انسان اشیاء کے تبادلے کے لیے مختلف اشیاء کا استعمال کرتا رہا ہے۔ جو کہ بارٹر سسٹم کہلاتا تھا۔ لیکن جوں جوں تمدن کی ضروریات بڑھیں، انسان نے محسوس کیا کہ براہ راست تبادلہ ایک مشکل اور پیچیدہ طریقہ ہے۔ لہٰذا کوئی ایسی مشترکہ شے بطور زر مان لی جانی چاہیے جو واسطہ وتبادلہ کا کام دے۔ اس کے بعد زر کے طور پر مختلف اشیاء استعمال ہوتی رہیں جن میں جانوروں سے لے کر مختلف قسم کی دھاتیں شامل تھیں۔ بالآخر انسان نے سونے اور چاندی کو اس کام کے لیے موزوں ترین پایا۔ یہ دھاتیں اپنی رسد کی کمی کی وجہ سے خود اپنے اندر ایک قیمت رکھتی تھیں۔ جلد خراب نہ ہوتی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے اجزاء (سکوں) میں ڈھالی جاسکتی تھیں اور بہت سی دوسری اشیاء کے مقابلے میں انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ سہولت کے ساتھ لے جایا جاسکتا تھا۔ ان خوبیوں کی وجہ سے جب یہ زر کے طور پر استعمال ہونے لگیں تو ایک طویل عرصے تک (زر کاغذی کے چلن سے پہلے) بازار زر میں یہ دونوں دھاتیں حکومت کرتی رہیں (۱)۔

عہد عباسی میں بھی ان دونوں دہاتوں کے درہم و دینار چلتے تھے۔ لیکن اس عہد کے عروج اور درہم و دینار کی فراوانی کے دور میں بھی طبرستان کے پاس ایک علاقہ تھا جہاں بارٹر سسٹم چلتا تھا یعنی وہاں اشیاء کے بدلے اشیاء خریدی جاتی تھی۔ ان کے پاس زیادہ تر بکریاں ہوتی تھیں جن کو اشیاء کے بدلے دیا جاتا تھا۔ ''التنوخی'' نے ایک خوبصورت کپڑے کے بدلے سینکڑوں بکریاں دینے کا واقعہ بیان کیا ہے (۲)۔

سکے بطور آلۂ مبادلہ (زر۔ کرنسی)

عہد اسلامی کے ابتدائی دور میں دوسری متمدن اقوام کے رائج سکے ہی آلۂ مبادلہ کے طور پر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ اموی عہد میں عبدالملک بن مروان نے ان غیر اسلامی دور کے سکوں کا رواج ممنوع قرار دیا اور خود اسلامی سکے رائج کیے (۳)۔ ۷۴ھ یا ۷۵ھ میں یہ سکے عام ہوئے۔ اس کے بعد اموی دور میں مختلف درھم و دینار ڈھالے گئے۔ سب سے عمدہ سکے ہبیرہ تھے جو عمر بن ہبیرہ گورنر عراق نے ڈھلوائے۔ نیز ''خالدیہ'' خالد بن عبداللہ قسری اور ''یوسفیہ'' یوسف بن عمر ثقفی نے ڈھلوائے۔ یہ دونوں عراق کے گورنر تھے (۴)۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت مصعب بن زبیر نے ۷۰ھ میں عراق میں ٹکسال قائم کی تھی جب آپ حجاز کے گورنر تھے (۵)۔

جب عہد عباسی آیا تو خلیفہ سفاح نے بھی سکے ڈھلوائے اور انبار میں ٹکسال قائم کی۔ یہ سکے ''العباسیہ'' کہلائے (۶)۔ یہاں تک کہ ابو جعفر منصور خراج میں اموی دور کے صرف ہبیرہ، ''خالدیہ'' اور ''یوسفیہ'' ہی قبول کرتا تھا۔

اس کے علاوہ نہیں۔ اسی لیے دوسرے سکے مکروہیہ کہلانے لگے(۷)۔

سکوں کی شرح تبادلہ

ان سکوں کی شرح تبادلہ وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی تھی۔ جو اختلاف وزن اور دھات (سونے چاندی) کے خالص تر ہونے پر مبنی ہوا کرتی تھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک دینار دس درہم کے برابر مانا جاتا اور کبھی بارہ، پندرہ، بیس اور بائیس درہم تک پہنچ جاتا(۸)۔

اسی طرح اوزان و پیائش کے پیانے بھی مقرر تھے۔ جو تمام ملک میں رائج تھے اور انہیں کے مطابق لین دین ہوتا تھا اور شرعی امور زکوۃ، صدقات، خراج، عشر وغیرہ انہیں کے مطابق لیا جاتا تھا(۹)۔

ٹکسال (دارالضرب)

مختلف شہروں میں ٹکسال قائم تھیں۔ جہاں حکومت اور عوام بھی ڈھلوائی دے کر سکے مسکوک کرواتی تھی۔ عوام کے لیے ہر سو درہم پر ایک درہم ڈھلوائی مقرر تھی(۱۰)۔صراف محکمہ ٹکسال کا کام تھا کہ وہ سکوں کی ڈھلوائی کی نگرانی کرے اور کھوٹ سے محفوظ رکھے۔ اور اس کی عمدگی اور نفاست وضروری امور کی نگہداشت کرے(۱۱)۔ شروع میں دارالضرب کی نگرانی خلیفہ خود کرتے تھے۔ خلیفہ ہادی نے اس کی نگرانی وزیر علی بن ماہان کے سپرد کر دی تھی۔ خلیفہ ہارون نے یہ کام اپنے وزیر جعفر برمکی کے سپرد کر دیا تھا(۱۲)۔ غلبہ کے دنوں میں ٹکسال بویہی اور سلجوقیوں کے قبضہ میں رہی۔۴۶۲ھ میں خلیفہ کے وکلاء کے ہاتھوں میں نظام آ گیا۔ وجہ یہ تھی کہ شاہی سکے بہت زیادہ لوگوں کے ہاتھوں میں آنے لگے اور اس میں زیب و زینت بہت ہونے لگی۔ بعد میں ولی عہد کے نام کا دینار بھی ڈھلوایا گیا اس کا نام "امیری" رکھا گیا(۱۳)۔۱۹۴ھ میں "رباعیہ" کے نام سے سکے جاری کیے گئے لیکن ۱۹۵ھ میں انہیں موقوف کر دیا گیا(۱۴)۔

سکوں کے لیے شاہی ٹھپہ (سرکاری مقررہ نشان)

لوہے کا شاہی ٹھپہ ہوتا تھا جس پر مخصوص نشان کندہ ہوتے تھے۔ سکوں کا پورا وزن کر کے اس پر ٹھپہ رکھ دیا جاتا تھا اور پھر ہتھوڑے کی ضرب لگائی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ اس پر ٹھپہ کے نشانات ابھر آتے (۱۵)۔

عہدِ عباسی میں سکوں کی ہیئت

رشید کے عہد میں درہم و دینار کی شکل گول ہی تھی اور گولائی میں دو متوازی دائروں میں عبارت لکھی ہوتی تھی۔ سکے کے ایک طرف الحمد للہ، لاالہ الا اللہ اور درود شریف اور دوسری طرف خلیفہ کا نام، تاریخ، سال لکھا ہوتا تھا(۱۶)۔

۱۷۰ھ تک دینار پر کسی کا نام درج نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد دارالضراب ٹکسال کے مہتمم کا نام لکھا جانے لگا(۱۷)۔ پھر ہارون الرشید کے زمانے میں خلیفہ کا نام سکے پر لکھا جانے لگا۔ اس کے علاوہ امراء، وزراء، ولی عہدوں، صوبوں کے والیوں کے نام بھی لکھے جانے لگے(۱۸)۔ خلیفہ کے نام کے ساتھ لفظ "امام" کا بھی اضافہ ہوا۔۲۱۴ھ میں عباسی دیناروں پر

"محمدالرسول الله ارسهله بالهدى و دين الحق ليظهر ه على الدين كله ولو كره المشركون"

لکھا جانے لگا اور یہ آیت خلافت عباسیہ کے خاتمے تک لکھی جاتی رہی (۱۹)۔ ایران اور ترکستان میں عباسی عامل مثلاً خالد بن برمک، سعید بن دسلج، عبداللہ بن قحطبہ، الفضل بن سہل اور ترکستان میں امیران بخارا اپنے اپنے نام پر سکے ضرب کراتے تھے۔ یہ سکے ھمذان، ارجان، بلخ، ھرات، کرمان، مرو، سوس اور بخار میں ضرب ہوتے تھے۔ شروع میں ان سکوں پر پہلوی اور عربی زبان میں کلمات ہوتے تھے۔ بعد میں صرف عربی خط میں عبارت لکھی جاتی تھی (۲۰)۔

بنی بویہ اور سلاجقہ نے جو سکے ضرب کرائے ان پر عباسی خلیفہ اور کبھی کبھی مقامی حکمران کا نام بھی ہوتا تھا۔ وضع قطع میں یہ سکے عباسی سکوں کے مشابہ تھے۔ صرف القاب وخطاب میں فرق ہوتا تھا (۲۱)۔

عہد عباسی میں درھم اور دینار دونوں سکے چلتے تھے۔ اس کے علاوہ فلوس (چاندی اور تانبے کے سکے) بھی چلتے رہے لیکن یہ بہت عام نہیں تھے (۲۲)۔ عصر حاضر میں مستنجد باللہ کے زمانے سے لے کر حکومت کے خاتمہ تک کے سکے ملتے ہیں یا وہ مختلف سکے ملتے ہیں جو عباسی اور مغلوں کے سکے منکشف ہوئے ہیں۔

خلافت راشدہ سے خلافت عباسیہ تک سکوں میں ہونے والی تبدیلیاں

i:- خلفائے راشدین کے زمانے میں پہلے سے رائج سکوں کے وزن میں تبدیلی کی گئی۔

ii:- تحریر میں تبدیلی کی گئی۔

iii:- تحریر عربی میں منتقل کی گئی۔

iv:- قیراط میں تبدیلی کی گئی۔

v:- دنانیر دراہم اور فلوس کی بہت سی قسمیں تیار کی گئیں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف زمانوں میں اقتصادی حالات کے مطابق خوب سے خوب تر کی طرف سفر جاری رہا اور اس میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ مستنجد کا دور آ گیا۔ اس کے دور سے لے کر خلافت عباسیہ کے خاتمہ تک یہ سکے ڈھالے گئے (۲۳)۔

عہد عباسی کے سکوں (آلہ مبادلہ) اور اوزان و پیمائش کی تفصیل درج ذیل ہے۔ اس سلسلہ میں محققین کے درمیان اختلافات بھی پایا گیا ہے۔ جہاں ضروری ہوا وہاں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ جبکہ اس ماخذ میں گرام میں دیئے ہوئے اوزان کو تولہ، ماشہ، رتی وغیرہ میں اور تولہ، ماشہ، رتی کو گراموں میں نجات اللہ صدیقی نے خود منتقل کیا ہے۔

ایک تولہ = ۱۱.۶۶۴ گرام = اسی طرح مربع میٹر میں دیئے ہوئے رقبہ کو مربع میں منتقل کیا ہے۔

عباسی معیشت کے سکے (کرنسی)

1-درہم: (چاندی کا سکہ)

اوسط قسم کے جو کے دانوں کا وزن (۲۴)۔

ایک درہم = ۳ ماشہ ۸۵.۴ رتی = ۲.۹۷۵ گرام (۲۵)

ایک دوسری تحقیق:

ایک درہم = ۳ ماشہ ۳۳۷۔۲ رتی = ۲۔۳ گرام

مولانا عبدالحی زنگی محلیؒ کی تحقیق کے مطابق:

ایک درہم = ۲ ماشہ ڈیڑھ رتی = ۲۔۱۲۶ گرام

برصغیر میں زکوۃ کا جو نصاب عام طور پر رائج ہے اس کے مطابق:

ایک درہم = ۳ ماشہ رتی = ۳۔۶۲ گرام

عہد عباسی میں درہم زکوۃ، دیت اور خرید و فروخت کے لیے: استعمال ہوتا تھا۔(۲۶)

درھم = ۶ دانق

۱۰ درھم = ۷ مثقال

ایک درھم = ۷/۱۰ دینار

2-دانق (۲۷)

ایک دانق = ۱/۶ درہم = ۸۔۴ رتی = ۹۵۸۔۴ گرام

دانق = دانہ جو کا وزن

بڑے درہم کا وزن = ۸ دانق

چھوٹے درہم کا وزن = ۴ دانق

اوسط = ۶ دانق

چھ دانق = ایک درہم

3-مثقال (۲۸)

ایک مثقال = درہم = ۴ ماشہ ۹۷۔۲ رتی = ۲۵۔ گرام

= اوسط قسم کے جو کے ۷۲ دانوں کا وزن

4-اوقیہ (۲۹)

اوقیہ = ۴۰ درہم = ۱۱۹ گرام = ۱۰ تولہ ۲ ماشہ ۴۔۳ رتی۔

۱۱۲ اوقیہ = ایک رطل

5-دینار (سونے کا سکہ) (۳۰)

ایک دینار = ۱۰ درہم

6-شعیرہ (۳۱)

= درہم

7- نش (۳۲)

= ۲۰ درہم

8- نواة (۳۳)

= ۵ درہم۔

بغداد میں دو قسم کے دینار ہوتے تھے (۳۴)۔

۱۔ ایک الطوال کہلاتا تھا اس میں ۱۲ درہم ہوتے تھے اور ایک درہم ایک قیراط اور دو حبات (دانوں) کے برابر ہوتا تھا۔ یہ دینار ۲۰ قیراط کا ہوتا تھا اور قیراط تین حبات کا ہوتا تھا۔ ہر حبہ میں چار چاندی کے فلوس ہوتے تھے۔ ہر فلس کے دو سرخ فلس ملتے تھے یعنی:

دینار الطوال = ۱۲ درہم

ایک درہم = ایک قیراط + دو حبات (دانیں)

دینار الطوال = ۲۰ قیراط

ایک قیراط = تین حبات

ایک حبہ = چار چاندی کے فلوس (پیسے)

ایک فلس = دو سرخ فلوس (تانبے کے غالباً)

۲۔ اسی طرح دوسرا دینار "مرسل" کہلاتا تھا۔ زیادہ خرید و فروخت اور معاملات اسی سے کئے جاتے تھے۔ اس دینار میں ۱۰ درہم ہوتے تھے۔ لہٰذا اس میں ایک درہم ۲۰ فلس چاندی اور ۴۰ فلس سرخ کے برابر ہوتا تھا یعنی:

دینار مرسل = ۱۰ درہم

ایک درہم = ۲۰ فلوس (چاندی)

ایک درہم = ۴۰ فلوس (سرخ)

یہ تمام سکے عراق میں ڈھالے گئے اور مغلوں کے دور تک چلتے رہے۔

دینار الصلة

عہد عباسی (۱۳۲ھ تا ۶۵۶ ھ) میں آدھا دینار، تہائی اور چوتھائی دینار( ) بھی ضرب ہوتے تھے (۳۶)

عید اور خوشی کی تقریبات میں مختلف اوزان اور حجم کے بڑے بڑے دینار ڈھالے جانے لگے۔ یہ دینار جو دینار الصلة کہلاتے تھے خلیفہ کے عزیزوں دوستوں، حاشیہ نشینوں اور غرض مندوں کو تحفے کے طور پر دیئے جاتے تھے۔ اس عہد میں بغداد کے علاوہ خلافت کے مرکزی شہروں مثلاً مرو، سمرقند، کوفہ، اهواز، اصفہان، دمشق، حلب اور صنعاً میں دارالضرب قائم تھے (۳۶)۔

العیار

سونے اور چاندی کے نقود میں، سونے اور چاندی کی ایک خاص اور معین مقدار ہوا کرتی تھی۔ جسے العیار (قیراط) کہتے تھے۔ ان نقود کو ڈھالتے وقت صرف وزن ہی پر اعتماد نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ عیار کا خیال بھی رکھا جاتا تھا۔ نقود ابتداء میں غیر خالص ہوتے تھے (۳۷)۔ جیسا کہ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ:

"کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ زر کم عیار ہوگا" (۳۸)

پھر بتدریج ان میں بہتری ہونے لگی۔ خلیفہ مطیع کے زمانے میں اس پر خاطر خواہ توجہ دی گئی اور ہوتے ہوتے تقریباً بالکل خالص ہو گئے۔ شروع شروع میں ۸.۹ قیراط کے ہوتے تھے۔ پھر بتدریج ۹.۹ قیراط کے ہو گئے (۳۹)۔

ٹکسال میں کھوٹ اور اس کی صفائی اور درجہ بندی اور اس کے وزن کے تعین کا ایک مقررہ طریقہ کار ہوتا تھا۔ جو کہ اموی دور حکومت ہی سے رائج تھا اور یہی طریقہ عباسیوں کے عہد میں بھی باقی رہا (۴۰)۔

جعلی دینار

عالم اسلام کے بیشتر حصوں میں چوتھی صدی ہجری تک اگرچہ عام طور پر دینار کا معیاری وزن برقرار رکھا گیا تاہم بعد ازاں وزن کے لحاظ سے اور کھرے ہونے کے اعتبار سے انتہائی بے قاعدگیاں ہونے لگیں (۴۱)۔ بعض لوگ جعلسازی کرتے ہوئے دینار خود بھی ڈھال لیتے تھے۔ لیکن صراف جو دیناروں کے پرکھنے کا کام کرتے تھے وہ ان کی نشاندہی کر دیتے تھے (۴۲)۔ اسی لیے سر بمہر تھیلیوں میں جو ادائیگیاں کی جاتی تھیں ان کے وزن پورا اور خالص ہونے کی ضمانت دی جاتی تھی۔ ان کے علاوہ عام طور پر دینار کا لین دین گنتی کی بجائے وزن کے اعتبار سے ہوتا تھا (۴۳)۔

مالیاتی اداروں میں درہم و دینار کی حسابداری کا نظام

بلاد مشرق اپنے محاصل چاندی کی شکل میں ادا کرتے تھے اور بحیرہ روم کے کنارے کے علاقے سونے کی شکل میں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مالیاتی دفاتر کی ابتدائی حساب داری دو مختلف شکلوں میں رکھی جاتی تھی۔ تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی کے آخر میں سونے کے معیار کی بنیاد پر ایک متحدہ حساب داری کا نظام قائم کرنے کی کوشش کی گئی اور قانونی طور پر درہم کے مبادلے کی شرح بھی مقرر کر دی گئی اور مختلف اجناس کی قیمتوں کی فہرست بھی مرتب ہوئی۔ اس طرح میزانیہ کے تخمینے زیادہ صحت کے ساتھ تیار کئے جا سکتے تھے (۴۴)۔

فلس (تانبے کا سکہ) (۴۵)

فلس اسلام کے ابتدائی عہد کا تانبے کا سکہ تھا جو اسلام سے پہلے بھی رائج تھا۔ یہ بوزنطی فلس تھے۔ فتح شام سے پہلے یہ انطاکیہ کی دار الضرب میں ڈھالے جاتے تھے۔ بعد میں عربوں نے بعلبک، حلب، فلسطین، قنسرین، دمشق، الرہا، طبریہ، عمان، منبج اور ایلیا وغیرہ میں یہ ٹکسالیں قائم کیں۔ پہلے پہل یہ تمام اسلامی عہد کے سکے بوزنطی سکوں کی مانند تھے جن کے سیدھے رخ پر شہنشاہ ھرقل اور فلسطین روم کی تصویریں ہوتی تھیں۔ بعد میں ان کی جگہ خلیفہ کی شبیہ اور عربی عبارات کندہ ہوتی گئیں۔ اسلامی عہد کا قدیم ترین سکہ دمشق میں ۱۷ھ/۶۳۷ء کا ضرب شدہ ہے۔ جو اس لحاظ سے بھی قدیم ہے کہ سب

سے پہلے اس پر سن ضرب لکھا گیا۔
عرب فلس کو معیاری سکہ نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ محض ایک علامتی سکہ تھا۔ جس کے ڈھالنے کے لیے بادشاہ کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ قطعی طور پر عاملوں اور مقامی حاکموں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس وجہ سے ہر شہر میں وزن، قیمت اور صورت کے اعتبار سے انتہائی مختلف قسم کے فلس رائج تھے اور دینار اور درھم کی طرح ساری مملکت خلافت میں مروج نہیں تھے۔
معلوم ہوتا ہے کہ چاندی اور تانبے کے سکوں کے درمیان قانونی طور پر کبھی بھی کوئی نسبت مقرر نہیں کی گئی تھی اگرچہ بعض وجوہ سے یہ یقین کیا جا سکتا ہے۔ اڑتالیس (۴۸) فلس کی قیمت ایک سرکاری درہم کے برابر ہوتی تھی۔ غالباً دونوں دھاتوں کے درمیان قیمت کا تناسب وقتاً فوقتاً از سرِ نو مقرر کیا جاتا تھا۔ مگر تانبے کے سکوں کے لیے مصر میں شیشے کے جو باٹ استعمال کیئے جاتے تھے ان سے یہ واضح ہوتا تھا کہ فلس کسی بھی متصورہ جسامت کا ہو سکتا تھا۔ اخروبہ (قیراط) سے ۳۰ سے زاید خروبہ کے اوزان موجود ہیں جو فلوس کی ایک خاص تعداد کو تولنے میں کام آتے تھے۔
ایران میں اس ''آزاد'' سکے کو کئی نیرنگیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ دسویں صدی ہجری سے صرف بڑے بڑے شہروں ہی میں تانبے کے سکے ڈھالے جاتے تھے۔ عموماً ان سکوں کے ایک طرف کوئی شبیہ (جانور، پودا یا کوئی برج فلکی) ہوتی تھی اور دوسرے رخ پر شہر کا نام ہوتا تھا جبکہ بادشاہ کا نام نہیں ہوتا تھا۔ یہ شہری سکے اب سے کچھ عرصہ پہلے تک ماورائے قفقاز، ایران، افغانستان، بلوچستان اور پنجاب میں چلتے رہے ہیں۔

حکومتِ عباسی میں درہم کا زیادہ تر استعمال

عباسیوں کے دور میں درہم اور دینار دونوں سکے چلتے تھے۔ اس کے باوجود طبری، مسعودی اور دیگر مؤرخین نے جہاں کہیں بھی منصور، مہدی، ہارون، مامون، معتصم اور اس کے جانشینوں کی داد و دہش یا دوسرے مالی امور کا ذکر کیا ہے اس میں درہم زیادہ گنوائے ہیں۔ مثلاً:
طبری نے عیسیٰ بن منصور کی روایت بیان کی ہے کہ ابو جعفر کے خزانے کے دفتر کے معائنہ سے مجھے یہ علم ہوا کہ مدینہ السلام، جامع مسجد، قصر الذھب، بازار، کوچے، خندق، برجیاں اور دروازوں پر چالیس لاکھ اٹھ سو تینتیس درہم خرچ کیے (۴۶)۔ اس دور میں زیادہ تر تنخواہیں بھی درہموں کی شکل میں ادا کی جاتی تھیں۔ مثلاً طبری ہی کا بیان ہے کہ منصور کے زمانے میں منشیوں، مستری، راج کو تین سو درہم ماہانہ دیئے جاتے تھے (۴۷)۔ ہارون، امین، مامون کے دور میں سپاہیوں کی تنخواہوں کا ذکر بھی درہموں میں کیا گیا ہے (۴۸)۔
اصبغ کا ذکر ہے کہ جب اس نے بغاوت کی اور منصور کے پاس پکڑا ہوا آیا تو منصور نے ایک تھیلی منگوائی اس میں پانچ سو درہم تھے۔ یہ تھیلی اصبغ کو دی اور کہا یہ خالص درہم ہیں یہ لو اور اپنے کام پر چلے جاؤ (۴۹)۔
فارس میں بھی خرید و فروخت دراہم کے ذریعے ہی ہوتی تھی۔ دینار یہاں اشیاء کی طرح (سکہ کی طرح نہیں) استعمال ہوتے تھے (۵۰)۔ مسعودی اور طبری نے بیان کیا ہے کہ منصور نے ایک دن میں ایک کروڑ درہم اپنے اہل بیت میں تقسیم کیے۔ دس لاکھ اپنے ایک چچا کو دیئے، دس لاکھ دوسرے چچا کو اس طرح ہر چچا نے دس لاکھ درہم پائے (۵۱)۔

منصور کے بعد مہدی کے زمانے میں بھی درہموں اور دیناروں کا چلنا اسی طرح رہا مثلاً آل مسلمہ کو بیس ہزار دینار اعتراف معاونت کے طور پر دیئے (۵۲)۔ ایک دفعہ ایک کسان کو کھانا کھلانے پر تین تھیلیاں درہم کی دیں (۵۳)۔ مروان بن ابی حفصہ کو ستر ہزار درہم دیئے اور عبداللہ کو چالیس ہزار درہم (۵۴)۔

اسی طرح شہروں کی تعمیر کے اخراجات، انعامات، عطیات ودیگر اخراجات دراہم کی شکل میں دیئے جاتے تھے (۵۶)۔

ہارون اور اس کے بعد زیادہ تر دیناروں کا استعمال

ہارون کا زمانہ درہموں اور دیناروں کے چلن کے سلسلہ میں مہدی کے دور سے کسی قدر مختلف ہے۔ اس دور میں دولت چونکہ بہت زیادہ بڑھ گئی تھی اس لیے دیناروں کا چلن پہلے کی نسبت کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔ جیسا کہ ہارون نے یحییٰ بن عبداللہ کو ولی عہدی کی برطرفی کے لیے تین مرتبہ قید کیا اور چار لاکھ دینار انہیں دیے اور ہارون نے ایک لونڈی ایک لاکھ دینار میں خریدی (۵۷)۔ اس کے علاوہ خاص خاص موقعوں پر کبھی کبھی ہارون دیناروں میں لوگوں کو عطا دیا کرتا مثلاً ایک بار جب مدینہ آیا تو وہاں کے لوگوں کو تین بار عطا دی اور دیناروں میں دی۔ طبری نے ایک لاکھ پچاس ہزار دینار شمار کیے ہیں (۵۸)۔

زیادہ تر مخصوص امراء دیناروں کا لین دین کیا کرتے تھے۔ مثلاً ابن ابی مریم کو خوش کرنے کے لیے جب ہارون نے ایک دن اسے اپنا حاجب بنایا تو امراء اور بڑے لوگوں کے پیامبروں کو سہولت سے باریاب کرنے کے صلہ میں اسے امراء اور شاہی خاندان کے افراد نے ساٹھ ہزار دینار دیئے۔ یہ دینار کئی حضرات نے اسے دیئے تھے کسی نے درہم نہیں بھجوائے دینار ہی بھجوائے (۵۹)۔

لیکن سلطنت کا عام کاروبار اور لین دین درہموں ہی کی صورت میں ہوتا تھا (۶۰)۔

اور ہارون لوگوں کو انعام زیادہ تر دراہم میں ہی دیتا تھا۔ خاص طور پر شعرا کو جب انعام دیتا تو درہم استعمال کرتا۔ درہم اور دیناروں کے استعمال کا یہی ملا جلا حال مامون کے زمانے میں بھی رہا۔ مثلاً ایک بار مال غنیمت کا خمس تقسیم ہوا تو ہر غازی کے حصے میں چھ دینار آئے (۶۱)۔

بشیر بن داؤد کو سندھ کا عامل اس شرط پر مقرر کیا کہ وہ سالانہ دس لاکھ درہم خلافت کو ادا کرے گا۔ طلحہ نے صاحب البرید کو بغاوت کی خبر چھپانے کے لیے پانچ لاکھ درہم رشوت دیئے۔ (۶۲) اسی طرح ایک موقعہ پر جب احمد بن خالد اس کی سیاسی حکمت عملی کی جانچ پڑتال کی خاطر خراسان آیا تو طلحہ نے اس کی رائے خریدنے کی خاطر اسے تیس لاکھ درہم کا نذرانہ دیا اور بیس لاکھ درہم کا سامان بھی (۶۳)۔ یہ چھوٹی رقم نہ تھی اگر دینار کا چلن اس وقت بہت عام ہوتا تو اتنی بڑی رقم دیناروں میں ادا کی جاتی۔ اس کے علاوہ عام خرچوں کا تخمینہ بھی درہموں میں کیا جاتا تھا۔ مثلاً بوران کے نکاح پر خرچ کے قصے جب چلے تو حمدونہ بنت عغیض نیکہا کہ "میں نے ڈھائی کروڑ درہم خرچ کیے۔" (حمدونہ ہارون کی ام ولد تھی) ام جعفر زبیدہ نے اس پر کہا کہ ہم نے "تین کروڑ پچاس لاکھ سے تین کروڑ ستر لاکھ درہم خرچ کیے۔" بوران کے نکاح پر حسن بن سہل کے ۵ کروڑ درہم خرچ ہوئے (۶۴)۔

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ مامون کے دور میں بھی درہموں کا چلن زیادہ تھا اور لوگ زیادہ تر درہموں میں ہی لین دین کیا

کرتے تھے۔ یہی کیفیت معتصم کے وقت بھی قائم رہی۔ مثلاً افشین جب تک بابک سے مقابلہ کرتا رہا اسے روزانہ معتصم دس ہزار درہم تنخواہ دیتا۔ جس دن فردگاہ میں رہتا اس دن پانچ ہزار درہم دیتا۔ اور جب وہ فتح پاکر لوٹا اسے ایک کروڑ درہم انعام میں دیئے(۶۵)۔

دیناروں کا عام چلن واثق کے دور میں

واثق کے دور میں امراء کے پاس دینار کچھ زیادہ ہو گئے تھے۔ وہ زیادہ تر رقم دیناروں کی صورت میں جمع رکھتے تھے۔ جیسا کہ واثق نے جب اپنے عمال کو قید کیا تو ان سے جرمانے کی رقمیں دیناروں میں وصول کیں۔ مثلاً سلیمان بن وہب سے چار لاکھ دینار، حسن بن وہب سے ۱۴ ہزار دینار اور احمد بن خصیب اور اس کے عملہ سے دس لاکھ دینار، ابراہیم بن رباح اور اس کے عملہ سے ایک لاکھ دینار، انجاح سے ساٹھ ہزار دینار، ابوالوزیر سے ایک لاکھ چالیس ہزار دینار وصول کیے(۶۶)۔ اس کے بعد بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیناروں کا چلن امراء اور حکومت کے اہل کاروں میں درہم کی نسبت زیادہ ہو گیا تھا۔ خصوصیت سے معتضد اور مقتدر کے زمانے میں تو وزراء بھی دیناروں میں بات کرتے اور سرکاری دفاتر کا تخمینہ بھی دیناروں میں تیار کیا جاتا۔ مثلاً قدامہ نے معتضد کے روزانہ اخراجات کا جو چارٹ / گوشوارہ پیش کیا ہے وہ دیناروں ہی میں ہے۔ درہموں میں نہیں(۶۷)۔ خصوصیت سے معتضد کے بعد شاہی خزانے اور محلات میں دیناروں کی شان بہت بڑھ گئی تھی۔ معتضد جب مرا تو اس کے خزانے میں ایک کروڑ ساٹھ لاکھ دینار اور تیس لاکھ درہم تھے(۶۸)۔ اور جب اس کا بیٹا مکتفی مرا تو اس کے خزانے میں صرف ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار تھے۔ درہم ایک بھی نہ تھا(۶۹)۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ معتضد کے بعد زوال بنو عباس تک دینار غالب آ گیا تھا۔

عصرِ حاضر اور دینار

عہد عباسی میں حکومت اور لوگوں کے پاس اصل رقم یعنی سونا اور چاندی حقیقت میں موجود ہوتا تھا۔ جس سے دینار اور درہم بنائے جاتے اور لین دین کے کام آتے تھے۔ یعنی جتنے دینار و درہم ہوں گے اتنی ہی خوشحالی کا پتہ چلے گا۔ جبکہ آج کے دور میں سٹیٹ بنک کے پاس نوٹ (کرنسی) چھاپنے کے لیے اتنی مالیت کا سونا رکھوانا پڑتا ہے یا ضمانت دینی پڑتی ہے اور کاغذ سے لین دین کرنا پڑتا ہے۔

عصر حاضر میں اس کاغذی نوٹ یا کرنسی کا استعمال عام ہے اور آج درہم و دیناروں بھی کاغذ کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ مثلاً عراق، کویت اور یوگوسلاویہ وغیرہ میں آج بھی دینار چل رہے ہیں۔ لیکن آج یہ کاغذ کی صورت میں ہیں۔ آج ہر ملک کی کرنسی کا نام اور قدر (Value) مختلف ہے اور اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ عراقی دینار ۱۰۰۰ فلز کے برابر اور یوگوسلاویہ میں دینار ۱۰۰ پرا (Para) کے برابر ہے لیکن ان کا قدیم عربی سکے سے کوئی تعلق نہیں (۷۰)۔ اس وقت عالمی سطح پر دینار، ڈالر اور پونڈ کی قیمت زیادہ ہے (۷۱)۔

عصر حاضر میں کاغذی کرنسی کے علاوہ دھات کے سکے بھی چل رہے ہیں جیسا کہ پاکستان میں ۲۵ پیسے، ۵۰ پیسے، دو روپے، پچاس روپے اور سو روپے کی مالیت کے سکے تانبے اور چاندی کے بنتے ہیں جبکہ ۵۰۰ (پانچ سو) روپے کی مالیت کا سکہ سونے کا بنتا ہے جسے گنی

کہتے ہیں۔
اسی طرح دیگر کئی ممالک میں بھی سونے، چاندی اور تانبے کے سکے بطور کرنسی کے (آلہ مبادلہ) استعمال ہو رہے ہیں۔

حکومت عباسی میں چیک (سفتجہ / حوالہ) کا استعمال

عباسی مالیات میں ''حوالہ'' کا استعمال بہت عام تھا۔ یہ اصطلاح رقم کی ادائیگی کے فرمان اور ادا کی جانے والی رقم دونوں کے لیے استعمال ہوتی تھی (۷۲)۔ سرکاری اور نجی دونوں قسم کے مالی معاملات میں حوالے کا استعمال کیا جاتا تھا۔ تاکہ نقدی کے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں جو تاخیر یا خطرات ہوتے تھے اسے دور کیا جا سکے۔ فرامین کو سفتجہ یا چیک کہتے ہیں (۷۳)۔

اھواز، فارس اور اصفہان کے محصل (عمال) سفتجہ کے ذریعے جمع شدہ محاصل مرکزی حکومت کو منتقل کرتے تھے اور سفتجہ کو نقدی کی شکل میں منتقل کرنے اور حوالے سے متعلق تمام معاملات میں بنیادی کردار جہبذ ادا کرتا تھا۔ ملک میں خرید و فروخت، تنخواہوں کی ادائیگی، انعامات اور ہدیے وغیرہ بھی اکثر اوقات چیک کی صورت میں دیئے جاتے تھے مثلاً (۷۴)۔

تنخواہوں کی ادائیگی بذریعہ چیک

شہزادوں اور بڑے لوگوں کو تنخواہیں چیک کی صورت میں دینے کا رواج ہو گیا تھا۔ چیک جاری کرنے والے دفاتر قائم تھے۔ جہاں سے مقررہ تاریخ سے پہلے چیک جاری ہو جاتے۔ ان چیکوں پر مشیر مالیات کے دستخط ہونا ضروری ہوتے تھے۔ پھر یہ قابل قبول ہوتے تھے مثلاً:

واثق کے جانشین المتوکل اور محمد بن عبدالملک الزیات اور عمر فرج کے مابین دشمنی تھی۔ ایک مرتبہ المتوکل شہزادگی کے زمانہ میں عمر بن فرج کے پاس آیا کہ ان سے کہہ کر اپنی تنخواہ کے چیک پر مہر لگوائے۔ عمر بن فرج مسجد میں بیٹھا تھا۔ وہیں متوکل (جعفر) پہنچا، عمر بن فرج نے جعفر سے چیک لیا اور یہ چیک نفرت کے ساتھ دستخط کیے بغیر فرش پر پھینک دیا۔ جعفر نے عمر بن فرج (مشیر مالیات) کے رویہ کی شکایت ابوالوزیر احمد بن خالد سے کی۔ جو عمر بن فرج کے افسر اعلیٰ تھے۔ تو انہوں نے خود بھی شکوہ کیا اور کہا میں اس کا افسر ہوں مگر میری تنخواہ کے چیکوں پر بھی دستخط کرتے وقت یہ شخص ایسا ہی کرتا ہے (۷۵)۔

عطایا و ہدایا کی ادائیگی (چیکوں کی صورت میں)

محمد بن سلیمان کی متروکہ رقم پر جب ہارون نے قبضہ کیا تو یہ چھ کروڑ درہم تھے۔ ہارون نے اس رقم کے بڑے بڑے چیک لکھوا کر اپنے ندیموں اور مصاحبوں کو دیئے۔ گویّوں کو بھی چیک دیئے گئے۔ مگر وہ اتنی چھوٹی رقموں کے متعلق تھے کہ ان کا کوئی دستاویزی ریکارڈ نہ رکھا گیا۔ جن کو یہ چیک دیئے گئے انہوں نے اپنے اپنے وکیل بھیج کر چیکوں کے مطابق نقد وصول کیا اور اس میں سے ایک دینار یا درہم بھی سرکاری خزانہ میں داخل نہ ہوا (۷۶)۔

دمشق میں قیام کے دوران جب لگان کی رقم تین کروڑ آئی تو مامون نے وہاں آئے ہوئے لوگوں میں دو کروڑ چالیس لاکھ

کے چیک محمد بن یزداد سے لکھوا کے تقسیم کر دیئے (۷۷)۔ محمد بن عبدالعزیز جب روپوش ہو گیا تو اس کی تلاش میں مدینہ کی پوری خانہ تلاشی لی گئی۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ خالد نے اس ڈر سے کہ اس کے عہدے داروں کو دوسرا فریق رشوت دے کر اپنے ساتھ نہ ملالے اس نے اپنے تمام عہدے داروں کو چیک لکھ کر دیئے مگر جب کامیابی نہ ہوئی تو منصور کو اتنی بڑی رقم خرچ کرنے پر افسوس ہوا اس نے محمد بن خالد القسری کو مدینہ کی ولایت سے علیحدہ کر دیا (۷۸)۔

سفری چیک(Traveler Cheque)

چیک یا سفتجہ خصوصاً سفروں میں بہت مفید ہوتے تھے لہٰذا لوگ مقررہ مدت کے لیے اپنی رقم ساہوکاروں کے پاس رکھوا دیتے تھے۔ یہ صراف یا ساہوکار انہیں ایک رقعہ دیتے۔ مسافر یہ رقعہ اس صراف یا ساہوکار کے ایجنٹ کے پاس لے جاتے۔ ایجنٹ رقعہ لے کر اس شخص کو مقررہ رقم ادا کر دیتے۔ اس طرح مسافروں کو چوروں ڈاکوؤں کا خطرہ نہ رہتا۔ ہوتے ہوتے سفتج نے ''سفری چیکوں'' کی حیثیت اختیار کر لی اور عام تاجر اپنے شہر کے بڑے ساہوکاروں سے سفتج لے کر تجارتی سفر کرنے لگے۔ تنوخی نے ایسے ایک شخص کی مثال دی ہے جو سفر کر رہا تھا اور اس کے پاس سوائے پانچ ہزار دینار کے سفتج کے اور کوئی رقم نہ تھی (۷۹)۔

کٹوتی (کمشن)

اس سفتج پر ایک خاص کمشن یا کٹوتی ادا کی جاتی تھی۔ مثلاً علی بن عیسی ہر دینار پر ایک وانق کٹوتی کیا کرتا تھا (۸۰)۔

❑◆❑◆❑

اوزان اور پیمانے

ناپ تول کے پیمانے (۸۱)

1- صاع

ناپنے کا پیمانہ (پانی وغیرہ)

حجازی صاع

صاع= رطل (۸۲)

صاع کا حجم=۲۴.۷۵۱ لیٹر

صاع=۲۷۵۱ مکعب سینٹی میٹر (۲۷۵۱ گرام پانی آتا ہے)(۸۳)

صاع=۴ مد (گیہوں کی مقدار اس حجم کے پیمانے میں جتنی آتی ہے)

صاع=۲۱۷۳.۲۹ گرام=۲ سیر ۲۶ تولہ ۳ ماشہ ۷.۵۱ رتی

عراقی صاع=۸ رطل۔(۸۴)

صاع= مختوم= مختوم سے مراد صاع ہی ہے۔ مختوم اس لیے کہا جاتا ہے کہ حکام نے اس کے بالائی حصہ پر مہر لگادی تھی تاکہ کوئی اس میں کمی یا اضافہ نہ کرسکے(۸۵)۔

2- وسق:(۸۶)

ناپنے کا پیمانہ

ایک وسق=۴۰ صاع=۱۶۵ لیٹر

اس حجم کے پیمانہ میں جو گیہوں کی مقدار آتی ہے اسکے لحاظ سے باعتبار وزن ایک وسق =۳ من ۱۹ سیر ۵۹ تولہ ۵ ماشہ ۲ رتی۔

صاع کی دوسری تحقیق کے مطابق:

ایک وسق=۳ من ۷ سیر ۵ تولہ

3- رطل:(۸۷)

ناپنے کا پیمانہ/تولنے کا پیمانہ

ایک رطل= صاع=۴۰۷،۴۸ مکعب سینٹی میٹر

اس حجم کے پیمانے میں گیہوں کی جو مقدار آتی ہے اس کے لحاظ سے وزن

ایک رطل=۳۴ تولہ ۱۱ ماشہ ۸.۱ رتی

ایک رطل= ۱۲۸ درہم (اور ۱۰ درہم = سات مثقال سونا)

۱۵ صاع=۸۰ رطل

4- مد (۸۸)

ناپنے کا پیمانہ

مد= صاع=۴۸۷.۷۵ مکعب سینٹر میٹر

مد= رطل

اس حجم کے پیمانے میں گیہوں کی جو مقدار آتی ہے اس کے لحاظ سے وزن

ایک مد=۴۶ تولہ ۶ ماشہ ۷۷.۷ رتی

مد=۳ رطل

5- مدی (۸۹)

ناپنے کا پیمانہ

ایک مدی=۲۲.۵ صاع=۶۱.۸۹۷۵ لیٹر

اس حجم کے پیمانہ میں گیہوں کی مقدار

ایک مدی= ایک من ۸ سیر ۵۲ تولہ ۳ ماشہ ۷۵.۳ رتی

دو مدی=۸۰ رطل=۱۵ صاع

فرق=۳ صاع

6- قسط (۹۰)

ناپنے کا پیمانہ

ایک قسط= صاع=۱.۳۷۵۵ لیٹر

اس حجم کے پیمانہ میں گیہوں کی مقدار

ایک قسط= ایک سیر ۱۳ تولہ ایک ماشہ ۵.۷ رتی

7- قفیز (۱) (۹۱)

غلہ ناپنے کا پیمانہ

ایک قفیز=۱۲ صاع=۳۳ لیٹر

اس حجم کے پیمانہ میں گیہوں کا وزن

ایک قفیز=۲۶ سیر ۵۵ تولہ ۱۰ ماشہ ۲ رتی

قفیز (۲)

رقبہ ناپنے کا پیمانہ

ایک قفیز=۱۳۶ امربع میٹر=۱۶۲.۶۴ مربع گز

حجاج قفیز

غلہ ناپنے کا پیمانہ

ایک قفیز حجاج=۸ رطل

حجاجی، قفیز حجاج کا ہی نام ہے

حجاجی=قفیز حجاج=مختوم ہاشمی=۸ رطل

چونکہ عراق کے نزدیک ایک صاع=۸ رطل لہٰذا ان کے نزدیک صاع=مختوم ہاشمی=قفیز حجاج=حجاجی

قفیز سے ناپی اور تولی جانے والی اجناس (۹۲)

گیہوں، جو، مکئی، چاول، دوسرے غلے، تل، پٹ سن، بادام، چلغوزہ، اخروٹ، پستہ، زعفران زیتون، دھنیا، زیرہ رومی، زیرہ، پیاز اور لہسن وغیرہ۔

ہاشمی (۹۳)

غلہ ناپنے کا پیمانہ

ایک مختوم ہاشمی= ہاشمی=۸ رطل

جریب (۱) غلہ ناپنے کا پیمانہ (۹۴)

ایک جریب=۴ قفیز=۴۸ صاع=۱۳۲ لیٹر

اس حجم میں گیہوں کی مقدار

ایک جریب=۲ من ۲۶ سیر ۲۳ تولہ ۶ ماشہ ۱ رتی

جریب (۲)

رقبہ ناپنے کا پیمانہ

ایک جریب=۱۰ قفیز=۱۳۶۶ امربع میٹر=۱۶۲۶.۴ مربع گز

ملجم
صاع = دس مد (۹۵)

10- فرق (۹۵)

ایک فرق = ۳ صاع
فرق = ۶ قسط

11- اوقیہ (۹۶)

ایک اوقیہ = ۴۰ درہم

12- مکوک (غلہ ناپنے کا پیمانہ) (۹۷)

☆ (زکوۃ یا صدقہ فطر کے لیے پیمانہ)

خلیفہ مامون نے یہ سرکاری پیمانہ مقرر کیا تھا
۱ مکوک = صاع = ۱۰ مد

۱۲۰ مکوک = ۵ وسق

۱ مکوک = ۱۵ قفیز

۱۰ مکو = ۱ قفیز ملجم (ہارونی مکوک کے حساب سے) (۹۸)

زکوۃ یا صدقہ فطر دینے کے لیے اگر کوئی کھجور، یا کشمش دیتا تو ایک مکوک ڈھائی شخصوں کے لیے ہوتا۔ کیونکہ اس میں اڑھائی صاع ہوتے ہیں اور اگر کوئی گیہوں دینا چاہتا تو ایک صاع سے کم نہ دیتا ویسے نصف بھی کافی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ایک صاع کھجور یا ایک صاع ''جو'' دینا نصف صاع گیہوں دینے سے بہتر خیال کیا جاتا ہے۔ امام ابوعبیدہ کے نزدیک:

''کفارۂ قسم کے لیے بھی ایک مکوک گیہوں دس مسکینوں میں تقسیم کر دینا کافی ہوگا۔
اس میں ۱۰ مد ہوتے ہیں۔ اس طرح سب کو ایک ایک مدل جائے گا''۔ (۹۹)

13- منا (من) (۱۰۰)

فارس میں چیزیں ''منا'' کے پیمانے سے تولی جاتی تھیں۔ شیراز میں چھوٹا اور بڑا ''دو منا'' تھے۔

1:- بڑا منا = ایک ہزار چالیس درہم کا ہوتا تھا۔ سوائے اردبیل کے اور کسی علاقے میں اس ''منا'' کے استعمال ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔

2:- دوسرا منا بغداد کا تھا۔ جس کا وزن = دو سو ساٹھ درہم تھا۔ یہ من پورے فارس اور مسلمان علاقوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اگرچہ دوسرے مسلمان علاقوں میں ان کے اپنے اوزان بھی تھے جیسا کہ:

بیضا میں منا = آٹھ سو درہم

اصطخر میں منا	=	چار سو درہم
خرہ میں منا	=	دو سو اسی درہم
سابور میں منا	=	تین سو درہم
اردشیر اور خرہ میں اور اس کے کچھ نواحی علاقوں میں	=	دو سو چالیس درہم
طبرستان میں	=	چھ سو درہم (۱۰۱)

پیائش کے پیمانے (۱۰۲)

چونکہ "خراج مساحت" "معین پیائش پر" "بمقدار معین" ہوتا تھا لہٰذا اس کے لیے تین مقداروں کا جاننا ضروری ہے۔

i:- "مقدار جریب" باعتبار ذرائع (ہاتھ) جس سے پیائش کی جائے۔

ii:- "مقدار درہم" جو خراج میں لیا جائے۔

iii:- "مقدار کیل" جس سے پیمانہ کر کے لیا جائے۔

جریب	=	۱۰×۱۰ اقصبات
قفیز	=	۱۰×۱ قصبہ
عشیر	=	1 x 1
قصبہ	=	۶ ذراع
ایک جریب	=	۳۶۰۰ مربع ذراع
ایک قفیز	=	۳۶۰ مربع ذراع جو جریب کا عشر ہے
عشر	=	۳۶ ذراع ہوا جو قفیز کا عشر ہے

ذراع کی اقسام (سات) (۱۰۳)

1- قاضیہ	سب سے چھوٹا، (ذراع دور بھی کہتے ہیں)
2- یوسفیہ	پہلے سے بڑا
3- سودا	دوسرے سے بڑا
4- ہاشمیہ صغریٰ	تیسرے سے بڑا اسے "بلالیہ" بھی کہتے تھے
5- ہاشمیہ کبریٰ	چوتھے سے بڑا یہ "زیادہ" بھی کہلاتا تھا
6- عمریہ	پانچویں سے بڑا
7- میزانیہ	چھٹے سے بڑا

1-ذراع قاضیہ

(ذرائع دور بھی کہلاتا تھا) ذراع سودا سے انگشت چھوٹا ہے۔ اس کو ابی لیلی نے ایجاد کیا تھا۔ باشندگان کلواذلی اپنے معاملات اسی سے کرتے تھے۔

2-ذراع یوسفیہ

ذراع سودا سے انگشت کم ہے۔ اس سے بغداد کے قاضی مکان کی پیائش کرتے تھے۔ اسے قاضی ابو یوسف نے ایجاد کیا۔

3-ذراع سودا

ذراع یوسفیہ سے انگشت بڑا ہے۔ اس سے لوگ کپڑوں کی تجارت نیل،مصر اور مکانات کی پیائش کرتے تھے۔اسے ہارون الرشید نے اپنے سیاہ فام خادم کے ہاتھ سے ناپ کر ایجاد کیا تھا۔

4-ذراع ہاشمیہ صغریٰ

اسے بلالیہ بھی کہتے ہیں۔ یہ سودا سے انگشت بڑا ہے۔ اس کو بلال بن ابی بردہ نے ایجاد کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اسے ان کے دادا ابو موسیٰ اشعری نے ایجاد کیا۔ بصرہ اور کوفہ میں اس سے لین دین ہوتا تھا۔ یہ ذراع زیادیہ سے حصہ کم ہے۔

5-ذراع ہاشمیہ کبریٰ

یہ شاہی ذراع ہے۔ اس کو ہاشمیہ کی طرف سب سے پہلے منصور نے منتقل کیا۔ یہ ذراع سودا سے انگشت بڑا ہے ۔ لہٰذا ذراع سودا سے اس کی پیائش ایک ذراع ایک ثمن یا ایک عشر ہوئی۔ ہاشمیہ صغریٰ اس سے حصہ کم ہے۔

اس کو زیادیہ اس لیے کہتے ہیں کہ زیاد نے سواد کی زمین اس سے پیائش کی تھی۔ اہواز کی زمینیں بھی اس سے ناپی جاتی تھیں۔

ذراع عمریہ

یہ عمر بن الخطابؓ کی ایجاد ہے۔

حذیفہ اور عثمان بن حنیف کا ذراع ایک ہاتھ ایک مٹھی مع کھڑا انگوٹھے کے تھا۔

ایک فرسخ=۲۲۵۰۰ جریب

ایک جریب=۳۶۰۰ مربع ذراع

ایک ذراع=ایک ہاتھ ایک مٹھی انگوٹھے کے ساتھ (عثمان بن حنیف کے)

شیراز میں پیائش کے لیے جریب استعمال ہوتا تھا۔ جو کہ اس طرح ہوتا تھا:(۱۰۴)

ایک جریب = دس قفیز

ایک قفیز = سولہ رطل

ایک رطل = ایک سوتیں درہم

قفیز ایک مستقل پیانہ ہے اس لیے آدھا اور چوتھائی قفیز بھی ہوتا تھا۔ قفیز کو شابرقان بھی کہتے تھے۔ یہ حجاجی مہر شدہ ہوتا تھا۔

اصطخر کا جریب شیراز کے جریب سے آدھا ہوتا ہے۔

بیضاء کے پیانے اصطخر کے پیانوں سے ایک عشر یا نصف عشر زیادہ ہوتے تھے۔

ارجان کے پیانے شیراز کے پیانوں سے ایک چوتھائی زیادہ ہوتے تھے۔

نسا کے پیانے شیراز کے پیانوں سے دسواں حصہ کم ہوتے تھے۔

ایک بڑا جریب = تین چھوٹے جریب اور دو تہائی جریب کے برابر ہوتا تھا۔

چھوٹا جریب = ۶۰x۶۰ گز (شاہی گز) کا ہوتا تھا۔

شاہی گز = ۹ مٹھیاں ہوتی تھیں

دارالعیار (اوزان کی جانچ پڑتال کا دفتر) (۱۰۵)

اوزان اور پیانوں کی جانچ پڑتال کے لیے باقاعدہ ایک آفس قائم تھا جہاں تمام دکانداروں کو مقررہ اوقات میں اپنے اوزان اور پیانوں کو لے کر حاضر ہونا پڑتا تھا۔ جہاں ان کی باقاعدہ جانچ کی جاتی تھی۔ اگر وہ کم نکلتے تو انہیں نئے خریدنا پڑتے یا ان کی اصلاح کرنا پڑتی تھی۔ اس دفتر کو دارالعیار کہتے تھے۔ اس دارالعیار کا خرچ دیوان سلطانی سے ادا کیا جاتا تھا۔ اس میں پیتل، لوہا، لکڑی، اور شیشہ (بوتل) وغیرہ کے پیانوں کی پیائش کی جاتی تھی۔

کارکنوں اور نگرانوں کی تنخواہیں بھی یہیں سے ادا کی جاتی تھیں۔ اس میں محتسب یا محتسب کا نائب حاضر ہوتا اور اپنے سامنے پیائش کرواتا تھا۔ اگر پیائش درست نکلتی تو درستگی کے دستخط کر دیتا۔ ورنہ اسے دوبارہ تیار کرنے کا حکم دیتا۔ یہاں نمونے بھی رکھے ہوئے ہوتے تھے جن سے اوزان کی پیائش کی جاتی تھی۔ انہیں کے مطابق معیار قائم کیا جاتا تھا۔ فروخت کنندہ (دکاندار) کو محتسب کے پاس آلات کے ساتھ حاضر ہونا پڑتا تھا۔ کمی پر سخت سزا بھی دی جاتی تھی۔

اوزان کی ساخت (۱۰۶)

درھموں دیناروں کی شکل کے اوزان شیشے سے بنا کر رکھے جاتے تھے۔ جنہیں سنجات (صنجات) کہتے تھے اور اس پر وہی عبارت لکھی جاتی تھی جو ان درہم و دینار پر لکھی جاتی تھی۔ شیشے کے اس لیے بنائے جاتے تھے کہ اس پر گرمی اور سردی کا اثر نہ ہوسکے۔

عہد حاضر میں فرانسیسیوں کے ہاں اعشاری اوزان اور پیانوں کے تعین کے لیے بھی یہی طریقہ استعمال ہوتا ہے (یعنی وہ بھی شیشے ہی کے معیاری اوزان بنا کر رکھ لیتے ہیں) لہٰذا وہ چیز جسے امام کہا جاتا ہے شاید وہ چیز بھی یہی ہو (۱۰۷)۔

سرکاری اوزان اور عوامی اوزان میں فرق

سرکاری باٹ ایک مثقال میں ایک قیراط زیادہ تھا اور اس سے وہ لین دین کرتے تھے۔ جیسا کہ خلیفہ الناصر کے بیٹے خلیفہ الظاہر نے اپنے وزیر کو خط لکھا کہ

> ''اس سے لین دین کیا جائے اور سرکاری نقصان کی پرواہ نہ کی جائے۔ جو سرکاری خزانے کو ۳۵ ہزار دینار سالانہ پہنچتا ہے''۔(۱۰۸)

□♦□♦□

باب پنجم

حواشی وماخذ

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، "معاشیات"، ۱۴: ۴۴۱

(۲) ایضاً

(۳) مقدمہ ابن خلدون، ۲۶۱

ایک روایت یہ بھی ہے کہ عراق میں درہم و دینار ۷۰ ھ میں مصعب بن زبیر نے ڈھلوائے تھے۔

(۴) فتوح البلدان، ۳: ۶۵۶۔۶۵۷

(۵) مقدمہ ابن خلدون، ۲۶۱

(۶) ایضاً

(۷) فتوح البلدان، ۳: ۶۵۶۔۶۵۷

(۸) کتاب الوزرأء والکتاب، ۲۸۸

(۹) کتاب الخراج (ابو یوسف)، ۵۳، ۵۴، کتاب الاموال، روایت ۱۵۶۸، ۱۶۱۸، ۱۶۲۰

ابو عبیدالقاسم ، بن سلام، کتاب الاموال، تحقیق تعلیق محمد خلیل هراش ، دارالفکرالقاهره، الطبع الثانیه، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء

ابی یعلیٰ محمد بن الحسین ، الفراء الحنبلی قاضی، الاحکام السلطانیه، بمطبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولاده بمصر الطبعة الاولی ۱۳۵٦ھ/۱۹۳۸ء

(۱۰) رسائل مقریزی، ۹

(۱۱) الفہرست، ۲۵۸

(۱۲) العزاوی، المحامی عباس، تاریخ النقود العراقیه (لمابعد العهود العباسیه) تحتوی علی مطالب تاریخه ، تحقیقات ۶۵٦ھ/۱۳۳۵ء، سیاسیه، مالیه وادار یه واجتماعیه، طبع شرکة التجارة والطباعة، بغداد ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء، ۲۲

(۱۳) ایضاً

(۱۴) تاریخ الطبری، ۷: ۲

(۱۵) مقدمہ ابن خلدون، ۲۲۵

(۱۶) ایضاً، ۲۶۱

(۱۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۹: ۵۷۱

(۱۸) تاریخ المسعودی ۴: ۴۸ میں ہے کہ "المامون نے علی بن موسیٰ رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو دراہم ودنانیر پر انکا نام ڈھالا"۔

مقدمہ ابن خلدون میں صفحہ نمبر ۲۶۱ پر ہے کہ:

"ہارون الرشید کے عہد میں خلیفہ کا نام سن اور تاریخ سکہ پر لکھے جانے لگے"۔

جبکہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد نمبر ۹ صفحہ نمبر ۱۷۵ پر ہے کہ

"۱۷۰ھ تک دینار پر کسی کا نام درج نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بعد مہتمم دارالضرب کا نام لکھا جانے لگا اور ۱۹۸ھ تک سکوں سے دارالضرب کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ خلیفہ امین و مامون کے سکوں پر ان کے نام درج تھے اور المعتصم کے زمانے سے خلیفہ کا نام، باقاعدگی سے لکھا جانے لگا۔ جبکہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی جلد نمبر ۱۵ صفحہ نمبر ۱۰۱۱۔۱۰۱۲ میں ہے کہ "ہارون الرشید" کے عہد میں سکوں پر سن اور دارالضرب کا نام بھی لکھا جانے لگا"۔

(۱۹) محمود النقشبندی، الدینار الاسلامی، بغداد، ۱۹۵۳ء، ۴۵

(۲۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، متفرقات، ۱۵: ۱۰۱۲

(۲۱) ایضاً

John Walker, A Catalogue of the Mohammaden Coins,London, 1967

(۲۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لفظ فلس، ۴۶۴

(۲۳) ایضاً، ۱۸

(۲۴) کتاب الخراج، امام ابو یوسف، ۴۰۔۴۲

احکام الاسلطانیہ، (ابو یعلی) ۱۵۸۔۱۶۲

کتاب الاموال، (ابو عبید القاسم)، ۵۰۰۔۵۰۱، مقدمہ ابن خلدون ۲۶۳

(۲۵) نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل، ۹۷۔۱۰۱

عباسی معیشت کے تمام سکوں کو سیر، ماشہ، رتی اور گرام، کلو گرام، یا لیٹر میں نجات اللہ صدیقی نے اسلام کا نظام محاصل کے مقدمہ میں صفحہ ۹۷ سے ۱۰۱ تک پیش کیا ہے۔

(۲۶) کتاب الخراج، ابو یوسف، ۴۰۔۴۲، احکام السلطانیہ، (ابو یعلی) ۱۵۸

کتاب الاموال، (ابو عبید القاسم)، روایت نمبر ۱۶۲۴، ۱۶۲۵

المسالک والممالک، (اصطخری)، ۹۴، مقدمہ ابن خلدون ۲۶۳

(۲۷) کتاب الاموال، (ابو عبید القاسم)، روایت نمبر ۱۶۲۴، ۶۳۰۔۶۳۱

مقدمہ ابن خلدون، ۲۶۳

(۲۸) ایضاً
(۲۹) کتاب الاموال، ابوعبید القاسم، روایت نمبر ۱۶۲۴، ۶۲۹۔۶۳۰
فتوح البلدان، البلاذری، ۶۵۲، مقدمہ ابن خلدون، ۲۶۳
(۳۰) کتاب الاموال، ابوعبید القاسم، روایت نمبر ۱۶۰۶، ۱۶۲۴
مقدمہ ابن خلدون ۲۶۱
(۳۱) فتوح البلدان ۲: ۶۵۴۔۶۵۵
(۳۲) ایضاً
(۳۳) ایضاً
(۵۹) ایضاً، ۵۳۳
(۶۰) ایضاً ۴۶۲
(۶۱) تاریخ الطبری، ۷: ۱۱۴
(۶۳) ایضاً، ۱۷۱
(۶۴) تاریخ الطبری، ۷: ۱۷۹، الفخری، ۱۶۷، وفیات الاعیان، ۱: ۲۸۸، تاریخ الخلفاء، (العرانی)، ۱۰۱۔۱۰۲
(۶۵) تاریخ الطبری، ۷: ۲۶۲۔۲۶۳
(۶۶) ایضاً، ۳۱۹
(۶۷) تاریخ التمدن الاسلامی، (جرجی زیدان) ۲: ۵۴۔۵۷
(۶۸) تاریخ المسعودی، ۴: ۲۳۲
(۶۹) الفہرست، ۲۵۸
(۷۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لفظ دینار، ۹: ۵۷۳
(۷۱) اخبارات، جنگ، نوائے وقت وغیرہ میں۔
(۷۲) F.Lokkeguard, Islamic Taxation in the Classical Period, Copen Hegun, 1950,63 to 65
(بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۸: ۷۰۱)
(۷۳) R.Grasshoff, Die Suftaga and Hawala der Arabes گوٹنگن، ۱۸۹۹ء (بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۸: ۷۰۱)
W.J.Fischel:Jews in the Economic and Political Medieal Islam.
رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے خصوصی مقالات، لندن، ۱۹۳۷ء، ۳۲: ۲ تا ۳۵
(۷۴) تاریخ الطبری، ۷: ۳۴۳

(۷۵) ایضاً، ۳۴۳
(۷۶) ایضاً ۶: ۴۴۶۔۴۴۷
(۷۷) ایضاً، ۷: ۲۱۲
(۷۸) ایضاً ۷: ۱۶۷
(۷۹) الصابی، ابی الحسن الہلال بن الحسن بن ابراہیم، کتاب تحفۃ الامراء، فی تاریخ الوزراء، بمطبعہ الاباء الیسوعیسن، ۱۹۰۴ء، ۸۱
(۸۰) ایضاً
(۸۱) کتاب الخراج (امام ابو یوسف) ۵۳۔۵۴
کتاب الاموال، (امام ابو عبیدہ القاسم)، روایت نمبر ۱۵۸۴، ۱۶۲۳
ضیا الدین الریس، محمد الدکتور، الخراج والنظم المالیہ للدولۃ الاسلامیۃ مکتبۃ الانجلوا المصریہ، الطبۃ الثانیہ، ۱۹۶۱ء، ۳۰۴
(۸۲) یہ اہل حجاز کا قول ہے۔ فقہا عراق کے نزدیک صاع = ۸ رطل، امام ابو یوسف نے کتاب الخراج (ص ۵۳) میں حجاز کا قول دیا ہے۔
(۸۳) گیہوں اور پانی کے ثقل کی باہمی نسبت ۷۹ اور ۱۰۰ کی ہے۔
(۸۴) کتاب الاموال، روایت نمبر ۱۵۹۲، ص ۶۲۲
(۸۵) ایضاً، روایت نمبر ۱۵۹۱
(۸۶) ایضاً، شق نمبر ب ۱۵۸۸، ص ۶۲۲
کتاب الخراج، ۵۳۔ ۵۴
(۸۷) کتاب الخراج، ۵۱، کتاب الاموال، روایت نمبر ۱۶۲۳، ۶۲۸۔۶۲۹
(۸۸) ایضاً، ۱۵۹۲، ص ۶۲۳
(۸۹) ایضاً، ۱۶۰۶، ص ۶۲۴
(۹۰) ایضاً، ۱۵۸۴، ص ۶۲۰
(۹۱) ایضاً، ۵۳
(۹۲) ایضاً، ۵۱
(۹۳) ایضاً
(۹۴) ایضاً
(۹۵) ایضاً، ۱۶۱۷، ص ۶۲۰، ۶۲۸
۱۵۸۴، ۱۶۰۹، ص ۶۲۵۔۶۲۶

(۹۵) ایضاً، ۱۶۱۷، ص ۶۲۰، ۶۲۸

۱۵۸۴، ۱۶۰۹، ص ۶۲۵۔۶۲۶

(۹۶) کتاب الاموال، ۱۶۲۴

(۹۷) ایضاً، ۱۶۱۸

(۹۸) ایضاً، تاریخ الطبری، ۷: ۱۵۶

(۱۰۰) المسالک والممالک، (اصطخری)، ۹۴

(۱۰۱) معجم البلدان، ۶: ۷۵

(۱۰۲) الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد حبیب البغدادی، الاحکام السلطانیہ الولایات الدینیۃ، بمطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر، الطبعۃ الاولی، ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰، قاہرہ، ۱۵۲

(۱۰۳) الاحکام السلطانیہ (ابویعلی)، ۱۵۷۔۱۵۸

الاحکام السلطانیہ، (الماوردی)، ۱۲۴، ۱۵۲۔۱۵۳، ۱۷۳۔۱۷۵

(۱۰۴) المسالک والممالک (اصطخری)، ۹۴

(۱۰۵) الخطط (المقریزی)، ۴۶۳۔۴۶۴

(۱۰۶) النقود العراقیہ، ۲۳

(۱۰۷) ایضاً

(۱۰۸) ایضاً

□♦□♦□

فہرست مصادر و مراجع

1- عربی کتب

(۱) القرآن الحکیم

(۲) ابن الاثیر الجلدری، ابو الحسن علی بن احمد ابو المکرم محمد بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد، الشیبانی، تاریخ الکامل، المطبعة الاظھریه، المصریه، ۱۳۰۱ھ

(۳) احمد امین، ضحی الاسلام، دارالکتاب العربی، بیروت ، لبنان ، الطبعة العاشره

(۴) احمد السعید سلیمان الدکتور، تاریخ الدول الاسلامیه و معجم الاسرار الحاکمه دارالمعارف، بمصر ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء

(۵) احمد سلبی، الدکتور،التاریخ الاسلامی والحضارة الاسلامیه، مکتبه النهضه المصریه، قاهره ۱۹۶۲ء

(۶) ازرقی، عبدالوحید، محمد، اخبار مکه ازرقی،و سٹنفیلڈ(Wustenfeld) ، ۱۸۵۷.۶۱ء

(۷) اصبهانی ، ابوالفرج، کتاب الاغانی، القاهر،۱۹۲۷.۱۹۳۶ء

(۸) اصطخری ابی اسحاق ابراهیم بن محمد الفارسی، بتحقیق، الحسینی محمد جابر عبداعال محمد شفیع غربال، ادارة العامه للثقافه، الجمهوریه العربیه المتحده، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء

(۹) اصفهانی، حمزة بن الحسن،تاریخ سنی ملوک الارض والانبیاءؑ،دارمکتبه الحیاة، بیروت

(۱۰) ابن ایاس، ابی زکریا یزید بن محمد القاسم الازدی تاریخ موصل، بتحقیق علی حبیبه ، الدکتور،القاهره، ۱۳۸۷ھ /۱۹۶۸ء

(۱۱) بارٹولڈ ایف، تاریخ الحضار ة الاسلامی، عربی ترجمه، حمزه طاهر القاهره،۱۹۴۲ء

(۱۲) ابن بطوطه، شرف الدین محمد بن عبداللّٰه بن محمد بن ابراهیم، تحفه النظار فی غرائب الامصار الاسفار، دارالکتاب المصری

(۱۳) البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، کتاب فتوح البلدان، مکتبه النهضیه المصریه قاهره

(۱۴) ابن تغری ، جمال الدین ابی المحاسن یوسف، النجوم الزهره فی علوم مصر والقاهره، طبعه دارالکتب، مصریه

(۱۵) التنوخی، ابی المحسن بن علی ،نشوار المحاضره واخبار المذاکره/ بتحقیق عبود الشانجی المحامی

(۱۶) الجاحظ، ابوعثمان بن بشر ، التاج فی اخلاق الملوک، دارالفکر، دارالجاربیروت

۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء
(۱۷) ایضاً ،تذکرة الحفاظ، بیروت
(۱۸) جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، مکتبه الهلال، ۱۹۳۵ء
(۱۹) الجزیری، عبدالرحمان، کتاب الفقهه، مکتبة التجاریة الکبریٰ دارالفکر، بیروت ۱۹۶۹ء
(۲۰) الجنیدل، احمد بن عبدالرحمان، منهاج الباحثین فی الاقتصاد الاسلامی، شرکة العبیکان للطباعة والنشر، الریاض، ۱۴۰۶ھ
(۲۱) ابن الجوزی، جمال الدین ابی الفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد بن علی، کتاب صفة الصفوة ، بمطبعه مجلس دائرة المعارف العثمانیة الکائنة، حیدر آباد دکن،۱۳۵۵ھ
(۲۲) ایضاً ، تبلیس ابلیس، ادارة الطباعة المنیریه، دارالکتب العلمیه، بیروت، لبنان
(۲۳) ایضاً ،مناقب بغداد، مطبعه دارالاسلام بغداد۱۳۴۲ھ/۱۹۲۱ء
(۲۴) ایضاً، المنتظم فی تاریخ الاُم الملوک ، دارالکتب، العلمیه، بیروت، لبنان
(۲۵) الجهشیاری، کتاب الوزراء والکتاب، بتحقیق،مصطفی اسقا ابراهیم الابیاری، عبدالحفیظ شبلی، مطبع، مصطفی البابی الحلبی واولاده بمصر القاهره، طبع اولی، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء
(۲۶) حسن ابراهیم حسن الدکتور، تاریخ الاسلام السیاسی والدینی، الثقافتی والاجتماعی، مکتبه النهضة المصریه، بالقاهره،۱۹۶۵ء
(۲۷) ایضاً، النظم الاسلامیه بحث فی النظم السیاسیة، والاداریه، والمالیه، والقضایة و فی نظام الرق عند المسلمین فی کل العهود مکتبه النهضیة المصریه، بمصر، طبعة الاولی ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء
(۲۸) ابی حنیفه احمد بن داؤد، کتاب الاخبار الطّول، الطبعة اولیٰ بمطبع بریل، لیدن، ۱۸۸۸ء
(۲۹) ابن حوقل، ابی القاسم، کتاب صورة الارض، دارالمکتبة الحیاة، بیروت
(۳۰) ابن خرداذبه ، المسالک والممالک، بمطبع بریل، لیدن،۱۳۰۶ھ
(۳۱) الخطیب بغدادی، ابی بکر احمد بن علی حافظ ،تاریخ بغداد اومدینة الاسلام، مطبعة السعادة، بمصر،۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء
(۳۲) الخضری بک، محمد الشیخ، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیه(الدوله العباسیه) المکتبة التجارة الکبری،بمصر۱۹۷۰ء
(۳۳) ابن خلکان، ابی العباس شمس الدین احمد بن محمد ابی بکر، وفیات الاعیان وابناء الزمان دارالثقافة، بیروت ، لبنان
(۳۴) ابن خلدون ، عبدالرحمان بن محمد، مقدمه ابن خلدون، مطبعة مصطفی محمد، المکتبة التجارة، مصر

(۳۵) ایضاً کتاب العبرو دیوان المبتد اء والخبرفی ایام العرب والعجم وبربرومن،
عاصر هم من ذوی السطان الاکبروهو تاریخ وحیه عصره، مکتبة المدرسة، بیروت ۱۹۵۸ء
(۳٦) الدوری، عبدالعزیز،دکتور، النظم الاسلامیة، الخلافة الضرائب،الدواوین والوزارة مطبعه نجیب بغداد ۱۹۵۰ء طبعة الاولیٰ
(۳۷) الدینوری، الفقیهه ابی محمد عبداللّٰہ بن مسلم بن قتیبه امام، الامامتوالسیاسة، مطبعة مصطفی البابی الحلبی واولاده بمصر،۱۳۵٦ھ/۱۹۳۷ء
(۳۸) ذهبی ، ابو عبداللّٰہ شمس الدین امام، تذکرة الحفاظ، بمطبعه مجلس دائره المعارف النظامیه الکائنة فی الهند، حیدر آباد الدکن ،۱۳۳۳ھ
(۳۹) ایضاً، کتاب دوم الاسلام، بمطبعة جمیعة دائره المعارف العثمانیه بما حمة الدولة الاصفة حیدر آباد دکن ۱۳٦۴ھ
(۴۰) راغب اصفهانی ، امام معجم مفردات الفاظ القرآن ، المکتبة المرتطویه
(۴۱) ابن رسته، ابی علی احمد بن عمر، کتاب الاعلاق النفسیة، بمطبع بریل ۱۸۹۱ء
(۴۲) ابن سعد، محمد کاتب الواقدی، کتاب الطبقات الکبیرات، بمطبع بریل لیدن،۱۳۴۸ھ
(۴۳) رشید رضا، محمد سید، الامة الخلافة العظمی، قاهره، ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۲ء
(۴۴) السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر ، تاریخ الخلفاء، مکتبه التجارة الکبری بمصر، الطبعة الثالثة ۱۳۸۳ھ / ۱۹٦۴ء
(۴۵) الشافعی، ابو عبداللّٰہ محمد بن ادریس امام، کتاب الام، المطبعة الکبری لامیریة، بولاق، مصر، ۱۳۲۱ھ/۱۹۲۲ء
(۴٦) الصابی، ابی الحسن الهلال بن المحسن بن ابراهیم ، کتاب تحفة الامراء فی تاریخ الوزراء، مبطبعة الاباء ایسوعیسن ۱۹۰۴ء
(۴۷) ایضاً، تحفه الامراء فی تاریخ الوزراء، بتحقیق، عبدالستار احمد فراج، داراحیاء الکتب العربیه عیسٰی البابی الحلبی وشرکاء، ۱۹۵۸ء
(۴۸) ایضاً، رسوم دارالخلافه ، بتحقیقی میخائل عواد، مطبعة العانی، بغداد، ۱۳۸۳ھ/۱۹٦۴ء
(۴۹) الصولی، ابی بکر محمد بن یحییٰ ، اخبار الراضی بالله والمتقی لله(اوتاریخ الدولة العباسیه من ۳۲۲ھ الی ۳۳۳ھ) الاوراق، مطبعة البصاری، مصر ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء
(۵۰) ایضاً، ابی بکر محمد بن یحییٰ ، اشعار الاولاد الخلفاء واخبار هم من کتاب الاوراق دارالمیسرة، بیروت، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء
(۵۱) ضیاء الدین الریس، محمد الدکتور، الخراج والنظم المالیه للدولة لاسلامیة مکتبه

الانجلو المصريه لطبعة الثانيه ١٩٦١ء

(٥٢) الطبری،ابی جعفر محمد بی جریر امام، تاریخ الاُمَمُ والملُوک، مطبعة الاستقامة بالقاهره ١٣٥٨ھ/ ١٩٣٩ء

(٥٣) ایضاً، کتاب الجهاد وکتاب الجزیه، واحکام المحاربین من کتاب الفقهاء،لیدن١٩٩٣ء

(٥٤) ایضاً،تحقیق تاریخ الرسل والملوک، ابراهیم، ابو فضل محمد،ء دارالمعارف بمصر،١٩٦٢ء

(٥٥) الطقطقی، ابن طبا طبا محمد بن علی الفخری فی الاداب السلطانیه والدول الاسلامیة المبطعة الرحمانیه، بمصر ١٣٤٥ھ/ ١٩٢٨ء

(٥٦) ابن طیفور، ابو الفداء احمد بن طاهر، کتاب تاریخ بغداد، مطبوعه ایج کیلر لیبیک،١٩٠٨ء

(٥٧) ابن عابد ین، حاشیه رَدّ المختار علی لدُرّ المختار، شرکة مکتبه ومطبعة مصطفی البابی المحلی واولاده بمصر الطبعة الثانیه ١٣٨٦ھ/ ١٩٦٦ء

(٥٨) ابن عبدربه، شهاب الدین احمد، العقد الفرید، طبع بولاق، ١٢٩٣ھ

(٥٩) العزادی، المحامی عباس، تاریخ النقود العراقیه(لمابعد العهود العباسیه) یفتوی علی مطالب تاریخیه، تحقیقات ٦٥٦ھ تا ١٣٣٥ھ، سیاسیه مالیه واداریه وا جتماعیه، طبع مشرکة التجارةوالطباعة،بغداد ١٣٧٧ھ/ ١٩٥٨ء

(٦٠) عبدالرحمن الجزیری، کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه کتاب المضاربه، المکتبة التجارة الکبریٰ،١٩٦٩ء

(٦١) ابی عبیدالقاسم بن سلامٌ امام العظیم الحافظ الحجة، کتاب الاموال، تحقیق وتعلیق ، محمد خلیل هراش من علماء الازهر الشریف للطباعة والنشر والتواریخ القاهره الطبعة الثانیه ١٣٩٥ھ/ ١٩٧٥ء

(٦٢) ابن العمرانی محمد بن علی بن محمد، الانباء فی تاریخ الخلفاء تحقیق و تقدیم ودراسة الدکتور قاسم السامرائی لیدن،١٩٧٣ء

(٦٣) ابوالفتح الابشیهی المحلی، شهاب الدین محمد بن احمد، المستطرف فی کل فن مستطرف داراحیاء التراث العربی بیروت، لبنان،الطبعة الاخیر

(٦٤) ابن الفقیهه ، ابی بکر احمد بن محمد الهمدانی، مختصر کتاب البلدان، بمطبع بریل لیدن، ١٣٠٢ء

(٦٥) ابو الفداء ، عماد الدین اسماعیل ، الکتاب لمختصر فی اخبار البشر دارالفکر، دارالجار١٣٧٤ھ/ ١٩٥٦ء بیروت ص.ب ٣١٩٨

(٢٦) القفطى جمال الدين ابى الحسن على بن يوسف، تاريخ الحكماء ، مكتبه المشنى بغداد، مؤسسةالخانجي مصر١٩٠٣ء

(٢٧) قاسم السامرائى دكتور، (تحقيق وتقديم ودراسة الانباء فى تاريخ الخلفاء، ابن العمرانى محمد بن على بن محمد، ليدن، ١٩٧٣ء

(٢٨) قدامه ، ابو الفرج بن جعفر، كتاب الخراج، وصنعة الكتابت ، مطبوعه ليدن،١٣٠٦ھ

(٢٩) قدامه، ابو محمد عبداللّٰہ بن احمد بن محمد، المغنى، وما مظهرفى الفقه الاسلامى مع الترجيح بين الاقوال بالدليل، على مختصر ابى القاسم عمر بن حسين بن عبدالله بن احمد الحرقى مطبع المنشية بالقلم، بمصر

(٧٠) القزدينى، زكريا بن محمد بن محمود،آثار البلاد واخبار العباد، للطباعة والنشردارالبيروت١٣٨٠ھ/ ١٩٦٠ء

(٧١) القفطى ، جمال الدين ابو الحسن على بن يوسف، تاريخ الحكماء، (مختصر الزوزنى المسمى بالمنتخاب الملتفطات من كتاب اخبار العلماء باخبار الحكماء) مكتبء المثنى ببغداد ومؤسسة الخانجى بمصر١٩٠٣ء

(٧٢) القلقشندى، ابو العباس احمد بن على، تراثنا، صبح الاعشى، فى صناعة الانشاء، الطبعة الاميريه بمصر

(٧٣) ابن كثير محمد عماد الدين ابو الفداء اسماعيل بن عمر بن كثير القرشى الدمشقى، البداية والنهاية فى التاريخ، مكتبه المعارف بيروت.، مكتبه النصر الرياض، الطبعة الاولى، ١٩٦٦ء

(٧٤) الكرمى، آلاب المستاس مارى، النقود العربيه وعلم الحيات، قاهره١٩٣٩ء

(٧٥) الكندى، ابو عمر مْحمد بن يوسف، كتاب الولاة و كتاب القضاة، Corliet,J.R.A.A، ١٨٦١ء

(٧٦) الماوردى ، ابو الحسن على بن محمد حبيب العبرى البغدادى، الاحكام السلطانية والايات الدينية مكتبة ومَطبعة مصطفى البالى الحلبى واولاده، بمصرالطبعة الاولى،١٣٥٠ھ/ ١٩٦٠ ء قاهره

(٧٧) مجلة الاحكام العدليه، مطبعة شعار كو طبع كافة المطبوعات التجارة والملوكة الطبعة الخامسة، ١٣٨٨ھ/١٩٦٨ء

(٧٨) محمود النقشبندى ، الدينار الاسلامى، بغداد، ١٩٥٣ء

(٧٩) مدونه ، احمد ذكى پاشا، كتاب التبصره بالتجارة، حاشيه و تصيح حسن حسنى، عبدالوهاب، القاهره، ١٣٥٧ھ/١٩٣٥ طبع الثانى .

(۸۰) المدور، جمیل،نقله، حضارة الاسلام فی دارلاالسلام قاهره، ۱۳۵۱ ھ
(۸۱) المسعودی، ابو الحسن علی بن الحسین بن علی، مروج الذھب و معاون الجواھر بتحقیق محمد محی ٔالدین عبدالحمید المکتبة التجارة الکبریٰ، مصر ۱۳۷۷ھ /۱۹۵۱ء
(۸۲) ایضاً ،اخیار الزمان، ۷۷ومنّ اباده الحدثان وعجائب البلدان، والفامر بالماء والعمران، مطبعه احمد، الطبعه الاولی،۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۶ء
(۸۳) ایضاً، التنبیه والا شرا۷۷ف، بمطبعة بریل، لیدن، ۱۸۹۴ء
(۸۴) مسکویه، ابی علی احمد بن محمد، کتاب تجارب الامم ، بمطبعة بشرکة التمدن الصناعیه بمصر،۱۳۳۳ھ/۷۷ ۱۹۱۵ء
(۸۵) المقدسی، ابو عبدالله محمد بن احمد، احسن التقاسیم فی معرفة الاقالیم مکتبة خیاط، بیروت، لبنانو
(۸٦) المقریزی، تقی الدین ابی العباس احمد بن عبدالقادر بن محمد، الخطط المقریزیه(المسماة بالمواعظ والاعتبار بذکر الخطط والاثار بتحقیق ذلک باخبار اقلیم مصر والنیل وذکر القاهره وما یتعلق بهاوقلیمها ،موسة الجلی وشرکاء للنشروالتوزیع، جواد حسین، القاهره
(۸۷) المقریزی، احمد بن علی، کتاب النقود القدیم الاسلامیه، بیروت ۱۹۸۹ء
(۸۸) میخائل عواد، نصوص ضائعة من کتاب الوزراء والکتاب لمحمدبن عبدوس الجهشیاری، دارالکتاب اللبنانی، بیروت، اللبنان ، ص. ب ۳۱۷٦
(۸۹) المرغینانی، برهان الدین علی بن محمد ابو بکر، الهدایه فی شرح البدایة، اصح المطالع ، لکهنؤ بهارت، ۱۳۲۱ء
(۹۰) ابن الندیم، محمد بن اسحاق، الفهرست ، المکتبه التجارة الکبری، مطبعة الاستقامه بالقاهره
(۹۱) ابن منظور، محمد بن مکرامام، مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، بتحقیق روحیة الجاس دارالفکر، ۱۹۸۸ء
(۹۲) ولی اللّٰہ شاہ، حجته اللّٰهِ البالِغَۃ المکتبة السلفیه، لاهور۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء
(۹۳) یاقوت حموی، ابو عبداللّٰه بن عبداللّٰه ، لقب شهاب الدین، معجم الادباء، مکتبه عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاء بمصر
(۹۴) ایضاً، معجم البلدان، طبعة السعادة بجوار، محافظه مصر، الطبعة ، الاولی، ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰٦ء
(۹۵) یحییٰ بن آدم، القرشی، کتاب الخراج، مکتبه العلمیه لاهور ۱۳۱۵ھ
(۹٦) الیعقوبی احمد بن ابن یعقوب بن جعفر بن وهب، تاریخ الیقوبی للطباعة دارصادر والشر بیروت ۱۳۷۹ھ/۱۹٦۰ء

(۹۷) اليعقوبی، احمد بن ابی يعقوب ابن واضح الكاتب، كتاب البلدان، طبع فی مدينة ليدن (لمحروسة بمطبعةبريل۱۸۹۲ء

(۹۸) ابی يعلیٰ، محمد بن الحسين الفراء الحنبلی قاضی، الاحكام السلطانيه، شركة مكتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی واولاده بمصر الطبعة الاولی۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۹ء

(۹۹) ابو يوسف ،يعقوب بن ابراهيم، امام ، كتاب الخراج، طبع بولاق، ۱۳۰۲ھ

□♦□♦□

2-اردو کتب

(۱۰۰) احمد امین، ضحیٰ الاسلام، ترجمہ، اسلام پر کیا گزری، مترجم، مولانا عمر احمد عثمانی، دوست ایسوسی ایٹس لاہور

(۱۰۱) اسلم، محمد، ملک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرعی منصوبہ بند، طبع اول ۱۹۸۶ء، ظہیر ایسوسی ایٹس، کلاسیک پبلی کیشنز راولپنڈی

(۱۰۲) ایضاً، اسلام کا معاشی نظام اور اسلامی ریاست کا نظام محاصل، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۸۵ء

(۱۰۳) اسد گیلانی، سید، اسلام کا نظام عشر و زکوۃ، زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

(۱۰۴) محمد اسلم جیراجپوری، تاریخ الامت، مطبع، جامعہ ملیہ علی گڑھ شعبہ تصنیف و تالیف، ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء

(۱۰۵) ایضاً تاریخ اسلام کا جائزہ قرآن کی روشنی میں، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، ۱۹۹۳ء

(۱۰۶) اطہر مبارکپوری، قاضی، خلافت عباسیہ اور ہندوستان، فکر و نظر پبلیکیشنز، سندھ، اپریل ۱۹۸۴ء

(۱۰۷) افتخار حسین آغا، ڈاکٹر، قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا مطالعہ، آرٹ پریس، لاہور، ۱۹۹۲ء

(۱۰۸) افسر خان راجہ آف ڈنڈوت، اسلامی نظام مالیات، لاہور

(۱۰۹) ایضاً، علم الاقتصاد، لاہور، ۱۹۳۰ء

(۱۱۰) امیر علی سید، تاریخ اسلام، مطبع دستگیری، حیدر آباد دکن ۱۹۴۳ء

(۱۱۱) بدالدین چینی مولوی، چین و عرب کے تعلقات اور ان کے نتائج، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ۱۹۴۹ء

(۱۱۲) ابن بطوطہ، شرف الدین محمد بن عبداللہ، بن محمد، تحفۃ النظار فی غرائب الاسفار مترجم محمد حسین مولوی، قومی ادارہ برائے تحقیق و تاریخ و ثقافت، اسلام آباد ۱۹۸۳ء

(۱۱۳) البلاذری، فتوح البلدان، مترجم، سید ابوالخیر مودودی، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۷۰ء

(۱۱۴) بیھجہ لوجوائے، "عراق سرزمین اور باشندے" مترجم محمد ہادی حسین، علمی پرنٹنگ پریس ۱۹۶۷ء

(۱۱۵) برق، غلام جیلانی، ہماری عظیم تہذیب، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۷۱ء

(۱۱۶) ایضاً یورپ پر اسلام کے احسان، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

(۱۱۷) تاج کمپنی، ہم اور ہماری حکمرانی (تاریخ اسلام ابتدائے آفرینش سے ۱۹۵۱ء تک) طبع دوم، خلافت عباسیہ، ۱۳۷۱ھ

(۱۱۸) ایضاً اسلام کی معاشی تعلیمات، اسلام آباد ۱۴۰۲ھ

(۱۱۹) کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، مترجم محمد عبداللہ میمن، میمن اسلامک پبلشرز کراچی، ۱۹۹۳ء

(۱۲۰) الجومرد عبدالجبار ڈاکٹر، خلیفہ ابو جعفر المنصور، مترجم حافظ سید رشید احمد ارشد، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۵ء

(۱۲۱) جی، لی اسٹرینج، بلاد فلسطین وشام بہ عہد حکومت اسلام، مترجم ومقدمہ، بہ عنوان عرب جغرافیہ نویس

(۱۲۲) ایضاً، جغرافیہ خلافت مشرقی، مترجم محمد جمیل الرحمٰن مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۶ء

(۱۲۳) حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام، السیاسی والدینی والثقافتی والا اجتماعی، ترجمہ مسلمانوں کی سیاسی تاریخ، مترجم علیم الدین صدیقی، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۵۹ء

(۱۲۴) ایضاً النظم الاسلامیہ، ترجمہ مسلمانوں کا نظم مملکت مترجم علیم الدین، صدیقی، ندوۃ المصنفین دھلی، ۱۹۴۷ء

(۱۲۵) حالی، الطاف حسین، مسدس، اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۵۷ء

(۱۲۶) ابوالحسن ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۷۴ء

(۱۲۷) ایضاً، تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۸۶

(۱۲۸) ابن خلدون، مقدمہ، ترجمہ، مقدمہ ابن خلدون، مترجم مولانا راغب رحمانی نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۶ء

(۱۲۹) ایضاً، کتاب العبر ودیوان المبتداء والخبر، ترجمہ تاریخ ابن خلدون، خلافت بنو عباس، مترجم علامہ حکیم احمد حسین الہ آبادی، نفیسی اکیڈمی کراچی ۱۹۸۲ء

(۱۳۰) عبدالرحمٰن مولانا، تاریخ اسلام، المطبعۃ العربیۃ، انارکلی، لاہور، ۱۹۵۰ء

(۱۳۱) عبدالرزاق کانپوری، مولانا، البرامکہ، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۷ء

(۱۳۲) رشید اختر ندوی، تہذیب وتمدن اسلامی، (حصہ سوم) مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۳ء

(۱۳۳) رفیع اللہ شہاب، پروفیسر، اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام اور بنکاری نظام، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد دسمبر ۱۹۷۳ء

(۱۳۴) ایضاً، اسلام کا مالیاتی نظام، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء

(۱۳۵) رفیق احمد ڈاکٹر، اقبال کے معاشی افکار اور پاکستان، سٹارلائٹ پریس، لاہور

(۱۳۶) رئیس احمد جعفری، مولانا (ندوی)، آثار امام محمد وامام ابو یوسف، علمی پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۶۰ء

(۱۳۷) ایضاً خلیفہ ہارون الرشید اور اس کا عہد، مقبول اکیڈمی، لاہور

(۱۳۸) ایضاً، آثار امام شافعیؒ، مترجم، سید رئیس احمد جعفری، علمی پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۶۱ء

(۱۳۹) ساحر لدھیانوی، تلخیاں، ظفر برادرز، لاہور نظم، مادام سال نامہ کابل، ۱۹۳۳ء

(۱۴۰) سجاد محمد حافظ تترالوی، اسلام کی معاشی تعلیمات، دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد

(۱۴۱) شبلی نعمانی، المامون، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

(۱۴۲) شفیع محمد مفتی، اسلام کا نظام اراضی، دارالاشاعت کراچی

(۱۴۳) عبدالشکور ترمذی سید مولانا، اسلام کا مالیاتی نظام زکوٰۃ عشر اور خراج کے احکام کتب خانہ جمیلی، لاہور ۱۴۰۰ھ

(۱۴۴) الطبری، تاریخ الامم والملوک، ترجمہ تاریخ الطبری، مترجم مہر محمد ابراہیم، نفیس اکیڈمی، کراچی
(۱۴۵) الطقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ والاول الاسلامیہ، ترجمہ اصول ریاست اور تاریخ ملوک، مترجم مولانا محمد جعفر شاہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان، لاہور،۱۹۶۲ء
(۱۵۶) علماء اکیڈمی، مجلۃ الاحکام العدلیہ، مترجمہ عبدالقدس ہاشمی، شعبہ مطبوعات، محکمہ اوقاف، پنجاب، لاہور
(۱۴۷) عمر ابوالنصر، الہارون، مترجم شیخ محمد احمد پانی پتی، شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، مکتبہ جدید، لاہور۱۹۵۵ء
(۱۴۸) غفاری نور محمد، پروفیسر، اسلام کا نظام مالیات، مکتبہ نعمانیہ، ڈیرہ اسماعیل خان
(۱۴۹) ایضاً، اسلام کا قانون محاصل، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور
(۱۵۰) ایضاً، اسلام کا معاشی نظام، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور،۱۹۹۴ء
(۱۵۱) ایضاً، اسلام کا قانون تجارت، مرکز، تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور
(۱۵۲) فلپ کے حتی، تاریخ شام، مترجم غلام رسول مہر، علمی پرنٹنگ پریس، طبع دوم، لاہور
(۱۵۳) ایضاً، عرب اور اسلام، مترجم پروفیسر مبارزلہ الدین رفعت، محمد معین، پبلشرز ندوۃ المصنفین، دہلی، جولائی۱۹۹۱ء
(۱۵۴) فتاوی ہندیہ، ترجمہ، فتاوہ عالمگیری، قانونی کتب خانہ، لاہور
(۱۵۵) قدامہ، بن جعفر، ابوالفرج، کتاب الخراج، وصنعۃ الکتابت مترجم، سید ابوالخیر مودودی، جامعہ عثمانیہ سرکار والی، حیدر آباد دکن،۱۳۴۰ھ/۱۹۳۰ء
(۱۵۶) القفطی، تاریخ الحکماء، مترجم، برق (کیمبل پور)،۱۹۴۳ء
(۱۵۷) ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ترجمہ تاریخ ابن کثیر، مترجم حافظ سید عبدالرشید ندوی، مولانا اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی کراچی
(۱۵۸) گستاولی بان Civilization des Arabs,(Gustave-le-Bon)، ترجمہ، تمدن عرب، سید علی بلگرامی، مقبول اکیڈمی لاہور
(۱۵۹) الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ترجمہ، اسلامی ریاست کے بنیادی اصول، مترجم مولانا سید محمد ابراہیم، المطبعۃ العربیہ لاہور، اپریل۱۹۸۸ء
(۱۶۰) مبارک علی ڈاکٹر، تاریخ اور آج کی دنیا، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور،۱۹۸۹ء
(۱۶۱) ایضاً، جاگیرداری، فکشن ہاؤس، لاہور،۱۹۹۶ء
(۱۶۲) ایضاً، تاریخ شناسی، فکشن ہاؤس، لاہور۱۹۹۳ء
(۱۶۳) محمود بریلوی پروفیسر، تاریخ ملک عراق، فیروز سنز لاہور،۱۹۵۱ء
(۱۶۴) معین الدین ندوی، احمد، شاہ، تاریخ اسلام، دارالاشاعت، کراچی،۱۹۸۵ء
(۱۶۵) مسلم محمد بخش، اسلام کا نظام بیت المال، مکتبہ خاور، لاہور،۱۹۷۲ء
(۱۶۶) مشتاق اے چوہدری، مسلمانوں کا بلدیاتی نظام، پاک عرب علمی فاؤنڈیشن، لاہور۱۹۸۳ء

(۱۶۷) مظہر الدین، صدیقی ، مولانا ہیگل مارکس اور نظام اسلام، (جدید فلسفیانہ نظریات کی تشریح و توضیح اور اسلامی نظریات کے ساتھ ان کا تقابل) سلسلہ مطبوعات ادارہ دارالاسلام، پٹھانکوٹ، ۱۹۴۳ء

(۱۶۸) ایضاً، اسلامی معاشیات، دارالاشاعت، کراچی

(۱۶۹) موسیو سیدیو، تاریخ عرب، مترجم عبدالغفور رامپوری/ محمد حلیم رودلوی، کراچی، ۱۹۸۶ء

(۱۷۰) نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل، ترجمہ، کتاب الخراج، امام ابو یوسفؒ، چراغ راہ کراچی ۱۹۶۶ء

(۱۷۱) ابن الندیم، الفہرست، مترجم مولانا محمد اسحاق بھٹی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع اول، جون ۱۹۶۹ء

(۱۷۲) ولی اللہ شاہ حجۃ اللہ البالغہ، مترجم عبیداللہ سندھی، مکتبہ بیت الحکمت لاہور ۱۹۵۰ء

❑♦❑♦❑

4-انسائیکلوپیڈیاز (Encyclopedias)/لغات (Dictionaries)

(۱۷۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور

(۱۷۴) اسلامی انسائیکلوپیڈیا، عبدالقیت، جدید پریس، پٹنہ، ۱۹۶۰ء

(۱۷۵) اسلامی انسائیکلوپیڈیا، محبوب عالم، پیسہ اخبار ۱۹۳۹ء

(۱۷۶) زرعی انسائیکلوپیڈیا، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۹ء

(۱۷۷) لسان العرب، ابن منظور، ابی الفضل، جمال الدین محمد مکرم الافریقی، علامہ دار صادر، دار بیروت، ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء

(۱۷۸) المنجد، معجم للغۃ العربیۃ، المکتبۃ الکاثولیکیۃ، بیروت

(۱۷۹) المفہرس، لالفاظ القرآن الکریم، محمد فواد الباقی، مطبق دار الکتاب المصریہ ۱۳۶۴ھ

(۱۸۰) The Dictionary of Islam, Thomas Pateric Huagh, Premeer book house, Lahore.

(۱۸۱) The Encyclopedia of Islam, Arnold T.W. Houstsma, M.T.H. Basret and H.Bawer. Luzac, & Co., London, Lyden, 1913

□♦□♦□

مجلّات

(۱۸۲) "مجلہ تحقیق"، کلیہ علوم اسلامیہ وشرقیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، جلد نمبر ۱۸، ۱۹۹۸ء

(۱۸۳) "مجلۃ الاقتصادی الاسلامی"، عدد ۴۷، شوال ۱۴۰۵ھ / جون ۱۹۸۵ء

□♦□♦□

English Books - 3

(۱۸۴) Adam Madger, Racances of Islam.

(۱۸۵) Ameer Ali Syed, A short History of the Saracens, London Macmillan & Co.Ltd., New York St. Martin's Press, 1953.

(۱۸۶) Arnold T.W., The Caliphat, Oxford, 1924.

(۱۸۷) Ba-Yunus, Ilyas Ahamd, Farid, Islamic Socialogy an introducation, Holder and Stoughton, The Islamic Academy Cambridge, 1985.

(۱۸۸) Bestable, Public Finance, Mackmillan Company, 1917.

(۱۸۹) Dalton, Principles of Public Finance, London, 1940.

(۱۹۰) Djambatan, Amsterdam, Aconcise History of Islam, Netherland, 1957.

(۱۹۱) Daniale Dennelter, Conversian and Poll Tax in Early Islam, Hardword University Press, 1950.

(۱۹۲) Gay,le, Strange, Bughdad during the Abbasid Caliphate, Oxford, 1924.

(۱۹۳) Gibbon, Edward, The History of the decline and fall of the Roman Empire.

(۱۹۴) Gruchy allan G,Comparative Econmic System,Houghton Miffin Co. New York.

(۱۹۵) Hitti K. Philip, Hisoty of the Arabs from the Earliest Times, Macmillan & Co Ltd. Britan 1951.

(۱۹۶) Husaini S.A, Mawlawi, Arab Administration, Solden and Co., Madras-5

(۱۹۷) John, Walker, Catalogue of the Mohammaden Coins, London, 1967.

(١٩٨) Kremer Alferd Von, culturgeschichte des orients unter den chalifen, Vlama 1875, Tanslation,s.Khuda Bukhsh, The Orient Under the Caliphs, Calcutta, 1920.

(١٩٩) Lokkeguard, F.Islamic Taxation in the classical Period, Copen Hegun, 1950.

(٢٠٠) Metz, M. Die Renaissance des Islam (Heidetherg, 1922), Translated into English by Khuda Bakhsh and Margotion London, 1937.

(٢٠١) Muir S.W., The Caliphate, its rise, decline and fall, London, 1963.

(٢٠٢) Nicholson, A. Rynold, Literary History of the Arabs, Cambridge, 1930.

(٢٠٣) Palmer, Haroon-ur-Rashid, London, 1881.

(٢٠٤) Siddiqui S.A., Public Finance in Islam, Lahore, 1948.

Shams. A, bin, Islamic Taxation, London, 1958

University King Abdul Aziz, Montary and Fiscal Economics of Islam, United Kingdom, 1977.

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

□♦□♦□

Institute of Islamic Culture

The Institute of Islamic Culture was founded in 1950 with a view to presenting the ideology of Islam to the modern mind and bringing to Muslim youth a consciousness of their intellectual, cultural and spiritual heritage. Since the modern secular system of education started functioning in the Indo-Pakistan subcontinent and elsewhere in the Muslim world, it has brought about two notable consequences for Muslim youth. Firstly, a progressive decline in their self-consciousness as heirs to a great spiritual civilization with its own distinct intellectual and moral outlook, and secondly a growing scepticism and a questioning attitude towards the validity of religious truth. While a passive acceptance of prevalent beliefs, such as marked the era of our intellectual decline, has been naturally followed by a questioning spirit and is so far a welcome change introduced by the modern system of education. It also calls for proper guidance on the part of the intellectual leaders of Islam, because in the absence of healthy guidance the immature younger generation is likely to lose its way and stumble on subversive doctrines. It is one of the aims of the Institute of Islamic Culture to cater to the spirit of inquiry and questioning among the Muslim youth to make them fully conscious of their intellectual, cultural and moral heritage.

The modern scientific spirit does not accept ready made truths or proceed deductively from simple given propositions. It has brought a spirit of inductive inquiry. The result has been a clash with the religious mode of thought which takes certain propositions for granted and then proceeds deductively. To resolve this conflict between the scientific and the religious attitudes is another main objective of the Institute.

Again, the nature of human problems has changed completely since the birth of the present-day industrial civilization. People are not so much interested in the metaphysical foundation of religion or its doctrinal side now as in its attitude to social problems and the way to which it proposes to tackle them. It is one of the aims of the Institute of Islamic Culture to demonstrate that the Islamic outlook and the fundamental principles of Islam are still capable of giving a lead in the solution of human problems. Thus the Institute has taken upon itself the task of giving a progressive, rational view of Islam to explain its attitude to current problems, and to show how the political, social and economic life of Muslims can be remodeled in accordance with the basic principles and abiding values of Islam, without injury to material prosperity and technical efficiency. With this object the Institute has published, in both the Urdu and English languages, a number of books, pamphlets and treatises written by distinguished scholars explaining the fundamental truths of Islam and their application to modern social, economic, political and intellectual problems. The Institute has also published books on the cultural and religious history of Muslims. It has further published a compendium of the Holy Prophet's (pbuh) traditions, selected from the vast Hadith literature in such a way as to give an idea of the broad, liberal and tolerant teachings of the Prophet. (pbuh) Besides, a few books have been published on the famous poets, mystics and thinkers of Islam like Rumi, Ghazali, Ibn Khaldun, Ibn Taimiyyah, Imam Abu Hanifah, Sayyid Ahmad Khan, Allama Shibli, Altaf Husain Hali, and Maulana Muhammad Ali Jauhar. The Institute includes within its sphere of work translations from Arabic and Persian classics and also modern Arabic and Persian literature on Islam in so far as they bear on our social and intellectual problems. The Institute also publishes a religious and literary monthly magazine in Urdu, Al-Ma'arif, in which contemporary problems are discussed from the Islamic viewpoint.

The Institute has no political or sectarian associations and cschews all controversies in these spheres. It invites the co-operation of all Muslim and non-Muslim intellectuals who are interested in Islam and desire to work for the intellectual regeneration of Muslims from a broad non-sectarian viewpoint.

2 - Club Road, Lahore.
Ph: 042-36305920